تاریخ افغانستان

بحوالہ تاریخ سدوزئی

مؤلف
پروفیسر ڈاکٹر عاشق محمد خان درانی
وائس چانسلر
بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

تذکرۃ الملوک (فارسی)
۷ محرم الحرام ۱۲۵۱ھ مئی ۱۸۳۵ء (ملتان)
مصنف شہزاد علی محمد خان خدکہ سدوزئی

سنگِ میل پبلی کیشنز ۔ لاہور

958 .1 Ashiq M.Khan Durrani , Dr.
Tareekh-e-Afganistan bahawala
Tareekh Sadozai /Dr.Ashiq M.KhanDurrani
.- Lahore : Sang-e- Meel Publications ,
1999.
494 p.
1. Afganistan-Tareekh. I.Tittle

1999
نیاز احمد نے
سنگ میل پبلی کیشنز
سے شائع کی

ISBN 969-35-0978-1

SANG - E - MEEL PUBLICATIONS
25.SHAHRAH-E-PAKISTAN (LOWER MALL) LAHORE, PAKISTAN
phones : 7220100 - 7228143 Fax : 7245101
http://www.sang-e-meel.com email : smp@sang-e-meel.com
Chowk Urdu Bazar Lahore. Pakistan.
Phone : 7667970

والدِ محترم عبدالکریم خان خدکہ سدوزئی

مرحوم ومغفور کے نام!

جن کی تربیت میری زادِراہ اور جن کی شخصیت

کردار اور سیرت میری مشعلِ راہ ہے۔

بابائے افغان احمد شاہ دُرِ دُران پیدائش ۱۷۲۲ء، وفات ۲۰ رجب ۱۱۸۶ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۷۷۲ء

تحریک پاکستان کے نامور راہنما نواب بہادر یار جنگ سدوزئی مرحوم

عرضِ مؤلّف

پس منظر:

سر زمینِ افغانستان میں آزادی کا سورج ۱۷۴۷ء میں طلوع ہوا۔ اس سے قبل صدیوں تک یہ خطۂ شیر مرداں اطراف کے حملہ آوروں کی طالع آزمائی کی آماجگاہ بنا رہا۔ ان حملہ آوروں نے ہمیشہ یہاں کی جری، غیور، نڈر، جفاکش اور بہادر لوگوں کا استحصال کیا۔ انہوں نے اپنے اپنے مفادات کے تحت اس ملک کے حصے بخرے کیۓ اور یہاں کے غریب باشندوں کو روزی کی ترغیب دے کر اور اپنی فوج میں بھرتی کر کے دور و دراز کٹھن پہاڑی علاقوں میں اپنے دشموں کی سرزمین کو فتح کرنے کے لئے انہیں جنگ و ستیز میں جھونکتے رہے اور جابجا سرگرداں رکھا۔ اس میں بڑے بڑے نامور لوگ شامل ہیں۔ محمود غزنوی سے پہلے اور بعد میں بر سر اقتدار آنے والوں نے اسی روایتِ استحصال کو جاری رکھا۔ شہاب الدین محمد غوری کا عہد ہو، یا وسطِ ایشیا کے حکمرانوں کا دور، سبھی نے ان دلیروں کی دلیری سے اپنی اغراض پوری کیں۔ اس سرزمین کے لوگ قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے اور آج بھی قبائلی سسٹم ان کے تحفظ کا ضامن ہے کیونکہ قبیلہ داری کے نظام میں سردار قبیلہ کا یہ فرض بنتا ہے کہ ان کو ہمہ قسم کا تحفظ فراہم کرے۔ ان کی روزی اور معاش کا بندوبست کرے اور چاہے انہیں اپنی سرزمین پر یا دوسرے کی سرزمین پر حملے کی صورت میں لے جائے۔

افغانستان کے قبائل میں دو قبیلے صدیوں سے نامور ہیں۔ ایک ابدالی دوسرا غلزئی۔ مشرقی افغانستان کے سارے علاقے میں غلزئی آباد ہیں جب کہ مغربی افغانستان اور قندھار، فراح، صفا کے اطراف میں ہرات سمیت ابدالی پھیلے ہوئے ہیں۔ ہر قبیلہ اپنے اپنے سرداروں کے ماتحت مزید آگے بٹا ہوا تھا۔ یہ سردار بڑی سطح پر یعنی ابدالی اور غلزئی چراگاہوں پر مسلسل معرکہ آرائی اور جنگ جوئی میں مصروف رہتے چلے آئے ہیں اور یہ لڑائیاں صدیوں پر محیط ہیں۔ ان کے تحت چھوٹے چھوٹے قبائل بھی چراگاہوں کے قضیے پر باہم برسرپیکار رہتے تھے۔ کئی صدیاں اسی نہج پر گزر گئی تھیں۔ حتیٰ کہ سولھویں صدی میں ایران پر عباس شاہ صفوی اوّل کا پرچم لہرا رہا تھا۔ اس کی حکومت کا ڈنکا دور دور تک بج رہا تھا اور افغانستان کے بیشتر علاقوں پر، جن میں ابدالیوں کی سرزمین شامل تھی، اسی صفوی تاجدار کا قبضہ و تسلط تھا اور افغانستان کے، آلوس ابدالی سے متعلق شجاع ودلاور افراد صفویوں کے سپاہیوں کی حیثیت سے ان کے مفادات واغراض کی خاطر جا بجا لڑتے اور حصولِ معاش کے لئے اپنی قیمتی جانیں خطرے میں ڈالتے تھے۔

اسی سولھویں صدی میں وسطِ ایشیا سے برلاس ترک نکل کر ہندوستان پہنچے۔ ظہیرالدین بابر نے مغلیہ حکومت کی بنیاد رکھی۔ جس کے پوتے جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت واقتدار کا جھنڈا اس شان سے لہرایا جو تین صدیوں پر محیط رہا۔ عہدِ اکبری میں افغانستان

ن کے تمام مشرقی علاقوں پر مغل حکومت قائم ہو گئی اور یہ سلسلہ باجوڑ، سوات
سے شروع ہوا اور بعد میں خیبر، جلال آباد تک چلا گیا۔ قلات غلزئی غزنی میں بھی
مغلوں کا جھنڈا لہرانے لگا۔ غلزئی کا تمام علاقہ ان کے زیر تصرف آیا۔ ہرات سے
قندھار کا علاقہ صفوی تاجدار کے زیر نگیں تھا۔

ابائے افغانان :

اسی سولھویں صدی میں آلوس ابدالی کے نامور سپوت سردار امیر سدو
نے افغانستان میں ظہور کیا۔ تمام ابدالیوں نے ان کی بالادستی کو تسلیم کیا۔ ابدالی
فغانستان کے علاقہ جات، ہرات، فراح، صفا، قندھار تک سیاسی اہمیت کا کردار
اکرنے لگے۔ اگرچہ بظاہر انہوں نے صفویوں کی بالادستی قبول کر لی تھی مگر
ندرونی طور پر وہ اپنے آپ کو منظّم کرتے چلے گئے۔ دلیری و شجاعت اور غیرت
ن کے خمیر و ضمیر میں تھی وہ صرف ایسے مناسب موقع کے انتظار میں تھے جب
آزادی کا پرچم لہرادیں۔ ان کی یہ آرزو احمد شاہ سدوزئی کے وجود میں مجسم ہو
ا۔ وہ ابدالی سپوت تھا، اس مردِ حریت پسند نے ۱۷۴۷ء میں آزادیٔ
فغانستان کا پرچم بلند کیا اور وہ ارضِ افغانستان میں 'احمد شاہ درِ دران' کے نام سے
ودار ہوا اور ایک ایسی مستحکم سلطنت کی بنیاد رکھی جو صدیوں سے اپنے تمام تر
نفشار کے باوجود قائم و دائم ہے۔ اس نے افغانستان کی جو حدیں متعین کر دی
ہیں، کوئی بیرونی قوت ان میں ردوبدل نہیں کر سکی۔ ایرانی ہوں یا مغل،
وستانی ہوں یا انگریز یا روسی، افغانستان کے استحکام، آزادی اور وقار کا بال تک

بیکا نہیں کر سکے۔ احمد شاہ درِ دران کے عزم و ہمت اور شجاعت و غیر کا یہ تاریخ ساز کارنامہ افغانستان کے نام سے زندہ و پائندہ ہے۔ اسی سبب سے وہ 'بابائے افغانستان' کے لقب سے ملقب اور معروف ہے۔ وہ افغانستان کا حقیقی معمار اور بانی ہے۔ تمام افغانستانی، خواہ وہ کسی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہوں، اپنے محسنِ حقیقی کے زیرِ بارِ احسان ہیں اور اس کے نامِ نامی کے ساتھ اپنا سر فخر سے بلند رکھتے ہیں۔

احمد شاہ درِ دران چونکہ آلوسِ ابدالی کا عظیم فرزند ہے، امیر ملک سدو کی اولاد سے نسبی تعلق رکھتا ہے، اس لئے یہ ایک تاریخی ضرورت تھی کہ تاریخ کا یہ سنہری باب جو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہے، اسے اجاگر کیا جائے۔

شہزادہ علی محمد خان مصنف تذکرۃ الملوک :

اس سلسلے میں شہزادہ علی محمد خان خدکہ سدوزئی نے جو خالصتاً آلوسِ ابدالی کا سپوت اور امیر سدو کی براہِ راست اولاد میں سے تھا، اس اہم اور وقیع کام کا بیڑا اٹھایا اور ''تذکرۃ الملوک عالیشان'' کے نام سے ایک عظیم الشان قلمی تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ ہم سب کو اس محترم شخصیت کا شکر گزار ہونا چاہیئے جس نے اپنی زندگی کا نصف سے زیادہ بیش قیمت حصہ اس تاریخ نویسی پر صرف کر دیا۔

شہزادہ علی محمد خان کی اس سلسلے میں عزیمت و کوشش لائقِ صد تحسین ہے کہ اس نے یہ تذکرہ لکھتے ہوئے سند و تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس نے بہت سا سفر کیا اور ایران، افغانستان اور ہندوستان کے دورانِ سفر میں اسے جہاں

بھی کوئی مستند تاریخی مواد ملا اور جو بھی حوالہ جات فرامین کی شکل میں یا کتب و
رسائل کی صورت میں ہاتھ لگے ان کو ذوقِ تحقیق کے ساتھ کھنگالا اور ان کو بنیاد
بناتے ہوئے "تذکرۃ الملوک عالیشان" کی تصنیف کا آغاز کیا۔ جو ۷ رمضان
المبارک ۱۲۵۰ھ مطابق ۵ فروری ۱۸۳۵ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس
تاریخِ افغانستان میں مصنف نے ملک امیر سدو کے زمانے سے لے کر اپنے
زمانے تک تمام احوال و واقعات قلم بند کر دیئے ہیں۔ یہ در حقیقت ابدالیوں کی
تاریخ ہے جس کے آئینے میں سدوزئی افراد کے کردار کا بھرپور عکس ملتا ہے۔
اس تاریخ کے حوالے سے ہم دیگر ممالک اور علاقہ جات کے احوال و مناظر کا
بھی مشاہدہ کر سکتے ہیں مثلاً اس زمانے میں ایران اور ہندوستان کے حکمرانوں کی
صورتِ حال کیا تھی اور اسی تاریخ کے مطالعے سے ہم ابدالیوں کی ایک شاخ
بارکزئی کے کردار و عمل سے بھی شناسا ہو سکتے ہیں۔

یہ تاریخ فارسی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اصل نسخہ ۱۱۰۰ صفحات پر
مشتمل ہے۔ اس کا طول و عرض ۷×۹ انچ ہے۔ اصل نسخہ آج تک منظر عام پر
نہیں آیا اور نہ ہی کسی غیر خاندان کے افراد کے حوالے کیا گیا۔ اسے اپنی ہی
تحویل میں رکھتے چلے آئے ہیں۔ یہ غیر مطبوعہ نسخہ ہے اس لئے نہایت وقیع،
اہم اور قابلِ قدر ہے۔

مؤلف کا ذکر:

میں نے ۱۹۶۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے تاریخ میں ایم۔اے کیا۔

بکا نہیں کر سکے۔ احمد شاہ درِ دران کے عزم و ہمت اور شجاعت و غیر کا یہ تاریخ
ساز کارنامہ افغانستان کے نام سے زندہ و پایندہ ہے۔ اسی سبب سے وہ 'بابائے
افغانستان' کے لقب سے ملقب اور معروف ہے۔ وہ افغانستان کا حقیقی معمار اور
بانی ہے۔ تمام افغانستانی، خواہ وہ کسی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہوں، اپنے محسنِ
حقیقی کے زیرِ بارِ احسان ہیں اور اس کے نامِ نامی کے ساتھ اپنا سر فخر سے بلند
رکھتے ہیں۔

احمد شاہ درِ دران چونکہ آلوسِ ابدالی کا عظیم فرزند ہے، امیر ملک سدو
کی اولاد سے نسبی تعلق رکھتا ہے، اس لئے یہ ایک تاریخی ضرورت تھی کہ تاریخ
کا یہ سنہری باب جو لوگوں کی نظر سے پوشیدہ ہے، اسے اجاگر کیا جائے۔

شہزادہ علی محمد خان مصنف تذکرۃ الملوک :

اس سلسلے میں شہزادہ علی محمد خان خدکہ سدوزئی نے جو خالصتاً آلوسِ
ابدالی کا سپوت اور امیر سدو کی براہِ راست اولاد میں سے تھا، اس اہم اور وقیع کام
کا بیڑا اٹھایا اور ''تذکرۃ الملوک عالیشان'' کے نام سے ایک عظیم الشان قلمی
کارنامہ انجام دیا۔ ہم سب کو اس محترم شخصیت کا شکر گزار ہونا چاہئے جس نے
اپنی زندگی کا نصف سے زیادہ بیش قیمت حصہ اس تاریخ نویسی پر صرف کر دیا۔

شہزادہ علی محمد خان کی اس سلسلے میں عزیمت و کوشش لائقِ صد تحسین
ہے کہ اس نے یہ تذکرہ لکھتے ہوئے سند و تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس نے بہت
سا سفر کیا اور ایران، افغانستان اور ہندوستان کے دورانِ سفر میں اسے جہاں

بھی کوئی مستند تاریخی مواد ملا اور جو بھی حوالہ جات فرامین کی شکل میں یا کتب و
رسائل کی صورت میں ہاتھ لگے ان کو ذوقِ تحقیق کے ساتھ کھنگالا اور ان کو بنیاد
بناتے ہوئے "تذکرۃ الملوک عالیشان" کی تصنیف کا آغاز کیا۔ جو ۷/ رمضان
المبارک ۱۲۵۰ھ مطابق ۵/ فروری ۱۸۳۵ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اس
تاریخِ افغانستان میں مصنف نے ملک امیر سدو کے زمانے سے لے کر اپنے
زمانے تک تمام احوال و واقعات قلم بند کر دیئے ہیں۔ یہ در حقیقت ابدالیوں کی
تاریخ ہے جس کے آئینے میں سدوزئی افراد کے کردار کا بھرپور عکس ملتا ہے۔
اس تاریخ کے حوالے سے ہم دیگر ممالک اور علاقہ جات کے احوال و مناظر کا
بھی مشاہدہ کر سکتے ہیں مثلاً اس زمانے میں ایران اور ہندوستان کے حکمرانوں کی
صورتِ حال کیا تھی اور اسی تاریخ کے مطالعے سے ہم ابدالیوں کی ایک شاخ
بارکزئی کے کردار و عمل سے بھی شناسا ہو سکتے ہیں۔

یہ تاریخ فارسی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اصل نسخہ ۱۱۰۰/ صفحات پر
مشتمل ہے۔ اس کا طول و عرض ۷ × ۹/ انچ ہے۔ اصل نسخہ آج تک منظرِ عام پر
نہیں آیا اور نہ ہی کسی غیر خاندان کے افراد کے حوالے کیا گیا۔ اسے اپنی ہی
تحویل میں رکھتے چلے آئے ہیں۔ یہ غیر مطبوعہ نسخہ ہے اس لئے نہایت دقیع،
اہم اور قابلِ قدر ہے۔

مؤلف کا ذکر :

میں نے ۱۹۶۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے تاریخ میں ایم۔اے کیا۔

۱۹۷۵ء میں بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کا قیام ہوا۔ میں ۱۹۷۶ء میں گورنمنٹ کالج ملتان سے بحیثیت ریسرچ سکالر ملتان یونیورسٹی میں منتقل ہو گیا۔ یہاں کے پہلے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر خیرات ابن رسانے بہ ہر لحاظ مجھے خوش آمدید کہا۔ میری راہنمائی کی اور یونیورسٹی میں میری سب سے پہلی رجسٹریشن کرائی۔ جب انہوں نے میرے اس خاندانی نسخے کی بابت سنا تو فرمایا کہ میں پی ایچ ڈی کے لئے ایسا عنوان بناؤں جس میں افغانستان کی تاریخ کے اس پوشیدہ زریں باب کا ذکر آجائے۔ مزید یہ کہ اس کے حوالے سے آج کے پاکستان کی تاریخ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ملتان کی تاریخ کے سنہری باب سے بھی پردہ اٹھنا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے بعنوان "Multan Under Afghans" پی ایچ ڈی کا پروجیکٹ بنایا۔ اس پروجیکٹ میں یہ طے پایا کہ زیادہ پھیلاؤ نہ ہو بلکہ صرف ۱۷۵۱ء سے ۱۸۱۸ء تک ریسرچ کی جائے۔ اس پروجیکٹ میں میرے استاد محترم پروفیسر منور علی خان نے میری ہر طرح کی رہنمائی فرمائی۔ الحمد للہ میرا تحقیقی کام معینہ مدت سے بہت پہلے ختم ہو گیا اور آغازِ سال ۱۹۸۰ء میں بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان نے مجھے پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کر دی۔ مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں اس یونیورسٹی کا پہلا پی ایچ ڈی ہوں اور یونیورسٹی جائن کرنے والے ہراول دستے میں سے ہوں، چنانچہ مجھے اسی سنیارٹی کی بنیاد پر وائس چانسلر مقرر کیا گیا ہے اور اس منصب پر قائم ہوئے مجھے آج ڈھائی سال ہو گئے ہیں۔

تذکرۃ الملوک کی روداد :

میری یہ دیرینہ تمنا تھی کہ میں علی محمد خان کے نوشتہ نایاب قیمتی نسخے تذکرۃ الملوک کا لفظ بہ لفظ اردو ترجمہ چھاپ دوں۔ چنانچہ یہ کتاب، تذکرۃ الملوک کا ترجمہ ہے۔ میں نے صرف فارسی کو اردو ترجمے کی صورت دی ہے اور بہ ہر صورت ایک سلجھے ہوئے اور دلکش ترجمے کے تقاضوں کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ علی محمد خان خدکہ سدوزئی کے چار فرزند تھے، محمد بہرام خان، محمد ضرغام خان، محمد مبارز الدین خان اور اژدر علی خان باپ کی وفات کے بعد بڑے بھائی محمد بہرام خان نے اصل نسخے کے علاوہ اپنے چھوٹے بھائیوں کے لئے منشیوں کی مدد سے اس نسخے کی لفظ بہ لفظ نقول تیار کرائیں اور ایک ایک نسخہ اپنے چھوٹے بھائیوں کو تحفے کے طور پر پیش کیا۔ علی محمد خان رشتے میں میرے دادا عبداللہ خان کے دادا تھے، چنانچہ ایک نسخہ جو سب سے قدیم نسخہ ہے، میرے دادا عبداللہ خان کی تحویل میں تھا۔ وہاں سے میرے تایا عبدالرحیم خان کے پاس، جو کہ میرے والد عبدالکریم خان کے بڑے بھائی تھے، پہنچا اور آج بھی یہ نسخہ ان کے بیٹوں کے پاس موجود ہے۔ اسی طرح ایک نسخہ میرے دادا کے چھوٹے بھائی حفیظ اللہ خان کے پاس تھا جو ان کے پوتے عمر کمال خان ایڈوکیٹ کے پاس پہنچا۔ اسی طرح ایک تیسرا نسخہ میرے نانا عبدالرؤف خان کے پاس تھا جو ان کے پوتے اور میرے ماموں زاد بھائی نعمت اللہ خان درانی کے پاس موجود ہے۔

حرفِ تشکر

آخر میں چند حضرات کا شکریہ میرا اخلاقی فریضہ ہے۔ میں پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی کا نہایت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میرے ترجمے کے مسودے کو جسے میں قسط در قسط لکھتا جاتا تھا، نہایت توجہ کے ساتھ حرف حرف پڑھا، درست کیا اور زبان و بیان کی نوک پلک سنواری۔ ان کی اگاتار توجہ اور مسلسل اعانت سے یہ ترجمہ کتابت کے مرحلے تک پہنچا۔ میں در محمد خان، اسٹنٹ رجسٹرار یونیورسٹی صافی غلزئی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے خالص پٹھانی جذبے سے سرشار ہو کر اس کی پروف ریڈنگ کی۔ محمد جمیل قریشی سینئر سٹینو گرافر، شعبہ اردو کا بھی شکریہ، جنہوں نے نہایت محنت سے اسے کمپوز کیا اور سب سے آخر میں اپنی بیگم کا انتہائی ممنون ہوں جنہوں نے رفیقۂ حیات ہونے کا عملی طور پر بے مثال ثبوت فراہم کیا اور میری اس تحقیقی کوشش میں برابر معاون رہیں۔ تحقیق و ترجمہ میں بہت سے کٹھن مراحل بھی آئے لیکن انہوں نے مجھے مایوس نہ ہونے دیا اور میرا حوصلہ بڑھاتی رہیں۔ کام کے تسلسل کے سبب میری گردن میں درد رہنے لگا انہوں نے برابر میری تیمار داری کی اور میرے عزم کو تازگی بخشتی رہیں۔ میں ان کا بہت احسان مند ہوں۔ اگر میں عمر کمال خان ایڈوکیٹ پھوپھی زاد بھائی کا شکریہ ادا نہ کروں تو یہ ناسپاسی ہو گی کیونکہ انہوں نے اس ترجمے کے سلسلے میں میری معاونت فرمائی۔

یہ کتاب میں اپنے والدِ بزرگوار عبدالکریم خان خدکہ سدوزئی کے نام نامی سے معنون کر رہا ہوں وہ اپنی تمام زندگی میں قدم قدم پر میرے لئے مشعل

راہ رہے اور اپنے فکر و کردار اور سیرت و عمل سے راہِ حیات میں مجھے روشنی دکھاتے رہے ان کی اس مشفقانہ راہنمائی اور برکتوں ہی کا نتیجہ ہے کہ میں ان کی روشن روایتوں کا امین ہوں اور اس منصب تک پہنچا ہوں۔

وہ قبیلہ سدوزئی کے ایک معزز اور نامور فرد تھے۔ قوی ہیکل اور قوی کردار کے حامل تھے۔ کھری بات کرنے والے افغان تھے۔ اللہ نے انہیں جسمانی طور پر طاقتور بنایا تھا۔ دس آدمیوں کے برابر زور آور تھے لیکن ساری زندگی کسی سے کوئی تنازعہ یا جھگڑا نہیں کیا۔ مروت، صلح پسندی اور رواداری ان کی ممتاز صفات تھیں۔ ہمیشہ آہستہ، مدھم اور دل میں اتر جانے والے لہجے میں بات کرتے تھے۔ میری والدہ کا انتقال ۱۹۵۰ء میں ہوا۔ اس وقت میری عمر دس سال تھی۔ میرے والد نے ۱۹۶۰ء میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے وقت میں بیس سال کا تھا، سب سے چھوٹا بیٹا ہونے کے ناطے میں نے دس سال کے قیمتی لمحات اپنے والد کے کمرے میں گزارے۔ میری تمام تر اخلاقی تربیت انہی کی توجہ کا نتیجہ ہے۔ میرے مزاج میں پختگی، بے باکی، مستقل مزاجی اور کام سے لگن سب انہی کی تربیت کا عطیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو جنت الفردوس میں آسودہ رکھے۔ آمین

۱۷-شیر شاہ روڈ ملتان کینٹ

۱۲ردسمبر ۱۹۹۸ء (بروز ہفتہ)

پروفیسر ڈاکٹر عاشق محمد خان درّانی

وائس چانسلر،

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

تذکرۃ الملوکِ عالیشان اور اس کے ترجمہ و تالیف

تاریخ افغانستان

کا

منظوم تعارف

از پروفیسر ڈاکٹر عاصی کر

یہ جو ہیں ڈاکٹر عاشق محمد خان دُرّانی
بہت کچھ ان پہ ہے لطفِ خدا و فضلِ

بہت اوصاف ہیں ان میں، خدا کی مہربانی ہے
انہی میں ایک وصفِ معتبر تاریخ دانی

یہ عالم بھی، معلم بھی، محقق بھی، مورّخ بھی
مقاصد انکے اعلیٰ بھی، عزائم ان کے را

انہوں نے اک مہم سر کی، بہت عمدہ، بہت ذیشاں
خدا کے فضل سے تالیف کی تاریخِ ا

یہ ان سے باخبر ہیں جو رموزِ نکتہ دانی ہیں
کتابیں ان گنت، تحقیق کی صورت میں چھا

بہت تصنیف عالی شان فرمائی مصنف☆ نے
کیا ہے ترجمے کا حق ادا پورا مولف+

مصنف نے اگر مالا میں یہ موتی سجائے ہیں
مولف نے یہ موتی دید کے قابل بنا

زبانِ فارسی کو قالبِ اردو میں ڈھالا ہے
بیاں بھی خوب ہے، اسلوب بھی دلکش

مصنف نے ہمارے سامنے آئینہ رکھا ہے
اس آئینے سے ہر کردار کا چہرہ ابھر

وہ سارے واقعے جنکی صداقت میں نہیں کچھ شک
زمانِ حضرتِ سدّو سے ہیں عہدِ مصنف

بہ ہر صورت مرتب ہے، بہ ہر پہلو مکمل ہے
یہ ہے ترتیب میں آخر، مگر رتبے میں ا

مولف نے کئے ہیں منتشر اجزا بہم بستہ
کہ جیسے چمن کے پھولوں کو بنادے کوئی

خدا رکھے مری خوئے مروّت میرے کام آئی
بڑھایا جا بجا میں نے بھی اس کا حسن

بس اتنا رنگ ہے اس تذکرے کے درمیاں میرا
کہ اندازِ بیاں ان کا ہے اور حسنِ بیاں میرا

☆ شہزادہ علی محمد خان (مصنف)

+ ڈاکٹر عاشق محمد خان دُرّانی (مولف)

ف سدّو کا ہے کردار سورج کی طرح روشن — ہے ان کی روشنی سے آج تک پُر نور ہر آنگن
ری ساری شاخوں میں ہیں انکی عظمتیں ابتک — ہمیں آغوش میں رکھتی ہیں ان کی برکتیں ابتک

رگانِ مکرم فخر کے قابل ہمارے ہیں — ہمارے آسماں کے چاند ہیں، سورج ہیں، تارے ہیں
ہ احمد شاہ درّانی کی شخصیت گراں مایہ — کہ افغانوں کی آزادی کا پرچم اس نے لہرایا
ری سرزمیں اغیار سے آزاد کی اس نے — پھر اپنے عدل سے وہ سرزمیں آباد کی اس نے
سے صد فخر سے کہتے ہیں ہم "بابائے افغاناں" — عطا اس نے کیا اک ملک ہم کو صورتِ احساں
کیفیت تھی اسکے دبدبے کی، صولت و شاں کی — کہ اسکے دم سے نیندیں اڑ گئی تھیں ہند و ایراں کی
وہیبت سے مرجاتے تھے جب فوجیں گزرتی تھیں — جدھر جاتا، فتوحات اس کا استقبال کرتی تھیں
نِ ہند و ایراں کی جہاں تک حدِ وسعت تھی — ہم افغانوں کی، ماضی میں وہاں تک بادشاہت تھی

ہے احمد شاہ درّانی کا ایک اک نقش تابندہ
رہے گا نام اس کا تا ابد تاریخ میں زندہ

اں اس تذکرے سے جتنے احوال و مناظر ہیں — وہ افغانوں کے ادوارِ گزشتہ کے مظاہر ہیں
نوں کا انتظامِ مملکت، العدل و المیزاں — رعیت پروری، فیض و سخاوت، بخشش و احساں
بں اجلالِ شاہانہ، کہیں شانِ امیری ہے — کہیں شاہی میں درویشی، امیری میں فقیری ہے
زیمت، حرّیت، غیرت، شجاعت، رزم آرائی — روایت کی نگہبانی، رواجوں کی پذیرائی
تے آباد خطے ذوقِ تعمیر و زراعت سے — عوام النّاس کے ذہن اور دل جیتے محبت سے

نف نے توازن ہر جگہ پیشِ نظر رکھا — ہمارے روبرو ان کا ہر اک عیب و ہنر رکھا
نمیں خوبیاں تھیں، خامیاں تھیں سب عیاں کر دیں — جہاں جو بھی صداقت تھی، دلائل سے بیاں کر دی
ں بھٹکا نہ رہوارِ قلم راہِ صداقت سے — مورخ نے کیے ہیں پیش دونوں رُخ دیانت سے
لائل سے، سند سے، علم و دانائی سے لکھے ہیں — مصنف نے سبھی حالات سچائی سے لکھے ہیں

ہزاروں عکس ماضی تذکرے سے جھلملاتے ہیں　　گزشتہ داستانیں ہو بہو ہم کو سناتے

ہماری شان وشوکت، فتح ونصرت کے ورق بھی ہیں
اِنہی اوراق میں چند ایک عبرت کے سبق بھی ہیں

اسی مدّ میں مفصّل لکھ دیا ملتان کا ماضی　　مجسّم کر دیا اس ارضِ عالی شان کا ماض

بہت خوش رنگ و پُر تاثیر ہے تحریر ملتاں کی　　حقیقت میں مکمل کھینچ دی تصویر ملتاں

یہاں بکھری پڑی ہیں داستانیں ذرّے ذرّے میں
بہت ہیں حیرت و عبرت کے منظر چپّے چپّے میں

رہے یہ ''تذکرہ'' محفوظ نقشِ جاوداں ہو کر　　ہمیشہ پھول برسائے بہارِ بے خزاں ہو

پڑھے گا جو بھی اس ''تاریخ'' کو، دل سے دُعا دے گا
خدا عاشق محمد خان کو اس کی جزا دے گا

تاریخ سدوزئی

<u>کتب جن سے اخذ واستفادہ کیا:</u>

۱۔ تذکرۃ الملوک عالیشان (فارسی) از شہزادہ علی محمد خان خدکہ سدوزئی
۷ر محرم الحرام ۱۲۵۱ھ مطابق ۵ر مئی ۱۸۳۵ء ملتان

۲۔ زبدۃ الاخبار (فارسی از منشی شیر محمد خان نادر (۱۸۳۲ء مطابق ۱۲۴۸ھ) لاہور

۳۔ خلاصۃ الانساب (فارسی) از حافظ رحمت بن شاہ عالم قتہ خیل

۴۔ تحفۃ الحبیب (فارسی) از ملا فیض محمد ہزارہ (۱۷۷۰ء)

۵۔ فرحت الناظرین از محمد اسلم (۱۷۷۰ء)

۶۔ مخزنِ افغانی (فارسی) از نعمت اللہ (۱۷۰۱ء مطابق ۱۱۱۳ھ)

۷۔ جنگ نامہ (فارسی) از قاضی نور محمد (۱۷۶۵ء مطابق ۱۱۷۹ھ)

۸۔ تواریخ سلاطین افاغنہ لودیہ وسوریہ

۹۔ طبقات اکبری وآئین اکبری

۱۰۔ مراۃ الافغان کہ حکم خان جہان لودھی در عہد جہانگیر بادشاہ

۱۱۔ تواریخ شاہان صفویہ کہ در دربار ایران فرمان روائی کردند

۱۲۔ شاہ جہان نامہ

۱۳۔ تاریخ عالمگیری وفرخ سیری

۱۴۔ تاریخ محمد شاہی

۱۵۔ نادر نامہ

۱۶۔ تاریخ احمد شاہی

۱۷۔ رسالہ اخبار خدکہ

۱۸۔ خطوط، رسائل، فرامین احمد شاہ ابدالی

فہرست

صفحہ نمبر	تفصیل	باب نمبر

صفحہ نمبر	تفصیل	باب نمبر

باب نمبر	تفصیل	صفحہ نمبر

باب نمبر	تفصیل	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	تفصیل	باب نمبر

محمد شریف خان، پیر محمد خان، دین محمد خان، شادی علی محمد خان، شہزادہ علی محمد خان مصنف تذکرۃ الملوک، علی محمد خان کا عقدِ ثانی، مقرب خان و عبدالعزیز خان فرزندان سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی، عظیم یار خان ولد عبدالعزیز خان، سلطان عبداللہ خان سدوزئی حاکمِ ہرات کے قتل کے بعد کے واقعات، عبدالرحیم خان الملقب وفایار خان، اکبر خان، علی یار خان، شاہ شجاع الملک سابق تاجدارِ افغانستان کی ہندوستان آمد، کوہِ نور ہیرا، شاہ شجاع الملک کا قندھار و کابل کو فتح کرنے کا منصوبہ، زمان شاہ سابق بادشاہ افغانستان اور اس کی اولاد، شہزادہ سنجر خان سدوزئی پسر احمد شاہ درردان، شہزادہ ایوب خان سدوزئی، علی محمد خان خدکہ سدوزئی مصنف تذکرۃ الملوک کی اولاد کا ذکر اور شجرۂ نسب
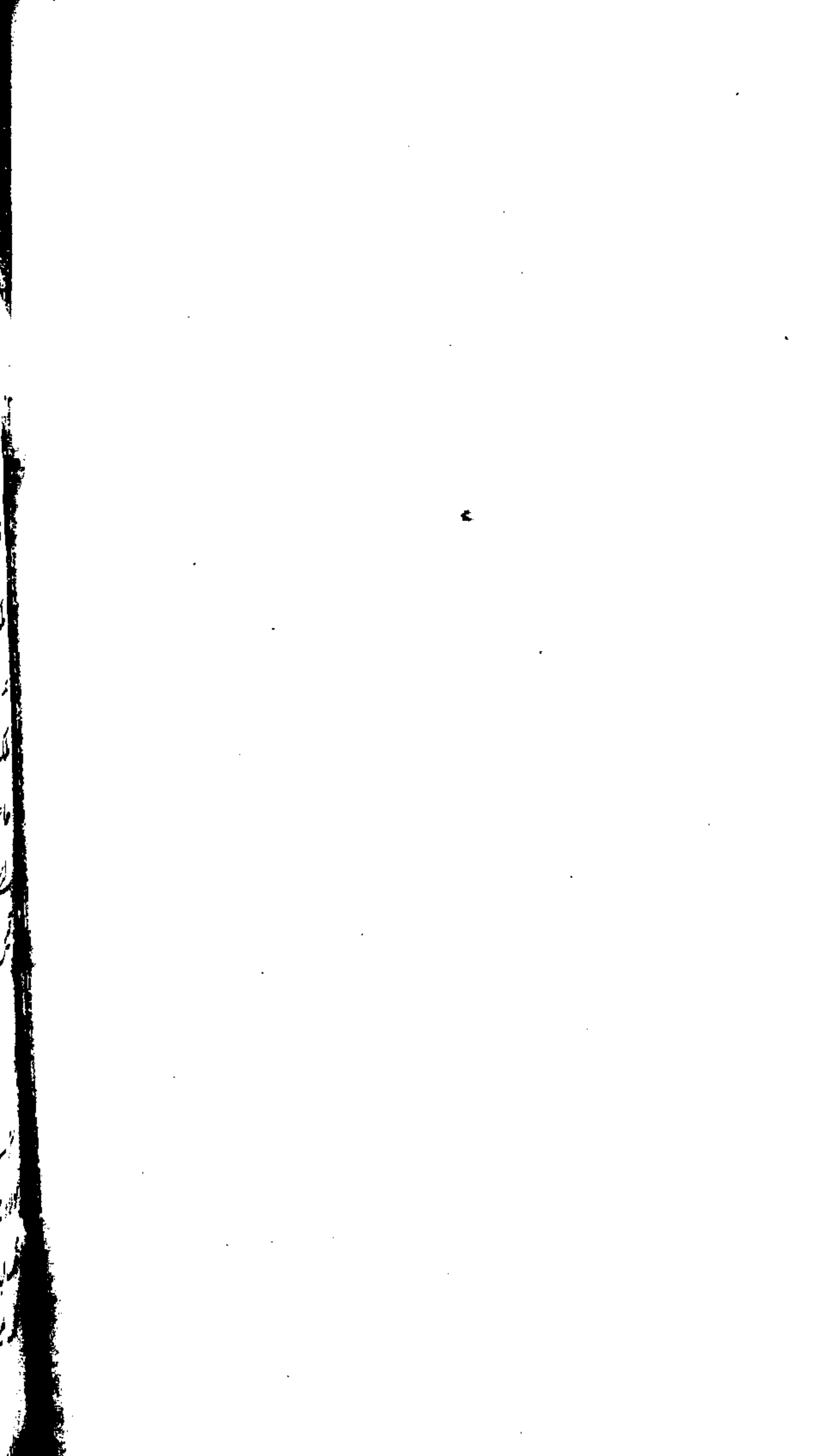
باب اوّل
تاریخ سدوزئی

شجرۂ نسب:

تذکرۃ الملوک (فارسی) مرتبہ ۷ محرم الحرام ۱۲۵۱ھ مطابق ۵ مئی ۱۸۳۵ء ملتان کا مصنف شہزادہ علی محمد خان خدکہ سدوزئی ہے جو ملک سدو کی نسل سے ہے۔ اس نے خانوادۂ سدوزئی کا شجرۂ نسب اس طرح مرقوم کیا ہے:

ملک طالوت کے دو بیٹے تھے۔ بڑا ارمیہ، چھوٹا برخیہ۔ ارمیہ سے ملک افغان اور برخیہ سے ملک آصف تھا۔

ملک افغان کا پسر قیس تھا جسے بارگاہِ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں مدینہ منورہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا اور کیوں کہ سعادتِ ازلی اس پر سایہ فگن تھی اس لئے وہ مشرف بہ اسلام ہوا۔ اس کا نام عبدالرشید رکھا گیا۔

قیس عبدالرشید کی اولاد: ۱۔ سڑبے (سڑبن)

۲۔ گرڑے (غورغشت)

۳۔ بٹڑے (بتنی)

سڑبے سے ملک شرجبون تولد ہوا۔ یہ حجاج بن یوسف کا ہم عصر ہے۔ اس کی اولاد میں سے ترین -- ترین کی اولاد میں سے ملک ابدال (ہم عصر غزنوی) اور ملک ابدال سے ملک رجڑ پیدا ہوا۔ رجڑ کے چار بیٹے عیسیٰ، نور، کاکڑ اور ماکو تھے۔

ملک عیسیٰ سے زیرک (ہم عصر فرخ میرزا، شہنشاہ ایران متوفی ۱۴۴۷ء)

زیرک کی اولاد :

۱۔ ملک پوپل (جس کی نسل پوپلزئی کہلاتی ہے)
۲۔ بارک (جس کی اولاد کو بارکزئی کہتے ہیں)
۳۔ الکو (الکوزئی قبیلے کا مورث)

ملک پوپل کے لڑکے :

۱۔ ملک حبیب (اولاد حبیب زئی کہلاتی ہے)
۲۔ بادوؔ (اولاد بادوزئی کہلاتی ہے)
۳۔ ایوب

ملک حبیب کا بڑا لڑکا، بامے (جس کی اولاد باموزئی کہلاتی ہے)
بامے سلطان سکندر لودھی متوفی ۱۵۱۷ء اور سلطان ابراہیم لودھی مت
۱۵۲۶ء کا ہم عصر تھا۔
ملک بامے کا لڑکا۔ ملک صالح (شیر شاہ سوری متوفی ۱۵۴۵ء کا ہم عصر تھا)
ملک صالح کا فرزند ارجمند۔ امیر سدو جس کی اولاد سدوزئی کہلاتی ہے۔

امیر سدو امیر افاغنہ کے نام سے معروف و ممتاز
ہیں۔ جنہیں افغانستان پر سب سے پہلے حکمرانی
کا شرف حاصل ہے۔

امیر سدو :

تاریخِ ولادت : ۱۸ ذی الحج ۹۶۵ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۵۵۷ء

تاریخ وفات : یکم رجب ۱۰۳۶ھ مطابق اپریل ۱۶۲۶ء

امیر سدو کی اولاد :

۱۔ خواجہ خضر خان :

ولادت : یکم رمضان ۹۹۰ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۵۸۲ء

وفات : ۲ محرم ۱۰۳۷ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۶۲۶ء

ان کی اولاد خضر خیل سدوزئی کہلاتی ہے۔

۲۔ خان مودود :

ولادت : ۱۵ شوال ۹۹۲ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۵۸۵ء

وفات : ۱۰۵۳ھ مطابق ۱۶۴۳ء

ان کی اولاد مودود خیل اور خان خیل سدوزئی کہلاتی ہے۔

۳۔ کامران خان :

ولادت : رجب ۹۹۴ھ مطابق جولائی ۱۵۸۷ء

وفات : ۱۰۵۰ھ مطابق ۱۶۴۰ء

ان کی اولاد کامران خیل سدوزئی کے نام سے معروف ہے۔

۴۔ بہادر خان :

ولادت : ۹۹۸ھ مطابق ۱۵۹۰ء ان کی اولاد بہادر خیل سدوزئی کہلاتی ہے۔

۵۔ زعفران خان :

ولادت : ۱۰۱۰ھ مطابق ۱۶۰۱ء

ان کی اولاد زعفران خیل سدوزئی کہلاتی ہے۔

خواجہ خضر خان کے دو بیٹے تھے۔

۱۔ سلطان خداداد خان المعروف سلطان خدکہ خان :

ولادت : ۱۰۲۲ھ مطابق ۱۶۱۳ء

وفات : ۲ صفر ۱۰۷۶ھ مطابق ۴ اجولائی ۱۶۶۵ء

۲۔ سرمست خان :

ولادت : ۱۰۲۴ھ مطابق ۱۶۱۵ء

اس کے بیٹے کا نام دولت خان ؑتھا جس سے زمان خان پیدا ہوا جو کہ احمد شاہ ابدالی کا والد تھا۔ احمد شاہ ابدالی زرغونہ الکوزئی کے بطن سے تھا۔

ولادت : ۱۷۲۲ء - در ملتان

سلطان خدکہ کے تین لڑکے تھے

۱۔ قلندر خان ۲۔ عنایت خان یہ دونوں جوانی میں لاولد مرے۔

۳۔ حیات خان

حیات خان خدکہ :

حیات خان المعروف سلطان حیات خان خدکہ (پیدائش ۱۰۵۷ھ ۱۶۴۷ء) جو آلوس ابدالی کا سردار مقرر ہوا اور فراح پر حکمرانی کی۔ بعد ۱۴ر شوال ۱۰۹۳ھ مطابق ۱۶ر اکتوبر ۱۶۸۲ء ملتان ہجرت کر کے و[illegible] سکونت اختیار کی اور ۲۷ر رمضان المبارک ۱۱۴۱ھ مطابق ۱۵ر اپریل ۱۷۲۹ [illegible] ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنے باغ میں مدفون ہوا۔☆

☆ سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس کے بنگلہ والے کراسنگ ابدالی روڈ پر پٹرول [illegible] کے ساتھ مقبرہ سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی واقع ہے۔

ملک سدو کے احوال حیات اور ضمنی واقعات :

ملک صالح نے اپنے خوش طالع اور بلند اقبال بیٹے کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ صرف کی۔ مروجہ علوم وفنون سے آراستہ اور فن حرب میں کامل کیا۔ ملک صالح نے اپنی زندگی ہی میں ملک سدو کو اپنا جانشین مقرر کیا کیوں کہ ملک صالح کی دوسری بیوی سے بھی چار بیٹے تھے۔ آلوس ابدالی جو مضافات قندھار میں سکونت رکھتا تھا اور قرب وجوار کی زمینداری بھی اسی قبیلے سے متعلق تھی۔ ملک سدو اسی ممتاز و معروف قبیلے کا سردار قرار پایا۔

یہ طوائف الملوکی کا دور تھا۔ مرکزی طاقت کسی سردار کو حاصل نہ تھی۔ اس لیے جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مصداق ان سرداروں کے باہمی تنازعات کے سبب قتل و خون کا بازار گرم تھا۔ قندھار اور کابل کے حکمران افغانوں سے جبراً ٹیکس اور مال گزاری وصول کرتے تھے۔ افاغنہ باہمی نفاق کا شکار تھے اور جگ ہنسائی کا موجب تھے۔ آخر کار چند مدبر، زیرک اور ہوش مند سرداروں نے قبائل افاغنہ کی مجلس مشاورت بٹھائی اور اس صورت حال کے خاتمے کے لئے کسی ایک خاندانی ملک کی مرکزی اور اجتماعی سرداری کی تجویز پر سب متفق الرائے ہوئے۔ بالآخر اس اہم منصب اعلیٰ کے لئے ملک سدو کا انتخاب عمل میں آیا۔

ایک غلطی کا ازالہ :

یہاں ہم ایک اہم غلطی کا ازالہ کرتے ہیں کہ تذکرۃ الملوک میں آپ کا نام ملک سدو ہی درج ہے۔ اسد اللہ یا سعد اللہ کہیں لکھا نہیں ملتا۔ جو مؤرخین ان

ناموں پر مصر ہیں۔وہ تاریخی حوالہ پیش نہیں کرتے۔بالکل اسی طرح ان کا قبیلہ
حوالہ تذکرۃ الملوک سدوزئی ہے۔ سدھن یا صدھن یا صدوزئی ہرگز
نہیں ہے۔چناں چہ ان سے متعلق لوگ آلوس سدوزئی سے نہیں ہو سکتے۔

امیر سدو- مہمات اور دیگر احوال و سوانح کے آئینے میں :

امیر سدو نے قندھار کے مضافات کے افاغنہ کو متحد اور مجتمع کیا اور صفا
کی جانب کوچ کیا۔ صفا پر قبضہ کیا۔ آلوس ابدالی نے ۲۲ ذی الحج ۱۰۰۷ھ مطابق
۱۲ / اگست ۱۵۹۷ء آپ کو مسند سرداری پر بٹھایا۔ اس وقت مغل بادشاہ
اکبر اعظم شہنشاہ ہند اور شاہ عباس صفوی شہنشاہ ایران (۱۵۸۷ تا ۱۶۲۹ء) دو
زبردست طاقتیں تھیں جو قندھار پر قبضے کے لئے برسر جنگ تھیں۔ ملک سدو
نے صفوی تاجدار سے معاونت کی۔اپنی بے پناہ شجاعت اور وفاکیشی کے سبب میر
افاغنہ کا خطاب اور علاقہ صفا کی حکومت پائی اور ہمہ قسم کے ٹیکس اور خراج
وغیرہ سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے۔ آلوس ابدالی نے دربار شاہی میں عزت و
احترام کے مراتب پائے اور افاغنہ کا کوکب حشمت واقبال ضیابار ہوا۔

آلوس ابدالی نے ایران سے قریبی روابط کی بنا پر ایرانی معاشرت کے
نقوش واقدار قبول کیے۔رفتار و گفتار اور لباس پر یہ اثرات نمایاں ہوئے۔ آلوس
ابدالی افغانی کلاہ پر ایرانی طرز کی دستار باندھتے تھے جب کہ قندھار، کابل اور اس
کے نواح کے افاغنہ کلاہ پر مشہدی باندھتے۔ یہ امتیاز واضح تھا۔بعینہ دیگر امور و
معاملات میں فرق تھا۔ آلوس ابدالی نرم گفتار اور شیریں بیان تھے جب کہ
دوسرے افراد خصوصاً غلزئی کے لہجے میں درشتی تھی۔

امیر سدو کی عزت، فضیلت اور اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا

ہے کہ عباس صفوی نے گنج علی حاکم قندھار کو حکم دیا کہ افاغنہ کے امور طے
تے وقت اس بزرگ اور محتشم سردار کی مشاورت اور رائے کو مد نظر رکھا
ائے۔ آلوس ابدالی نے ہجرت کی۔ صفا کو اپنا مسکن بنایا اور وہاں کی زمینداری
نا کی تحویل میں آگئی۔

تاریخ کا ایک مزاج یہ بھی رہا ہے کہ قبائل اور خاندان اپنے حسب
ب کا سلسلہ ایسے شخص سے منسوب کرتے ہیں جو اپنے اخلاق اور کارناموں
کے سبب نامور ہو اور اس کی نسبت سے وہ قبیلہ یا خانوادہ اپنا سر فخر سے بلند کر
سکے مثلاً افاغنہ ملک افغان کی نسبت سے افغان (پٹھان) کہلاتے ہیں۔ ابدالی ملک
بدال سے اپنا رشتۂ افتخار جوڑتے ہیں۔ پوپلزئی ملک پوپل جیسے عظیم بزرگ سے
سبت پر ناز کرتے ہیں۔ اسی طرح بامیزئی ملک بامے کی ناموری سے اپنی عظمت
و منسلک کرتے ہیں۔

میر سدو سے نسبی شرف اولاد سدوزئی کے لئے موجب توقیر :

ملک سدو کی کلاہ عظمت و اقبال بے شمار گہرہائے فضیلت سے تابناک
ہے۔ اس کی فتوحات، مضافات قندھار سے ہجرت کی صورت میں صفا کے
لاقے میں آلوس ابدالی کی آبادکاری، زمینداری، خوشحالی۔ پھر تمام ابدالی قبیلے
ں مرکزی سرداری جس پر صفوی بادشاہ نے بھی مہر رضامندی ثبت کی۔ امیر
فاغنہ کے خطاب سے نوازا۔ ملک سدو کی ذاتی عزت و شوکت اس کے قبیلے کی
جتماعی شان اور توقیر کا سبب بنی۔ چناں چہ اسی تاریخ ساز بزرگ ملک سدو کی
ولاد سدوزئی کہلائی۔

احمد شاہ ابدالی اسی خاندان کا چشم و چراغ تھا جس نے افغانستان کی

شیرازہ بندی کی اور اسے ایک علیحدہ مملکت کے طور پر روشناس کرایا۔

ملک سدو کا یہ کارنامہ زبردست تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ اس نے منتشر اور متحارب افاغنہ میں اتحاد و اتفاق کی روح پھونکی۔ انہیں شیر و شکر کیا اور ان کے انتشار کو مرکزیت اور اجتماعیت کے مضبوط رشتے میں پرو دیا۔ اس کا ایک تاریخی اور قدرتی اثر یہ ہوا کہ ملک سدو کے اس اخلاص عمل کے طفیل اس کی اولاد یعنی سدوزئی کو شہرۂ آفاق عزت و توقیر حاصل ہوئی اور اس نیک دل اور نیک عمل بزرگ کی وفات کے بعد سدوزئی مجموعی طور پر معزز، مقتدر اور محترم رہے۔ پھر تاریخ کے عمل اور رد عمل کے طور پر اس فیصلے میں بعض بشری کمزوریاں پیدا ہوئیں جن کے سبب یہ مشکلات میں بھی گھرے۔ تاہم لوگوں کی نظر میں اس قبیلے کی بے حد عزت آج بھی ہے۔ احمد شاہ ابدالی کے کارنامے اس قبیلے کے لئے آج بھی تاریخی افتخار ہیں کہ اس نے افغانستان جیسی آزاد مملکت کا نقش جغرافیہ عالم پر ثبت کیا اور بابائے افغانستان کا توضیحی لقب پایا۔ اہل افغانستان آج بھی امیر سدو اور احمد شاہ ابدالی کو بے تاج بادشاہ سمجھتے ہیں اور اولیاء مانتے ہیں اور سدوزئی قبیلے کے احترام و تکریم سے ان کے دل معمور ہیں۔

مزار پُر انوار :

امیر سدو کا مزار مبارک آج تک صفا میں مرجع خلائق ہے اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ وہ افغانوں کے کارساز و چارہ گر، ان کے دلوں میں جوش محبت و اتحاد پیدا کرنے والے، بہادری و شجاعت میں یکتا، احسان و کرم اور جود و سخا میں بے مثال، اخلاقِ حسنہ کا پیکر، متقی اور پرہیزگار شخص اور صاحبِ کشف

کرامات ولی تھے۔ لوگ آتے ہیں ان کے مزار اقدس پر نیاز مندی و عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں اور ان کے تمسک سے اپنی دلی مرادیں پوری کرتے اور ان نسبتِ عالی سے انہیں فخر و عزت میں اضافہ کرتے ہیں۔ وہ اکبر اعظم اور جہانگیر کے ہم عصر تھے اور آج تک ان کی حکومت کا تخت اہلِ عقیدت کے دلوں میں بچھا ہوا ہے۔

درانی کی وجۂ تسمیہ :

تذکرۃ الملوک کے مطابق ملک سدو کی اولاد ہی سدوزئی کہلاتی ہے۔ بعد میں احمد شاہ ابدالی نے دردران کا لقب اختیار کرتے ہوئے اپنے افراد قبیلۂ ابدالی سے کہا کہ وہ اپنے لیے لقب درانی استعمال کریں۔

مجہول نسبتیں اور ان کا پس منظر :

کسی بڑے آدمی یعنی عظیم شخصیت سے لوگ خود کو منسوب کر لیتے ہیں تاکہ معاشرے میں انہیں بھی (اس نسبت سے) توقیر حاصل ہو۔ لیکن یہ روش ناپسندیدہ اور ناقابلِ ستائش ہے مثلاً بعض افراد نے اپنے آپ کو صدوزئی، صدہن لکھنا شروع کر دیا۔ یہ ہرگز ہرگز سدوزئی نہیں ہیں۔ تذکرۃ الملوک کی تحقیق کے مطابق یہ قبائل بھکّر کے شمال میں دریائے سندھ کے کنارے اور کشمیر سے تعلق رکھتے ہیں اور نیازی قبیلے کی ایک شاخ ہیں۔ چناں چہ یہ سدوزئی کیسے ہوئے؟ مردم شماری کے مطابق آج ان کی تعداد بیس لاکھ سے زائد ہے۔ ساڑھے تین صدیوں میں ملک سدو کی اولاد اس کثرت سے نہیں ہو سکتی۔ یہ ایک منطقی دلیل بھی ہے اور تاریخی استدلال بھی۔

ملک سدو کی اولاد اور ان کے مختصر حالات - اعادۃً :

آپ کے پانچ فرزند تھے۔

۱۔ خواجہ خضر خان ولادت یکم رمضان ۹۹۰ھ مطابق ۲۰ ستمبر ۱۵۸۲ء

۲۔ خان مودود۔ ولادت ۱۵ شوال ۹۹۲ھ مطابق ۳۰/ اکتوبر ۱۵۸۵ء

۳۔ کامران خان۔ ولادت رجب ۹۹۴ھ مطابق جولائی ۱۵۸۷ء

۴۔ بہادر خان۔ ولادت ۹۹۸ھ مطابق ۱۵۹۰ء

نوٹ :- ان کی مادر گرامی قبیلۂ حبیب زئی سے تھی۔

۵۔ زعفران خان ولادت ۱۰۱۰ھ مطابق ۱۶۰۱ء - یہ پانچواں لڑکا ایک کنیز کے بطن سے تھا۔

خواجہ خضر خان :

باپ کی وفات کے بعد مسند سرداری پر فائز ہوا۔ نہایت خلیق، سلیم الطبع، صوفی منش، اس کے عہد میں مختلف قبائل میں سرکشی پیدا ہوئی۔ پھر ایک مقدمے نے صورت حال بگاڑ دی۔ سرداری کو تین ماہ گزرے تھے کہ دو پٹھانوں کا مقدمہ پیش ہوا۔ تفتیش کے نتیجے میں جو شخص مجرم نکلا اسے کوڑے مارنے کا حکم سنایا گیا۔ لیکن مجرم کے لواحقین نے اسے بزور چھڑوا لیا اور لے کر چلے بنے۔ حاضرین تماشائی بنے دیکھتے رہے۔ خواجہ خضر نے گرفتاری کا فرمان جاری کیا۔ تعمیل نہیں ہوئی۔ خواجہ خضر آزردۂ خاطر ہو کر گھر چلا گیا۔ خان مودود کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو غیرت نے جوش مارا۔ ادھر بڑے بھائی نے کہا خاندان کی عزت اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میں سرداری سے دستبردار ہو کر یہ

داری تمہیں سونپتا ہوں۔ خان مودود نے جمعیت ہمراہ لی، ان لوگوں کے ٹھکانے پر شب خون مارا اور سب کو بزور شمشیر گرفتار کر کے صبح تک فاتحانہ لوٹ آیا اور ان کے سرغنے کو اور متعلقہ سرکشوں کو چومیخا کر کے مروادیا۔ خان مودود کی ہیبت سب پر طاری ہوگئی اور سرداری کی مسند پر ان کا استحقاق ہو گیا۔ ۲ محرم ۱۰۳۷ھ مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۶۲۶ء خواجہ خضر عہد جوانی میں اچانک انتقال کر گیا اور امیر سدو کے پہلو میں شہر صفا میں دفن کیا گیا۔ اپنی نیکی میں مشہور تھا ولی اللہ تھا۔ اس کے دو فرزند تھے۔

۱۔ سلطان خداداد خان المعروف سلطان خدکہ

۲۔ سرمست سلطان خان (جد کلاں احمد شاہ درران ابدالی شاہ افغانستان)

یہ دونوں لڑکے ایک ماں سے تھے جس کا تعلق بارک زئی قبیلہ سے تھا۔ والد کی وفات پر ان دونوں کی عمریں بالترتیب ۱۵ اور ۱۳ سال تھیں۔

خان مودود خان :

خان کا دبدبہ سب پر طاری تھا اور تمام قبائل ان کے مطیع و منقاد تھے۔ ان کی بہادری اور سخت گیری کا ایسا خوف تھا کہ مائیں بچوں کو ان کا نام لے لے کر ڈراتی تھیں۔ صفوی بادشاہ نے ان کے اعتراف شجاعت کے طور پر انہیں خان کے خطاب سے نوازا۔ خان نے سترہ سال تک کامیاب سرداری کی اور آلوس ابدالی کو یک جا اور یک جان رکھا۔ خان مودود کی تحویل میں امیر سدو کی تلوار تھی جو اس نے خواجہ خضر کی بیوہ سے لے کر بزرگوں کی متبرک نشانی کے طور پر اپنے پاس رکھی۔ یہ تلوار ۱۸۱۸ء تک اس کی اولاد میں محفوظ رہی۔ جب سکھوں نے ملتان فتح کیا تو ان کے قبضے میں چلی گئی۔ علی مردان والیٔ قندھار سے خان

مودود کے نہایت دوستانہ تعلقات تھے۔جب علی مردان نے قندھار کو مغل بادشاہ شاہ جہاں کے حوالے کرنا چاہا تو خان مودود سے مشورہ طلب کیا۔ گویا اس واقعے میں سدوزئی قبیلے کے سردار خان مودود کے اہم کردار سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ قندھار مغلوں کے حوالے کر کے علی مردان ہندوستان چلا گیا۔ خواص خان قندھار کا گورنر بنا۔ اس واقعے کا یہ دوررس اثر ہوا کہ خان مودود اور ان کی اولاد کے مغلوں کے ساتھ عمدہ تعلقات کا آغاز ہوا۔

شاہ حسین خان اور اللہ داد خان مودود خان کی اولاد ہیں اور ان کی اولاد مودود خیل کہلاتی ہے۔ خانؔ مودود کابل کی خانہ جنگی میں میر یحییٰ دیوان کے مقابل لڑتا ہوا شہید ہوا۔

سلطان خداداد خان المعروف خدکہ

اور شاہ حسین خان ابدالی میں کشمکش :

خان مودود کے شہید ہونے کے بعد خواجہ خضر خان کے بیٹے سلطان خداداد خان المعروف سلطان خدکہ نے سرداری کا دعویٰ کیا۔ آلوس ابدالی دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ سلطان خدکہ کا حامی بنا دوسرا شاہ حسین خان ابدالی کا۔ ۱۶۴۳ء میں شہر صفا میں ابدالی خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئے۔ جس میں سلطان خدکہ فتح یاب ہوا۔ شاہ حسین خان نے قندھار کا رخ کیا اور مغل صوبیدار سے مدد چاہی اور مغل فوج کی اعانت سے صفا پر حملہ آور ہوا۔ سلطان خدکہ کو شکست ہوئی۔ وہ کوہستان میں پناہ گزین ہو گیا۔ پھر اس نے صفوی تاجدار شاہ عباس ثانی سے امداد چاہی۔ حکمتِ عملی طے کرنے کے بعد ایرانی فوج

تے موسم سرما ۱۰۵۸ھ مطابق ۱۶۴۸ء میں قندھار پر حملہ کیا۔ سلطان خدکہ
نے افغانوں کے ساتھ مل کر قندھار کا محاصرہ کی۔ ادھر برفباری کے سبب مغل
وبیدار قندھار کو ہندوستان سے کمک نہ پہنچ سکی۔ اس طرح قلعہ قندھار
۱۰۵ھ مطابق ۱۶۴۹ء میں فتح ہو گیا اور افغانوں کی سرداری سلطان خدکہ
ے سپرد ہوئی۔ نیز لشکر ایرانی کی اعانت سے شہر صفا فتح ہوا۔ شاہ حسین خان
بمیت اٹھا کر ہندوستان روانہ ہوا۔ راستے میں شہزادہ اورنگ زیب سے ملاقات
ئی اور اس نے مغل لشکر میں شمولیت اختیار کر لی۔ شہزادہ اورنگ زیب بھی فتح
رھار میں ناکام رہا۔ چناں چہ شاہ حسین ابدالی اپنے بھائی اللہ داد خان اور
سرے مصاحبین کے ساتھ ملتان میں آباد ہو گیا۔ اس نے کڑی کلاں افغانان
یر کی۔ اپنے لئے شیش محل اور مسجد بنوائی۔ شاہ جہاں نے اورنگ زیب کی
فارش پر شاہ حسین ابدالی کو مغل منصب عطا کیا۔ نیز وفادار خان کے خطاب
سے نوازا اور رنگ پور ضلع مظفر گڑھ میں جاگیر عطا کی۔

اہم بات یہ ہے کہ خداداد خان المعروف خدکہ آلوس ابدالی میں پہلا
فص تھا جسے شاہ ایران نے سلطان افاغنہ کا خطاب عطا کیا۔ کسیغر، ارغسان
مشرقی قندھار) سے لے کر صفا تک اس کی ہیبت و جلال کا سکہ بیٹھ گیا۔ تمام
فغان اقوام نے آلوس ابدالی کی اطاعت قبول کر لی۔ آلوس ابدالی کے سردار بڑی
ڑی زمینداریوں کے مالک ہو گئے۔

سلطان خداداد خان المعروف سلطان خدکہ :

نیر سدو کے پوتے سلطان خدکہ نے زراعت میں ذاتی ذوق کے سبب
ود ارغسان کو درست کیا اور اس پر سنگ سار وچ سے بند باندھا۔ جسے بند یا کار

خدکہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مزید پتھروں سے ایک خوبصورت مسجد تعمیر
جو آج تک اس کی نیک نامی کی یادگار ہے۔ سلطان خدکہ کا بہت بڑا اعزاز اور ا
کے حوالے سے خاندان سدوزئی کا یہ تاریخی شرف ہے کہ وہ اس خانوادے
پہلا حکمران تھا جسے صفوی بادشاہ نے سلطان کا گراں قدر خطاب دیا۔ ۱۶ سال ص
اور اس کے قرب وجوار پر حکومت کی۔

سلطان خداداد خان المعروف سلطان خدکہ نے ۵۴ سال کی عمر میں
۲/ صفر ۱۰۷۶ھ مطابق ۱۴/ جولائی ۱۶۶۵ء میں شہر صفا میں رحلت پائی۔

سلطان خدکہ کی اولاد :

۱۔ قلندر خان

۲۔ عنایت خان

۳۔ حیات خان

قلندر خان کی والدہ مغل تھی جب کہ باقی دو بیٹے نورزئی قبیلے کی خاتون
گرامی کے بطن سے تھے۔ قلندر خان کو آلوس ابدالی کی سرداری ملی۔ لیکن و
سرداری کے ۲ ماہ ۲۳ دن بعد قندھار کی جنگ میں شہید ہوا۔ وہ لاولد تھا۔ چنانچ
عنایت خان سردار مقرر ہوا۔ اسی دوران میں ایک اور واقعہ ہوا کہ سلطان خدک
کے برادر خورد سرمست سلطان نے بغاوت کی۔ سرداری کا مدعی ہوا۔ لڑائی
ہوئی مارا گیا۔ اس واقعے کے تقریباً دو سال بعد عنایت خان اور حیات خان شکار ک
گئے۔ دوران شکار حیات خان نے عنایت خان کو اپنے ازبک غلام سے قتل کر
دیا اور لاش وہیں دفن کر دی۔ ۲۳ ربیع الثانی ۱۰۷۸ھ مطابق ۳۰ دس
۱۶۶۷ء کو یہ جاں گداز واقعہ پیش آیا۔ ان لڑکوں کی ماں (بیوہ سلطان خدک

بت دلاور خاتون تھی۔ اس واقعے سے اس کے ذہن پر قیامت گزر گئی اور
ھوٹے بھائی کی سازش کے تحت بڑے بھائی کے قتل پر اس کے غیظ و غضب کی
کی انتہا نہ رہی۔ وہ صفا میں قلعے کو مستحکم کر کے برسر جنگ ہوئی۔ معزز
رداروں نے اس سے عرض کی کہ جو واقعہ ہونا تھا ہو گیا آپ ضبط و تحمل سے کام
یں اور حیات خان کو معاف کر دیں، ورنہ خدکہ خاندان کی سرداری معرضِ
طر میں پڑ جائے گی۔ جب کہ سرمست سلطان کے حامی بھی موجود ہیں۔ لیکن لی
کا غصہ فرو نہ ہوا۔ اس نے جوش انتقام میں اعلان کیا کہ میں حیات خان کو فنا
ر ڈالوں گی اور سلطان عنایت کی دختر مسند سرداری پر بیٹھے گی۔ سرداروں نے
ہت منت سماجت کی کہ لڑکی کی سرداری کوئی قبول نہ کرے گا۔ آخر وہ اس امر
پر راضی ہوئی کہ قاتل کو میرے حوالے کیا جائے اور حیات خان تمام زندگی
مجھے منہ نہ دکھائے۔ آخر ازبک غلام کو اس کے حوالے کیا گیا۔ مرادلی لی کے
حکم پر اسے بکرے کی طرح ذبح کیا گیا۔ اس کی لاش کتوں کے سامنے ڈالی گئی۔
لی نے اس کے خون کا پیالہ پیا اس طرح اس کا جوش غضب فرو ہوا۔

سلطان حیات خان کا عہد حکومت:

سلطان حیات خان آلوس ابدالی کا سردار مقرر ہوا۔ اس نے سلطان کا
لقب اختیار کیا۔ اس نے اپنے رشتہ داروں اور سرمست سلطان کے حامیوں پر
اپنے ظلم و ستم سے عرصہ حیات تنگ کر دیا۔ جس کے سبب سدوزئی خاندان
کے بعض افراد ملتان ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ ان میں بہادر خان اور کامران خان
کی اولاد بھی تھی۔ ملتان میں شاہ حسین خان اور اللہ داد خان پہلے سے سکونت پذیر
تھے اور راحت و آرام سے گزر اوقات کر رہے تھے۔ اہل ہجرت نے کڑی شاہ

حسین خان میں اقامت اختیار کرلی۔ سلطان حیات خان کے ظلم وستم کا یہ عا
تھا کہ آلوس ابدالی کا جو فرد نافرمانی کرتا واجب القتل ٹھہرتا۔ اکثر لوگوں نے حف
جاں کے لئے صفا سے ملتان کا رخ کیا۔ ان میں جلال خان ابن ایدل خان ا
زعفران خان بن امیر سدو بھی تھا جو کہ شاہ حسینؒ سدوزئی کا بھانجا تھا۔

سلطان حیات خان قندھار اور قرب وجوار کے علاقوں پر قابض تھا۔
ایک دفعہ وہ قندھار کے قریب خیمہ زن تھا کہ شاہ نواز خان حاکم قندھار نے (
ایران کی سلطنت کا نامور سردار تھا) صفا کو خالی دیکھ کر قلعے پر حملہ کر دیا۔ مراد
لی قلعہ بند ہوئی۔ اس نے مردانہ لباس پہنا۔ قلیل سے لشکر کے ساتھ قزلباش
فوج پر حملہ آور ہوئی۔ شاہ نواز خان نے شکست فاش کھائی۔ مراد لی لی نے خو
اس کا سر اڑادیا۔ ایرانی لشکر نے بے پناہ جانیں ضائع کر کے راہِ فرار اختیار کی
اس فتح کے بعد سلطان حیات خان اس امید پر کہ شاید ماں اس کا گناہ معاف
دے تھوڑے سی خود حفاظتی کے ساتھ ماں کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ا
غیرت مند لی لی کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ شمشیر بدست ارادہ سے لپکی
سلطان خوف جان سے بھاگ کھڑا ہوا۔ لی لی نے تعاقب کیا اور حرم سرا
دروازے کے قریب ایسی پیش قبض اس کی پشت پر ماری کہ قبا کٹ گئی۔ حفا
زرہ کے سبب اس کی جان بچی۔ پھر وہ تا زندگی والدہ کے سامنے نہ آیا۔

سلطان حیات خان نے افغانوں کی جانب سے ایرانیوں کے مقابل کو
بتیس جنگیں لڑیں اور کامیابی سے ہم کنار ہوتا رہا۔ ۳۲ ویں جنگ ۱۰۹۱ھ مطا
۱۶۸۰ء میں خراسان میں ہوئی۔ ہوا یوں کہ صفوی سلطان زیارت روضہ
رضا علیہ السلام کے لئے مشہد میں آیا جہاں اس نے سلطان حیات کے مظا

استانیں سنیں تب اس نے سلطان کی سر زنش کا عزم کیا۔ ادھر سے سلطان مع
اپنے لشکر کے خراسان پہنچا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ بہت خون ریزی ہوئی۔ آخر
سلطان نے شکست کھائی۔ صفا لوٹا۔ جرگہ بلایا اور اعلان کیا کہ وہ عازم ہندوستان
ورہا ہے۔ اس نے اپنے چچا زاد بھائی کو آلوس ابدالی کا سردار مقرر کیا اور اپنے
ر کے عبداللہ خان بعمر ۱۲ سال، احمد شاہ ابدالی کے والد زمان خان ولد دولت
ان ابن سرمست سلطان خدکہ و موسیٰ خان کامران خیل اور دیگر متعلقین و خدام
بتعداد تقریباً پانچ صد) بے شمار خزانہ و مال واسباب کے ساتھ ہندوستان کا
فر اختیار کیا۔

یک آدم خور کا واقعہ :

ایک پہاڑی سلسلے سے گزرتے ہوئے وہاں کے لوگوں نے شکایت کی
ہ یہاں غار میں ایک آدم خور رہتا ہے۔ آدمیوں کو پکڑ کر غار میں لے جاتا ہے
ر کھا جاتا ہے۔ سلطان کی طلبی پر وہ حاضر ہوا۔ وہ دیو قامت تھا۔ قد نو فٹ کے
ریب تھا۔ سلطان نے اسے آدم خوری ترک کرنے کو کہا۔ نیز ترغیب دی کہ وہ
راہ چلے اس کا حسب دل خواہ روزینہ مقرر کر دیا جائے گا۔ وہ نہ مانا۔ سوا سے
لی ماردی گئی۔ لوگوں نے خوشیاں منائیں۔ خان کو دعائیں دیں۔ سلطان حیات
ن براستہ کوہستان، ڈیرہ غازی خان کے پہاڑی علاقے سے ہوتا ہوا دریائے
ندھ عبور کیا اور مظفر گڑھ کے صحرائی راستے سے دریائے چناب کو عبور کرتے
ۓ ۱۴ شوال ۱۰۹۳ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۶۸۲ء وارد ملتان ہوا۔

جعفر سلطان :

ادھر جعفر سلطان ابدالی شاہ ایران کی امداد سے قلعے پر قابض ہوا۔ اس نے سرداری کا اعلان کیا۔ اس نے صفا کو بھی قبضے میں لیا اور تمام آلوس کو دوبارہ ان کے گھروں میں آباد کیا۔ اس نے حاکم قندھار سے بھی تعلقات استوار کیے۔ جعفر سلطان کا ہرات میں ۱۱۰۶ھ مطابق ۱۶۹۴ء انتقال ہوا۔

عبداللہ خان کا عہد حکومت :

جعفر سلطان کی وفات کی خبر سن کر عبداللہ خان سدوزئی جو سلطان حیات خدکہ کا بڑا بیٹا تھا۔ بعجلت ملتان سے قندھار پہنچا اور صفا میں وارد ہوا۔ اس کے چند ساتھی اور اس کا برادر نسبتی زمان خان سدوزئی والد احمد شاہ ابدالی اس کے ہمراہ تھے۔ آلوس ابدالی نے اس کی اطاعت کی۔ اسے سردار منتخب کیا اور دستاربندی کی۔ اس نے سلطان کا لقب اختیار کیا۔ سلطنت کے احوال کو ترتیب میں لا کر اور انتظام حکومت کو مرتب کر کے عبداللہ خان ۱۱۱۶ھ مطابق ۱۷۰۴ء میں زمان خان کو نائب السلطنت مقرر کر کے ملتان اپنے والد سے ملاقات کے لئے آیا۔ ملتان کے افغانوں نے مسرت کا اظہار کیا۔ پھر وہ اپنے اسداللہ خان بعمر ۱۸ سال کو جو خوش جمال اور شجاع تھا، ہمراہ لے کر صفا لوٹا۔ اس وقت کا ایران کا تاجدار عیاش اور رعیت کے امور و احوال سے بے نیاز تھا۔

حاجی میرویس غلزئی کا کردار :

چناں چہ موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے حاجی میرویس غلزئی نے سلطان حیات خان کے پاس ملتان اپنا قاصد بھیجا اور تجویز پیش کی کہ آیئے

ر غلزئی مل کر قندھار کو ایرانی تسلط سے آزاد کرالیں۔ سلطان نے اپنے بیٹے
بداللہ کو کمک کے لئے لکھا۔ اس وقت قندھار کا گورنر گورگین خان حاکم
رجستان تھا۔ جس نے افغانوں پر مظالم ڈھا رکھے تھے۔ قلعے سے باہر جنگ
وئی۔ گورگین قتل ہوا۔ ایرانی قلعہ بند ہو گئے۔ اسی دوران میں عبداللہ خان
مفا سے قندھار پہنچا۔ ابدالی اور غلزئی فوجوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ خراسان
سے ایرانی لشکر نے قندھار کا رخ کیا۔ عبداللہ خان کے ماتحت ابدالی لشکر نے
ں کا راستہ روک دیا۔ ادھر قلعہ قندھار کا محاصرہ جاری تھا۔ ایرانی کمک قندھار
پہنچ سکی اور قلعے میں محصور ایرانی فوج نے ۱۱۲۰ھ مطابق مارچ ۱۷۰۸ء میں
ھیار ڈال دیئے اور نتیجہ جنگ کے طور پر میرویس غلزئی کا مکمل قبضہ قندھار کے
لعے پر ہو گیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایرانی لشکر کی شکست کا سبب ابدالیوں کی ایرانی
نکر سے جنگ تھی۔ اس فتح کے بعد عبداللہ خان قندھار پہنچا تو میرویس نے قلعے
کے دروازے بند کر لئے اور اسے داخل نہ ہونے دیا۔ وہ صفا پلٹ گیا۔

نگی حکمتِ عملی :

میرویس غلزئی نے قندھار پر اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ تاہم اپنی
دشاہت کا اعلان نہیں کیا اور اس نے صفا میں عبداللہ خان کی حکومت تسلیم کر
۔ یہ ۱۷۰۸ء کا واقعہ ہے۔ میرویس غلزئی کا اپنے حلیفوں سے مشترکہ
کومت کا معاہدہ ایک جنگی حکمتِ عملی تھی جو فریب پر مبنی تھی۔

رانی تسلط کا مستقل خاتمہ :

اسی دوران میں گورگین خان کے برادرزادے کیخسرو خان نے عبداللہ

خان سے قندھار پر حملے کی مشترکہ حکمتِ عملی طے کی تاکہ قلعے کو غلزئیوں سے واگزار کرایا جاسکے۔ عبداللہ خان نے شرط طے کی کہ بعد از فتح قندھار اس کے حوالے کر دیا جائے۔ ایرانی سردار نے حامی بھر لی۔ دونوں لشکروں نے متحد ہو کر نومبر ۱۷۱۰ء میں قلعے پر حملہ کیا اور چار اطراف سے اس کا محاصرہ کر لیا۔ ایک سال گزر گیا فتح کی کوئی صورت نہ نکلی۔ اس جنگ میں بلوچ میرویس کے مددگار تھے۔ اس دوران میں کیخسرو مارا گیا اور دسمبر ۱۷۱۱ء میں ایرانی فوج ناکام لوٹ گئی۔ عبداللہ خان نے صفا مراجعت کی۔ اب سلطان عبداللہ خان نے اپنے شجاع بیٹے اسداللہ خان کی کمان میں ایک زبردست فوج فتح ہرات کے لئے روانہ کی۔ افغان ۱۱۲۴ھ مطابق نومبر ۱۷۱۲ء میں قلعہ ہرات پر حملہ آور ہوئے۔ ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ ایرانی ہار کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اسداللہ خان نے ہرات پر قبضہ کر لیا۔ سلطان عبداللہ خان فوراً ہرات پہنچا اور ہرات میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ یہ تاریخ میں اوّلین موقع تھا کہ افغانوں نے اپنی اور آزادی کی جنگ لڑی۔

سلطان عبداللہ خان سدوزئی کی بادشاہت اور افغانوں کی آزادیٔ کامل :

سلطان عبداللہ نے ۱۷۱۲ء میں اپنی حکمرانی کا باقاعدہ اعلان کیا۔ شاہ لقب اختیار کیا۔ اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ افغانوں کی فتح کا اگرچہ ایک تاریخی سبب صفوی بادشاہ حسین کا کمزور تاریخی کردار اور اس کی عیش پسندی تھی۔ لیکن عظیم سبب افغانوں کی غیرت مندی اور جذبۂ شجاعت تھا۔ افغان

یک نا قابلِ تسخیر قوت ہیں وہ کب تک غیر کی غلامی میں رہتے۔ صدیوں کے
ناریخی عمل میں انہیں اس امر کا عرفان ہوا کہ ہم ہمیشہ دوسروں کی جنگ لڑتے
ہیں۔ اب ہمیں اپنے تحفظ، بقاٗ، سلامتی اور آزادی کے لئے اپنی خداداد شجاعت
کے جوہر دکھانے چاہیں۔ چناں چہ جب یہ احساس زیاں ان کے دل و دماغ کا
حصہ بن گیا تو انہوں نے ایرانیوں کا طوق محکومی اپنے گلے سے اتار کر اپنے پاؤں
بں مسل ڈالا۔

یک آزاد مملکت افغانستان کی تشکیل :

ایران کے تسلط سے افغانستان نے آزادی حاصل کی۔
فغانستان کے مشرق کی جانب قندھار میں میرویس غلزئی نے ۱۷۰۸ء میں اپنی
زاد حکومت قائم کر لی اور مغرب کی طرف ہرات میں ۱۷۱۲ء میں سلطان
بداللہ خان سدوزئی سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس کے بعد دو سال کے قلیل
رصے میں اسداللہ خان نے علاقہ غور، سرحدات، مرغاب، بادغیس، قلعہ و شہر
راہ اور متعلقات فتح کر لیے۔ یہ ایک آزاد اور مکمل افغانستان کی تشکیل کی جانب
ہم اقدامات تھے۔ آخر ۱۷۴۷ء میں احمد شاہ ابدالی بابائے افغانستان نے اس
رزو کو جامۂ تکمیل تک پہنچایا اور مکمل افغانستان افغانوں کے پرچم شجاعت و
مت کے تحت وجود میں آگیا۔

یک اور تاریخی سانحہ ولے بخیر گزشت :

ابدالی سردار پڑھے لکھے، باذوق، تہذیب یافتہ اور عاقبت اندیش تھے
ب کہ غلزئی ان اوصاف سے محروم تھے بلکہ ان کی ضد تھے۔ اس سے افغان

مجموعی مقاصد و فوائد سے بہرہ ور نہ ہو سکے اور ایرانیوں کے خلاف باہم متحد نہ رہ سکے۔ چناں چہ نادر شاہ کے قتل کے بعد عالی ہمت بلند حوصلہ اور باغیرت احمد شاہ ابدالی نے انہیں پھر متحد کر دیا اور حصول مقصد کو ان کے لئے آسان بنا دیا۔ ۱۷۱۵ء میں میر ویس غلزئی نے وفات پائی اور اس کا بھائی عبدالعزیز حکمران بنا۔ اس نے ایرانیوں سے صلح کر لی۔ جسے غلزئیوں نے قبول نہ کیا۔ میر ویس کے بیٹے محمود نے بغاوت کی۔ عبدالعزیز کو قندھار میں قتل کر دیا۔ اس طرح محمود غلزئی بعمر ۱۸ سال ۱۷۱۷ء میں قندھار کے قلعے میں منصب سرداری پر متمکن ہوا۔ وہ بہادر مگر عیش پسند اور ستم گار ثابت ہوا۔ ۱۷۱۸ء میں اسداللہ خان فراہ کا حاکم مقرر ہوا۔ اس سال کے دوران غلزئی ابدالی اور ایرانی افغانستان پر قابض ہونے کے لئے باہم برسرپیکار تھے۔ اسی اثناء میں عبداللہ خان نے ہرات کو فتح کیا اور اسے دارالخلافہ قرار دیا۔ فتح ہرات کے بعد ابدالی وہاں منتقل ہو گئے۔

محمود غلزئی کا عہد ستم :

محمود غلزئی اپنی طاقت سے ابدالیوں کو زیر نہ کر سکا۔ اس کا ظلم انتہا کو پہنچ گیا اور افغانی و ایرانی اس سے شدید نفرت کرنے لگے۔ ابدالی تہذیب آ[illegible] اور علوم سے آراستہ تھے اور ظلم کے خلاف تھے۔ محمود غلزئی نے ۲۸ جنوری ۱۷۲۲ء میں ایرانی صفوی لشکر کو اصفہان سے دس میل دور گلنا آباد کے مقام پر شکست دی۔ اصفہان پر قابض ہوا اور سلطان حسین صفوی کو یرغمال بنا لیا۔ ا[illegible] ہولناک جنگ میں اسی ہزار ایرانی قتل ہو گئے۔

اس جنگ کی تاریخی اہمیت :

اس جنگ کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ اس میں صفوی تاجدار کے خلاف افغانوں کو پہلی زبردست کامیابی ہاتھ آئی۔ اصفہان کے چھ ماہ کے محاصرے کے دوران رسد ختم ہوئی تو ایرانی کتے، بلی، گھوڑے درختوں کے پتے کھا کر بھوک مٹانے لگے۔ ہزاروں ایرانی فاقہ کشی سے ہلاک ہو گئے۔ ۲۵/ اکتوبر ۱۷۲۲ء کو محمود غلزئی تزک واحتشام سے داخل اصفہان ہوا اور تین ہزار امراء اور حفاظتی شاہی دستے کو قتل کرا دیا۔ یہ قتلِ عام باہمی دشمنی کا نتیجہ تھا۔ شاہ حسین صفوی کو زندان میں ڈال دیا۔ خود اصفہان کے مرکز پر حکومت کرنے لگا اور اپنے برادر خورد حسین غلزئی کو حاکم قندھار مقرر کیا۔ دو ماہ میں اس نے مظالم کا اتنا بازار گرم کیا کہ بالآخر ذہنی توازن کھو بیٹھا۔ نتیجۃً افغانستان دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔

غلزئی کے مقبوضات میں مشرقی علاقہ قندھار، قلات، غلزئی، غزنی، کابل، جلال آباد اور بلوچستان کا افغان علاقہ تھا اور ابدالیوں کے زیرنگین فراہ، صفا اور ہرات تھے۔ ایرانی مکمل طور پر زوال پذیر ہو چکے تھے۔ ادھر مظالم کے رد عمل کے طور پر خود غلزئیوں نے محمود کو قید میں ڈال دیا اور اشرف فرزند عبدالعزیز کو ۲۶/ اپریل ۱۷۲۵ء میں تخت نشین کیا اور شاہ کا لقب دیا۔ اشرف بھی اپنے پیش رو کی طرح ظالم نکلا۔ اس نے خود غلزئیوں کو جو محمود کے بہی خواہ تھے مروانا شروع کر دیا اور ۱۷۲۶ء میں صفوی تاجدار سلطان حسین کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

جنگ مابین ترکان و افغانان :

اب عثمانی خلیفہ نے صفوی تاجدار کی حمایت میں ایک ترکی لشکر روانہ کیا افغانوں اور ترکوں کے مابین ۲۰ نومبر ۱۷۲۶ء کو ہمدان کے قرب و جوار میں جنگ ہوئی جس میں ترکی لشکر نے ہزیمت اٹھاکر راہ فرار اختیار کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عثمانی خلیفہ نے ۱۷۲۷ء میں اشرف غلزئی کو بادشاہ تسلیم کرلیا۔ جواب میں اشرف غلزئی نے ترک خلیفہ کو عالم اسلام کا سربراہ مان لیا۔

ابدالیوں اور غلزئیوں کا باہمی انتشار اور نادر قلی خان افشار کی فتوحات :

اس دوران نادر قلی خان افشار بساط سیاست پر ابھرا اور ایران کا سالار لشکر بن گیا۔ اس نے ۱۷۲۶ء میں بغاوت کی اور مشہد پر قابض ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے ابدالیوں کے خلاف لشکر کشی کا فیصلہ کر لیا۔ ادھر ابدالیوں اور غلزئیوں میں اتحاد کی صورت کبھی پیدا نہ ہوسکی۔ اس انتشار سے فائدہ اٹھاکر ایرانی ان کو شکست و ہزیمت سے دوچار کرتے رہے۔ نادر قلی کی خوش بختی نے اس انتشار و نفاق سے فائدہ اٹھایا اور بالآخر ایران کے ساتھ ساتھ افغانستان پر بھی مکمل قبضہ کرلیا۔

ستمبر ۱۷۲۹ء میں اشرف غلزئی شکست کھاکر اصفہان سے بھاگا اور قلات غلزئی میں پناہ لی۔ قندھار پر محمود کا برادر خورد حسین حکمران تھا اس نے اشرف کی گرفتاری کا حکم دیا۔ حسین غلزئی کا لشکر قلات غلزئی میں اشرف کے لشکر کے مقابل ہوا۔ اس جنگ میں اشرف قتل ہوا اور تمام مشرقی افغانستان

سین غلزئی کے زیر تصرف آگیا۔ اس نے نادر قلی افشار کی بالادستی تسلیم کر لی
س کے بعد نادر قلی نے ابدالیوں کے خلاف ہرات کی جانب پیش قدمی کی۔

لطان عبداللہ سدوزئی حاکم ہرات :

ایک اور تاریخی تناظر پر نظر رکھیے کہ نومبر ۱۷۱۲ء میں سلطان عبداللہ
مدوزئی امیر آلوس ابدالی نے ہرات پر قابض ہونے کے بعد اپنے نام کا سکہ
اری کر دیا۔ عبداللہ کے چار فرزند تھے۔ اسداللہ خان، محمد خان، اللہ یار خان اور
ں یار خان۔ بڑا بیٹا اسداللہ باپ کے پاس ہرات میں مقیم تھا باقی تینوں دادا
لطان حیات خان سدوزئی ابدالی کے پاس ملتان میں اقامت پذیر تھے۔ ہرات
دالیوں کا دارالخلافہ اور صفا اور فراہ سے بے شمار ابدالی خاندان ہرات میں منتقل
و گئے تھے۔

بدالیوں کی تاریخ ساز شجاعت
ور ایرانیوں کی عبرت ناک شکست :

ادھر ایرانی بار بار ہرات پر حملہ آور ہو رہے تھے لیکن ہر بار ناکام
ہتے تھے۔ آخر ایرانی سپہ سالار قلی خان صفوی تیس ہزار لشکر جرار کے ساتھ
بردست تیاری کرنے کے بعد ہرات کی جانب روانہ ہوا۔ اسداللہ خان سدوزئی
کے لشکر نے ۱۷۱۹ء میں قلعے کے باہر ایرانیوں کو روک لیا اور زبردست جنگ
قع ہوئی۔ ابدالیوں کی شجاعت و ہمت تاریخ ساز تھی۔ آخر ایرانی شکست کے
خم چاٹتے ہوئے فرار ہو گئے۔

غلزئیوں اور ابدالیوں کی باہمی کشمکش :

یہ کامیابی غلزئیوں کو گوارا نہ ہوئی وہ آتش حسد میں جلنے لگے۔ ۱۱۳۳ھ مطابق ۱۷۲۰ء میں انہوں نے صفا اور ارغان پر یلغار کی۔ ابدالیوں کو شکست دی اور ان علاقوں کی زمینداری پر قابض ہو گئے۔ ایک طرف ایرانی دوسری طرف غلزئی قندھار میں بیٹھ کر ریشہ دوانیاں کر رہے تھے۔ سلطان عبداللہ اور اسکا فرزند اسد اللہ خان ان کے مقابل نبرد آزما تھا۔ آخر سلطان حیات خان نے اپنے بیٹے کو ہدایت کی کہ غلزئیوں سے لڑے اور انہیں نیچا دکھائے۔

ادھر اسد اللہ خان ۳۰ ہزار افراد کا لشکر لے کر بڑھا۔ فراہ کا رخ کیا۔ قلعے پر قبضہ کیا۔ ارغان سمیت تمام زمین ان سے واگزار کرائی اور اپنے عمال کی تحویل میں دے کر قندھار کی جانب پیش قدمی کی۔ محمود غلزئی نے جنگی چال چلی کہ وہ اپنے کئے پر پشیمان ہے اور آئندہ صفا اور ارغان کے علاقے سے کوئی تعلق نہ رکھے گا۔ اسد اللہ نے سفارت کو مسترد کر دیا اور اسے خود حاضر ہو کر سلطان عبداللہ خان سے معذرت پیش کرنے کی ہدایت کی۔ نیز دوٹوک الفاظ میں کہا کہ فیصلہ میدان جنگ میں ہو گا۔

آخر ذیقعد ۱۱۳۲ھ مطابق اکتوبر ۱۷۲۰ء فراہ اور قندھار کے درمیانی علاقے میں دل آرام کے مقام پر دریائے کش رود کے کنارے زبردست جنگ ہوئی۔ طرفین سے ہزاروں افغان کھیت رہے۔ افسوس بہادر، غیرت مند اور بلند حوصلہ اسد اللہ خان بعمر ۲۶ سال میدان جنگ میں شہید ہوا۔ ابدالی میدان ہار گئے۔ جوان بیٹے کی مرگ ناگہاں کا صدمہ اور لشکر کی شکست سلطان عبداللہ خان کے دل پر قیامت بن کر ٹوٹی۔ غلزئیوں نے کھوئے ہوئے علاقوں پر دوبارہ

نہ جمالیا اور فتح کے شادیانے جوائے۔ اس نے مزید یہ قدم اٹھایا کہ ایرانیوں کو
پیام ارسال کیا کہ آیئے ہم مل کر ابدالیوں کی سرکوبی کریں۔ اسماعیل خان سپہ
سالار ایرانی زبردست لاؤ لشکر کے ساتھ ہرات کی جانب روانہ ہوا۔ سلطان
بداللہ خان نے لشکر جمع کیا۔ مشہد کا رخ کیا کہ اسے راستے میں روکے۔ ہرات کا
لعہ زمان خان والد احمد شاہ ابدالی کی تحویل میں دیا اور تیزی سے بڑھا۔

مان خان کی بغاوت :

جمادی الاوّل ۱۱۳۳ھ مطابق مارچ ۱۷۲۱ء دونوں لشکر بیرون مشہد
ضادم ہوئے۔ اثنائے جنگ میں اطلاع ملی کہ زمان خان نے کچھ حامیوں کے
اتھ ملا کر اعلان بغاوت کر دیا ہے اور قلعۂ ہرات میں قلعہ بند ہو گیا ہے۔
لطان نے بادل ناخواستہ مراجعت کی اور ہرات کا رخ کیا۔ ایرانیوں نے سمجھا کہ
لطان پسپا ہوا ہے۔ فتح کی خوش فہمی میں مشہد میں قلعہ بند ہو گئے۔ عبداللہ
ان نے ہرات کا محاصرہ کر لیا۔ زمان خان نے اس سے قبل ذوالفقار خان اور علی
ردان (پسران زن اوّل) کے ساتھ دوسری بیوی زرغونہ الکوزئی کو جو ایام حمل
یں تھی از راہ حفاظت ملتان بھجوا دیا۔

زمان خان سلطان کا برادر نسبتی تھا اور بچپن سے دونوں دوستی کا دم
رتے تھے۔ زمان خان کی اس بغاوت کے محرک دوسری بیوی کے اعزاء و
قارب تھے۔ زمان خان کی والدہ ملتان کڑی شاہ حسین ابدالی میں اپنے بھائی
ہلال خان سدوزئی کے یہاں مقیم تھی۔ ملتان ہی میں سلطان حیات خان کڑی
یں علیحدہ قیام پذیر تھا۔ وہ سدوزئیوں کی باہمی چپقلش اور خانہ جنگی سے نہایت
آزردۂ خاطر ہوا۔ چند روز کے محاصرہ کے بعد ہرات فتح ہو گیا لیکن ابدالیوں کا

زبردست جانی نقصان ہوا۔ بالآخر زمان خان خالو خان الکوزئی اور دیگر دو تین صد سپاہی گرفتار ہوئے اور قتل کر دیئے گئے۔ یہ واقعہ شعبان ۱۱۳۳ھ مطابق مئی ۱۷۲۱ء کا ہے۔

زرغونہ الکوزئی کے یہاں ۱۱۳۴ھ مطابق ۱۷۲۲ء میں لڑکا تولد ہوا جس کا نام احمد خان رکھا گیا۔ یہ یتیم بچہ سات سال کی عمر تک جلال خان سدوزئی کے زیر کفالت ملتان میں پرورش پاتا رہا۔ کون جانتا تھا کہ یہ یتیم بچہ ایک روز ایک عظیم تاریخی شخصیت بن کر ابھرے گا اور افغانوں کو متحد کر کے آزاد مملکت افغانستان کی مضبوط بنیاد رکھے گا۔

حالات کے رد عمل میں سدوزئی خاندان دو حصوں میں منقسم ہو گیا۔ اکثریت ہرات میں سلطان عبداللہ خان کے ساتھ تھی۔ ادھر زمان خان کے خیر خواہوں کے دلوں میں عبداللہ خان کے خلاف گرد کدورت بیٹھ گئی۔ عبداللہ خان کی دور اندیشی اور احوال شناسی نے حالات کے رخ کا اندازہ کر لیا اور اپنے والد بزرگوار کو ملتان لکھا کہ عبداللہ خان کے دوسرے فرزند محمد خان کو ہرات بھجوائے لیکن وہ براستہ قندھار نہیں بلکہ کابل کی راہ سے ہرات پہنچے۔ محمد خان نے رختِ سفر باندھا اور روانہ ہو گیا۔

عبداللہ خان سدوزئی والئ ہرات کا قتل

اور قاسم خان کا حکومت پر قبضہ :

۲۳ محرم ۱۱۳۴ھ مطابق اکتوبر ۱۷۲۱ء قاسم خان پسر سید خان پسر جلال خان پسر ایدل خان پسر زعفران خان پسر امیر سدو شدائد سفر جھیلتا پیادہ

یک قافلے کی معیت میں ہرات پہنچا۔ یہ زمان خان کی بغاوت سے چند ماہ قبل کا
قعہ ہے۔ عبداللہ خان نے اس کی نہایت پذیرائی کی۔ ایک ماہ بعد عبداللہ خان
منکشف ہوا کہ وہ شیطنیت کا مجسمہ ہے اور فتنہ انگیز لوگوں سے سازباز رکھتا ہے۔
بداللہ خان نے صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے اسے طلب کیا اور ۵۰۰ تومان نقد
ات گھوڑے اور دیگر مال واسباب دے کر ملتان واپسی کا حکم دیا۔ اس نے حیلہ
رازی کی کہ میں ہرات کے میوہ جات کا لذت چشیدہ ہوں۔ پوری طرح لطف
وز ہو کر لوٹ جاؤں گا۔ عبداللہ خان نے اسے صفرائین کی جاگیر عطا کی اور
ِات جانے کا حکم صادر کیا۔ صفرائین میں اس کا ربط ضبط مفسدوں اور اوباشوں
ا طرح سے رہنے لگا اور نمک حرامی اس کے انگ انگ سے مترشح تھی۔ اسد اللہ
ان نے شہادت پائی تو وہ تعزیت کے لیے آیا۔ اسماعیل خان کے خلاف شریک
نگ ہوا اور سوء اتفاق یہ کہ اس نے عبداللہ خان کا تقرب حاصل کر لیا۔ اس
نے زمان خان کی بغاوت کے وقت عبداللہ خان کی بھرپور وکالت کی اور مقربین میں
امل ہو گیا۔ عبداللہ خان جوان بیٹے اسد اللہ خان کی شہادت اور سات ماہ بعد زمان خان
ی بغاوت سے دل شکستہ اور خستہ جان ہو چکے تھے۔ زیادہ وقت اپنے بیٹے کی قبر پر روضہ
(ہرات) میں دلگیر و گوشہ نشین رہتے۔ قاسم خان نے ایک روز انہیں وہیں شہید
رڈالا۔ اس سازش میں اس کے کئی حامی شریک تھے۔ یہ دل خراش اور روح فرسا
مانحہ ۲۳ محرم ۱۱۳۴ھ مطابق ۷ ۲ نومبر ۱۷۲۲ء کو پیش آیا۔ شہادت کے
قت ان کی عمر ۵۳ سال تھی۔ انہوں نے اپنے والد کے بعد ۲۸ سال نہایت
زک و احتشام سے سرداری کی۔ اس مدت سرداری میں ۹ سال ۴ ماہ ۷ دن
رات کی حکومت کے بھی شامل ہیں۔

عبداللہ خان کی اولاد :

۱۔ اسداللہ خان جو مغل زادی کے بطن سے تھا اور ان کی حیات میں شہید ہو گیا تھا۔

۲۔ محمد خان جو زمان کی بہن کے بطن سے تھا۔

۳۔ اللہ یار خان یہ بھی ایک مغل زادی کے بطن سے تولد ہوا تھا۔

۴۔ علی یار خان ایک ایرانی خاتون سے تھا۔

قاسم خان سدوزئی :

عبداللہ خان کے سانحہ قتل سے دوسرے دن مع اپنے حامیوں کے روضہ باغ سے سوار ہو کر داخل ہرات ہوا۔ آلوس ابدالی نے اطاعت قبول کر لی کیوں کہ عبداللہ خان کا کوئی فرزند ہرات میں موجود نہ تھا۔ قاسم خان نے شاہ کا لقب اختیار کیا، اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔

ایک عجیب و غریب آلۂ قتل :

اس نمک حرام نے اپنے مخالفین کو سخت اذیتوں سے گزار کر قتل کرنے کے ارادے سے ایک آلۂ قتل ''اسپ بدولت'' ہوایا۔ یہ ایک سات ہاتھ لمبا چوکھٹا تھا۔ جس کے چار پائے تھے، ایک جانب کے دو پائے دوسری جانب کے دو پایوں سے چھ فٹ کے بقدر اونچے تھے۔ درمیان ایک سات ہاتھ لمبی اور ایک بالشت چوڑی تیز دھار تلوار نصب تھی۔ جس کا قتل مقصود ہوتا اسے تلوار پر سوار کر کے اس کے پاؤں میں ۲ من وزنی پتھر باندھ دیتے۔ وہ بدنصیب اوپر سے نیچے پہنچتے پہنچتے دو ٹکڑے ہو جاتا تھا۔ اس کے مظالم کی کوئی حد و انتہا نہ تھی

س ابدالی اور دیگر عوام کے دلوں میں اس کی نفرت کی آگ موجزن تھی۔

رب خان کا تاریخی کردار :

قاسم خان سدوزئی کے ظلم و ستم کی شکایات سلطان حیات خان وزئی تک پہنچیں، انہیں دلی دکھ ہوا۔ ادھر قاسم خان کے والد اور بھائی جو ں ابدالی میں مقیم تھے صورت حال بھانپ کر ہرات کی جانب فرار ہو گئے۔ ان حیات خان نے خود حالات سے نبٹنے کا فیصلہ کیا لیکن ان کی پیرانہ سالی کے ب ان کے خاندان والوں اور دیگر بہی خواہوں نے روکا۔ آخر ان کے تیسرے مقرب خان نے کمر ہمت باندھی اور ہرات کا رخ کیا۔ اس نے محمد خان کو ستے ہی میں انتظار کرنے کی ہدایت کی۔ مگر محمد خان براہ کابل روانہ ہو چکا تھا۔ ، مقرب خان قندھار پہنچا تو اسے گرفتار کر کے محمود غلزئی کے سامنے پیش کیا محمود نے آمد کا سبب دریافت کیا۔ مقرب خان نے صاف کہہ دیا کہ بھائی قتل کا بدلہ چکانے آیا ہوں۔ محمود غلزئی نے اپنے آدمیوں کی معیت میں فراہ پہنچا دیا۔ ابدالی ہرات سے آکر اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ چند ماہ میں ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔ اس لشکر نے پیش قدمی کی قاسم خان قلعہ ہرات میں ور کر دیا گیا بالآخر شعبان ۱۱۳۴ھ مطابق اپریل ۱۷۲۲ء کا قلعہ فتح ہو گیا۔ م خان گرفتار ہو کر مقرب خان کے روبرو حاضر کیا گیا۔ اس ظالم کو مع اس چند ساتھیوں کے قتل کر دیا گیا۔ اس کا عرصۂ حکومت صرف سات ماہ ہے اس کے مظالم تاریخ کا خونریز باب ہیں۔ مقرب خان اس فتح و ظفر اور کی ہلاکت و بربادی پر خدا کے حضور سجدۂ شکر بجالایا۔

ملتان اپنے والد گرامی کو نوید فتح پہنچائی۔ سلطان حیات خان نے

مسرت و اطمینان کا اظہار کیا۔ فتح ہرات کے بعد محمد خان بھی پہنچ گیا۔ مقرب خان نے اپنے ہاتھ سے سرداری کی دستار اپنے بھتیجے کے سر پر رکھی اور خود ملتان کی جانب مراجعت کی۔ باپ نے ایک منزل بڑھ کر اپنے فتح یاب بیٹے کا استقبال کیا۔

محمد خان سدوزئی پسر سلطان عبداللہ خان کا عہد حکومت :

رمضان ۱۱۳۴ھ مطابق جون ۱۷۲۱ء محمد خان ہرات کا حکمران بنا۔ اس نے شاہ کا لقب اختیار کیا۔ خطبہ و سکہ اپنے نام کا جاری کرایا۔ سکہ پر یہ عبارت کندہ کرائی۔

ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ علیؓ یار

بہ خاقان خاں محمد شاہ دین دار

آغاز حکومت میں شان و شوکت اس کی قدم بوس تھی۔ وہ ابدالیوں کا پہلا حاکم تھا جس نے ایرانیوں اور مغلوں کی تقلید میں امرا کو خطابات عطا کیے۔ اپنے بیٹے عبدالرحیم خان کی ولادت پر اسے جہانگیر خان کا خطاب بخشا۔ دوسرے امرائے ابدالی کو بھی مراتب و خطابات سے نوازا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے مزاج میں سخت گیری آتی گئی۔ مثلاً جب اسے معلوم ہوا کہ جس وقت سابق حکمران قاسم خان کا سر تن سے جدا کیا گیا تو گردن کی کھال رہ گئی اور لاش کے جاتے وقت سر زمین کے ساتھ گھسٹتا رہا۔ ایک ابدالی نے چھری سے سر کی باقی کھال کاٹ دی۔ محمد خان نے اس ابدالی سے اس حرکت کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا مقتول کا سر خاک آلود ہوتا جا رہا تھا۔ میں نے اسے اس ذلت سے بچالیا۔ محمد خان برہم ہو گیا کہ پٹھانوں کی چھری میں یہ تیزی آگئی ہے۔

دوزئی کی کھال کو بھیڑ بکریوں کی کھال کی طرح کاٹتی ہے۔ اسی برہمی میں اس
نصیب کو قتل کرادیا۔ اس واقعے سے اس کی ہیبت سب کے دلوں میں بیٹھ گئی۔
جب ۱۱۳۵ھ مطابق ۱۷۲۲ء میں محمود غلزئی نے اصفہان فتح کیا اور
اہ حسین صفوی کو قید میں ڈالا تو محمد خان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں محمود پورا
اسان نہ ہڑپ کر جائے۔ سو اس نے پیش بندی کرتے ہوئے خراسان پر
ھائی کر دی اور جام، تربت، بسطام و دیگر مواضعات خراسان کو مفتوح کرتے
ئے جلد ہی مشہد مقدس پر قابض ہو گیا۔ پھر نیشاپور کو زیر کیا اور بالآخر تمام
اسان کو تخت و تاراج کر ڈالا۔ وہاں کے انتظامی امور اور مالیات اپنے اختیار
ں رکھے اور مختلف معاملات پر عمال مقرر کر دیئے۔ اس نے مشہد میں چار ماہ
م کیا۔ بعد میں سابق حاکم کو اپنا نائب مقرر کرکے ہرات کی جانب مراجعت
۔ دوران سفر اسے اطلاع ملی کہ سید خان پسر قاسم خان مع اپنے بیٹے اشرف
ن کے ہرات جا پہنچا ہے۔ زمان خان بادوزئی کے یہاں اقامت پذیر ہے اور
دۂ فساد ہے۔ وہ ہرات پہنچا۔ ان کو گرفتار کرکے ان کی آنکھیں نکلوادیں اور
یں واپس ملتان بھجوا دیا۔ مزید سولہ ابدالی امرا کو جن پر سازش میں شرکت کا
ن تھا قتل کرا دیا۔ اس نے اپنے دور حکومت کے پہلے دو سال میں برہنائے
م و ستم ستر ابدالی امرا کو قتل کرایا۔ صرف شاہ نواز خان خوگانی کو زندہ رہنے دیا۔
ہ نواز نے کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچائی اور خفیہ طور پر شوالک جا پہنچا۔ جہاں
لفقار خان ولد زمان خان ابدالی مقیم تھا۔ اسے تحریک دی کہ وہ محمد خان
وزئی سے اپنے باپ کے خون ناحق کا بدلہ لے۔ جسے عبداللہ خان کے حکم پر
ل کیا گیا تھا۔ چناں چہ ذوالفقار خان سدوزئی نے قصاص کا مطالبہ کیا۔ ابدالیوں

نے جو مسلسل مظالم سے جان بہ لب اور محمد خان سے متنفر تھے۔ اس کی جان
دست اعانت بڑھایا، بھر پور حمایت کی۔ اس طرح آتش فساد بھڑک اٹھی
محمد خان نے شاہ نواز خوگانی سے وجہ فساد پوچھی اور احسان جتلایا کہ میں نے
تمہاری جان بخشی کی تھی کیا اس کا صلہ یہی فساد انگیزی ہے۔ شاہ نواز نے کہا
نے دوسرے سرداروں کو حالت خوف میں قتل کرایا اور مجھے کمزور سمجھ کر نظ
انداز کر دیا۔ میری یہ سازش میری قوت کا اظہار ہے۔ محمد خان نے بد دعا کی
تیرا خاندان کبھی حکومت پر فائز نہ ہو۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ آلوس خوگانی
کوئی فرد مرتبہ حکومت تک نہ پہنچ سکا۔ پہنچا تو ادبار کی گرفت میں آگیا۔

المختصر اس فتنہ و شر نے طول کھینچا۔ آخر آلوس ابدالی نے جو ا
اندورن انتشار اور باہمی اختلاف سے سیاسی طور پر کمزور اور بے اثر ہوتے جار
تھے سنجیدگی سے غور و فکر کر کے اس فیصلے پر پہنچے کہ ہم محمد خان سدوزئی
ذوالفقار خان سدوزئی کو مسترد کرتے ہیں اور اللہ یار خان (پسر ثالث عبد
خان) کو ملتان سے بلا کر حکومت اس کے سپرد کرتے ہیں۔ اضافی امور یہ
ہوئے کہ ذوالفقار خان ولد زمان خان دولت خان پامرد چلا جائے اور وہاں
کرے۔ حکمت یہ بھی کہ یہ دونوں ہرات سے دور رہیں تا کہ فتنہ و فساد کی
ختم ہو۔

شوال ۱۱۱۶ھ مطابق جولائی ۱۷۰۴ء محمد خان سدوزئی ولد عبداللہ
خان قلعہ ہرات سے باہر آیا۔ ابدالی امرا اور سپاہ صف بستہ ہو کر کورنش بجا
اور وداعی سلامی پیش کی۔ اس رسم سے فارغ ہوئے تو محمد خان سدوزئی
آسمان پر نگاہ کی اور بد دعا کے لہجے میں کہا جس طرح تم نے مجھے ملک بدر

خدا تمہارا نصیب بھی ایسا ہی کرے۔ یہ اجابت دعا کا وقت تھا سو اس کی دعا قبول ہوئی اور نادر شاہ نے ہرات پر حملہ کر دیا۔ بڑی خون ریز جنگ ہوئی۔ نادر شاہ فتح مند ہوا اور ابدالی شکست سے دوچار ہو کر ہرات سے نکلتے اور فراہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ یہ حالات تھے جب کہ اللہ یار خان ولد عبداللہ ولد حیات خان سدوزئی کو تاکید کی گئی کہ ملتان سے فراہ کا رخ کرے۔

اللہ یار خان سدوزئی کی حکومت کا تذکرہ :

اللہ یار خان سدوزئی عازم ہرات ہوا اور ذی الحج ۱۱۳۶ھ مطابق ستمبر ۱۷۲۴ء ہرات جا پہنچا۔ کسی مزاحمت کے بغیر ہرات پر قابض ہو گیا۔ آلوس والی ایک مرتبہ پھر اس کے ارد گرد جمع ہوئے اور اس کو دل سے خیر مقدم کہا۔ اللہ یار خان نے عنانِ حکومت سنبھالی اور سکہ و خطبہ اپنے نام کا جاری کیا۔ اس نے عدل و انصاف اور نرم خوئی کا شیوہ اختیار کیا۔ افاغنہ کا مزاج بلکہ فطرت یہ ہے کہ یہ بالعموم قوت کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور نرم مزاج حاکم سے باغی ہو جاتے ہیں۔ اللہ یار خان نے قہرمانی نہ دکھائی تو اکثر امرائے آلوس میں خودسری اور سرکشی کا مادہ پیدا ہو گیا۔ قبیلہ الکوزئی کے افراد زمان خان کے واقعہ قتل کے بعد عبداللہ خان کی اولاد سے برسر عداوت تھے کیوں کہ عبدالغنی الکوزئی کا باپ بسبب بغاوت عبداللہ خان کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ اس لیے اللہ یار سے کینہ و دشمنی کا قدرتی سبب موجود تھا اور اب الکوزئی مصروف سازش تھے۔ آخر یوں ہوا کہ زمان خان پسر ذوالفقار خان کو ۱۱۳۹ھ مطابق ۱۷۲۶ء باخرز سے بلایا اور علم بغاوت بلند کیا۔ چھ ماہ تک فریقین میں کشت و خون کا بازار گرم رہا۔ افغان ہر دو کی حکومت سے برگشتہ ہو گئے۔ ہر طرف انتشار ہی انتشار تھا۔ روز بروز کے قتل و

غارت سے عوام بیزار ہو چکے تھے۔ آخر سب علیحدہ ہوئے۔ ذوالفقار خان نے فراہ کا رخ کیا اور وہاں اقامت اختیار کر لی۔ اللہ یار خان نے مارو چاک کو راہ پکڑی اور وہاں مقیم ہو گیا۔

یہی دور تھا جب ایرانی بادشاہ طہماسپ صفوی نے نادر قلی شاہ افشار کو لشکر ایرانی کا سپہ سالار مقرر کیا اور اسے فتح خراسان پر مامور کیا۔ تاریخ کے اس انقلابی موڑ پر افغانوں کو احساس ہوا کہ گردشِ ایام نے انہیں بے بسی کی زنجیر میں جکڑ دیا ہے۔ تب انہوں نے اپنی شیرازہ بندی اور باہمی اتحاد کے لیے جدوجہد شروع کی۔ باہمی مشاورت سے فراہ کا علاقہ مع ایک لاکھ محاصلات کے ذوالفقار خان کے حوالے کیا گیا اور باقی علاقہ جس کی آمدنی اٹھارہ لاکھ تھی، اللہ یار خان کی تحویل میں دے دیا گیا۔ اس طرح یہ باہمی قضیہ حکمت و تدبر کے ساتھ طے کر لیا گیا اور متفقہ طور پر یہ طے پایا کہ اللہ یار خان آلوس ابدالی کے لشکر کے ساتھ نادر شاہ کا مقابلہ کریں گے۔

باب دوم

ایران اور نادر شاہ افشار

صفوی حکومت کو زوال ہوا تو ایران طوائف الملوکی زد میں آگیا۔ آلوس
رالی اور غلزئی سرداروں کو سر اٹھانے کا موقعہ ہاتھ آیا اور وہ ایک زبردست
اقت بن کر ابھرے۔ ادھر روس کے تاجدار پیٹر اعظم ایک خطرہ بن کر ابھرا۔
ئین گلف میں بھی نئے حالات نے جنم لیا۔ ۱۷۱۷ء میں امام سلطان ابن
بف ثانی حاکم مسقط نے اپنے طاقت ور بحری بیڑے کی مدد سے جزائر بحرین پر
نہ کر لیا۔ ایران کے بلوچ قبائل کرمان اور نواحی علاقوں میں طالع آزمائی
نے لگے انہوں نے ۱۷۲۱ء میں چار ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ بندر عباس پر
لہ کیا اور شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ شاہ سلطان حسین نے اصفہان میں
ہیار ڈال دیئے اور خانہ جنگی کے اس عالم میں ۱۴ صفر ۱۱۳۵ھ مطابق ۱۴ نومبر
۱۷ء شاہ طہماسپ نے کاظم میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اسی اثنا میں
ن فوج نے سر زمین ایران کو پامال کر ڈالا۔ مزید ایران کے افغانی مقبوضات
پرچم افغانیاں لہرانے لگا۔ یہ وہ سازگار حالات تھے جن میں نادر شاہ افشار
ان کے سیاسی افق پر ابھرا۔ نادر شاہ کا مختصر تعارف یہ ہے کہ وہ ترک افشار
لے سے تھا۔ تیرہویں صدی ہجری میں اس کے آباؤ اجداد وسطی ایشیا سے
رت کر کے آذربائیجان میں آباد ہو گئے۔ اس کے بعض اسلاف کو شاہ اسماعیل
ل صفوی نے اپنے لشکر میں بھرتی کیا۔ اس لئے کہ یہ قبیلہ دلیری و شجاعت
ممتاز تھا، بعد میں اس قبیلے نے قیقان میں اور ۱۶۸۸ء میں کشلاک ضلع درگزر

میں نقل مکانی کی۔ یہیں نادر شاہ ایک غریب گڈریے امام قلی بیگ کے یہاں
پیدا ہوا۔ اس کا سنِ ولادت ۱۸ محرم ۱۱۰۰ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۶۸۸ء ہے۔
نادر شاہ کو ہمیشہ اس بات پر فخر رہا کہ اس نے ایک غریب گھرانے میں آنکھ
کھولنے کے باوجود اپنی شجاعت سے ترقی کی منازل طے کیں، وہ فخریہ کہتا، میں
شمشیر ابن شمشیر ہوں۔ نادر شاہ آغاز میں بابا علی بیگ کوسہ، سردار قبیلہ افشار کے
یہاں ملازم ہوا لیکن اپنے اوصاف اور جوہر شجاعت کی بنا پر وہ جلد مالک کی
نظروں میں ممتاز ہوا اور مدارجِ کمال طے کرنے لگا۔ بابا علی بیگ نے اپنے لشکر
کی کمان اس کے سپرد کی اور اپنی دختر کو اس کے نکاح میں لایا۔ بابا علی بیگ نے
۱۷۲۳ء میں وفات پائی تو نادر شاہ نے اس کا مسکن آبِ رود چھوڑ دیا اور مشہد
کر ملک محمود کے حلقۂ ملازمت میں آگیا۔ اس کی شجاعت کی داستانیں بلند ہوئیں
تو طہماسپ شاہ نے اسے طلب کر لیا اور اپنی ملازمت سے مشرف کیا۔ جلد
اسے کورچی باشی (محافظ اسلحہ خانہ) مقرر کر دیا اور اسے "طہماسپ قلی"
خطاب سے بھی نوازا۔ کچھ عرصے بعد شاہ طہماسپ نے اسے مشہد پر جو ملک
کی تحویل میں تھا، حملے کا حکم دیا۔ اس نے ۱۰ر دسمبر ۱۷۲۶ء کی شب مشہد
ورود کیا اور مشہد کو فتح کر لیا۔ اس فتح سے شاہ طہماسپ کی نظروں میں اس
عزت بڑھی، جس کے سبب شاہ کے بعض امرا کے دل میں آتشِ کینہ د
بھڑکنے لگی۔

یہ وہ وقت تھا جب آلوس ابدالی خراسان میں ایک قوت بن کر
ہوئے، دوسری جانب اصفہان پر غلزئی قابض تھے۔ طہماسپ نے نادر
غلزیوں کی سرکوبی کے لئے کہا لیکن نادر شاہ کی یہ حکمت عملی تھی کہ پہلے

ابدالی کو شکست دے کر ہرات مفتوح کیا جائے کہ وہ قریب تر تھے۔ اس رائے سے اس کے سیاسی تدبّر کا ثبوت ملتا ہے۔ یہی وقت تھا کہ دس سال تک ایرانی آلوس ابدالی سے برسر جنگ تھے اور نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ یار خان کو شکست ہوئی۔ بالآخر ابدالی لشکر کے خلاف فتح مندی کے دوران ستمبر ۱۷۳۲ء میں نادر شاہ نے شاہ طہماسپ کو معزول کر دیا اور اس کے بیٹے عباس کو جو آٹھ ماہ کا تھا، تحت حکومت پر بٹھا کر تمام اختیارات حکومت اپنی تحویل میں لے لئے۔ طہماسپ کو ایک فوجی دستے کی نگرانی میں مشہد بھیج دیا گیا۔

اس کے بعد نادر شاہ کی ترکوں کے ساتھ ایک خون ریز جنگ ہوئی۔ نادر شاہ فتح یاب ہوا۔ ۱۹ دسمبر ۱۷۳۳ء کو باہمی معاہدے کی صورت میں ترکی ایران کے تمام مقبوضات سے دست بردار ہو گیا۔

نادر شاہ اقبال مندی کے عروج پر تھا اور بڑی بڑی فتوحات اس کے قدم چوم رہی تھیں۔ چناں چہ فروری ۱۷۳۶ء میں اس نے ایران کا تاج زیب سر کیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ ۱۷۳۸ء تک اس نے ابدالیوں اور غلزئیوں کی طاقت کو بھی کچل ڈالا۔ ایرانی لشکر بلوچوں کو روندتا ہوا بلوچستان کے اندر آگھسا اور قلات غلزئی کے تمام علاقوں کو فتح کر لیا۔ اب اس کی فوج ظفر موج نے قندھار کا محاصرہ کیا اور مارچ ۱۷۳۸ء میں یہ علاقہ بھی اس کے تصرف میں آگیا۔ قلعے کے قید خانے میں حسین غلزئی نے ذوالفقار خان اور احمد خان (احمد شاہ ابدالی) پسران زمان شاہ سدوزئی کو فریب دے کر مقید کر رکھا تھا۔ نادر شاہ نے انہیں آزاد کیا اور نہایت عزت و حرمت کے ساتھ انہیں اپنے ہمراہ خراسان لے گیا۔ ان کو ماژندران کا زرخیز علاقہ عطا کیا اور اپنے ساتھ

شامل کرلیا۔ احمد خان بعمر ۱۶ سال کو اپنے لشکر میں بھرتی کرلیا۔ قندھار سے مراجعت کرتے ہوئے اس نے عبدالغنی الکوزئی کو حاکم قندھار مقرر کیا۔

نادر شاہ کی شہرت، عظمت اور قوت واقتدار اپنے نقطۂ عروج پر تھا، اس نے نومبر ۱۷۳۸ء میں ہندوستان کی سرحد عبور کی اور مغلوں کو ہزیمت د شکست سے دوچار کیا۔

نادر شاہ کا ہرات پر پہلا حملہ :

نادر شاہ نے ۴ شوال ۱۱۴۱ھ مطابق اپریل ۱۷۲۹ء ہرات کے ارادۂ تسخیر سے مشہد سے کوچ کیا۔ سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی جو ۲۷ رمضان ۱۱۴۱ھ مطابق اپریل ۱۷۲۹ء ملتان میں فوت اور اپنے باغ میں مدفون ہوئے ان کی وفات کو سات دن گزر چکے تھے، نادر شاہ نے پہلے مشہد سے اولنگ یا توتی میں اور پھر تربت میں قیام کیا۔ اللہ یار خان سدوزئی نے اس کی مزاحمت کے لئے پہلے چیدہ چیدہ جوانوں کا ایک لشکر روانہ پھر مزید افغانوں پر مشتمل ایک جرار لشکر کے ہمراہ خود چلا اور کوسویہ میں قیام کیا۔ ادھر نادر شاہ نے ایک تیز رفتار ایلچی تحقیق کے لئے بھیجا اور خود کوسویہ کوچ کر کے نیم فرسنگ کے فاصلے پر افغان لشکر کے مقابل قیام کیا۔ طرفین نے صفیں آراستہ کیں۔ جنگ کا آغاز ہوا۔ پہلے ہی ہلّے میں افغانوں نے دشمن کے چھکے چھڑا دیئے۔ فوج منتشر ہو گئی نادر شاہ کا پاؤں زخمی ہوا۔ بہت سے جانی اتلاف کے سبب رات کی تاریکی میں افغانوں نے تعاقب نہ کیا، نادر شاہ خیمے میں آیا اور آتے ہی اپنی فوج کو پسپائی کا حکم دیا۔ اندھیرا محیط تھا، گھبراہٹ میں بے آب و گیاہ علاقے میں جا نکلا۔ پیاس سے جاں بہ لب تھی۔ ساری رات کنویں کھودتے گزری۔

اگلی صبح اللہ یار سدوزئی نے ہر دو سیر کا رخ کیا۔ ایرانی لشکر بھی آنکلا۔
صبح سویرے افغانوں نے توپ خانے سے گولہ باری کا آغاز کیا۔ صبح سے ظہر تک
نہایت خونین معرکہ برپا رہا۔ اطراف سے ہزاروں جواں مرد کام آئے۔ سہ پہر
کو دونوں لشکر اپنے اپنے خیموں کو لوٹ گئے۔ ادھر ایرانی لشکر کو کمک پہنچ گئی
تھی، اللہ یار خان نے اس میں مصلحت دیکھی کہ یہاں سے ہرات کوچ کیا جائے
اور وہاں دو دو ہاتھ ہوں، سو اس نے اپنی فوج اور توپ خانے کو جانب ہرات
روانگی کا حکم دیا۔ ایرانیوں نے راستہ نہ روکا اور وہیں پڑاؤ کیے رہے۔ اس دوران
شاہ طہماسپ لشکر اور بڑا توپ خانہ لے کر قریہ شاہدہ سے چلا۔ نادر شاہ براہ
نزیل ہرات روانہ ہوا۔ اللہ یار خان نے فوج کی شیرازہ بندی کی اور شہر سے
دو کوس آگے نکل کر نادر شاہ کے پاس اپنا سفیر برائے صلح بھیجا۔ نادر شاہ نے انکار
کر دیا۔ کچھ انتظار کے بعد اللہ یار خان نے دشمن کی پشت سے حملہ کر دیا اور پیادوں
کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اب گھڑ سوار متصادم ہوئے، تلوار اور چھری سورج
نکلنے تک چلتی رہی۔ سات سو افغانی اور کوئی ہزار ایرانی کام آئے۔ اس کے بعد
فریقین اپنے اپنے پڑاؤ پر لوٹ آئے۔ اچانک ایک تیز و تند آندھی اٹھی تو دو دن
تک اس شدت سے چلی گویا کرۂ ارض تباہ ہو جائے گا۔ تیسرے دن آندھی کو
قرار آیا۔ اب اللہ یار نے ایک جاسوس مخبری کے لیے بھیجا۔ معلوم ہوا دشمن کا
حوصلہ پست ہے اور ارادۂ جنگ نہیں ہے۔ عبدالغنی خان الکوزئی کو بہ ارادۂ صلح
نادر شاہ کے پاس بھیجا۔ صلح طے پا گئی اور دونوں کے مابین یہ شرط ٹھہری کہ
نادر شاہ مویرک کی جانب روانہ ہو جائے گا۔ چناں چہ نادر شاہ نے ایک لشکر
ذوالفقار خان پسر زمان خان کے قلعہ فراہ کی طرف روانہ کیا اور خود شکیبان روانہ

ہوا۔ ذوالفقار خان نے رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھایا، چکر کاٹ کر نادر شاہ کی پشت کی جانب خیمہ زن ہو گیا۔ اللہ یار خان اس صورت حال سے مطلع ہوا تو وہ بھی مع ابدالی لشکر مشرقی سمت سے نادر شاہ کے سر پر آ پہنچا۔ اس طرح افغانوں نے نادر شاہ کو حصار میں لے لیا اور دونوں لشکر اپنی اپنی سمت سے حملہ آور ہو گئے۔ تمام دن سلسلہ جنگ جاری رہا۔ بے شمار ایرانی لقمہ اجل ہوئے۔ شام کو ہر دو لشکروں نے اپنے اپنے خیموں کا رخ کیا۔ اس وقفے میں ایرانیوں کو مزید کمک پہنچ گئی۔ اگلے دن پھر جنگ چھڑ گئی۔ افغانی نہایت بہادری سے لڑے۔ دونوں جانب سے بے شمار لوگ قتل ہوئے۔ شام ہوئے پھر خیمہ گاہوں میں لوٹ گئے، اگلے دن صلح جوئی کے لئے گفت و شنید ہوئی، بالآخر صلح ہو گئی اور یہ باہمی شرائط بطور معاہدے کے قلم بند کی گئیں :

اوّل : جب نادر شاہ افشار اشرف غلزئی کے خلاف اصفہان پر حملہ کرے گا تو اللہ یار سدوزئی اس کی معاونت نہیں کرے گا۔

دوم : اللہ یار خان مشہدِ مقدس پر حملہ آور نہ ہو گا۔

سوم : نادر شاہ اور محمود غلزئی کی لڑائی کے دوران اگر حاکم قندھار حسین غلزئی اپنے بھائی کی کمک کا بندوبست کرے تو اللہ یار خان نادر شاہ کی معاونت کرے گا اور امداد کی صورت یوں ہو گی کہ وہ حسین غلزئی اور اس کے لشکر کو قندھار سے حرکت نہ کرنے دے۔ اگر وہ لشکر لے کر اپنے بھائی کی امداد کے خیال سے روانہ ہو تو اللہ یار خان قندھار کا محاصرہ کرے۔

اس معاہدے پر جانبین نے دستخط ثبت کر دیئے۔ اہم بات یہ ہے کہ قرآن

ور میان لایا گیا، دوستی مستحکم ہوئی۔ بعد میں تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا۔ اللہ یار سدوزئی کو حاکمِ ہرات تسلیم کر لیا گیا۔ یہ معاہدہ ۱۱۴۱ھ مطابق جون ۱۸۲۹ء کو طے پایا۔

معاہدے کے بعد اللہ یار خان سدوزئی ہرات آ گیا اور نادر شاہ شکیبان لوچ کر گیا۔ اسی دوران یہ اطلاع پہنچی کہ نادر شاہ کا وہ لشکر جو فراہ بھیجا گیا تھا، ہاں حملہ آور ہوا۔ اس علاقے کو تاراج کیا اور بہت سا مالِ غنیمت لوٹ کر جس س کچھ افغان مرد اور چند ایک خواتین گرفتاری کی حالت میں لوٹا ہے۔ جب اللہ یار خان کے علم میں یہ بات آئی کہ خواتین میں ذوالفقار خان سدوزئی کی رشتہ دار بھی ہیں اس نے ایک سفیر نادر شاہ کے پاس بھیجا۔ ان کی رہائی عمل میں آئی اور مال واپس ہو گیا۔ یہ امر اللہ یار خان کی مزید عزت و تکریم کا سبب بنا۔ اس کے بعد نادر شاہ بہ ہمراہی شاہ طہماسپ ۴ ذی الحج ۱۱۴۱ھ مطابق یکم جولائی ۱۷۲۹ء مشہد پہنچا اور وہاں سے اللہ یار خان کے لئے نفیس و عمدہ تحائف مع ایک مرصع شمشیر کے ارسال کیے۔

ایرانی اور افغانی دو ماہ تک اپنے اپنے علاقے میں پر امن زندگی گزارتے رہے ان مندرجہ بالا واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ افاغنہ (ابدالی اور غلزئی نہایت غیرت مند، آزادی منش اور حریت پیشہ ہونے کے سبب ایرانیوں کی بالادستی کو قبول نہیں کر سکتے تھے۔ غیرت کو زندگی اور عزت کی موت ان کے لئے محکومی سے بدرجہا بلند تھی۔ ان کی غیرت مندانہ شجاعت ان کے لئے ایک سربلند زندگی کی ضمانت تھی۔

آلوس ابدالی اور نادر شاہ افشار کے مابین کشمکش :

اب نادر شاہ نے اشرف غلزئی کی جانب پیش قدمی کی اور اصفہان، شیراز اور نواحی علاقوں پر قابض ہو گیا۔ اشرف غلزئی نے دشتِ ادبار کی جانب راہِ فرار اختیار کی۔ ہمدان، تبریز اور نواحی علاقے بھی لشکر کشی کے ذریعے رومیوں سے چھین لئے۔ ان حالات سے حسین خان غلزئی حاکم قندھار، نادر شاہ سے خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے اللہ یار خان سدوزئی کو مشہد پر مشترکہ حملے کی تجویز سے انکار کیا۔ نیز اس کی نظر میں نادر شاہ کا جلال اور فتوحات بھی تھیں۔ حسین غلزئی نے دوسرے ابدالی سرداروں سے رابطہ پیدا کیا۔ ذوالفقار خان سدوزئی کو فراہ سے بلوانے کے لئے قاصد بھیجا۔ اس صورتِ حال سے ابدالی دو حصوں میں منقسم ہو گئے اور تین ماہ تک آپس میں برسرپیکار رہے۔ اس کشمکش میں ذوالفقار خان غالب آیا اور معاہدے کے تحت اللہ یار خان نے مع اہل و عیال و دیگر ساتھیوں کے ہرات چھوڑا اور قلعہ مارو چاک کا رخ کیا۔

اب ذوالفقار خان سدوزئی ۳ شوال ۱۱۴۲ھ مطابق جون ۱۷۳۰ء داخلِ ہرات ہوا۔ ابدالیوں کی اکثریت نے ذوالفقار خان سدوزئی کی سرداری میں مشہد پر حملے کا منصوبہ باندھا۔ اللہ یار خان از روئے معاہدہ مشہد کے دفاع کے لئے ذوالفقار خان کے حملے سے قبل وہاں جا پہنچا۔ ابراہیم افشار برادر نادر شاہ نے جو اپنے لشکر کو ترتیب دے رہا تھا، جب یہ سنا کہ اللہ یار خان اپنے اہل و عیال کو مارو چاک میں چھوڑ کر مودود علی خان حاکم سرحسین اور دیگر عمائدین لشکر کے ساتھ مشہد پہنچا چاہتا ہے، مشہد سے باہر نکل کر گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔

اس دوران میں ذوالفقار خان کے افغانی لشکر کے ساتھ مشہد کی جانب
ں قدمی کی۔ نادر شاہ کو اطلاع ملی تو اس نے ایک امدادی لشکر ابراہیم افشار کی
اونت کے لیے بھیج دیا اور قرب و جوار کے حکام کو بھی امداد کی ہدایت کی۔
رشاہ نے تاکید کی کہ غلہ اور ضروری ساز و سامان قلعے میں جمع کر کے قلعہ بند
کر قلعے کی حفاظت کی جائے۔ باہر نکل کر ابدالیوں سے ہر گز نبرد آزمانہ ہوں۔
جنگ میں تاخیری حربے استعمال کئے جائیں تاکہ وہ خود تبریز کی جانب سے
ـ کر اور رومیوں کو شکست دے کر مشہد پہنچ جائے۔ اس دوران میں بعض
حی سردار جن میں باقر خان بھی تھا، استر آباد اور دوسرے علاقوں سے کمک
ے کر مشہد پہنچ چکے تھے۔

چند روز بعد ابراہیم اپنے چند عاقبت نا اندیش اور تیز طبیعت سرداروں
انگیخت پر قلعے سے باہر نکلا جب کہ ذوالفقار خان مقابلے کے لئے گھات میں
ـ ایسا زوردار حملہ کیا کہ پیادہ لشکر کا سردار باقر خان زخمی ہو گیا۔ ابراہیم خان
ڑے پر سوار بھاگنے والے پیادہ لشکر کو روکنے میں لگ گیا۔ ایرانیوں نے اسے
رپر محمول کیا اور وہ جنگ سے کنارہ کش ہو کر فرار ہونے لگے۔ ابدالیوں نے
ت سوں کو قتل کیا اور بے شمار ساز و سامان اور توپ خانے پر قبضہ کر لیا۔ ابراہیم
ن بمشکل جان بچا کر مشہد کے قلعے میں داخل ہوا۔ یہ واقعہ ۱۳ محرم ۱۱۴۳ھ
لالق اگست ۱۷۳۰ء میں پیش آیا۔

ابراہیم خان نے بوجہ شرمساری اس واقعے کی اطلاع نادر شاہ کو نہ دی۔
ے اپنے بیٹے رضا قلی کی معرفت ان واقعات کی خبر ہوئی کہ کس طرح ذوالفقار
ن نے قلعے میں محصور کیا اور قتل و غارت کی۔ اکتیس دن ابدالی قلعۂ مشہد کے

اردگرد کوشاں رہے لیکن قلعہ فتح نہ کر سکے۔ جب نادر شاہ عازمِ مشہد ہوا تو
ذوالفقار خان نے ہرات کی جانب واپسی اختیار کی۔ ادھر ابراہیم نے برہنائے
شرمندگی وخوف زدگی اللہ یار خان سدوزئی کا وسیلہ تلاش کیا کہ وہ نادر شاہ کو خط
لکھے اور ابراہیم کو بے قصور ثابت کرے۔ نادر شاہ آذربائیجان کے راستے سے ربیع
الثانی ۱۱۴۳ھ مطابق نومبر ۱۷۳۰ء داخلِ مشہد ہوا۔ اس نے اللہ یار خان کی
بہت تکریم کی۔ تحائف کا تبادلہ ہوا اور باہم طے ہوا کہ نوروز کے بعد ہرات پر
مشترکہ حملہ کیا جائے گا۔ بصورتِ فتح ہرات اللہ یار خان کے حوالے کر دیا جائے
گا۔ یہ بھی طے ہوا کہ آلوس ابدالی کے عہد شکن افراد کو یرغمال بنا کر نادر شاہ کے
حوالے کر دیا جائے گا۔

طے شدہ منصوبے کے مطابق اللہ یار خان مارو چاک روانہ ہوا تا کہ کمک
حاصل کر کے ہرات کا رخ کرے۔ ساتھ کے ساتھ اس نے باغی ابدالیوں کی
فہمائش کے لئے قاصد بھیجے کہ ذوالفقار خان نے دھوکا کیا ہے۔ لیکن وائے جہل و
نادانی، انہوں نے اس پند و نصیحت کو افسانہ جانا اور اس پر عمل نہ کیا بلکہ ذوالفقار
خان کے ہاتھ مضبوط کرتے ہوئے قلعۂ ہرات کو مستحکم کر کے آمادۂ جنگ ہو
گئے۔ اس موقع پر ذوالفقار خان کے مطالبے پر حسین غلزئی نے تین ہزار
سواروں پر مشتمل ایک لشکر سیدل خان ناصر کی سربراہی میں اس کی معاونت کے
لئے روانہ کیا۔

نادر شاہ کا ہرات پر دوسرا حملہ اور ذوالفقار خان سے لڑائی :

رمضان ۱۱۴۳ھ مطابق اپریل ۱۷۳۱ء نادر شاہ مع لشکر مشہد
ہرات کی جانب چلا اور رباط تومان سے ہوتا ہوا نقرہ وارد ہوا جو ہرات سے

س کی مسافت پر ہے۔ اللہ یار خان بھی مع لشکر شامل ہو گیا۔ ذوالفقار خان قلعہ
ات سے باہر نکلا۔ صبح تا شام جدال و قتال ہوتا رہا۔ اسی اثنا میں سیدل خان
ہ سالار غلزئی لشکر سمیت آ پہنچا اور ایرانیوں پر جو خیموں میں محو استراحت تھے،
ب خون مارا۔ خون ریز لڑائی ہوئی لیکن بے نتیجہ رہی۔ اگلے دن پھر تمام وقت
ئی ہوئی۔ افغان بہت دلیری سے لڑے۔ اس لڑائی میں ذوالفقار خان کے
ت سے ساتھی مارے گئے۔ توپ خانہ ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ قلعۂ ہرات میں
بند ہو گیا۔ ایرانیوں نے محاصرہ کر لیا جو بائیس روز جاری رہا لیکن قلعہ فتح نہ
سکا۔ ذوالفقار خان کو جب بھی موقع ملتا، قلعے سے نکل کر ایرانی لشکر پر حملہ کر
ا۔ اس لڑائی میں حاجی مشکی اسحاق زئی نے نادر شاہ پر تاک کر ایسی تلوار ماری
وہ گھوڑے پر سنبھل نہ سکا اور نیچے گر گیا۔ وہ خود اور زرہ پہنے ہوئے تھا اس
ے اسے گزند نہ پہنچی۔ نادر شاہ نے ایسا جوابی حملہ کیا کہ حاجی مشکی گھوڑے
ہ نیچے گرا اور اس کا پاؤں کٹ گیا۔ کئی دنوں کی مسلسل جنگ آزمائی کے بعد
خر ذی الحج ۱۱۴۳ھ مطابق جولائی ۱۷۳۱ء ذوالفقار خان نے ہتھیار ڈال
یئے۔ طے پایا کہ وہ قلعۂ ہرات ایرانیوں کے حوالے کر کے مع اہل و عیال
ل خان کی معیت میں فراہ چلا جائے۔

ایرانیوں نے قلعہ مفتوح کر کے اللہ یار خان کو حاکم ہرات مقرر کیا۔
مر ذوالفقار خان فراہ پہنچا تو علی مردان خان (برادر خورد) نے دوسرے ابدالی
داروں کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

محرم ۱۱۴۴ھ مطابق ۱۷۳۱ء میں فراہ کے مقام پر ذوالفقار خان اور
افاغنہ نے عہد کیا کہ جب تک جان میں جان ہے، نادر شاہ کا مقابلہ کرتے

رہیں گے۔ نادر شاہ نے اپنے بھائی ابراہیم کو مع لشکر فراہ بھیجا۔ سیدل خان او
اس کا لشکر علیحدہ ہو گئے، ابراہیم خان اور ذوالفقار خان ٹکرائے۔ خون ریز لڑائی
ہوئی، دوران جنگ ذوالفقار خان گھوڑے سے گر پڑا لیکن کسی نہ کسی طرح اس کی
جان بچ گئی۔ ایرانی فتح یاب ہوئے۔ ذوالفقار خان نے شکست کے زخم چاٹتے
ہوئے سیدل خان کا رخ کیا۔ سیدل خان کے مشورے پر وہ سیدل خان کے ہمرا
اپنے بھائیوں علی مردان اور احمد خان (احمد شاہ ابدالی) کو اپنی معیت میں لے کر
برائے حصولِ امداد حسین غلزئی کے پاس قندھار پہنچا۔ شروع میں حسین غلز
نے ان کی خاصی پذیرائی کی لیکن جب دیکھا کہ قندھار اور قرب و جوار کے افاغنہ
ان کی جانب مائل ہوتے جا رہے ہیں تو وہ افاغنہ سرداروں کی بغاوت کے
اندیشے سے محتاط ہو گیا اور اس نے خانوادۂ سدوزئی کو قلعہ قندھار میں نظر بند
کر دیا۔ یہ قید نادر شاہ کی فتح قندھار تک جاری رہی۔ بعد میں نادر شاہ نے ان کے
خاندانی مرتبے کے پیشِ نظر ان کو اپنی تحویل میں لے کر پامرض اور چمن کے
سر سبز علاقے انہیں عطا کر دیئے لیکن اپنی نگرانی قائم رکھی کہ مبادا ابدالی ان
کے ارد گرد اکٹھے ہو کر بغاوت کی فضا پیدا نہ کر دیں۔

نادر شاہ نے ذوالفقار خان اور اس کے برخوردار احمد خان کو اپنی فوج
میں شامل کر لیا اور لگاتار اپنے حفاظتی دستے میں رکھا تاکہ زیر نظر رہیں۔ اس
طرح احمد خان کی فوجی تربیت نادر شاہ کے زیر سایہ ہوئی اور وہ اپنے جوہر
استعداد اور اوصافِ عالی کے سبب نادر شاہ کے مزاج میں دخیل ہوتا اور اس کا
معتمد علیہ بنتا چلا گیا۔

ہرات پر اللہ یار خان کی حکمرانی کا دور ثانی :

فتح ہرات کے بعد نادر شاہ نے اللہ یار خان کو حاکمِ ہرات تسلیم کیا اور
قلعہ ہرات اور قرب و جوار کے علاقہ جات اس کی تحویل میں دیئے۔ ذوالفقار
خان اور اس کے بھائیوں علی مردان خان اور احمد خان کو فراہ کا علاقہ دیا گیا۔ اس
کے بعد نادر شاہ نے مراجعت اختیار کی۔ وہ چند ساعت کے فاصلے پر مقیم تھا کہ
سے غلزئی لشکر کے فراہ کی جانب کوچ کی اطلاع ملی۔ اللہ یار خان کے ایلچی نے
ی یہی اطلاع فراہم کی۔ لشکر کی تعداد چالیس ہزار بتائی گئی۔ یہ امر نادر شاہ کے
لئے موجب حیرت ہوا کہ کبھی فراہ والے ابدالی غلزئیوں سے مل کر ایرانیوں
کے مدمقابل آتے ہیں اور اب یہی غلزئی ابدالیوں کی حمایت میں آمادۂ پیکار ہیں۔
در شاہ نے صاف کہہ دیا کہ ابدالی مجھے یقین دلائیں کہ وہ ایک دوسرے کے
دشمن ہیں، تب میں غلزئیوں کے خلاف تلوار اٹھاؤں گا۔ اس نے یہ شرط بھی
عائد کی کہ ابدالی میرے ساتھ از سرِ نو معاہدۂ دوستی کریں اور پانچ سو ابدالی
سردار مجھے بطور یرغمال پیش کریں۔ اس پر ہرات میں جرگہ ہوا۔ اللہ یار خان
نے ابدالیوں سے سردار مانگے تاکہ بطور یرغمال پیش کئے جائیں تاکہ معاہدہ
مرتب ہو۔

جرگے کے دوران اس نے آلوس ابدالی سے کہا کہ گفت و شنید کے لئے
نادر شاہ کے دربار میں جانا چاہتا ہے۔ القصہ اللہ یار خان اور غنی خان الکوزئی
نادر شاہ کی خدمت میں گئے اور کہا کہ ہمارا معاہدہ تو قائم ہے۔ ہم اپنے سردار
بطور یرغمال پیش نہیں کریں گے۔ نادر شاہ نے برملا کہا، پہلے ابدالی سردار
ذوالفقار خان اور غلزئی سردار سیدل خان متحد ہو کر ایرانیوں کے خلاف لڑے۔

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ اب غلزئی لشکر ذوالفقار خان کے مقابل آئے۔ یہ ہمار
ساتھ فریب کیا جا رہا ہے۔ اللہ یار خان نے مہلت طلب کی، ہرات آیا، و
آلوس ابدالی کا جرگہ ہوا۔ تمام خورد و کلاں مشتعل تھے۔ بزرگ عورتوں نے
چادروں میں لپیٹ کر احتجاجی جلوس نکالا۔ خدا، رسول کے واسطے دیئے اور کہ
شرم کرو، تمہارے بزرگ قیدیوں کو آزاد کرتے تھے تم اپنے سرداروں
یرغمال بنواتے ہو۔ ہم اس ذلت کی زندگی سے عزت کی موت قبول کر
گے۔ قرآن درمیان لائے۔ آلوس ابدالی نے بہانگِ دہل کہا، اب یہ جنگ
ہمارے درمیان نہ ہوگی بلکہ ہم مل کر نادر شاہ کے خلاف صف آرا ہوں گے
ادھر نادر شاہ یرغمال طلب کرنے پر اڑا ہوا تھا، ورنہ جنگ، دوسری جانب
آلوس ابدالی لڑنے مرنے پر آمادہ تھے۔ آخر جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں
نادر شاہ نے عبدالغنی الکوزئی کو جو بعض ابدالی سرداروں کے ساتھ نادر شاہ
خیمہ گاہ میں تھا، نظر بند کر دیا۔

اللہ یار خان اور نادر شاہ کے درمیان جنگ :

۱۰ ربیع الاوّل ۱۱۴۴ھ مطابق اکتوبر ۱۷۳۱ء کو نادر شاہ نے حالا
کی نوعیت کا صحیح جائزہ لینے کے لئے ایک فوجی دستہ رات کی تاریکی میں قلعہ
کی جانب بھیجا۔ ایک اور گروہ بادغیس کی طرف روانہ کیا۔ اسی طرح موسیٰ
پسر سردار دودا اسحاق زئی کو ایک دستے کے ساتھ روانہ کیا تاکہ ایرانی لشکر
متعلق صحیح اور تازہ ترین حالات معلوم ہو سکیں۔ ہر طرف سے اطلاع
ایرانی لشکر ہرات کی جانب پیش قدمی کر رہا ہے۔
بالآخر ہرات سے باہر ابدالی اور ایرانی لشکر ٹکرائے۔ زبردست

ہوئی۔ صبح سے شام تک طرفین کا زبردست جانی نقصان ہوا۔ شام کو دونوں لشکر اپنے اپنے پڑاؤ پر لوٹ گئے۔ ایرانیوں نے ۳۸ دن ہرات کا محاصرہ جاری رکھا، جن میں ۱۸ دن آویزش رہی اور جنگ کا بازار گرم رہا۔ سات ہزار ابدالی اور تین ہزار ایرانی قتل ہوئے۔ اللہ یار خان کے اہل خانوادہ قلعہ مارو چاک میں رہتے تھے۔ نادر شاہ نے ان کی گرفتاری کے لئے لشکر روانہ کیا۔ ادھر اللہ یار خان نے بھی حفاظتی لشکر بھیجا۔ ۲۱ ربیع الاوّل ۱۱۴۴ھ مطابق اکتوبر ۱۷۳۱ء دونوں لشکر تصادم ہوئے۔ طرفین کے بہت افراد مارے گئے۔ اللہ یار خان نے ایک ہزار کی مزید کمک بھیج دی۔ الغرض چھوٹی بڑی جھڑپیں جاری رہیں۔ ان میں کئی ایرانی سردار کام آئے جن میں اسماعیل خان، مرزا ابراہیم کلانتر وغیرہ تھے۔ مقتول سپاہیوں کا تو شمار ہی نہیں۔ رجب ۱۱۴۴ھ مطابق فروری ۱۷۳۲ء میں اللہ یار خان نے بغرض مصالحت شیخ الاسلام افغانہ کو مع چند معتمدین نادر شاہ کے دربار میں بھیجا۔ صلح کی ایک شرط اس کے محصور اہل وعیال کی رہائی اور بحفاظت ہرات روانگی تھی۔ جس کے بعد وہ ملاقات کے لئے تیار ہے۔ نادر شاہ نے ان کی خلاصی کا تو حکم دیا لیکن یرغمالیوں کی رہائی سے انکار کر دیا۔ چناں چہ صلح نہ ہو سکی اور آلوس ابدالی ۱۴ ماہ نادر شاہ سے کمال شجاعت کے ساتھ بر سر پیکار رہے۔ ان لڑائیوں میں ایک ممتاز سردار حمزہ خان پوپل زئی گرفتار ہوا۔ اللہ یار خان نے ایک قاصد کے ذریعے اس کو قتل نہ کرنے کی التماس کی۔ دوسری طرف ایک اور ریشہ دوانی ہوئی کہ اس کے قبیلے نے نادر شاہ سے خفیہ گٹھ جوڑ کی کہ اگر ان کے سردار کی جان بخشی ہو جائے تو وہ نصف شب میں قلعے کا ایک دروازہ ایرانی لشکر کے ورود کے لئے کھول دیں گے۔ اللہ یار خان کو اس سازش کی خبر ہوئی تو

اس نے پوپل زئی لشکر کو وہاں سے ہٹا کر نور زئی قبیلے کا لشکر مامور کر دیا۔ اس طرح یہ منصوبہ ناکام رہا۔ لڑائی پھر چھڑ گئی۔ امان اللہ پوپل زئی اس میں مارا گیا۔ حمزہ خان پوپل زئی کو بھی بحکم نادر شاہ قتل کر دیا گیا۔

قلعہ ہرات کے محاصرے نے ایک سال طول کھینچا۔ قلعے سے کسی کا باہر نکلنا بلکہ سر تک نکالنا ممکن نہ رہا۔ خوراک کا سامان کم ہو گیا۔ کسی جانب سے رسد ممکن نہ رہی کبھی کبھار افغانی باہر نکل کر ایرانی خیموں پر چھاپہ مارتے اور کچھ خوراک اٹھا لے جاتے۔ لیکن آہستہ آہستہ تمام راہیں بند کر دی گئیں۔ غلہ ختم ہوا۔ اہلِ ہرات گھوڑوں اور دیگر جانوروں کے گوشت پر گزارہ کرنے لگے۔ حتیٰ کہ حلال کے بعد حرام گوشت مثلاً کتے، بلی سے پیٹ کی آگ بجھانے لگے کہ ازروئے شریعت جان بچانا فرض ہے۔ جب یہ بھی نہ رہا اور قلعے پر قیامت ٹوٹ پڑی تو سرکردہ لوگوں کا ایک وفد سفید جھنڈا لہراتا قلعے سے نکلا دربار نادر شاہ میں پہنچا اور اطاعت کا اعلان کر دیا۔ اس کے نتیجے میں اللہ یار خان اور اس کے اہل و عیال کو قلعے سے رہائی اور سفر ملتان کی اجازت مل گئی۔

چناں چہ یکم رمضان ۱۱۴۴ھ مطابق اپریل ۱۷۳۲ء قلعہ ہرات نادر شاہ کے حوالے کر دیا گیا۔ نادر شاہ نے اللہ یار خان سے ملاقات چاہی لیکن اللہ یار خان نے ناکامی کے احساس سے ازراہِ غیرت مندی ملاقات نہ کی۔

اللہ یار خان پر یہ احساس بھی غالب تھا کہ ازروئے معاہدہ وہ اسے بھائی کہہ چکا تھا۔ یہ محض آلوس ابدالی کی ضد تھی جو باہمی آویزش کا سبب بنی۔

نادر شاہ نے عام معافی کا اعلان کیا چناں چہ ساٹھ ہزار خاندان آلوس ابدالی مع سازو سامان ہرات اور نواحی قلعوں سے نکل کر عازمِ خراسان ہوئے

عبدالغنی خان الکوزئی نے نظر بندی سے رہائی پائی اور تحائف سے نوازا گیا۔ بعد از رہائی اس نے فراہ کی راہ لی۔

اللہ یار خان سدوزئی ملتان روانہ ہوا۔ عبدالغنی خان الکوزئی آلوس ابدالی کا سردار مقرر ہوا۔ اس طرح آلوس ابدالی براہ راست فرمان نادری میں آ گئے۔ اس صورت حال میں سدوزئی سرداری سے محروم ہو کر وہ طوائف الملوکی کا شکار ہو گئے اور ہرات، فراہ، خراسان وغیرہ میں بغرض معاش پھیل گئے۔ کچھ قبائل نادر شاہی لشکر میں بھرتی ہو گئے۔

ہرات کے بعد فراہ اور اس کے نواحی علاقے نادر شاہ کے قبضے میں آ گئے۔ نادر شاہ نے ابدالیوں کو محترم رکھا۔ فوج میں شامل کیا۔ دوسرے مراتب بخشے۔ ابدالیوں نے بھی مختلف معرکوں میں شجاعت کا جوہر دکھلایا اور نادر شاہ کی عنایات ان پر مرکوز رہیں۔ جو ابدالی جہاں نظر بند تھے، آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔ وفاداری کا رشتہ اور محکم ہو گیا۔ فتح قندھار ۱۷۳۸ء کے موقع پر ابدالیوں کو قندھار کے قرب وجوار میں زرخیز رقبے برائے کاشتکاری دیئے گئے اور تمام ٹیکس وغیرہ معاف کر دیئے گئے۔ نادر شاہ نے قندھار کے پرانے قلعے کو منہدم کرا کے نیا شہر آباد کیا اور اس کا نام نادر آباد رکھا، جو حکام کی اقامت گاہ بھی تھی، غلزئی قبیلہ وہاں سے شہر بدر ہوا اور ابدالی وہاں آباد کیے گئے۔ اس علاقے کی نظامت عبدالغنی خان الکوزئی کے سپرد کی گئی۔ جب ذوالفقار خان سدوزئی مع برادران، علی مردان واحمد خان، فراہ سے سیدل خان سپہ سالار غلزئی کے ہمراہ عازم قندھار ہوا تو حسین غلزئی نے انہیں قلعہ قندھار میں نظر بند کر دیا۔ جہاں علی مردان خان نے وفات پائی۔ جب نادر شاہ نے قلعہ فتح

کیا تو ذوالفقار خان، احمد خان اور لقمان خان (پسر علی مردان مرحوم) اس کے پیش ہوئے۔ نادر شاہ نے انہیں عزت دی اور ماژندران کے علاقے میں انہیں زمینداری بخشی۔

جب نادر شاہ نے ہندوستان فتح کیا اور تختِ دہلی پر رونق افروز ہوا تو ایک دن اپنے وزیر قمر الدین سے دریافت کیا "اللہ یار خان سدوزئی کہاں ہے؟" مغل وزیر نے کہا کون اللہ یار سدوزئی؟۔ اس کی اس بے خبری پر نادر شاہ نے کہا "تم اس بہادر ابدالی کو نہیں جانتے؟ تم مغلوں نے مجھ سے ایک جنگ کی۔ تمہارا حال دیدنی ہے، اس شجاع نے مجھ سے ستر لڑائیاں لڑی ہیں۔ ایسے معروف و ممتاز شخص سے تم ناآشنا ہو؟ معلوم کرو وہ کہاں ہے؟ آخر اللہ یار خان کو ملتان سے طلب کیا گیا۔ جب وہ پہنچا تو دربار آراستہ تھا۔ نادر شاہ کے ساتھ تخت پر مغل بادشاہ محمد شاہ فروکش تھا اللہ یار خان نے قریب پہنچ کر سلام کیا۔ نادر شاہ نے نیم ایستادہ ہو کر اس کی خیریت دریافت کی۔ قیامِ دہلی میں اسے ہر وقت اپنا مقرب رکھا۔ مراجعت پر اسے ہمراہ ایران لے گیا اور اپنی قربت میں رکھا۔ جب کبھی دورانِ گفتگو عبدالغنی الکوزئی کا ذکر آتا تو اللہ یار خان اسے غنی کہہ کر اس کے متعلق بات کرتا عبدالغنی الکوزئی نے ایک دن خلوت میں نادر شاہ سے کہا، حضور نے مجھے خان کا خطاب دیا ہے اور اللہ یار خان مجھے سپاٹ لہجے میں غنی کہتا ہے اور خان کہنے سے گریز کرتا ہے۔ نادر شاہ نے سکوت اختیار کیا۔ ایک دن دونوں کی موجودگی میں نادر شاہ نے کہا، جسے ہم نے خان کا خطاب دیا ہے، تم اس کی بڑائی کو مانو۔ اللہ یار خان نے بلند ہمتی اور بے باکی سے جواب دیا۔ ہم اسے ابدالیوں کا سردار تسلیم نہیں کرتے۔ یہ چاہے تو مجھے بھی اللہ یار کہہ سکتا ہے۔

اللہ یار خان افغانستان، خوارزم اور ترکستان کے سفر میں بھی نادر شاہ
ے ساتھ رہا۔ ایک مرتبہ جب نادر شاہ ماژندران سے گزر رہا تھا تو ۔۔ں میں
ا نے اس پر تفنگ چلادی اور غائب ہو گیا۔ چند دنوں بعد پکڑا گیا۔ نادر شاہ
نے اس کو اندھا کرادیا۔ ایک دن دربار نادری میں اس واقعے کی بازگشت گونجی تو
، خبری میں اللہ یار خان سے منہ سے نکل گیا کہ میں نے اسے کہتے سنا تھا کہ وہ
شاہ پر تفنگ چلائے گا۔ نادر شاہ برہم ہوا کہ میرے جانی دشمن کے ارادے کو
سے مخفی رکھا گیا چناں چہ اس پرخاش میں اس نے اللہ یار خان کو زہر دلوادیا۔
ا کی میّت ہرات لائی گئی اور اس کے باپ عبد اللہ خان سدوزئی کے پہلو میں
ضہ باغ میں اسے دفن کیا گیا۔ یہ واقعہ ۱۱۵۵ھ مطابق ۱۷۴۲ء کا ہے۔

اسی سال ماژندران میں ذوالفقار خان نے بھی انتقال کیا۔ اب زمان
ن سدوزئی کا پسر خورد، احمد خان جو زرغونہ الکوزئی کے بطن سے تھا، زندہ تھا
ر نادر شاہ کے حفاظتی دستے کا افسر اعلیٰ تھا۔ جب نادر شاہ نے احمد شاہ ابدالی کو
ہ سالار مقرر کیا تو اجازت دی کہ اپنی مرضی سے آلوس ابدالی میں سے بہادر
راد کو اپنے دستے میں شامل کرلو۔ چناں چہ احمد خان نے بکا خان بادوزئی کو (جو
ر میں شاہ ولی خان کے لقب سے) وزیر سلطنت بنا۔ سردار جہان خان کو (جو
د میں سپہ سالار مقرر ہوا) عبد اللہ خان کو جو دیوان سلطنت قرار پایا اور ہیگی
وب زئی کو اپنے ساتھ شامل کرلیا۔ اس افغان دستے کی تعداد چار ہزار کے لگ
ک بیان کی جاتی ہے، یہ ہمیشہ نادر شاہ کی حمایت و اطاعت میں سرگرمِ عمل رہا
حقِ خیر خواہی نبھاتا رہا۔

سنیچر کی رات ۱۱ جمادی الثانی ۱۱۶۰ھ مطابق جون ۱۷۴۷ء کو

محمد قاچار ایرانی، موسیٰ بیگ افشار اور دوسرے قزلباشوں نے خبوشان کے مقا
پر نادر شاہ کو قتل کیا تو احمد شاہ ابدالی ایران کی اس خانہ جنگی سے علیحدہ رہا اور ا
دامن کو صاف رکھا۔ وہ وہاں سے قندھار روانہ ہوا۔ دورانِ سفر میں آلوس ابدا
اور دیگر افاغنہ جوق درجوق اس کے گرد جمع ہوتے چلے گئے اور سب ا
احمد خان کی قیادت و سرداری پر متفق ہوگئے، جس نے اپنی خداداد ہمت ا
عظیم الشان صلاحیت کے ساتھ افغانستان کی آزادی کا پرچم لہرایا تھا۔

باب سوم

احمد شاہ ابدالی دُرِ دُران، بابائے افغان

(حالات و واقعات کے آئینے میں)

احمد خان ابن زمان خان ابن دولت خان ابن سرمست خان، برادر
اداد خان خدکہ ابن خواجہ خضر ابن حضرت ملک سدو، امیر افاغنہ فتح قندھار
۱۷۳۰ء) کے وقت اپنے بڑے سوتیلے بھائی ذوالفقار خان کے ہمراہ نادر شاہ
ے حضور پیش ہوا۔ نادر شاہ نے دونوں کی تکریم کی، اپنی سرپرستی میں لیا،
ندران کا علاقہ انہیں عطا کیا۔ احمد خان بعمر ۱۶ سال کو ذاتی حفاظتی دستے میں
ور کیا اور اپنی زیر نگرانی رکھا تا کہ خانوادۂ سدوزئی مطیع و منقاد رہے۔ نادر شاہ
ے قتل (۱۷۴۷ء) تک احمد خان تمام مہمات میں سفر و حضر میں نادر شاہ کے
یر سایہ رہا اور شجاعت کی بنیاد پر منازلِ ترقی طے کرتا رہا۔ وہ حفاظتی دستے کا
الار مقرر ہوا۔ اس طرح اس کی جاہ و عزت میں برابر اضافہ ہوتا چلا گیا۔
والفقار خان کی وفات کے بعد وہ ابدالیوں میں بھی محترم ٹھہرا اور سردار تسلیم
یا جانے لگا۔ احمد خان کا پردادا سرمست خان چوں کہ خداداد خان خدکہ کا حقیقی
ادر خورد تھا اس لئے ایشیائی قانون کی رو سے سرداری پر اسی کا حق فائق تھا۔

نادر شاہ کے واقعۂ قتل پر احمد خان نے جو صورتِ حال دیکھی تو نہایت
تدبر کے ساتھ اپنے چار ہزار افاغنہ پر مشتمل لشکر کے ساتھ جون ۱۷۴۷ء
کی رات کے آخری پہر قندھار کا رخ کیا۔ بڑے بڑے سردار خصوصاً آلوس
ابدالی آزادیٔ افغانستان کی اس مہم میں اس کے گرد جمع ہوتے چلے گئے۔ احمد شاہ

ابدالی جو ۲۴ سال کا تھا، نہایت حسین و جمیل، بلند قامت اور پیکر شجاعت تھا
اس وقت ملتِ افغانیہ کی آنکھ کا تارا بنا ہوا تھا مگر چند حاسدین بھی اس
شریکِ سفر تھے مثلاً محبت خان پوپلزئی، نصر اللہ خان نورزئی، نور محمد خان علی
حاجی جمال خان محمد زئی وغیرہ۔

احمد شاہ ابدالی میں ایک پیدائشی اور فطری مقناطیسی کشش، جاذبیت
رعب تھا۔ وہ جلال و جمال کا مرقع تھا۔ ہم نے اس سے قبل ذکر کیا ہے کہ ج
نادر شاہ نے ہندوستان فتح کیا اور لال قلعہ دہلی میں دربار آراستہ کیا گیا (۹ ذی
۱۱۵۱ھ مطابق ۹ مارچ ۱۷۳۹ء) تو دونوں فاتح و مفتوح بادشاہ نادر شا
محمد شاہ تختِ شاہی پر متمکن تھے۔ امرا مقربین اور سپاہی ایستادہ حاضر دربار
وہیں احمد خان محافظ دستے میں شامل و موجود تھا۔ سترہ سال کی عمر میں اس
چہرے پر وجاہت اور طمانیت نمودار تھی، وہیں مغل وزیر قمر الدین بھی
نہایت دانش مند، زیرک اور قیافہ شناس تھا، حاضر تھا۔ جب اس کی نظر احمد
پر پڑی، اس نے بے اختیار کہا، تم کون ہو؟ تمہارے چہرے پر بادشاہت
آثار نمایاں ہیں۔ اسی طرح نظام الملک نے جو نادر شاہ کا معتمد خاص
صاحبِ فراست تھا، اس نے نادر شاہ سے احمد شاہ ابدالی کے بارے میں در
کیا کہ وہ کون ہے؟ مجھے اس کے چہرے پر آثارِ سلطانی نظر آرہے ہیں۔ نا
نے فی الفور اسے طلب کیا اور کہا، تمہارے عزائم کیا ہیں؟ احمد خا
سر اطاعت خم کیا اور کہا، سر حاضر ہے۔

اس واقعے کے پانچ سات سال بعد نادر شاہ اپنے باغ میں آرام کر
نادر شاہ نے پیش قبض نکالا اور اس کے کان کے زیریں نرم حصے کو

کاٹ دیا اور فرمایا، جب تم تختِ شاہی پر بیٹھو گے تو یہ زخم تمہیں یاد دلاتا رہے گا
کہ تم میرے ایک ادنیٰ سپاہی تھے۔ احمد خان (سالارِ محافظ دستہ) اس کے روبرو
ایستادہ تھا۔ نادر شاہ اسے ٹکٹکی باندھے مسلسل دیکھ رہا تھا، اس نے اسے قریب تر
ہونے کا اذن دیا اور فرمایا، آثار و علائم سے میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم ایک روز
بادشاہ ہو گے۔ میری درخواست ہے کہ میرے بعد میری اولاد اور متعلقین کے
ساتھ مہربانی اور سلامت روی سے پیش آنا۔ احمد خان نے از راہِ خیر خواہی و
وفاکیشی سر جھکا کر کہا، میں آپ پر قربان! نذرانۂ جاں حاضر ہے۔ سر قلم فرما
دیں۔ نادر شاہ نے کہا ان الفاظ کی جائے مجھ سے عہد کرو کہ میری آل اولاد اور
اربابِ تعلق سے نرمی کا برتاؤ کرو گے۔

تاریخ شاہد ہے کہ حصولِ بادشاہت کے بعد اس نے اپنا عہد نبھایا اور
نادر شاہ کے وارثوں کے ساتھ ہمیشہ محبت و احترام سے پیش آیا۔ ویسے بھی
احمد شاہ ابدالی کو ایرانیوں سے کیا سروکار تھا۔ اس کا مقصد و منشاً تو ملتِ افغاناں
کے لئے علیحدہ سرزمین اور ایک آزاد اور خود مختار مملکت کا قیام تھا۔

احمد شاہ ابدالی ظاہری اور باطنی صفات سے آراستہ تھا۔ خدا نے اسے
وجاہت سے نوازا تھا اس کی شخصیت نہایت پرکشش اور جاذبِ نظر تھی۔
چہرے پر سیاہ ڈاڑھی اس کی زیب بڑھاتی۔ اخلاقی اعتبار سے وہ عالی ظرف،
متواضع، رحم دل، منصف مزاج تھا۔ خدا نے اسے علم و ہنر اور فضل و کمال سے
بہرہ ور کیا تھا۔ وہ اعلیٰ درجے کا مدبر اور منتظم تھا اور دلیری و شجاعت میں بے مثال
تھا۔ وہ ذوقِ شاعری کا حامل بھی تھا۔ وہ علم دوست تھا اور علماً اور اہلِ کمال کا قدر
شناس تھا۔ اس کی طبیعت میں فطرۃً رحم دلی تھی لیکن وہ سلطنت کے تحفظ اور

امن و امان کی حفاظت کے لئے سرکشوں کی سرکوبی بھی کرتا تھا۔ ایک مدبر حکمران کا یہ لازمہ ہوتا ہے کہ وہ شرفا سے نرم دلی روا رکھتا ہے اور فتنہ گروں اور بدخواہوں کے لئے سخت گیر ہوتا ہے۔ احمد شاہ ابدالی اسی جمال و جلال کا مرقع تھا۔ حقیقتاً وہ ایک مثالی بادشاہ تھا اور تمام افغان اس سے بے پناہ محبت کرتے اور اس دل کی گہرائیوں سے چاہتے تھے اس لئے کہ وہ محسنِ افاغنہ تھا۔ اس نے ملتِ افغاناں کو پنجۂ غیر سے نجات دلا کر ایک آزاد مملکت افغانستان کی مستحکم بنیاد رکھی تھی اور افغانوں کو حریت و آزادی کے ساتھ جینے کا ایک تاریخ ساز موقع فراہم کیا تھا۔

یہ کوئی معمولی بات نہ تھی کہ بچپن ہی سے اس کی غیر معمولی شخصیت نے نادر شاہ جیسے جوہر شناس شخص کی نظروں میں اپنی جگہ بنالی تھی۔ وہ اس کے لئے توصیفی کلمات کہتا تھا۔ ایک موقعے پر بھرے دربار میں اس نے کہا کہ میں نے ایران، توران، ہندوستان میں احمد شاہ جیسا ایک شخص بھی نہیں دیکھا۔

جب قتلِ نادر شاہ کے واقعے کے بعد وہ قندھار کے رخ روانہ ہوا دورانِ سفر قندھار سے بیس میل کے فاصلے پر لاہور کے ایک بزرگ سید صابر شاہ سے دوچار ہوا۔ اسی جگہ شیخ سرخ کے مزار کے قریب پیر کوہ کے مقام پر افغانوں کا جرگہ تین دن سے اس امر پر غور کر رہا تھا کہ سردار کسے چنا جائے حاجی جمال خان محمد زئی کے علاوہ نور محمد علی زئی، ایک عمر رسیدہ شخص ا[illegible] سرداری کے آرزومند تھے لیکن کثرتِ رائے احمد خان کے حق میں تھی کہ سدوزئی کا چشم و چراغ اور حاکم ہرات کا فرزند تھا۔ نیز نادر شاہ کے محافظ د[illegible] کا سردار تھا۔ اہم واقعہ یہ رونما ہوا کہ پیر صابر شاہ اٹھے، احمد شاہ کو مٹی کے

وترے پر بٹھایا۔ اپنے ہاتھ سے اس کے سر پر دستار باندھی۔ ساتھ کے کھیت سے گندم کا خوشہ توڑ کر دستار میں لگایا اور اعلان کر دیا کہ آج سے احمد خان تمام خانوں میں سے افضل ہیں اور میں اسے دُرران کا خطاب دیتا ہوں۔ اسی وقت معتبر و معزز سرداروں نے قرآن پر دستخط کر کے اسے بادشاہ تسلیم کر لیا۔ مگر مد شاہ نے بعد میں خطاب در دران اختیار کیا۔ اس موقع پر حاجی جمال خان کزئی جو نہایت بااثر شخص تھا، اور وہ بھی اس منصب کی خواہش رکھتا تھا، خوش سے دست بردار ہو گیا۔ یہی وہ تاریخی موقع ہے جب احمد شاہ نے اعلان کیا جتنے قبائل یہاں موجود ہیں، آج کے بعد اپنے نام کے ساتھ درانی کا لاحقہ مائیں گے۔

احمد شاہ کی بادشاہت کی وجہ اس کا امیرِ سدو اور خواجہ خضر کی اولاد میں ے ہونا تھا جو ابدالیوں کے سردار تھے۔ اس کے بعد جولائی ۱۷۴۷ء میں دھار کے قلعہ میں باقاعدہ تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی، فوج ترتیب دی گئی، م معافی کا اعلان ہوا، سکہ جاری کیا گیا اور مسجد میں خطبہ پڑھا گیا۔

احمد شاہ ابدالی حیثیت بادشاہ ایک بے مثال حکمران ثابت ہوا۔ انتظامی در میں اس نے اپنے وقار کو قائم رکھا اور نہایت تدبر و حکمت کے ساتھ عاملات طے کرتا رہا۔ اس نے درانی قبیلے کے ساتھ برابری کا برتاؤ روا رکھا۔ وہ موم و صلوٰۃ کا پابند تھا۔ علماً کی عزت کرتا۔ صلحا اولیاً اور درویشانِ الٰہی سے قیدت رکھتا۔ اہل اللہ کے مزار پر حاضری دیتا۔ جنوری ۱۷۶۰ء میں وہ دہلی حضرت نظام الدین اولیأؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اس کی عقیدت کا یہ رنگ س کے دربار میں جہاں امرا، وزرا ایستادہ ہوتے وہاں سادات اور علماً کو

بیٹھنے کی خاص رعایت حاصل تھی۔وہ ہر جمعرات علماٗ کو عشائیے پر بلاتا اور
کے بعد مذہب، سائنس اور دوسرے علوم پر ان سے مباحثہ کرتا۔اس
زبردست مذہبی رواداری تھی۔وہ شراب نہیں پیتا تھا کوئی اور نشہ بھی نہیں
تھا۔ایک سادہ اور پاک باز زندگی گزارتا تھا۔سادہ خوراک، سادہ لباس،
ایرانی پگڑی لیکن غیر مرصع، تخت پر کم بیٹھتا۔جب دربار لگتا، اس کی شخص
سادگی کا تاثر دیتی۔وہ شجاعانہ کھیلوں کا خوگر تھا مثلاً گھڑسواری۔اس کے اص
میں سینکڑوں گھوڑے موجود تھے، وہ شاعر تھا۔پشتو اور فارسی میں شعر کہت
صاحبِ دیوان بھی تھا۔الغرض اس کے اوصاف حدِ شمار سے باہر ہیں۔یہاں
نکتے کی وضاحت ضروری ہے کہ وہ خود حلیم الطبع تھا لیکن اس کے کمان دار
جہان خان کی طبیعت غصیلی تھی۔اس کمان دار نے جو قتل و غارت کیا وہ اح
کے دشمنوں کی سرکوبی کے لئے تھا۔احمد شاہ کی ایک مشاورتی کونسل بھی
بااعتماد سرداروں پر مشتمل تھی۔

احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر نو مرتبہ یلغار کی جو سکھوں اور مر
کو کچلنے کے لئے تھی۔یہ جہاد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی دعوت پر تھا او
مقصد اسلام کا فروغ اور کفر کی بیخ کنی تھا۔

خدا نے اسے قناعت کی دولت سے مالامال اور مال و جاہِ دنیوی کی
سے مستغنی رکھا تھا، بقول مصنف تذکرۃ الملوک، جب جنوری ۱۷۶۱
میدان پانی پت میں اس نے مرہٹوں کو عبرت ناک شکست دینے کے بعد
قبضہ کیا تو وہ عالمگیر ثانی کو تخت حکومت سے ہٹا سکتا تھا۔لیکن اس نے
اسی کی تحویل میں رہنے دیا اور بعد از فتح ہند، قندھار واپس آگیا۔احمد

کے اندازِ فکر اور عظمتِ کردار کے تناظر میں چند واقعات کا مطالعہ کیجئے:

☆ اس کی اطلاع میں یہ امر آیا کہ عماد الملک وزیر دہلی نے اپنی منگیتر عمدہ بیگم کی جائے ایک رقاصہ گنا بیگم سے شادی رچالی ہے تو اسے قدرے ناگوار گزرا کہ اس نے اسے مصبِ وزارت سے برطرف کردیا۔

☆ پنڈت کاسی رائے جو پیشوا بالاجی باجی راؤ ثانی کی ملازمت میں تھا اور جس نے بعد میں نواب شجاع الدولہ وزیر اودھ کی ملازمت کرلی تھی، وہ جنگ پانی پت میں موجود تھا، رقم طراز ہے کہ احمد شاہ جنگ پانی پت کے بعد علی شاہ قلندرؒ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے گیا۔ یہ اولیأ اللہ سے اس کی عقیدت کا مظہر ہے۔

☆ دشمنوں سے اس کے حسنِ سلوک کی مثال دیکھئے کہ جنگ پانی پت میں پیشوا بالاجی باجی راؤ ثانی کا بڑا بیٹا وشواش مارا گیا۔ درّانی سپاہی مصر ہوئے کہ اس کی لاش میں بھس بھر واکر جلوس کی شکل میں اسے بطور یادگار افغانستان لے جائیں۔ تین دن یہ قضیہ جاری رہا۔ احمد شاہ ابدالی نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اس کے حکم سے پنڈت بلائے گئے۔ ان کے عقیدے کے مطابق لاش کو آگ دی گئی اور اس کی راکھ کو سونے کے برتن میں ڈال کر پیشوا کے پاس بھجوا دیا گیا۔

☆ بھاؤ کی لاش لاشوں کے انبار میں دب گئی تھی۔ اسے تلاش کیا گیا۔ سر کسی سپاہی کی تحویل میں تھا، حاصل کیا گیا، منہ دھویا گیا۔ لاش برہموں کے حوالے کی گئی۔ باعزت طور پر جلائی گئی اور ظرفِ زر میں اس کی راکھ پیشوا کے حوالے کردی گئی۔

ایسے عظیم الشان اور بے مثال بادشاہ کی بادشاہت کا سبب پیر صابر شاہ، حاجی جمال خان محمد زئی، ابدالیوں، بارکزئیوں اور دیگر افغان سرداروں کی متفقہ

حمایت سے تھا۔ اس کے علاوہ وہ سدوزئی خاندان کا سرمایۂ افتخار اور چشم و چراغ
تھا۔ وہ تخت آرائے حکومت ہوا اور افغانستان ایرانیوں کی محکومی اور باج
گزاری سے نجات پا کر ایک آزاد مملکت کے طور پر تاریخ عالم میں نمودار ہوا۔
یہی وجہ ہے کہ اس کی عظمت کو خراج تحسین ادا کرنے اور اس کے اس تاریخ
ساز عمل کا اعتراف کرتے ہوئے اسے بابائے افغان کہا جاتا ہے یعنی ''بابائے
افغان احمد شاہ درِ دران۔''

تاریخ شاہد ہے کہ افغان اپنے سردار کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کی
عالی نسبی اور شان و شوکت کے معترف رہتے ہیں لیکن ایک حکمران کے لئے
خاص حالات میں سرکش سرداروں پر سخت گیری بھی لازمی ہے مثلاً جب پیر کوہ
کے مقام پر احمد شاہ کی سرداری کا اعلان ہوا اور یہ اعلان بھی ہوا کہ سردار کی
عزت سب پر لازم ہوگی تو یہ بھی ایک ضابطہ مقرر کیا گیا کہ سردار کی انتظامی
مصروفیات کے پیشِ نظر ملاقاتی کے لئے ملاقات کا وقت لینا ضروری ہوگا۔ بعض
کوتاہ اندیش سرداروں نے اسے اپنی توہین قرار دیا۔ دوسرے دن چند سردار
دربان کے روکنے کے باوجود احمد شاہ کے خیمے بمقام پیر کوہ میں داخل ہوئے۔
احمد شاہ کو سخت ناگوار گزرا۔ اس نے ان سرکشوں کو گرفتار کرایا اور انہیں مست
ہاتھیوں کے پاؤں تلے روندنے کا فرمان جاری کیا جس کی تعمیل کی گئی۔ لوگ
گئے، لیکن ایک اور ردِ عمل یہ ہوا کہ جب سرکردہ خوانین کو جن میں ہارون
خان سدوزئی، عبدالرحمٰن خان سدوزئی، کامران خیل اور محبت خان خان
سدوزئی وغیرہ تھے، یہ امر شاق گزرا کہ لیجے ہم نے سردار منتخب کیا اور ہم پر
ستم ڈھائے جانے لگے۔ اس گفتگو پر تبصرہ جاری تھا کہ احمد شاہ ابدالی کو

لی، اس نے ان سب کو اور ان کے طرف داروں کو چن چن کر قتل کرادیا کہ
ربہ کشتن روزِ اوّل، ان واقعات کے بعد احمد شاہ ابدالی نے قندھار کی جانب رخ
لیا۔ قندھار پہنچا تو احمد خان الکوزئی پسر عبدالغنی خان الکوزئی مرحوم نے داخلے
یں مزاحمت کی۔ اسے گرفتار کر کے قتل کرادیا گیا۔

نور محمد خان الکوزئی بھی قتل ہوا۔ تب احمد شاہ بلامزاحمت قندھار میں
اخل ہوا اور اس نے قلعۂ قندھار کی مسجد میں جولائی ۱۷۴۷ء میں اپنی
دشاہت کا اعلان کیا اور باقاعدہ تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کی رسومات نہایت
سادہ تھیں۔ اس نے باقاعدہ طور پر مملکت افغانستان کی آزادی کا اعلان کیا اور
پنے لئے شاہ کا لقب نیز دُردُران کا لقب اختیار کیا۔ یہ فرمان بھی جاری ہوا کہ آج
کے بعد تمام ابدالی درانی کا لقب اختیار کریں گے۔ اپنے نام کا سکہ جاری کیا۔ جس
پر یہ شعر ثبت تھا:

حکم شد از قادرِ بےچوں بہ احمد بادشاہ
سکہ زن بر سیم و زر از اوجِ ماہی تا بماہ

اور شاہی مہر پر جو فرامینِ شاہی پر ثبت ہوتی تھی، یہ الفاظ کندہ کرائے:

الحکم للہ یا فتاح احمد شاہ دُرِدُرّان

وہ حکومت و اقتدار حاصل کرنے کے بعد قندھار اور قرب و جوار کے علاقوں کو
اپنے تصرف میں لیا۔ وہ کیوں کہ نادر شاہ کا تربیت یافتہ تھا اس لئے اس کے ذہن
میں نظامِ حکومت کا خاکہ ایرانی طرز کا تھا۔ لیکن ایرانی تہذیب یافتہ تھے اور افغان
ناخواندہ تھے، اس لئے ایرانی طرزِ حکومت یہاں کاملاً نہیں چل سکتا تھا۔ مثلاً
ایرانی بادشاہ مطلق العنان ہوتا تھا جب کہ افغانی قبائل اپنے اپنے سرداروں کے

مطیع تھے، تاہم احمد شاہ ابدالی نے نہایت تدبر کے ساتھ کبھی نرمی، کبھی سختی برتتے ہوئے ان سب کو مطیع بنالیا لیکن قبائلی رسوم اور رواج کی تبدیلی اس کے اختیار میں نہ تھی۔ وہ کیوں کہ افغانوں سے محبت کرتا تھا اس لئے اس نے قبائلی نظام کو قائم رکھتے ہوئے ان کی آزادی اور خوشحالی کو فروغ دیا۔ تاہم یہ اس کی مدبرانہ لیاقت تھی کہ وہ مملکت کے انتظامی ڈھانچے اور قانون کی بالادستی کو قائم رکھنے میں کامیاب رہا۔ اس نے تمام قبائلی سرداروں پر یہ پابندی لگادی کہ وہ اپنے اپنے قبیلے سے افراد مقرر کر کے شاہی فوج میں بھرتی کرائیں۔ نیز مقرر کردہ جنس کی شکل میں ٹیکس بھی ادا کریں۔ اس نے لشکر شاہی کی باقاعدہ تنخواہ مقرر کردی جو کبھی ماہانہ اور کبھی کسی مہم پر روانگی سے قبل بطور پیشگی رقم کے ادا کی جاتی تھی، تاکہ وہ فکر معاش سے آزاد رہ کر اپنا فریضہ ادا کر سکیں۔

احمد شاہ ابدالی قانع طبیعت رکھتا تھا اور حرصِ مال وزر سے مستغنی جب فتوحات کے بعد مال غنیمت فراہم ہوتا تو اسے اپنے سرداروں اور سپاہیوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ اس سے فوج اور عوام کے درمیان اس کی ہردل عزیزی میں اضافہ ہوا۔

اقبال اس کا یاور تھا اور قسمت اس کی سازگار۔ جب وہ جولائی ۱۷۴۷ء کو قندھار پہنچا تو چند روز بعد اس کو اطلاع ملی کہ نادر شاہ کا سردار تقی شیرازی بیگ جو بفرمان نادر شاہ مع نواب ناصر خان حاکم کابل و نواب زکریا خان حاکم سندھ و پنجاب کی طرف سے تین صد اونٹوں پر لدا ہوا سامان بطور خراج مغلیہ سلطنت سے لے کر کے عازمِ ایران تھا۔ اس خراج میں دو کروڑ مالیت کے سکہ رائج الوقت، قیمتی ہیرے جواہرات، سینکڑوں اونٹ گھوڑے وغیرہ شامل تھے

قندھار کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ ایک افغان حفاظتی دستہ اس پر مامور تھا۔ یہ
۔نادر شاہ کے واقعۂ قتل سے بے خبر تھے، خبر پاتے ہی احمد شاہ ابدالی نے ایک
نا دستہ بھیج کر تمام مال واسباب پر قبضہ کر لیا۔ افغان افغانوں سے آ ملے۔
خان اور اس کے ایرانی ہمراہیوں کو جان کی امان دے کر ایران کی جانب
۔کر دیا گیا۔ یہ سرمایہ استحکامِ حکومت میں اور افغان سپاہیوں کو اپنے سے
۔کرنے میں بہت کام آیا۔ فوجیوں کو چھ چھ ماہ کی پیشگی تنخواہ ادا کر کے انہیں
۔م اور وفادار بنا لیا۔ بہت سی رقم امراً اور سرداروں کی اطاعت کو محکم
نے میں صرف ہو گئی۔

احمد شاہ درّدرّان نے نادر شاہ کے عہدیداروں کو بر طرف کر کے
۔ئی افراد کو اہم مناصب و مراتب پر فائز کیا اور وفاکیش سرداروں کو نئے
ے عطا کیے۔ ان انتظامات سے فارغ ہو کر احمد شاہ نے قندھار میں اپنی
ر فوج کا ایک دستہ چھوڑا اور لشکر سمیت قلات غلزئی کا رخ کیا۔ راستے میں
سرداروں کا استیصال کرتے ہوئے وہ اکتوبر ۱۷۴۷ء میں براہِ غزنی کابل
پہنچا۔ نواب ناصر خان حاکمِ کابل اپنے ایک وفادار دستے کے ساتھ برائے
ب امداد مغل صوبیدار لاہور کی جانب بھاگ گیا۔ ناصر خان کی بیوی، مغلیہ
ت کے منصب دار علی مردان خان کی بیٹی تھی، اس کی حرمت و عزت کا
خیال رکھا گیا۔ احمد شاہ نے سردار جہان خان سپہ سالار کو درۂ خیبر کی جانب
کیا۔ راستے میں ہشت نگر کے دوآبے کے سردار عبدالصمد خان مہمند زئی
مقابلے کی ٹھانی۔ لیکن مقابل نہ ٹھہر سکا، ہزیمت اٹھائی اور جلال آباد کی
بھاگ گیا۔ بالآخر اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح افغان فوج فاتحانہ

انداز میں دریائے سندھ کو عبور کرتے ہوئے چھچھ ہزارہ پہنچ گئی۔ احمد شاہ بھی
پہنچا۔ آخر الامر نومبر ۱۷۴۷ء میں یہ لشکر پشاور میں فتح کے شادیانے بجاتا ہوا
داخل ہو گیا۔ تمام یوسف زئی اور خٹک قبائل نے اطاعت اور وفاداری کا اظہار
کیا۔ علاوہ ازیں فتح خان، سالارِ اعلیٰ، پسر نازو خان ہوتی اور طورو اور بامے زئی کے
خوانین نے بھی وفاداری کا دم بھرا اور افغان بادشاہ کے حضور میں حاضر
ہوئے۔ سردار جہاں نے ہزارہ کے علاقے تک ناصر خان کا تعاقب کیا۔ اسے
خبر ملی کہ وہ پنجاب کی طرف بھاگ گیا ہے جہاں اسے شاہ نواز خان صوبیدار
لاہور سے امداد کی توقع تھی۔ لیکن حاکمِ لاہور نے اس سے سرد مہری برتی
دراصل شاہ نواز خان کی احمد شاہ درددران سے خفیہ خط و کتابت تھی اور یہی
رخی کا اصل سبب تھی۔ ناصر خان چند روز عید گاہ سے ملحقہ کمروں میں قیام
بعد دہلی بھاگ گیا جہاں اس نے ۲۷ ذی الحج ۱۱۶۰ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۷۴۷ء
مغل بادشاہ محمد شاہ کے دربار میں حاضری دی اور اسے اپنی رودادِ غم سنائی
ادھر سردار جہان خان نے پشاور مراجعت کی اور احمد شاہ کی خدمت میں حاضر
گیا۔ اسی دوران میں شاہ نواز خان نے افغان بادشاہ کو پنجاب آنے کی دعوت
چناں چہ احمد شاہ درددران نئی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

نواب عبد الصمد خان دلیر جنگ:

۱۱۳۴ھ مطابق ۱۷۲۲ء میں مغل دربار کی طرف سے نواب ذکریا
پنجاب کا صوبیدار مقرر کیا گیا۔ اس نے اپنی طرف سے اپنے والد نواب عبد الصمد
دلیر جنگ کو ملتان کا صوبیدار مقرر کیا جو تا وفات (جون ۱۷۳۷ء) اس
قائم رہا۔ یہ نہایت ہر دل عزیز تھا۔ مغل دربار سے گہرے مراسم استوار کیے

...الصمد خان مغل بادشاہ محمد شاہ کا معتمد علیہ تھا اور تورانی جماعت کا اہم رکن شمار
...تا تھا۔ اس نے ملتان میں بہت سے فلاحی کام کیے۔ ۱۷۳۵ء میں عیدگاہ تعمیر
...ئی۔ اس کا خاندان نصف صدی تک برسر اقتدار رہا۔ اس کی وفات پر ۱۷۳۷ء
اس کا پوتا حیات اللہ خان عرف شاہ نواز خان ابن زکریا خان ملتان کا منصب دار
اس کے عہد میں نواب زاہد خان سدوزئی کو نائب ناظم ملتان مقرر کیا گیا۔ نواب
خان اعلیٰ درجے کا منتظم تھا۔ ۱۷۴۹ء تک اس نے خوش اسلوبی سے یہ فریضہ
...دیا۔ زکریا خان عموماً لاہور رہتا تھا اس کی عدم موجودگی میں نواب زاہد خان
زئی اس علاقے کے امن وامان اور خوش حالی کا ضامن تھا۔ اس نے زراعت کو
ترقی دی۔ اس کے سبب ابدالی خاندان کے بے شمار افراد افغانستان سے ہجرت کر
ملتان مستقلاً سکونت پذیر ہو گئے۔ اس نے انہیں زمینیں دیں۔ یہ افغان افراد
...ت پاتے پاتے سندھ تک جا بسے۔ اسی کے سبب سدوزئی افراد نے ملتان سرکار میں
...استحکام حاصل کر لیا اور عہدِ احمد شاہ درِّ درّان میں یہاں اپنی موروثی حکومت کی
...الی اور تقریباً ۶۶ سال مسلسل ملتان پر سدوزئی خاندان حکمران رہا۔ نادر شاہ
...کے قندھار کی فتح ۱۷۳۸ء کی خبر سن کر نواب زکریا خان صوبیدار پنجاب نے
...دوستی کا نامہ لکھا اور شوال ۱۱۵۱ھ مطابق ۱۷۳۸ء نادر شاہ کے حملے کے دوران
...ر کے نزدیک اس سے ملاقات کی اور اسے بیس لاکھ کی رقم بطور نذرانہ پیش کی اور
بالادستی کو تسلیم کیا۔ معاہدۂ شالیمار کے مطابق دریائے سندھ کی مغربی جانب
...م علاقہ مع صوبہ سندھ ایران کے حوالے کر دیا گیا۔ نادر شاہ نے پنجاب کی
...اری نواب زکریا خان کو عطا کی اور اپنی جانب سے ملتان اور سندھ کے
...کی حکمرانی بھی اسی کے حوالے کر دی۔

نادر شاہ کے واقعۂ قتل ۱۷۴۷ء کے بعد احمد شاہ درِ دران اس کی

طرف سے درۂ خیبر پار کے علاقے کا دعویدار بن کر ابھرا۔ اس نے اپنی سفارت
صوبہ پنجاب بھجوائی کہ وہاں کا صوبیدار اس کی بالادستی قبول کرے۔ احمد شاہ
اسی ضمن میں اکتوبر ۱۷۴۷ء میں لشکر کشی کی اور نومبر میں پشاور جا پہنچا۔ اس
اسے پنجاب کا رخ کرنا تھا، تاہم اس نے سفارت ضروری سمجھی اور اپنے باا
دوست ہارون خان سدوزئی کو سفیر کے طور پر صوبیدار پنجاب کے پاس بھیجا
پنجاب میں اس وقت عجب انتشار تھا۔ زکریا خان کی وفات ۱۲ر جمادی الاول
۱۱۵۸ھ مطابق یکم جولائی ۱۷۴۵ء کے بعد اس کے بیٹے شاہ نواز خان اور
خان صوبیداری کے منصب کے لئے آپس میں برسرجنگ ہو گئے۔ یحیٰ خان
مغل سلطنت کے وزیر قمر الدین کا داماد تھا۔ اگرچہ محمد شاہ زکریا خان کے کسی
لڑکے کو صوبیداری کا منصب دینے کے حق میں نہ تھا مگر وزیر کے سبب مجبور
کر اس نے یحیٰ خان کو لاہور اور شاہ نواز خان کو ملتان کی صوبیداری سونپ دی
یہ قضیہ طے ہوا تو دونوں بھائی مرحوم باپ کی جائیداد حاصل کرنے کے
آپس میں متصادم ہو گئے۔ ہوا یوں کہ ۱۸ ذیقعد ۱۱۵۹ھ مطابق ۲۱
۱۷۴۶ء کو شاہ نواز خان ملتان سے لاہور پہنچا اور بھائی سے جائداد کا حصہ
کیا۔ جھگڑا بڑھا اور دونوں کی فوجیں لاہور میں گتھم گتھا ہو گئیں۔ چار ماہ جنگ
قتال جاری رہا۔ ۱۷ر مارچ ۱۷۴۷ء کو شاہ نواز خان نے یحیٰ خان کو شکست
اور ۲۱ر مارچ کو فاتحانہ شان سے لاہور میں داخل ہوا۔ یحیٰ خان کو زکریا
ہمشیرہ دردانہ بیگم کی حوالی میں قید کر دیا گیا۔ اس طرح شاہ نواز خان لا
ملتان دونوں کا بزور شمشیر صوبیدار بن گیا۔ اب اس نے ایک جانب تو محمد
سفیر بنا کر دربار دہلی بھیجا اور اپنے عمل پر اظہار ندامت کرتے ہوئے عفو

ہوا۔ دوسری طرف اس نے احمد شاہ درِ دران سے بھی تعلقات استوار کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی دوران آدینہ بیگ خان، فوجدار دوآبہ جالندھر ایک قوت بن کر ابھرا اور اس خانہ جنگی میں اس نے شاہ نواز خان کے ساتھ مل کر یحییٰ خان کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ اس کا مشورہ بھی یہی تھا کہ احمد شاہ دردران سے تعلقات استوار کرنا مناسب ہوگا۔ اس سفارت میں بادشاہِ افغانستان کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی گئی اور یہ شرط پیش کی گئی کہ ہند کی بادشاہت احمد شاہ دردران کی ہوگی اور وزات نواب شاہ نواز خان کی۔ اس سفارت میں خان شجرا خان پوپلزئی کو بھی شامل کیا گیا تاکہ اس کا اعتماد حاصل ہو سکے۔ ادھر محمد نعیم خان جو سفارت لے کر دربار دہلی گیا تھا، قمر الزمان خان کے سبب ناکام ہوا۔ آدینہ بیگ نے دوہرا کھیل کھیلا، ایک طرف تو شاہ نواز خان کا ساتھ دیا، دوسری طرف مغل دربار کو لکھ بھیجا کہ یہ افغان بادشاہ کے ساتھ سازباز کر رہا ہے۔ اس پر مغل دربار سے شاہ نواز خان کو فرمان جاری ہوا کہ ہندوستانی سرحدوں کی حفاظت کی جائے اور تمہیں کابل، کشمیر، ٹھٹھہ، ملتان اور لاہور کی نظامت اور تمام آمدنی بدیں شرط حوالے کی جاتی ہے کہ احمد شاہ درّان کا ہر صورت میں مقابلہ کیا جائے۔ وہ اس دامِ سیاست میں پھنس گیا۔ خوشی سے پھولا نہ سمایا اور افغان بادشاہ سے آمادۂ پیکار ہو گیا۔

احمد شاہ دردران کا ہندوستان پر پہلا حملہ :

احمد شاہ دردّان دسمبر ۱۷۴۷ء میں پشاور سے پنجاب کی طرف روانہ ہوا اس کی معیت میں اٹھارہ ہزار گھڑ سوار فوج تھی جن میں ایک تہائی ابدالیوں پر مشتمل تھی۔ دریائے سندھ کو کشتیوں کا پل بنا کر عبور کیا گیا۔ اٹک

کے مقام پر یوسف زئی کا ایک دستہ شامل ہو گیا۔وہ جہلم کی طرف بڑھا اور قلعہ رہتاس پر قابض ہو گیا۔ اس مہم کو سر کرنے کے بعد اس نے ہارون خان سدوزئی کو بطور سفیر شاہ نواز خان کے پاس لاہور بھیجا اور اسے اطاعت قبول کرنے کی ہدایت کی۔ صوبیدار نے بے ہودگی اختیار کرتے ہوئے طنزاً پوچھا، احمد خان برادر کا کیا حال ہے ؟ ہارون خان سدوزئی نے برجستہ کہا۔ ہم احمد خان کو تو نہیں جانتے بلکہ ہم یہاں دُرِ دُرّان کے حکم سے آئے ہیں۔ شاہ نواز خان کی بد کلامی اور عاقبت نا اندیشی کے سبب سفارت ناکام لوٹ گئی۔ احمد شاہ دُرِ دُرّان غضب ناک ہوا اور اس نے لشکر کشی کا حکم دے دیا۔ سید پیر صابر شاہ جو ایک نیک دل، خدا ترس اور درویش صفت انسان تھا، اس سفر میں شریک تھا۔ اس نے اس خیال سے کہ ناحق خلقِ خدا کا خون نہ ہو اور اہلِ لاہور قتل و غارت سے بچ جائیں، شاہ سے درخواست کی کہ میرا گھر لاہور میں ہے۔ اجازت دیجئے میں اہل خانہ سے بھی مل آؤں اور صوبیدار کو بھی نیک و بد سمجھا دوں اور اسے آپ کی اطاعت پر آمادہ کردوں۔ احمد شاہ نے اپنے جذباتِ غیظ و غضب پر قابو پاتے ہوئے پیر صابر شاہ کو اجازت دے دی۔ وہ شاہ نواز کے دربار میں پہنچا۔ اس وقت آدینہ بیگ خان، دیوان کوڑا مل وغیرہ کے علاوہ بہت سے عمائدین و ارکان موجود تھے۔ پیر صابر شاہ نے سب کی موجودگی میں اس سے استدعا کی کہ وہ احمد شاہ ابدالی کی اطاعت قبول کر لے۔ شاہ نواز خان نے تحقیر کے ساتھ انکار کیا۔ پیر صابر شاہ نے کہا کہ آپ کی تلوار لکڑی کی بنی ہوئی ہے اور اس کی شمشیر لوہے کی ہے۔ نیز اس کا اقبال بلند ہے اور آپ کا روبہ زوال، اس پر بد بخت نے پیر صابر شاہ کے قتل کا حکم دے دیا۔ اس کے منہ میں سیسہ

بھر اگیا۔ جس سے اس نیک دل، صلح پسند اور شریف درویش کے موت واقعہ ہو گئی۔ محمد یار خان کو جانے دیا کہ وہ اپنے بادشاہ تک اس واقعے کی اطلاع پہنچا دے۔ ظاہر ہے کہ اس دردناک واقعے کے بعد احمد شاہ درران کے ارادۂ جنگ میں کون سا امر مانع ہو سکتا تھا۔

جب احمد شاہ گجرات پہنچا تو گکھڑ قبیلے کا سردار سلطان مقرب خان حاضر ہوا اور اطاعت گزار ہوا۔ احمد شاہ نے اس کا علاقہ وفاداری کے صلے کے طور پر اسی کو بخش دیا۔ اس کے بعد احمد شاہ درران نے دریائے چناب کو سوہدرہ سے عبور کیا اور تیزی سے شاہدرہ پہنچا۔ ۱۸ محرم ۱۱۶۱ھ مطابق ۸ جنوری ۱۷۴۸ء اس نے دریائے راوی کے دائیں کنارے پر مقبرۂ جہانگیر کے قریب قیام کیا۔ دوسری طرف شاہ نواز خان بھی تیاریوں میں مشغول تھا کیوں کہ اسے مغل دربار کی جانب سے افغان حکمران سے مقابلے کی ہدایت کی گئی تھی۔ شاہ نواز خان اپنے تیس ہزار سوار و پیادہ و توپ خانہ کے ساتھ راوی کے بائیں کنارے پر خیمہ زن ہوا۔ یہ ۲۱ محرم ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۷۴۸ء کا واقعہ ہے۔ آدینہ بیگ حاکم جالندھر بھی اس کے ہمراہ تھا۔ آغاز جنگ یوں ہوا کہ شاہ نواز خان کی توپوں نے گولے اگلنے شروع کیے جس کے مقابلے میں افغان فوج نے تیر اندازی کی۔ اس کے بعد افغان لشکر نے راوی عبور کر کے میدان میں قدم جمائے۔ شالیمار باغ کے قرب و جوار میں شام تک جنگ جاری رہی۔ رات کی تاریکی میں شاہ نواز خان اپنا لشکر چھوڑ دہلی کی جانب فرار ہو گیا۔ اب لشکر کی کمان آدینہ بیگ اور کوڑا مل کے حوالے تھی۔ نصف شب قریب لوگوں کو بھگوڑے شاہ نواز خان کا پتہ چلا تو انہوں نے بھی شہر لاہور کا رخ کیا۔ صبح ہوئی

تو سارے خیمے خالی تھے۔ اور شاہ نواز خان کی طرف ہو کا عالم طاری تھا۔

۲۲ محرم ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۲ جنوری ۱۷۴۸ء افغان فوج فتح مندانہ لاہور میں داخل ہو گئی۔ اس دوران مغل امرا میں اختلاف شروع ہو گئے۔ شاہ نواز خان کے بڑے بھائی یحییٰ خان، میر مومن خان، سید جمال الدین خان، میر امین دین خان نے شاہ نواز خان کے دہلی فرار ہونے سے رہائی پائی۔ ایک وفد احمد شاہ درددران سے جا کر ملا اور وفاداری و اطاعت کا اعلان کیا۔ دیون لکھپت رائے، دیوان کوڑامل، وغیرہ نے مل کر وعدہ کیا کہ وہ تیس لاکھ کی رقم بطور تاوان ادا کریں گے ان کی درخواست قبول ہوئی اور احمد شاہ نے وعدہ کیا کہ افغان لشکر شہر میں داخل نہ ہوگا اور شہریوں کو قتل نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود قتل و غارت کے چند واقعات ہوئے اور مغل محلہ افغانوں کے عتاب کی زد میں آیا۔ پیش کردہ رقم کے علاوہ شاہ نواز خان کی ساری جائداد، کروڑوں کی مالیت کے زر و جواہر جو ۳۵ سال سے عبدالصمد خان اور زکریا خان کے عہد اقتدار میں جمع ہوتے چلے گئے تھے، ہاتھ آئے۔

احمد شاہ درددران کا قیام لاہور میں پانچ ہفتے رہا۔ جموں، کشمیر، شمالی علاقہ جات کے رجواڑوں اور مہاراجاؤں نے اپنے وکیل اور نذرانے بھیجے اور اطاعت کا اعلان کیا۔ احمد شاہ درددران نے لاہور سے سکہ جاری کیا۔ یہ عبارت کندہ تھی:

درددران احمد شاہ بادشاہ
ضرب دارالسلطنت لاہور
جلوس میمنت مانوس احد

ں نے انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے قصور کے افغان سردار جھلی خان کو
ہور کا ناظم اور میر مومن خان کو نائب ناظم مقرر کیا۔

احمد شاہ درددران نے ایک قاصد، ناظم ملتان نواب زاہد خان سدوزئی
کے پاس بھیجا اور اسے سابقہ رنجشیں بھلا کر مصالحت کی پیش کش کی اور کہا کہ اب
مسئلہ ہمارے مابین نہیں بلکہ افغانستان اور ہندوستان کے درمیان ہے۔ لیکن
ہد خان سدوزئی بدستور مغل حکومت کا وفادار رہا۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی
نے مغل لشکر کے ساتھ جنگ آزمائی کا ارادہ کیا۔ وہ سرہند کی جانب روانہ ہوا
۔ جلد ہی قلعہ سرہند پر قابض ہو گیا۔ وہاں وہ سرہند کے میدان بمقام منوپور
ں خیمہ زن ہوا۔ ادھر ۱۸ محرم ۱۱۶۱ھ مطابق ۸ جنوری ۱۷۴۸ء
یر قمر الدین خان مغل بادشاہ کی طرف سے ایک لشکر جرار دہلی سے لے کر
ان لشکر کو روکنے کے لئے روانہ ہوا۔ مغل فوج تقریباً دو لاکھ تھی۔ اگرچہ
ن وزیر کے ہاتھ تھی لیکن مغل ولی عہد احمد شاہ ساتھ تھا اس لئے سپہ سالار
ں کو بنایا گیا۔ ۲۲ ربیع الاوّل ۱۱۶۱ھ کو سرہند کے میدان میں دونوں لشکر
مل ہوئے۔ اس خون ریز جنگ کے دوران ایک گولہ وزیر کے خیمے کے قریب
اور وہ ہلاک ہو گیا۔ اس کے لڑکے معین الدین خان نے کمان سنبھال لی۔
ہانے دلاوری کے ایسے جوہر دکھلائے کہ شام تک افغان لشکر میں ہزیمت
ے آثار پیدا ہو گئے۔ اس کامیابی کی خوشی میں ۲۳ ربیع الاوّل مطابق
/اپریل ۱۷۴۸ء کو میر منو کو میر معین الملک کا خطاب دیا گیا اور اسے لاہور و
ان کا صوبیدار بنانے کا بھی اعلان کرایا گیا۔ مغل فوج فتح کے نشے میں سرشار
ا کہ ۱۴/اپریل ۱۷۴۸ء کو مغل بادشاہ محمد شاہ نے وفات پائی اور ولی عہد

احمد شاہ تخت نشین ہوا۔ میر منو (معین الملک) نے دیوان کوڑامل کو مہاراجہ خطاب دے کر ملتان کا ناظم مقرر کیا۔

دیوان کوڑامل کے حالات کا مختصر جائزہ :

کوڑامل محمد باقر خان خدکہ سدوزئی کے ذاتی خدمت گار دلومل کا تھا۔ دلومل کا ماہانہ ساٹھ روپے مقرر تھا۔ کوڑامل بھی خان ہی کا ملازم ۱۵ روپے ماہانہ پر مقرر ہوا۔ پھر وہ لاہور چلا گیا اور اس نے نواب زکریا خان کی ملازمت اختیار کر لی اور ترقی کرتا رہا۔ جب مارچ ۱۷۴۷ء میں شاہ نواز خان نے اپنے بھائی کو شکست دے کر لاہور فتح کیا تو کوڑامل کو دیوان مقرر کر دیا۔ اس طرح حاکمِ ملتان بنا۔

احمد شاہ درردران کی قندھار واپسی :

سرہند سے لاہور کی طرف واپسی پر احمد شاہ درردران نے لاہور صرف سامانِ خورد و نوش کا انتظام کیا اور جلد عازمِ قندھار ہوا۔ راستے میں اس کے لشکر کے لئے باعثِ پریشانی رہے۔ سفر ہی کے دوران اسے ایک تشویشناک اطلاع ملی کہ اس کے بھائی ذوالفقار خان کے بیٹے لقمان خان نے بغاوت کر دی ہے۔ احمد شاہ اسے بیٹوں کی طرح عزیز رکھتا تھا بلکہ اسے قندھار کا نائب مقرر کر رکھا تھا۔ بغاوت کی اس خبر پر اسے دلی ملال ہوا۔ جب احمد شاہ قندھار پہنچا تو اسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا پھر اس کا سر قلم کر دیا۔ اس کے ساتھی اندیشۂ جاں سے فرار ہو گئے۔

احمد شاہ درّدران کا ہندوستان پر دوسرا حملہ :

احمد شاہ درّدران نے لقمان خان کی بغاوت کچلنے کے بعد قندھار کے استحکام پر بھرپور توجہ دی۔ قلعے میں بھی اپنے وفادار اور جاں نثار افراد متعین کیے۔ ۱۷۴۸ء کا موسمِ گرما قندھار میں گزارتے ہوئے وہ نئے عسکری منصوبے ترتیب دیتا رہا۔ پہلا امر زیرِ غور یہ تھا کہ منوپور کی جنگ میں اپنی ہزیمت و شکست کی تلافی کرے اور اپنی عزت حال کرائے۔ دوسرا امر فتح ہرات تھا۔ جو ابھی تک ایرانیوں کے زیرِ تصرف تھا اور افغانوں کے لئے اس صوبے کی خاص اہمیت تھی بلکہ افغانستان کو آزادی اور اس کا تسلسل اس کے بغیر ممکن نہ تھا۔ اس نے پہلے امر کی تکمیل کا تہیہ کیا جس کی تین وجوہات تھیں :

۱۔ امیر معین الملک کو جواب حاکمِ پنجاب تھا، شکست دینا ضروری تھا۔

۲۔ ناصر خان سابق گورنر کابل جو دہلی فرار ہو گیا تھا اور اب لاہور آگیا تھا اور جس سے میر منو نے وعدہ کیا تھا کہ اسے کابل کی صوبیداری واپس مل جائے گی۔

۳۔ گذشتہ شکست کا حساب چکانا۔

اس وقت حملے کے لئے فضا احمد شاہ درّدران کے حق میں سازگار تھی، محمد شاہ کی وفات کے بعد احمد شاہ تخت نشین ہوا، وہ نالائق ثابت ہوا۔ اس نے صفدر جنگؒ کو مغل حکومت کا وزیرِ اعظم مقرر کیا۔ جس نے میر منو کی حیثیت کو دھچکا لگانے کے لئے اسے پہلے لاہور بھجوایا پھر ناصر خان کو اس کے خلاف اکسایا۔ ادھر شاہ نواز خان کو ترغیب دی کہ وہ لشکر کشی کر کے ملتان پر قابض ہو جائے۔ اسی اثناً ایک اور فتنے نے سر اٹھایا۔ وہ سکھوں کی شورش تھی جس نے پنجاب کا امن

برباد کر کے رکھ دیا تھا۔ میر منو کی سخت سرکوبیوں کے باوجود سکھ جنہوں نے پہاڑی علاقوں اور جنگلوں میں اپنے مسکن بنا رکھے تھے، جب بھی موقع پاتے لوٹ مار اور بدامنی میں مصروف ہو جاتے تھے۔ سکھ چاہتے تھے کہ امرتسر اور اس کے نواحی علاقوں کو ہتھیا کر اپنی حکومت قائم کرلیں۔ ان نہایت سازگار حالات میں احمد شاہ درردران خزاں ۱۷۴۸ء میں درۂ خیبر سے حملہ کیا اور پشاور پر قبضہ کرلیا۔ پھر وہ شیخ عمر چمکنی کے مزار پر فاتحہ کے لئے گیا اور اس کے بعد سردار جہان خان پوپلزئی کو ایک ہراول دستے کے ساتھ لاہور روانہ کیا۔ اٹک کے مقام پر خٹک قبیلے کے افراد اس سے آملے۔

افغان لشکر دریائے جہلم عبور کر کے دریائے چناب کے قریب پہنچا تو معین الملک کے لشکر کو قریب پایا۔ کیوں کہ جب اسے افغان لشکر کی آمد کی خبر ملی تو وہ سید غواص خان کو اپنا نائب مقرر کر کے افغان لشکر کی مزاحمت کے لئے چل پڑا تھا۔ اس کے لشکر میں آدینہ بیگ خان گورنر دوآبہ جالندھر اور مہدی علی خان اپنے اپنے لشکر کے ساتھ شامل تھے، میر منو نے دربارِ دہلی سے بھی امداد طلب کی لیکن صفدر جنگ کے سبب جو اس کی بے عزتی کے درپے تھا، وہاں سے کمک حاصل نہ ہو سکی۔

الغرض سوہدرہ کے مقام پر دونوں لشکروں میں معمولی جھڑپیں ہوئیں سردار جہان خان جنگی حکمت عملی کے تحت چکمہ دے کر راوی کے دائیں جانب شاہدرہ پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، لیکن غواص خان نے اسے روکا اور ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اس دوران میں ایک سکھ سردار کپور سنگھ بیس گھوڑوں کے ساتھ شہر لاہور میں لوٹ مار کی غرض سے داخل ہو گیا۔ سید غواص خان کے سپاہیوں نے اس

ب کیا تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ سردار جہان خان سوہدرہ میں اپنے مقصد میں
م رہنے پر شاہ کے خیمے میں دوبارہ آگیا۔ افغان فوج شاہدرہ میں ڈیرے ڈالے
ئے تھی۔ افغان بادشاہ نے جہان خان کے ہم زلف محراب خان کو ایک مکتوب
مادے کر میر منو کے پاس سفارت بھجوائی کہ ہتھیار ڈال کر اطاعت قبول کر
یر منو نے جو دہلی سے کمک نہ پہنچنے کے سبب پریشان حال تھا، اس تجویز کو
ا کیا اور معاہدۂ امن کے لئے شیخ عبدالقادر، مولوی عبداللہ اور نظام الدین
ت مصنف شاہنامۂ احمدیہ کو افغان بادشاہ کے حضور بھیجا۔ اس دوران میں
ن فوج نے بیرونِ لاہور کے علاقے کو پامال کر ڈالا۔

ہدۂ امن :

احمد شاہ درّدران نے بہ نفسِ نفیس اس سفارت کا استقبال کیا۔ میر منو
انب سے سونا چاندی اور دیگر تحائف قبول کئے اور معاہدۂ امن دراصل
۷ اء کے معاہدہ مابین نادر شاہ افشار اور مغل بادشاہ کی توثیق تھی، ترتیب دیا
جس کی رو سے دریائے سندھ کی مغربی جانب کا تمام علاقہ مملکت افغانستان کا
قرار پایا اس کے علاوہ چہار محل، سیالکوٹ، اورنگ آباد، پسرور کا مالیہ ۱۴
روپے طے ہوا، جو ہر سال بادشاہ کی نذر کیا جانا قرار پایا۔ اس معاہدۂ امن کی
ا کے بعد احمد شاہ درّدران نے افغانستان کے لئے ملتان اور ڈیرہ جات کے
تے سے سفر شروع کیا۔ وہ ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۷۴۹ء ملتان پہنچا لیکن بیرونِ
ا سے ہوتا ہوا دریائے چناب کو عبور کرتے ہوئے ڈیرہ غازی خان کی حدود
خیمہ زن ہوا۔ خبر عام ہوتے ہی ملتان کے معزز خوانین جس میں سلطان
خان خدکہ سدوزئی کی تمام اولاد و دیگر سدوزئی افراد اس کے دربار میں

حاضر ہوئے اس نے عزت و تکریم سے استقبال کیا اور انہیں انعام واکرام
نوازا۔ احمد شاہ نے اس موقع پر اپنی پھپھی کو جو کہ محمد خان خدکہ سدوزئی کی وا
تھیں خصوصی پیغام کے ذریعے بلوایا اور اس کی مناسب تکریم کی اور انعا
اکرام عطا کیا۔ اس موقع پر پھپھی نے اپنے بیٹے محمد خان کی جان بخشی
درخواست کی کیونکہ احمد شاہ کو اس کی جانب سے سرکشی کا اندیشہ تھا۔ احمد
نے جان بخشی کر دی اور یہ شرط عاید کی کہ وہ ملتان میں مستقل سکونت ا
کرے گا اور افغانستان میں داخل نہ ہوگا۔ تب اس نے اپنی پھپھی کو عز
احترام سے رخصت کیا۔

اس وقت ملتان کا نائب ناظم نواب زاہد خان سدوزئی مودود خیل
احمد شاہ درران نے قاصد بھیجا کہ خضر خیل اور مودود خیل کا تنازعہ بزرگو
زمانے میں تھا۔ اب جبکہ میں تمام افغانستان کا بادشاہ ہوں اور آپ ملتا
علاقے کے نائب ناظم ہیں اور یہ علاقہ پنجاب کی صوبیداری کا حصہ
صوبیدار پنجاب نے ہماری اطاعت قبول کر لی ہے تو آپ پر لازم ہے
ہمارے دربار میں تشریف لے آئیں ہم آپ کی پوری خاندانی ناطے
کریں گے مگر نواب زاہد خان نے احمد شاہ درران کے پاس جانے سے از
اور اظہار اطاعت سے گریز کرتے ہوئے مغل بادشاہ کی اطاعت کا اعلا
بات احمد شاہ کو بہت بری لگی۔ خاموشی اختیار کر لی اور قندھار کا سفر اختیا

بلوچ سرداروں کی اطاعت :

جب احمد شاہ ڈیرہ غازی خان پہنچا تو وہاں کے تمام بلوچ س
اطاعت کے لئے حاضر ہوئے۔ جب اس نے سرزمین بلوچستان پر

ت کا حکمران میر نصیر خان بلوچ مع جملہ سرداروں کے حاضر ہوا اور اطاعت
شرائط ادا کیں، اس کے بعد احمد شاہ درِ دران قندھار جا پہنچا۔

د شاہ درِ دران کی ابتدائی مشکلات :

سرزمین افاغنہ ۱۷۴۷ء میں احمد شاہ درِ دران کی عالمی ہمتی، مستقل
جی اور حریت پسندی کے سبب آزادی سے ہم کنار ہوئی۔ اسے ایرانیوں کی
ل غلامی سے مستقل نجات حاصل ہوئی۔ اس سرزمین کے تحفظ اور اس کی
ی کے لئے بابائے افاغنہ کو مشرق، مغرب اور شمال کے اطراف لگاتار
نوں کے دشمنوں اور بد خواہوں سے معرکہ آرائی میں مصروف رہنا پڑا۔
اس نے ان سب کا قلع قمع کر کے ایک شجاع اور آزادی خواہ قوم کی آزادی کا
لہرایا اور اس قوم کی سرزمین کو افغانستان کا نام دیا۔ قوم نے ازراہِ احسان
ی و تشکر اسے بابائے قوم کے نام سے یاد کیا۔

افاغنہ میں دو قبیلے نہایت طاقت ور اور شروع ہی سے متحارب تھے۔
ب میں آلوس ابدالی اور مشرق کی جانب غلزئی۔ لیکن احمد شاہ درِ دران کی درد
ی، شفقت اور تدبر نے ان سب کو تسبیح کے دانوں کی طرح ایک لڑی میں
دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ افغان بادشاہ کے مفتوحہ علاقے کے تمام قبائل باشندگان
لستان کہلائے اور جب بیس سال کی شبانہ روز محنت اور سعی و عمل کے بعد
نستان ایک آزاد مملکت کے طور پر وجود میں آیا تو اس کا کل رقبہ دو لاکھ
بیس ہزار مربع میل تھا اور اس میں افغان قبائل بشمول ابدالی و غلزئی کے علاوہ
، جاٹ، ہندکو، فارسی دان، ہزارہ، تاجک، عیمق، مغل، ازبک، ترکمان
ستانی وغیرہ قبیلے بھی بودوباش رکھتے تھے گویا افغانستان بے شمار قبائل کا ملک

قرار پایا۔ سرکاری زبان پشتو قرار پائی۔ دارالخلافہ قندھار بنا۔ جب یہ سب قب
یک جا اور یک جان ہو گئے۔ ان کی مقامی زبانوں کے علاوہ ایک سرکاری زب
ایک دارالخلافہ، ایک لباس اور ایک دین (اسلام) کا اعلان کر دیا گیا تو گو
اجتماع ایک مرکزیت سے وابستہ ہو گیا اور سب میں ایک معنوی وحدت پید
گئی۔ اس کے بے شمار مثبت فوائد ہوئے لیکن جزوی طور پر ایک منفی رد عمل
ہوا کہ شروع شروع میں بعض قبائل کے سرداروں نے اپنی ذاتی اغراض
پڑتے دیکھ کر احمد شاہ کے خلاف سازشیں کیں اور حکومت کو کمزور کرنا
احمد شاہ درران نے ایرانی اثرات قبول کرتے ہوئے سرکاری زبان کچھ عر
بعد پشتو کی بجائے فارسی اختیار کی، لیکن پشتو کو بھی فروغ کے مواقع ہاتھ آ
اس نے خود پشتو میں شاعری کی جس میں کہیں کہیں فارسی اشعار بھی ملتے
افغانوں کے روایتی مزاج کے پیش نظر اس نے ان کے قدیم رسم و رواج
مداخلت نہ کی اور پرانے اَن لکھے (نانوشتہ) قوانین کو قائم رکھا۔

آلوس ابدالی میں سدوزئی سر فہرست تھے ان کے بعد محمد زئی، بار
پوپلزئی، علیزئی، اسماعیل زئی، ملیزئی، اسحاق زئی، بادوزئی، بامے زئی،
زئی، خاکوانی، نورزئی اور اڈوزئی قبائل تھے۔ ان قبائل میں کبھی کبھی کوئی
سردار آمادۂ شورش ہو جاتا تھا۔ انہی میں ایک عمر رسیدہ سردار نور محمد علی
تھا۔ بہت بااثر اور افغانوں کی مرکزی سرداری کا خواہش مند۔ وہ سازش
مشغول ہو گیا۔ کچھ افراد کو اس نے شریکِ سازش کر لیا جن میں مہا
پوپلزئی، قادو خان اور عثمان خان شامل تھے۔ ان سب نے احمد شاہ
منصوبہ باندھا اور قندھار کے ایک شمالی شہر میں یکجا ہو گئے۔ تاکہ اراد

جامہ پہنائیں۔بادشاہ کواس سازش کا قبل از وقت پتہ چل گیااس نے ان سب کو گرفتار کر کے قتل کرادیا۔

ہرات :

ہرات آلوس ابدالی کا مرکز تھا۔ قرب و جوار کی تمام جاگیریں، زمینداریاں انہی کی تھیں۔ ملک سدو امیر افاغنہ سے لے کر اب تک وہی سرداری کے منصب پر فائز ہوتے چلے آتے تھے۔ ۱۷۱۲ء میں سلطان عبداللہ خان سدوزئی نے یہاں قابض ہو کر آلوس ابدالی کی حکومت کاباقاعدہ اعلان کردیا تھا۔ گویا مملکت افغانستان کی سب سے پہلی حکومت کی بنیاد یہاں پڑی۔ اپنی آزادی کی حفاظت اور سالمیت کی خاطر ایرانیوں سے ایک سو سے زیادہ معرکے پیش آئے۔یہ ممکن ہی نہ تھا کہ یہ شہر اور اس کے نواحی علاقے ایران کے تصرف میں رہیں۔ چناں چہ اس کی فتح کے لئے احمد شاہ درردران نے موسم بہار ۱۷۴۹ء میں پچیس ہزار گھڑسواروں کے ساتھ ایک پرزور حملہ کردیا۔ ایرانی تاجدار مرزا شاہ رخ (جو نادر شاہ افشار کا پوتا تھا) کی جانب سے عامر خان یہاں کا حاکم تھا۔ احمد شاہ سے شہر اور قلعے کا محاصرہ کرلیا اور عامر خان کو لکھا کہ ہتھیار ڈال کر اطاعت قبول کرلے۔ ایرانی فوج نے شہر اور قلعے کے دفاع میں جان لڑا دی، شاہ رخ سے کمک طلب کی گئی لیکن عامر خان کو کمک نہ پہنچ سکی۔ آخر ایک شدید حملے کے بعد شہر ہرات پر قبضہ کرلیا تھا۔ ہزاروں آدمی قتل ہوئے۔ اس کے بعد قلعے پر دباؤ بڑھادیا گیا۔ محاصرے نے نو ماہ طول کھینچا۔ اشیائے خوردو نوش ختم ہو گئیں۔ ایک رات کی تاریکی میں افغان سپاہی دیوار پر چڑھ گئے اور قلعے میں داخل ہوگئے اور قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اس طرح قلعہ بھی مفتوح

ہوا۔ احمد شاہ ابدالی کے لئے یہ ظفریابی مسرت و شادمانی کا موجب ہوئی۔
عامر خان اور اس کے حامی قیدی بنا کر پیش ہوئے اور جان بخشی کے طلب گار
ہوئے۔ اس طرح ہرات افغانستان میں جذب ہوا۔ درویش علی خان ہزارہ کو
حاکمِ ہرات مقرر کیا گیا۔ اس عظیم الشان فتح کے بعد احمد شاہ ابدالی نے ۱۲ ہزار
گھڑ سواروں کا تازہ لشکر طلب کیا اور مشہد پر حملے کا منصوبہ مرتب کیا گیا۔

ایران پر حملہ مشہد کی جانب پیش قدمی :

ایران طوائف الملوکی اور انتشار کی گرفت میں تھا۔ مرزا شاہ رخ بے اثر
اور کمزور بادشاہ تھا۔ یوسف علی سپہ سالار فوج، سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ میر عالم
خان نے علم بغاوت بلند کیا۔ دونوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ یوسف علی نے
شکست کھائی، پاداش عمل کے طور پر اسے اندھا کر دیا گیا۔ اب میر عالم خان
مشہد پر قابض تھا۔ اسے افغانوں کے ہرات پر قبضے اور ان کے لشکر کی، نیشاپور
کی جانب پیش قدمی کی اطلاع ملی۔ اس نے چاہا کہ افغان لشکر کو نیشاپور میں
روکے۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوا کہ مشہد میں رہ کر ہی افغانوں کا مقابلہ کیا جائے اور
مشہد کو ان کے حملے سے محفوظ رکھا جائے۔ اس نے مشہد ہی میں اسلحہ، خوراک
اور ضروری ساز و سامان کا ذخیرہ کر لیا۔ احمد شاہ درانی مشہد روانہ ہوا۔ اس نے
سردار جہان خان پوپلزئی کے زیر کمان پانچ ہزار گھڑ سواروں پر مشتمل ہراول
دستہ آگے بھیج دیا۔ میر نصیر خان بلوچ اس کا نائب مقرر ہوا۔

میر عالم خان مشہد سے باہر نکل کر میدان میں افغان فوج سے ٹکر
چاہتا تھا۔ تربت شیخ جام کے مقام پر جہان خان نے ایسا پر زور اور شدید حملہ
ایرانی پر کیا کہ ایرانی فوج تتر بتر ہو گئی۔ اس جنگ میں میر نصیر خان اور اس

تین ہزار گھڑ سوار نہایت بہادری سے لڑے۔ میر عالم خان حالتِ جنگ میں مارا گیااور ایرانی لشکر کا قتلِ عام ہوا۔

قلعہ نون کی فتح :

میر معصوم خان برادر میر عالم خان قلعہ نون کا حاکم تھا۔ احمد شاہ دردران نے اس قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ قلعہ دار کو بھائی کی شکست اور قتل کی خبر ملی تو اس نے احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں اپنا قاصد برائے معاہدہ بھیجا۔ احمد شاہ نے اس کی درخواست کو پذیرائی بخشی۔ میر معصوم خان بذات خود افغان بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوااور قلعے کی چابیاں اس کو پیش کیں۔ اس طرح آسانی سے یہ قلعہ افغانوں کی تحویل میں آگیا۔

مشہد مقدس کی فتح اور شاہ رخ میرزا :

اب افغان لشکر نے مشہد کا رخ کیا۔ مشہد کا محاصرہ کرلیا گیا۔ چند دنوں کے بعد ایرانیوں نے بے بس ہو کر ہتھیار ڈال دیئے۔ شاہ رخ میرزا قلعے سے باہر آیااور اطاعت کا اظہار کیا۔ احمد شاہ دردران نے کمال شفقت فرمائی اور مشہد کی حکومت اس شرط پر اسی کی تحویل میں رہنے دی کہ وہ ایک بڑی رقم بطور تاوان ادا کرے۔ مزید تمام افاغنہ اور خصوصاً آلوس ابدالی کے قیدی افراد کو رہا کرے۔ بالآخر معاہدے پر طرفین کے دستخط ثبت ہوئے۔ اس کے بعد افغان لشکر نے کسی خاص مزاحمت کے بغیر خراسان کے شہر، دیہات، قلعے وغیرہ فتح کر کے افغان مملکت میں شامل کر لئے۔

فتح ماژندران :

احمد شاہ درردران نے ماژندران کو فتح کر کے نیشاپور کا رخ کیا۔ وہاں کا حاکم جعفر خان اور قلعہ دار عباس قلی خان ولد حسن خان بایار تھا۔ عباس قلی خان قلعہ بند ہو گیا۔ جب احمد شاہ ابدالی نے نیشاپور کا محاصرہ کیا تو اس نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ محاصرے نے طول کھینچا۔ جلد ہی موسم سرما شروع ہو گیا۔ برف باری ہونے لگی۔ افغان لشکر کو مشکلات پیش آئیں احمد شاہ نے اسی میں مصلحت دیکھی کہ قلعہ نیشاپور کا محاصرہ اٹھا کر ہرات واپسی اختیار کی جائے۔

شہزادہ تیمور بحیثیت حاکم ہرات :

درویش علی خان حاکم ہرات نے نیشاپور کے محاصرے میں احمد شاہ کی ناکامی دیکھتے ہوئے قسمت آزمائی کے طور پر چاہا کہ احمد شاہ کو قلعے میں داخل نہ ہونے دے۔ مگر وہ اس تدبیر میں ناکام رہا۔ احمد شاہ ابدالی نے ہرات میں داخل ہوتے ہی اسے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اور شہزادہ تیمور درانی کی سربراہی میں ایک لشکر ہرات میں تعینات کیا۔ ہرات کی حکومت اپنے بیٹے کے سپرد کی اور ہوشیار رہنے کی ہدایت کر کے قندھار کا رخ کیا اور وہ ۱۷۵۰ء کے سال کے آغاز میں قندھار پہنچ گیا۔

احمد شاہ درردران نے سدا اس حکمت عملی کو اختیار کیا کہ وہ موسم سرما میں ہندوستان کا رخ کرتا اور موسم گرما میں اپنے شمالی علاقہ جات کی جانب لشکر کشی کرتا۔ اس طرح آہستہ آہستہ اس کی فتوحات کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا اور اس کی مملکت میں توسیع ہوتی چلی گئی۔ اس نے صوبہ جات سرحد، پنجاب، ملتان

ندھ اور بلوچستان کے علاقے فتح کیئے اور شمال مغرب کی طرف بلخ، بدخشاں، ر وشاہی، میان، مشہد، نیشاپور، بسطام، کرمان، سیستان وغیرہ فتح کر کے شامل ملکت کر لئے۔ فتح مشہد کے بعد اس نے اپنے لڑکے شہزادہ تیمور کو نادر شاہ کے نت پر متمکن کیا اور شاہ رخ میرزا کی دختر سے اس کی منگنی طے کر دی جسے شاہ خ نے اپنے لئے اعزاز سمجھتے ہوئے قبول کر لیا۔ اس موقعے پر شاہ رخ نے مد شاہ درددران کو بارہ مثقال زرِ خالص اور بے شمار ہیرے جواہرات نذرانے ، طور پر پیش کیئے۔

مار محل کے سالانہ خراج کی سالانہ وصولی :

معاہدے میں ایک شرط یہ تھی کہ حاکمِ پنجاب ہر سال چہار محل کا الانہ خراج ۱۴ لاکھ، افغان تاجدار کو ادا کرتا رہے گا۔ لیکن ۱۷۵۰ء کو یہ نررہ رقم ادا نہ ہوئی تو دیوان سکھ جیون کو برائے مطالبہ رقم لاہور بھیجا گیا۔ ن میر منو جزوی رقم دے سکا، پوری نہیں کیوں کہ مغل دربار کی سازش کے بب یہ چہار محل سابق گورنر کابل ناصر خان کے حوالے کر دیئے گئے تھے اور اس نے میر منو کو رقم دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ تاہم معاملہ ٹھنڈا کرنے کے لئے میر منو نے سرکاری خزانے سے ادائے خراج کیا۔

مد شاہ درددران کا نیشاپور پر دوسرا حملہ :

احمد شاہ نے سابقہ فوجی مہم کا حساب چکانے کے لئے ایک تازہ دم فوج کی اور آغاز سال ۱۷۵۱ء میں خراسان کی جانب روانہ کی۔ ایک توپ خانہ بھی کیا گیا۔ ہر توپ سے دس سیر پختہ وزن (۲۰ تا ۲۵ پونڈ) کا گولہ پھینکا جا سکتا

تھا۔ نیشاپور پہنچ کر شہر کا محاصرہ کیا گیا اور خوب گولہ باری کیا۔ ایک ماہ محاصر
ہی میں محصورین پریشان ہو گے۔ خوراک کی شدید قلت پیدا ہو گئی۔ جب
صاحب تدبیر بادشاہ، احمد شاہ کے پاس وافر خوراک اور کثیر گولہ بارود تھا۔ ا
نے ایک بڑی توپ تیار کی تھی جو چھ من وزنی (۲۷۴ پونڈ) اک گولہ پھینکنے
صلاحیت رکھتی تھی۔ ایک ہی گولہ داغا گیا کہ نیشاپور میں تباہی مچ گئی اور محـ
سردار دروازہ کھول باہر نکلے اور ہتھیار ڈال دیئے اور درخواست کی کہ دوسرا گ
نہ داغا جائے۔ مگر عباس قلی خان قلعہ دار، قلعے میں پناہ لے کر ڈٹ گیا۔ اف
فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ اہل شہر نے جامع مسجد میں پناہ لی۔ شاہ ولی خان
کوششوں کے باوجود ہزاروں ایرانی تہہِ تیغ ہوئے اور شہر لوٹا گیا۔ نیشاپو
خوبصورتی کے دور دور چرچے تھے مگر جنگ نے اسے برباد کر کے رکھ دیا۔ نیشا
کا قلعہ بھی جلد فتح ہو گیا اور شاہ ولی کی سفارش پر عباس قلی خان کی جان بخش
دی گئی۔

سبزوار کی فتح :

نیشاپور میں ۱۸ دن قیام کے بعد احمد شاہ درران کے آگے بڑ
سبزوار کو بہ آسانی فتح کر لیا اور مشہد کا رخ کیا۔

مشہد کا محاصرہ :

مشہد کے محاصرے سے قبل فردوسی کے مقبرے کے گرد و پیش
علاقہ کو تاخت و تاراج کیا اور فوراً بعد ایک قریبی گاؤں تباس کو فی ا
کر لیا گیا۔ ہوا یوں کہ علی مراد خان گورنر تباس نے شہر سے بیرون جنگ

ران جنگ مارا گیا اور ایرانی لشکر سپر انداختہ ہوا۔ اس جنگ کی فتح کا سہرا
نصیر خان بلوچ کے سر ہے۔ اب افغان فوج آگے بڑھ اور مشہد کا محاصرہ کر
مشہد میں جلد ہی ذخیرۂ خوراک ختم ہو گیا۔ قرب و جوار کے علاقے پر افغان
ن تھے۔ ایران ویسے ہی طوائف الملوکی کے سبب منتشر ہو چکا تھا۔ گیلان پر
ہت خان کا تسلط تھا۔ آذربائیجان پر آزاد خان افغان (نادر شاہ کا ایک جرنیل)
ا تھا۔ ماژندران حسین خان قاچار کے زیر تصرف تھا۔ اصفہان کو ہتھیانے
لئے علی مردان خان اور کریم خان بختیاری برسر جنگ تھے۔ یزد اور کرمان
جس کی لاٹھی، اس کی بھینس کے مصداق بنے ہوئے تھے۔ ان دگرگوں
ت میں شاہ ایران، شاہ رخ میرزا کو کہیں سے کوئی کمک اور اعانت نہیں مل
۔ اس نے بے بسی کے عالم میں احمد شاہ دردران سے معاہدۂ امن کی
واست کی۔ وہ اس مقصد کے لئے خود احمد شاہ دردران کے پاس آیا۔ افغان
اہ نے اسے شاہانہ تکریم دی۔ اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا۔ شاہ ایران نے اس
لادستی قبول کر لی اور طے پایا کہ احمد شاہ دردران کا سکہ جاری ہو گا۔ اسی کے
کا خطبہ پڑھا جائے گا۔ شاہی فرمان پر اسی کی مہر ثبت ہو گی، اور تربت، شیخ
، باخزر، تربت حیدری، خاف کے علاقہ جات افغان تاجدار کے سپرد کر
ہ جائیں گے۔ اس طرح تمام خراسان پر افغان حکمران کا علم جادہ واقبال
لے لگا۔

احمد شاہ دردران نے مشہد کے انتظامات کے لئے اپنے ایک بااعتماد
ور محمد خان کو ایک فوجی دستے کے ہمراہ متعین کیا۔ پھر وہ حضرت امام علی
کے مزار مبارک پر فاتحہ کے لئے حاضر ہوا۔ اس فتح مندی اور ظفریابی کے

بعد وہ ہرات آگیا۔

احمد شاہ درددران کی انتھک جدوجہد اور عزیمت و جرأت تھی جس کے صلے میں افغان قوم عزت پر عزت حاصل کیئے چلی جارہی تھی اور ایرانیوں کی قوت ان کے سامنے مغلوب ہو کر رہ گئی تھی۔ اب احمد شاہ درددران نے شمال مشرق کے علاقے کا رخ کیا اور دریائے آمو تک فتوحات مکمل کرلیں اور ازبک وہزارہ کی قوم کو زیر کیا۔ ہمائے بخت افغان تاجدار کے سر پر سایہ کیئے ہوئے تھا اقبال راہنما تھا۔ سعادت ہم رکاب تھی۔ وہ جدھر قدم بڑھاتا فتح و ظفر اس کے قدم چومتی تھی، اس نے جلد ہی میمنہ اندکھوئی، شبرگان، اکچی، سارے پل بلخ، خرم، بدخشان، ہندوکش کے شمالی اضلاع اور بامیان سے کابل تک کے علاقوں پر تصرف حاصل کرلیا۔ تب وہ قندھار آیا اور فتوحات کی شادمانی کے اثر اپنے سرداوں اور جرنیلوں کو انعام و اکرام سے نوازا۔

احمد شاہ درددران کا ہندوستان پر تیسرا حملہ

پنجاب اور کشمیر کی فتح :

اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ معاہدے کی رو سے یہ طے پایا تھا کہ چہار سیالکوٹ، اورنگ آباد (ایمن آباد)، پسرور، گجرات کا سالانہ خراج چودہ روپے افغان بادشاہ کو سالانہ باقاعدہ سے ادا کیا جائے گا۔ لیکن معاہدے کے سال ہی رقم کی ادائی میں خلل پڑ گیا۔ میر منو نے اسے ناصر خان حاکم چہار ذمہ داری قرار دی۔ جس نے معمول کی رقم ادا کی اور بقیہ کا وعدہ کر کے کو ٹال دیا۔ تمام رقم کی وصولی میں یہ خلل میر معین الملک حاکم پنجاب

دلچسپی کے باعث پیدا ہوا۔

یہ واقعہ احمد شاہ درِ دران کی خفگی اور برہمی کا موجب ہوا۔ اس نے جہان خان اور عبدالصمد خان کی سرکردگی میں لشکر روانہ کیا۔ لیکن اس مدبر اور متحمل بادشاہ نے ساتھ کے ساتھ ہارون خان سدوزئی کی سربراہ میں ایک سفارت لاہور بھجوائی تاکہ معاملات پر مفاہمت کی راہ نکل آئے۔ یہ سفارت ۲۴ ذیقعد ۱۱۶۹ھ مطابق ۳/ اکتوبر ۱۷۵۱ء لاہور پہنچی۔ سرائے حکیم میں قیام ہوا۔ ۱۰/ اکتوبر کو معین الملک سے ملاقات ہوئی اور ادائے رقم کا مطالبہ کیا گیا۔ معین الملک نے قاصد کے ذریعے دیوان کوڑامل کو برائے مشاورت ملتان سے بلایا۔ وہ وسطِ نومبر میں پہنچا اور مشاورت کے بعد ان کوتاہ اندیشوں نے یہ طے کیا کہ مزید خراج ادا نہیں ہوگا اور فیصلہ میدان جنگ میں ہوگا۔ ہارون خان کو اس فیصلے سے مطلع کر دیا گیا۔ وہ واپس ہوا اور اس نے بذریعہ قاصد احمد شاہ درِ دران کو کابل میں اس صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

احمد شاہ درِ دران کی لاہور کی جانب پیش قدمی :

احمد شاہ درِ دران ایک زبردست لشکر کے ساتھ ۱۲ ذیقعد ۱۱۶۴ھ مطابق ۲۱ ستمبر ۱۷۵۱ء کابل سے روانہ ہو کر جلد پشاور جا پہنچا۔ جہان خان نے اپنے دستے کے ساتھ پشاور سے اٹک اور وہاں سے قلعۂ رہتاس کا رخ کیا۔ ادھر میر منو افغان لشکر کی پیش قدمی کی اطلاع پا کر جنگ کی تیاریوں میں لگ گیا۔ آدینہ بیگ خان جالندھر سے اور مہدی علی خان سیالکوٹ سے اپنے اپنے لشکر کے ساتھ اس کی امداد کو پہنچ گئے۔ کوڑامل مع لشکر پہلے ہی سے لاہور میں تھا۔ کوڑامل کی وجہ سے سکھوں کے چھوٹے چھوٹے دستے سنگت سنگھ اور سکھا سنگھ کی

ماتحتی میں میر منو کے لشکر سے آملے تھے۔

احمد شاہ درددران نے اتمام حجت کے طور پر اپنا قاصد بھیج کر گذشتہ تین سال کا مجموعی خراج جو ۲۴ لاکھ بنتا تھا، ادا کرنے کا مطالبہ کیا۔ میر منو نے عذر پیش کیا کہ ناصر خان حاکم چہار محل نے پنجاب کے خزانے میں دو سال تک کوئی رقم جمع نہیں کرائی۔ تاہم میں ایک سال کا خراج ادا کر سکتا ہوں۔ اسے منظور کیجئے ورنہ فیصلہ میدان جنگ میں ہوگا۔ میر منو نے نو لاکھ روپیہ بھجوادیا تاکہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔ احمد شاہ نے یہ رقم قبول کرلی اور دریائے سندھ عبور کرکے لاہور کی جانب سفر جاری رکھا۔ اس دوران میں سردار جہان خان ہراول دستے کے ساتھ روہتاس سے آگے بڑھا اس نے پہلے دریائے جہلم پھر دریائے چناب کو عبور کیا۔ اُدھر احمد شاہ درددران مع لشکر آگے بڑھا اور اس نے وزیر آباد پہنچ کر ۲۶ محرم مطابق ۳ دسمبر کو کوٹلہ سیداں میں قیام کیا۔

میر منو اپنے لشکر کے ساتھ لاہور سے نکلا۔ اس نے دریائے راوی عبور کیا اور ۲۲ محرم کو سرائے بلخیاں میں محاذ قائم کرلیا۔ اس نے غواص خان کو حاکم لاہور مقرر کیا اور اپنے خاندان کی خواتین کو جن میں والدہ اور بیوی مغلانی بیگم (مراد بیگم) اور دختر عمدہ بیگم وغیرہ شامل تھیں، ازراہِ حفاظت جموں بھجوادیا۔

احمد شاہ درددران نے ۱۰ جنوری ۱۷۵۲ء کو غازی آباد کے مقام سے دریائے راوی عبور کیا اور بجروال پہنچ گیا۔ آگے بڑھ کر شالیمار باغ کے شمال مشرق میں اپنے لشکر کو پھیلادیا۔ جہان خان بھی آملا۔ میر منو اطلاع پاتے ہی [illegible] لشکر الٹے پاؤں شہر پہنچا اور قلعہ بند ہوگیا۔

لاہور شہر سے باہر طرفین کے درمیان جھڑپیں جاری رہیں۔ او[illegible]

دار جہان خان تھا اور اس طرف سید جمیل الدین خان، آدینہ بیگ، مہدی علی
اور کوڑامل۔ دونوں جانب سے تیر اندازی اور گولہ باری کا سلسلہ جاری رہا۔
افغان فوج نے لاہور کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے نے طول پکڑا۔ اشیائے
دونوش کی قلت پیدا ہوئی۔ گھوڑوں کے لئے چارہ کم ہو گیا۔ میر منو نے
دربار سے کمک چاہی لیکن وزیر صفدر جنگ کے سبب جو میر منو کا مخالف تھا
امداد جاری نہ ہوئی۔ میر منو نے اپنے سرداروں سے مشاورت کی۔ سب
شورہ دیا کہ سردار جہان خان کے لشکر پر حملہ کر کے سردار کو موت کے
ے اتار دیا جائے۔ اس سے افغان بادشاہ عالم یاس میں، بددل ہو کر محاصرہ اٹھا
گا۔ چناں چہ ایک مشترکہ حملہ افغان فوج پر کیا گیا۔ نہایت خون ریز جنگ
۔ افغان جرنیلوں نے (جن میں سردار جہان خان، برخوردار خان، صمد خان
نمایاں تھے) ڈٹ کر مقابلہ کیا اور میر منو کے لشکر کو پیچھے دھکیل دیا۔ شام
سلسلۂ جنگ جاری رہا۔ پھر یہ سلسلہ کئی دن چلتا رہا۔

بروز جمعہ یکم جمادی الاوّل ۱۱۶۵ھ مطابق ۶ مارچ ۱۷۵۲ء کو میر منو
افغان لشکر پر زبردست یلغار کی۔ اس نے بہت بہادری کا مظاہرہ کیا لیکن
ن لشکر کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ میر منو شہر واپس آیا۔ اس نے
اور قلعے کے دروازے بند کر لئے۔ شاہِ افغانستان نے محاصرہ اور سخت کر دیا
ساتھ کے ساتھ نہایت حکمتِ عملی اور تدبر کے ساتھ ازراہِ مصالحت کوشی
ن پسندی احمد شاہ درددران نے سہ پہر کو ایک وفد تشکیل دیا جس میں شاہ
، جہان خان، شاہ غلام محمد پیرزادہ اور مفتی عبداللہ پشاوری جیسے معزز
شامل تھے اور ان کو ایک مکتوب دے کر امن کی بات چیت کے لئے

میر منو کے پاس بھیجا۔

مکتوب کا ملخص اور مفہوم یہ تھا کہ گذشتہ کئی مہینوں سے مسلمان ا
دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔ اب تم پھر قلعہ بند ہو کر اطاعت سے منکر ہو
تمہاری یہ حرکت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نظر میں پسندیدہ ہو گی، ہر
نہیں۔ کیوں اہلِ اسلام کا خون ناحق بہاتے ہو۔ عمدہ راہ یہ کہ اپنا ایک با
شخص بھیجو، جو معاہدۂ امن سے متعلق تمہاری شرائط سے مجھے آگاہ کرے او
دونوں اتفاقِ رائے سے معاہدے پر دستخط ثبت کر دیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے ک
خود اپنے ذہن سے تمام شبہات نکال کر مسکراتے چہرے کے ساتھ ہم
ملاقات کے لئے آؤ۔ مجھے تمہاری حکومت یا شہر سے کوئی تعرض نہیں۔
امن وراحت کے ساتھ اپنے قلعے میں رہ سکتے ہو۔ مجھے صرف واجب الاد
(خراج) سے سروکار ہے۔ خود اپنے خزانے سے ادا کر دیا لوگوں کے اشتر
عمل سے بندوبست کرو۔ البتہ کوڑامل اور اس کے حمایت کرنے والوں کا ح
ہم ضرور چکائیں گے۔

یہ شاہی مکتوب ملا تو میر معین الملک اپنے بعض سرداروں کے مشو
کے برعکس افغان تاجدار کی خدمت میں حاضری کے لئے آمادہ ہو گیا۔ چنا
جب وہ دربار شاہی میں پہنچا تو افغان بادشاہ نے اظہار مسرت کیا اور طرفین
درمیان یہ مکالمہ ہوا۔

احمد شاہ : تم نے اس سے قبل ہتھیار کیوں نہ ڈالے، اطاعت کیوں نہ کی؟

معین الملک : میں اس سے پہلے کسی اور کا مطیع تھا۔

احمد شاہ : وہ دہلی سے تمہاری امداد کے لئے کیوں نہ پہنچا؟

معین الملک : اسے اعتماد تھا کہ میں تنہا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ اسی بناءٔ پر اس نے کمک کی ضرورت محسوس نہ کی۔

احمد شاہ : درست! اگر دورانِ جنگ میں پکڑا جاتا تو میرے ساتھ تمہارا سلوک کیا ہوتا؟

معین الملک : آپ کا سر قلم کر کے اپنے بادشاہ کے پاس بھجوا دیتا۔

احمد شاہ : اب میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟

معین الملک : اگر آپ قصاب ہیں، قتل کیجئے، تاجر ہیں تو بعوض تاوان مجھے بیچ ڈالیں۔ بادشاہ ہیں تو مجھے بخش دیں اور عزت سے نوازیں۔

احمد شاہ درران اس کی اس جرأت مندانہ گفتگو سے خوش ہوا۔ اسے گلے لگایا اور فرزند خان بہادر کے خطاب سے نوازا۔ اس کے سر پر کلاہ رکھی۔ شمشیر و اسپ بطور انعام عطا کئے۔ معین الملک کی استدعا پر ہندوستانی سپاہیوں کو رہا کر دیا گیا اور اہل لاہور کو امان دے دی اور فوج کو ہر قسم کے قتل و غارت سے منع کر دیا گیا۔

معین الملک تین دن شاہی مہمان رہا۔ ۱۰ مارچ ۱۷۵۲ء کو روانگی کا حکم ملا۔ اس نے چند لاکھ روپے نذرانہ پیش کیا اور مزید تیس لاکھ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ اس دوران میں چھبیس لاکھ کا انتظام ہو گیا وہ ادا کر دئے گئے۔ چار لاکھ کے بارے میں وعدہ کیا کہ جب وہ دریائے سندھ عبور کرے گا تو ادا ہو جائیں گے۔

احمد شاہ درران اور معین الملک کے مابین معاہدۂ امن :

۱۔ معین الملک نے تاجدار افاغنہ کی بالادستی قبول کر لی۔

۲۔ وہ سابق کی طرح لاہور کا منصب دار مقرر ہوا۔

۳۔ لاہور اور ملتان کے صوبوں کا الحاق مملکت افغانستان سے کر دیا گیا۔

۴۔ اس نے وعدہ کیا کہ وہ اندرونی انتظامی امور میں دخل نہ دے گا۔البتہ مالیہ بطور خراج سالانہ مقرر کر کے اسے باقاعدگی سے ادا کرنے کا پابند بنادیا گیا۔

۵۔ افغان تاجدار کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری ہو۔جو سکہ ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۵۲ء لاہور اور ملتان سے جاری ہوا وہ آج بھی عجائب گھر لاہور میں محفوظ ہے۔سکے پر یہ عبارت کندہ ہے:

سکہ زن بر سیم وزر ازاوجِ ماہی تا بماہ

۱۱۶۵ھ

(بر پشت) : جلوس میمنت مانوس ضربِ ملتان

(یہ عبارت ملتان سے ڈھالے ہوئے سکے پر تھی)

اس کے بعد طرفین کی جانب سے ایک مشترکہ وفد جو معزز سرداروں پر مشتمل تھا، قلندر خان کی سربراہی میں دربار دہلی بھیجا گیا تاکہ معاہدۂ لاہور پر مغل بادشاہ احمد شاہ دستخط کردے۔

مغل وزیر سلطنت محمد مقیم ابوالمصور خان نواب صفدر جنگ نے شروع ہی سے مرہٹوں سے رابطہ قائم کرر کھا تھا کہ افغان لشکر کے حملے کی صورت میں مرہٹے امداد کریں۔اس نے مغل بادشاہ کو دستخط مؤخر کرنے کا مشورہ دیا لیکن مغل بادشاہ نے دوسرے امرأ کے مشورے پر ۹ جمادی الثانی ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۷۵۲ء کو معاہدۂ لاہور پر دستخط کردیئے اور مہر ثبت کردی۔اس میں عاقبت اندیشی یہ تھی کہ گذشتہ یعنی (۱۷۴۷ء کی طرح، دہلی میں خون خرابہ نہ ہو۔) قلندر خان کو دربار دہلی کی جانب سے خلعت سے نوازا گیا۔اس

رفیقوں کو انعامات عطا ہوئے۔ سات دن پر رخصت کی اجازت مرحمت ہوئی۔ ۲۰/اپریل کو یہ وفد لاہور پہنچا۔ اس نوید کے بعد ۲۲/اپریل کو افغان بادشاہ نے واپسی کا سفر اختیار کیا۔ روانگی سے قبل میر معین الملک نے اپنی بیٹی عمدہ بیگم کی منگنی، ولی عہد شہزادہ تیمور خان سدوزئی سے کر دی۔

فتح کشمیر:

اٹھارویں صدی ہی سے علاقۂ کشمیر طوائف الملوکی اور انتشار کی زد میں تھا۔ کشمیر کے حکام من مانی کارروائیوں میں مصروف تھے۔ دہلی سے دوری کے سبب کوئی ہاتھ روکنے والا نہ تھا۔ ۱۷۴۸ء میں جب احمد شاہ ابدالی نے پہلی بار ہندوستان کا رخ کیا، اس وقت کشمیر میں افسریاب بیگ خان نائب ناظم تھا۔ جس کے مظالم سے خلقت پریشان اور اس سے متنفر تھی۔ ان حالات میں کشمیریوں کے ایک وفد نے احمد شاہ ابدالی کے سردار عصمت الدین خان سے درخواست کی کہ کشمیر پر قبضہ کر لیا جائے۔ عصمت الدین خان نے کشمیر پر حملہ کیا لیکن اسے شکست ہوئی۔ افسریاب بیگ کے مظالم انتہا کو پہنچ چکے تھے، چناں چہ ۱۷۵۱ء میں کسی نے اسے زہر دے کر ہلاک کر ڈالا۔ اس کے نابالغ بیٹے احمد علی خان کو نائب ناظم مقرر کیا گیا اور ایک انتظامی کونسل تشکیل دے دی گئی۔ اندریں حالات مغل دربار سے میر مقیم کو نائب ناظم مقرر کیا گیا۔ جو پانچ ماہ تک یہ ذمہ داریاں ادا کرتا رہا۔ ابو قاسم خان ابن ابو برکت نے اسے نکال باہر کیا۔ میر مقیم لاہور میں پناہ گزیں ہوا اور اس نے احمد شاہ درّ دران سے التماس کی کہ کشمیر جنت نظیر پر قبضہ کر لیا جائے۔ جب احمد شاہ اپریل ۱۷۵۲ء میں اپنے ملک واپسی کے دوران میں دریائے راوی عبور کرنے کے بعد جہانگیر کے مزار کے حوالی میں مقیم

تھا تو میر مقیم نے حاضر ہو کر اس سے درخواست کی، احمد شاہ ابدالی کے حکم پر
عبداللہ خان کی کمان میں ایک دستہ روانہ کیا۔ ابوالقاسم کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ
بھاگ کھڑا ہوا۔ جلد ہی سری نگر افغان دستے کے قبضے میں آگیا۔ اس طرح
۱۷۵۲ء میں کشمیر احمد شاہ درّدران کی سلطنت کا جزو بن گیا۔ جب احمد شاہ
براستہ ملتان، قندھار کے سفر پر تھا، اسے فتح کشمیر کی خوش خبری سنائی گئی۔ وہ
ملتان میں داخل نہ ہوا اور براستہ ڈیرہ غازی خان قندھار کی جانب روانہ ہو گیا۔

الحاق ملتان :

معاہدۂ لاہور کی رو سے ملتان کا الحاق افغان سلطنت سے ہو چکا تھا
ملتان کے سابق دور کا جائزہ لیتے ہوئے سپردِ قلم کیا جاتا ہے کہ ملتان اپنی
جغرافیائی اہمیت کے سبب صدہا سال سے مختلف ادوار میں ایک انتظامی اکائی تھا
مغل دور میں یہ سدوزئی خاندان کی حشمت و جاہ کا مرکز تھا۔ ملتان احمد شاہ
درّدران کا مولد بھی ہے اور یہ امر اس کی اہمیت میں اضافہ کرتا ہے۔ ملتان کے
قرب وجوار میں سدوزیوں کی عظیم الشان جاگیریں تھیں تقریباً دس سال تک
(۱۷۳۸ء تا ۱۷۴۹ء) نامور شخصیت نواب زاہد خان سدوزئی کے پاس اس
علاقے کی نیابت رہی اور اس نے بطور نائب ناظم انتظامی امور کو نہایت حسن
خوبی سے انجام دیا۔ اس دوران دوسرے افراد بھی ناظم رہے مثلاً نواب ز
خان۔ نواب شاہ نواز خان۔ دیوان کوڑامل، مگر نظامت کی اصل اور اہم
داریاں نواب زاہد خان ہی سے متعلق رہیں۔ ۱۷۴۹ء میں اس کی وفات کے
اس کے لڑکوں شاکر خان اور شجاع خان نے نائب نظامت کے حصول کے
بھاگ دوڑ کی۔ آخر مغل دربار سے شاکر خان کو یہ پروانہ حاصل ہوا، لیکن

بعد ہی خواجہ حسن کو نائب ناظم مقرر کر دیا گیا۔

آخر ۱۷۵۲ء میں احمد شاہ درردران نے علی محمد خان خوگانی کو صوبہ دار
ن مقرر کیا۔ علی محمد خان خوگانی المعروف خاکوانی ڈیرہ غازی خان کا بڑے
ے کا زمیندار تھا اور احمد شاہ کا بااعتماد سردار اور باج گزار تھا۔ وہ ہمیشہ
ستان سے مال واسباب اپنے اونٹوں پر لدوا کر قندھار پہنچانے کا فریضہ انجام
تھا۔

باب چہارم

علی محمد خان خوگانی بحیثیت صوبہ دار ملتان

پہلا دور (۱۷۵۲ء تا ۱۷۵۸ء):

علی محمد خان خوگانی ولد عثمان خان ولد فاروق خان ولد صدیق خان محمد
زئی خوگانی قبیلے سے تھا۔ اس کا ایک جدِ اعلیٰ ملک شہپال اکبر اعظم کے عہد
قندھار سے ہجرت کر کے ہندوستان چلا آیا۔ اس کا قبیلہ ملتان اور ڈیرہ غازی خ
میں آباد ہوا۔ ان کا پیشہ باربرداری تھا۔ اس غرض سے سینکڑوں اونٹ ان
پاس تھے۔ یہ لوگ بادشاہوں اور امرا کے متاع و اسباب کو لاتے لے جاتے ت
بیرونِ ملتان، لوہاری دروازہ اور بوہڑ دروازہ کے علاقے میں آباد ہ
کڑی افغانان کی بنیاد رکھی۔ علی محمد خان خوگانی نے مہر بنوائی جس میں اپ
کے علاوہ باپ، دادا اور پردادا کا نام بھی کندہ کرایا۔

عثمان خان خوگانی کے دو لڑکے تھے۔ بڑا، اسماعیل خان، چھوٹا، عل
خان۔ علی محمد خان لائق تھا اور انتظامی استعداد سے بہرہ ور۔ جب احم
دردران افغانستان کے تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو علی محمد خان نے اسے تہ
کے خطوط لکھے اور اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ مغلوں کی کمزوریوں اور ا
خامیوں کا ذکر کیا اور ملتان کی سیاست کے خدوخال اس پر واضح کیے۔ نوا
خان کے عہد نظامت میں جب اس کے والد نے وفات پائی تو بڑے بھائی اس
خان سے جائداد کا تنازعہ ہوا۔ اس نے بڑے بھائی کو حملے میں زخمی کر
بر بنائے خوف افغانستان کا رخ کیا اور لشکر میں شامل ہو گیا۔

جب پہلے حملۂ ہند کے بعد احمد شاہ درران براستہ ڈیرہ غازی خان
ازمِ قندھار تھا تو اس نے ڈیرہ غازی خان میں چند روز قیام کیا۔ اس نے وہاں
یگر افاغنہ کو نوازا اور علی محمد خان خوگانی کو ڈیرہ غازی خان کا علاقہ مستاجری
نی باج پر عطا کیا۔ اس نے نہایت جان فشانی کی اور ڈیرہ غازی خان سے حاصل
ونے والا باج باقاعدگی سے احمد شاہ درران تک پہنچاتا رہا۔ وفاداری واطاعت
کے صلے میں بالآخر اسے صوبہ دار ملتان مقرر کر دیا گیا۔ نواب زاہد خان کی وفات
کے بعد مغل دربار سے یہاں خواجہ اسحاق خان صوبہ دار تھا۔ علی محمد خان کو
رمانِ نظامت ملا تو اس نے ایک مختصر دستے کے ساتھ حملہ کیا اور ملتان پر قبضہ
ر لیا۔ اسحاق خان بھاگ کھڑا ہوا۔

نواب علی محمد خان خوگانی کو افغان تاجدار کا پورا اعتماد حاصل تھا۔ ویسے
ی احمد شاہ درران معاملات میں دخل نہیں دیتا تھا۔ اسے محض خراج سے
علق تھا۔ البتہ اس کی یہ ہدایت تھی کہ خاندانِ سدوزئی کے افراد کا پورا احترام
وظ رکھا جائے اور ان کے معاملات میں ہرگز مداخلت نہ کی جائے۔ اس نے
قعی سدوزئیوں کی دل سے عزت کی اور ان سے خصوصی تعلقات رکھے۔ وہ
یدین کے موقع پر اور دیگر خوشی وغم کے موقع پر نواب شاکر خان کی کڑی میں
قاعدگی سے جاتا تھا۔ اسی طرح سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی کے بیٹے
مد باقر خان سے بھی اس کا میل جول تھا۔ صوبہ دار ملتان کیوں کہ افغان بادشاہ کا
ائندہ تھا اس لئے سب افاغنہ اس سے تعاون کرتے اور اس کی عزت کرتے
ے۔ مغل تاجدار کے زمانے میں یہ رواج تھا کہ افاغنہ قبائل سے متعلق تمام
رو معاملات سدوزئی سردار نواب زاہد خان یا سلطان حیات خان طے کیا

کرتے تھے، ان کی وفات کے بعد نواب شاکر خان اور نواب باقر خان افغانوں کے مسائل حل کرتے تھے۔ لیکن اب یہ امور نواب علی محمد خان کی عدالت میں فیصل ہونے لگے۔ اسے سدوزئیوں نے اپنے وقار کے منافی سمجھا۔ انہوں نے صوبہ دار کی عزت ضرور کی لیکن اس کی عدالت میں پیش ہونے سے انکار کر دیا۔ علی محمد خان کی گرفت آہنی تھی اس لئے محمد باقر خان نے سکوت اختیار کیا۔ نواب شاکر خان نے اس کی بالادستی قبول کرلی۔ لیکن نواب شجاع خان نے اس کی بالادستی تسلیم کرنے سے گریز کیا۔

جب احمد شاہ درران پہنچا توالحاقِ ملتان کی خوشی میں ملتان کی ٹیکسال سے ۱۱۶۵ھ مطابق ۱۷۵۲ء میں ایک سکہ جاری کیا گیا۔ جس کا ذکر ہم اس سے ماقبل کر چکے ہیں۔☆

بہاول پور کے خلاف فوجی مہم :

نواب علی محمد خان خوگانی حکومت ڈیرہ غازی خان کے دوران ہی میں بہاول پور کے داؤپوترہ حکمران سے خصومت رکھنے لگا اور وقتاً فوقتاً احمد شاہ ابدالی کے کان بھرنے لگا۔ اندریں حالات احمد شاہ درانی نے نواب بہاول پور کے خلاف لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ چناں چہ سردار جہان خان کے ڈیرہ غازی خان کے

☆ امریکن قونصلیٹ جنرل ولیم سپنگلر نے ۱۹۷۶ء میں یہ سکہ راقم الحروف کو بطور تحفہ جو یادگار کے طور پر آج تک میرے پاس محفوظ ہے، سکہ پر عبارت یوں ہے :

حکم شد از قادر بیچوں بہ احمد بادشاہ

سکہ زن بر سیم و زر اوجِ ماہی تا بماہ ۱۱۶۵ھ

جلوس میمنت مانوس ضربِ ملتان

ایک رئیس جان نثار خان کو ساتھ لیا اور پنج ند کو عبور کر کے بہاول پور کے علاقے میں بغرض لشکر کشی جا پہنچا۔ جان نثار خان کا علاقہ اوچ کے ساتھ ملحق تھا، چناں چہ اس نے خفیہ طور پر حاکم بہاول پور نواب مبارک خان کو افغان حملے سے پیشگی مطلع کر دیا۔ حاکم بہاول پور اپنی کمزوری کا احساس کرتے ہوئے مع خاندان اور فوجی دستے کے بہاول پور سے جنوب مشرق کی جانب نقل مکانی کر گیا اور چالیس میل کے فاصلے پر قلعہ موج گڑھ میں قلعہ بند ہو گیا۔ دوسری طرف داد پوترہ محمد معروف امروٹھ کے قلعے میں قلعہ بند ہو گیا جو قلعہ موج گڑھ سے شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہ دونوں خیر پور ٹامیوالی میں افغان فوج کے مقابلے کے لئے جمع ہو گئے۔ وڈیرہ محمد معروف، جان نثار خان، احمد خان، بلاول خان فیروزانی، وڈیرہ جان محمد خان، نور محمد خان معروفانی، ملا علی، ملا تائب وغیرہ کل سرداروں کی فوج تین ہزار گھڑ سواروں پر مشتمل تھی۔ جہان خان پوپلزئی بہاول پور پہنچا۔ اس نے آٹھ ہزار گھڑ سوار ان کے مقابلے کے لئے خیر پور بھیجے۔ دونوں لشکروں کے درمیان خون ریز جنگ ہوئی۔ جس میں افغان فوج نے ہزیمت اٹھائی۔ لال سوہانرا تک اس کا تعاقب کیا گیا۔ بہاول پور پر جہان خان کا قبضہ تھا اس لئے مزید تعاقب سے گریز کیا گیا۔ اس صورت حال نے باہمی گفت و شنید ہوئی اور معاہدۂ امن پر دستخط ہو گئے۔ جس کی رو سے مبارک خان نے افغان بادشاہ کی بالادستی کو قبول کر لیا۔ جہان خان ستلج عبور کر کے ملتان واپس آیا اور وہاں سے قندھار کا رخ کیا۔ احمد شاہ درددران نے مدبرانہ حکمت عملی اختیار کی اور اس نے ہندوستان سے متعلق نادر شاہ افشار کی پالیسی کو اختیار کئے رکھا۔ یعنی سرہند کو افغان سلطنت اور مغل سلطنت کے درمیان بارڈر قرار دیا اور

بہاول پور کو ان دونوں علاقوں کے درمیان بفر سٹیٹ کا درجہ دیا گیا۔ البتہ
پنجاب لاہور، ملتان، سندھ، بلوچستان کا الحاق کر کے چار صوبوں میں منقسم کر دیا
گیا۔

افغان بادشاہ اور اس کے لڑکے تیمور شاہ نے کئی بار بہاول پور کو
تاراج کیا مگر کبھی اس کا الحاق نہیں کیا۔ بہاول پور کے حکمران نے سیاسی تدبر
سے دونوں قوتوں سے یکساں تعلق رکھا۔ دونوں کو تحفے تحائف بھیج کر خوش رکھا
اور اپنی خود مختاری کو بر قرار رکھا۔ نیز انہوں نے صوبہ دار ملتان کی اہمیت کا
اندازہ کرتے ہوئے ملتان کے حکمرانوں سے بھی اپنے رابطے استوار رکھے۔ جب
سکھ حملہ کرتے تو ملتان اور بہاول پور کے حکمران مل کر مدافعت کرتے۔ ان میں
اتنی قرابت ہوئی کہ گویا بہاول پور ملتان کے پٹھانوں کا دوسرا مضبوط مرکز بن
گیا۔ مکانات تعمیر ہوئے، فوج میں بھرتی شروع ہوئی۔ اس باہمی استحکام کا اندازہ
افغان تاج دار کو بھی تھا اس لئے اس نے بہاول پور کا الحاق نہیں کیا۔ اس باہمی
رشتے میں ایک مستحکم گرہ اور لگ گئی۔ ہوا یوں کہ نواب علی محمد خان نے
چشتیاں کے ایک جوئیہ زمیندار کی لڑکی سے شادی کر لی۔ اس کی دوسری بیوی
احسان بی بی کے بطن سے پیدا ہونے والے لڑکے نے اپنے ننھیال میں پرورش
پائی۔

نواب علی محمد خان کی خدمات:

اس نے اپنے عہد حکومت میں بہت اہم نوعیت کے کام کئے۔ ریاست
میں زراعت کو نمایاں ترقی دی۔ جس سے اسے اتنے مضبوط مالی وسائل میسر
آئے کہ وہ سترہ لاکھ روپیہ خراج باقاعدگی سے افغان بادشاہ کو دیتا۔

خاندان کے افراد کو نوازنے کے علاوہ بقدر ایک لاکھ کی مالیت کے انعامات دیتا۔ فوجی اور انتظامی تنخواہیں ادا کرتا۔ حتیٰ کہ جب افغان بادشاہ اس سے ناراض ہوا تو س نے اپنی اور اپنے بیٹے غلام مصطفیٰ خان کی جان بخشی کے لئے ایک کروڑ روپے داکرنے کا وعدہ کیا۔ اس سے اس کے ان وسائل کی کثرت کا اندازہ ہوتا ہے جن کی بنیاد زرعی ترقی تھی۔

نواب نے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی خانقاہ اور ان کے خانوادے کے لئے ایک قطعۂ زمین کی آمدنی وقف کر رکھی تھی۔ مزید دور و دراز کے لوگوں کی جانب سے غلہ جو خانقاہ کے مجاورین کے لئے بہم پہنچایا جاتا تھا، اسے ٹیکس فری قرار ے رکھا تھا۔ علی محمد خان نے تعمیرات میں بہت دلچسپی لی۔ شہر کے مرکز میں مسجد ۱۱۷۱ھ مطابق ۱۷۵۷ء میں تعمیر کروائی جو مسجد علی محمد خان کے نام سے موسوم ہے۔ اس پر مندرجہ ذیل کتبہ لگوایا جو آج تک موجود ہے۔

کتبے کی عبارت:

بفضل ایزد و لطف نبیٔ آخر زمان
بہ یمن حضرتِ جیلان ہر دو جہان
بجای شحنۂ بازار بہر عدم فساد
کہ بر چبوترہ و دار جرم و ظلم عیان
بنای مسجد و حمام و چاہ و حوض عجیب
بساخت بر سر بازار ناظم ملتان
برای سال بنای ز غیب ہاتف گفت
نمود مسجد عالی علی محمد خان

(۱۱۷۱ھ)

پنجاب میں بد نظمی :

احمد شاہ درردران قندھار واپس آیا تو سکھوں نے سر اٹھایااور پنجاب میں شورش کاباعث بن گئے۔ میر منوان کی سر کوبی میں لگ گیا۔ادھر مغل دربار کا یہ حال تھاکہ مغل بادشاہ احمد شاہ اور وزیر صفدر جنگ کے درمیان ٹھنی ہوئی تھی۔ بادشاہ میر منو (معین الملک) کاحامی مگر وزیر اس کادشمن تھا۔صفدر جنگ نے اپنی مقصد بر آری کے لئے مرہٹوں کی امداد طلب کرلی۔اس دوران میں اپنے سیاسی تدبر کی بنا پر احمد شاہ درردران سیاستِ ہند سے الگ تھلگ رہااور اپنے امور سلطنت کی انجام دہی میں مصروف رہا۔

جب میر منو سکھوں کی بیخ کنی میں لگا ہوا تھاتو ۵ر محرم ۱۱۶۷ھ مطابق ۲ر نومبر ۱۷۵۳ءوہ ملک وال کے مقام پر گھوڑے سے گر کر بے ہوش ہو گیا اور ۴ر نومبر ۱۷۵۳ءکواسی حالت میں وفات پاگیا۔

اس کی وفات پر اس کی بیوہ مغلانی بیگم نے اپنے تین سالہ بیٹے کی صوبہ داری کا اعلان کر دیااور عملاً صوبۂ پنجاب کا انتظام خود سنبھال لیا۔وہ ایک لائق منتظمہ تھی،اس نے مغل بادشاہ سے اجرائے فرمان چاہاجو بیٹے کی صوبہ داری اور اپنے عنانِ انتظام سنبھالنے سے متعلق تھا۔صفدر جنگ کے لئے یہ حالات قابل قبول نہ تھے۔اس نے مرہٹوں کو اکسایا۔اس صورتِ حال میں مغلانی بیگم نے احمد شاہ درردران سے امداد کی استدعا کردی۔

احمد شاہ درردران کا ہندوستان پر چوتھا حملہ، سال (۱۷۵۶ء) :

یہ حالات تھے جن میں احمد شاہ درردران نے ۱۷۵۶ء میں ہندوستا

پر چوتھا حملہ کیا۔ اس سے قبل اس نے ایک فرمان جاری کر کے مغلانی بیگم کے بیٹے کو صوبہ دار لاہور اور اسے اس کا سرپرست تسلیم کر لیا تھا۔ مغلانی بیگم نے میر مومن خان کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ مرہٹوں کے حملے کے اندیشے کے پیش نظر احمد شاہ درّدران نے اس کی اعانت اور سکھوں کی سرکوبی کے لئے لشکر کشی کا تہیہ کیا۔

اِدھر ایک اور گل کھلا کہ مغلانی بیگم طاقت کے نشے میں بے راہ روی کا شکار ہو گئی۔ اس کے تعلقات تخشی غازی بیگ خان کے ساتھ ایسی نوعیت اختیار کر گئے جو شرم و ندامت کا باعث بننے لگے۔ پنجاب کے امرأ نے اس صورت حال کو پسند نہیں کیا۔ آدینہ بیگ صوبہ دار دوآبہ جالندھر اور ایمن آباد کا فوج دار خواجہ میرزا جان لاہور پر قبضے کی جوڑ توڑ میں لگ گئے۔ مغلانی بیگم کو سات ماہ سے زیادہ حکومت کرنا نصیب نہ ہوا۔ مئی ۱۷۵۴ء میں اس کا لڑکا امین خان اچانک مر گیا۔ اِدھر خواجہ میرزا خان ایمن آباد سے اپنی فوجی دستے کے ساتھ چلا اور اس نے ۱۷۵۴ء میں لاہور پر قبضہ جما لیا۔ چناں چہ ایسے احوال میں مغلانی بیگم نے اپنے ماموں خواجہ عبید اللہ خان (برادر خورد نواب زکریا خان) کو افغان تاج دار کی خدمت میں برائے امداد طلبی بھیجا۔ ساتھ ہی اس نے امرائے دہلی سے کمک چاہی۔

حالات نے ایک اور رخ اختیار کیا کہ عالمگیر ثانی (مغل بادشاہ) نے ۲۵/اکتوبر ۱۷۵۴ء کو مومن خان کو صوبہ دار پنجاب مقرر کیا۔ مگر مغلانی بیگم نے اس سے متصادم ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اب خواجہ میرزا لاہور پہنچا۔ اس نے مغلانی بیگم کو نظر بند کیا اور انتظام حکومت سنبھال لیا۔ ان پیچیدہ حالات میں

اپریل ۱۷۵۵ء میں احمد شاہ درران کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دی گئی۔

احمد شاہ درران موسم سرما ۱۷۵۶ء میں قندھار سے روانہ ہوا۔ اس نے دریائے سندھ کو عبور کیا اور افغان دستے کی آمد پر ۲۷ ربیع الاوّل ۱۱۷۰ھ مطابق ۲۰ دسمبر ۱۷۵۶ء لاہور پر قبضہ کر لیا۔ آدینہ بیگ اور دیگر امرا نے راہ فرار اختیار کی۔ اب مغلانی بیگم کا نصیب پھر جاگا اور وہ ۱۷۵۷ء میں افغان دستے کی مدد سے لاہور کے سیاہ و سفید کی مالک بن بیٹھی۔ تیمور شاہ (پسر احمد شاہ) صوبہ دار مقرر کیا گیا اور اس کی انتظامی امداد کے لئے ایک افغان لشکر وہاں مامور کر دیا گیا۔ جہان خان کو دس ہزار لشکر کے ساتھ آدینہ بیگ سے متحارب ہونے کے لئے بھیجا گیا جس نے آسانی سے جالندھر پر قبضہ کر لیا۔ افغان تاجدار نے خواجہ میرزا خان کو کوتوالِ لاہور اور خواجہ عبیداللہ کو صوبہ دار جالندھر مقرر کیا۔ اسی اثناء میں احمد شاہ درران کو خبر ملی کہ مرہٹے دہلی کے گردونواح میں اپنی جمعیت بڑھا رہے ہیں تاکہ سرہند پر حملہ آور ہوں اور وہاں افغان صوبہ دار عبدالصمد خان کے پاس لشکر کی قلت ہے۔ اس نے جہان خان کو سرہند روانہ کیا اور خود جنوری ۱۷۵۷ء میں دہلی کا رخ کیا۔ سردار حسن خان ہراول دستے کے طور پر سرہند جا پہنچا۔ سردار جہان خان خود پانی پت پہنچ گیا اور اس نے ایک دستے کو افغان تاج دار کے استقبال اور انتظامات کے لئے کرنال بھیج دیا۔ عالمگیر ثانی کا سفیر آغا رضا خان معاہدے کی شرائط طے کرنے کے لئے خدمت ہوا۔ احمد شاہ درران نے معاہدۂ امن کے لئے یہ شرائط رکھیں:

۱۔ دو کروڑ روپے تاوان جنگ کے طور پر ادا کئے جائیں۔

۲۔ عالمگیر ثانی کے خاندان کی قریبی شہزادی سے خود نکاح کیا۔

۳۔ سرہند کو سرحد تسلیم کیا جائے۔

۴۔ سرہند اور اس کا شمال مغربی علاقہ، پنجاب، کشمیر، ملتان، سندھ، بلوچستان کا الحاق افغان ریاست سے تسلیم کیا جائے۔

بغیر ان شرائط کے ساتھ ۲۲/ربیع الثانی ۱۱۷۰ھ مطابق ۱۴/جنوری ۱۷۵۷ء کو دہلی پہنچا۔ مغلوں میں جنگ کرنے کی ہمت نہیں تھی، چناں چہ مجبوراً یہ شرائط تسلیم کرنی پڑیں۔ اس دوران میں سردار جہان خان مع لشکر دہلی پہنچ گیا۔ لہٰذا اس معاہدے پر دستخط کر دیئے گئے تاکہ دہلی کو افغان حملے کی تباہ کاریوں سے بچایا جا سکے۔

سردار جہان خان کے ساتھ سردار ولی خان بھی تھا۔ جب یہ افغان لشکر جمنا پہنچا تو عالمگیر ثانی اور وزیر غازی الدین سپر انداختہ ہو گئے۔ ۲۰/جنوری ۱۷۵۷ء کو احمد شاہ درّانی خود کنار جمنا پہنچا۔ مغل وزیر نے حاضری دی اور معاہدۂ امن کا باضابطہ اعلان کیا۔ اگلے دن جہان خان نے دہلی میں قدم رکھا اور دہلی پر قبضہ مستحکم ہو گیا۔ احمد شاہ درّانی کے نام کا سکہ جاری ہوا اور جامع مسجد دہلی میں خطبہ پڑھا گیا۔

۵/جمادی الاوّل ۱۱۷۰ھ مطابق ۲۵/جنوری ۱۷۵۷ء کو وزیر آباد کے مقام پر جمنا کے کنارے، افغان تاج دار نے عالمگیر ثانی کو تخت پر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے اس کی بادشاہت کا اعلان کیا اور کہا میں تجھے ہندوستان کی حکومت بخشتا ہوں۔ اس نے افغان لشکر کو خون خرابے سے منع کر دیا۔ اس موقع پر عالمگیر ثانی نے عماد الملک غازی الدین کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ یا اسے ہمراہ لے جائیں یا حوالۂ زندان کر دیں یا قتل کر کے اس کا قصہ پاک کریں۔

افغان تاج دار نے کہا، میں اسے معاف کر چکا ہوں۔ اس کو قتل کرنا میر
شایانِ شان نہیں۔ میں اسے تنبیہ کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کے خلاف سازش ا
فتنہ انگیزی نہ کرے۔ اس کے بعد تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا۔ احمد شاہ درردرا
۷ رجمادی الاوّل ۱۱۷۰ھ مطابق ۲۸ر جنوری ۱۷۵۷ء بروز جمعتہ المبارک
شاہانہ تزک واحتشام کے ساتھ لال قلعۂ دہلی میں داخل ہوا۔ مغل بادشاہ
اپنے امرأ کے ساتھ جلوس کی صورت میں اس کا استقبال کیا۔ سب سے پہلے
امان کا اعلان کیا گیا۔ چند روز بعد غازی الدین کو حکم صادر ہوا کہ اس نے جو
جواہر مغل خزانے سے لوٹ کر اپنے خزانے میں بھر رکھے ہیں، افغان تاج
کی خدمت میں پیش کرے۔ پہلے اس نے انکار کیا جب سخت گیری اختیار کی گئ
ایک کروڑ روپے کے زیورات، لاکھوں روپے کی مالیت کی اشرفیاں اور دیگر
بہا مال و اسباب نذر کیا۔ ۹ر جمادی الاوّل ۱۱۷۰ھ مطابق ۳۰ر جنو
۱۷۵۷ء کو افغان بادشاہ کے نام کا سکہ جاری کیا گیا۔ سکہ اسی ساخت کا
اس سے قبل قندھار، لاہور اور ملتان سے جاری ہوا تھا۔ البتہ تاریخ مختلف
علاوہ ازیں قدسیہ بیگم دختر محمد شاہ (مغل بادشاہ) کا عقد احمد شاہ درردران
ہوا۔ دختر گوہر شاہ (عالم ثانی) کا نکاح شہزادہ تیمور شاہ سے ہوا۔

ان امور و معاملات کی انجام دہی کے بعد افغان لشکر نے مراجع
سفر اختیار کیا۔ واپسی میں مرہٹوں اور جاٹوں سے جھڑپیں ہوئیں۔ افغان
نے سب کو شکست دی۔

مارچ ۱۷۵۷ء میں احمد شاہ درردران نے قندھار واپسی کا اعلا
اس نے لاہور میں چند روز قیام کیا۔ فوج کا ایک دستہ سکھوں کے قلع قمع

مر تسر بھیجا۔ افغان لشکر نے امر تسر کو آگ لگا دی۔ عمارات منہدم کر دیں۔
کھ سراسیمگی اور بد حواسی میں شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ احمد شاہ درّ درّان نے قیامِ
ہور کے دوران شہزادہ تیمور شاہ کو صوبہ دار پنجاب بنانے کا اعلان کیا۔

ہور شاہ بحیثیت نائب السلطنت صوبہ پنجاب :

(مئی ۱۷۵۷ء تا اپریل ۱۷۵۸ء)

قندھار روانگی سے قبل احمد شاہ درّ درّان نے بعض اہم انتظامی امور سر
ام دیئے۔ شہزادہ تیمور کو پنجاب کے نائب السلطنت کی حیثیت میں مامور کیا
لاہور میں چھوڑا۔ ایک افغان گھڑ سوار دستہ اس کی محافظت کے لئے متعین
۔ خواجہ عبید اللہ خان اور مرزا جان خان کو مع ان کے رفقا کے شہزادے کی
ت میں رکھا تا کہ وہ انتظامی امور میں معاونت کریں۔ نواب سر فراز خان کو
بہ جالندھر میں نائب صوبہ دار مقرر کیا۔ نیز اس نے سردار جہان خان کو
ادہ تیمور کی حفاظت کے لئے متعین کیا۔

آدینہ بیگ خان جو شوالک کی پہاڑیوں میں اپنے فوجی دستے اور بعض
ہ پشت سکھوں کے ساتھ پوشیدہ تھا اور موقع کی تاک میں تھا کہ بادشاہ
مار کا رخ کرے اور وہ جالندھر پر قبضہ جمائے۔ شہزادہ تیمور نے مشاورت
اسے لکھا کہ وہ اطاعت اور وفاداری کا اظہار کرے اور لاہور آکر حاضری
اس صورت میں جالندھر کی حکومت اس کے حوالے کی جاسکتی ہے ورنہ
ے دوآبہ جالندھر پر لشکر کشی کی جائے گی۔ آدینہ بیگ کا قاصد ہری دلآرام
ضر ہوا۔ تیمور اور اس کے مصاحبین سے معاملت کر کے دوآبہ جالندھر
اری کا پروانہ حاصل کر لیا۔ لاہور حاضری کی شرط حذف کر دی گئی۔

البتہ یہ طے پایا کہ وہ ۳۶ لاکھ روپے تاوان ادا کرے گا۔ اس رقم کے عو
دلآرام کو لاہور رکھ لیا گیا۔ آدینہ بیگ نے ہر ماہ باقاعدگی سے رقم کی اد
شروع کر دی۔ چناں چہ ان ہمہ جہت انتظامات کے نتیجے میں پنجاب کے بیش
علاقوں میں امن قائم ہو گیا۔

اسی دوران اطلاع ملی کہ سکھ امرتسر میں جمع ہو رہے ہیں۔ لاہور پر
کے ممکنہ حملے کے اندیشے کے پیش نظر سردار جہان خان نے حاجی عطائی خ
سالار دستہ افاغنہ کو ہدایت کی کہ وہ فلاں تاریخ کو امرتسر پہنچ جائے اور میں
اسی تاریخ کو امرتسر پہنچ رہا ہوں۔ اس طرح سکھوں کے خلاف اعلان جہاد کر
گیا۔ باشندگانِ لاہور کو عام اطلاع کی دی گئی کہ جو چاہے اس جہاد میں شر
کرے۔ لوگ ذوق و شوق سے شریک ہونے لگے حتیٰ کہ مغلانی بیگم کا ایک
بھی طہماس خان کی سرکردگی میں شامل ہو گیا۔ سردار جہان خان طے شدہ
پر امرتسر پر حملہ آور ہوا مگر حاجی عطائی خان بوجوہ بروقت نہ پہنچ سکا۔ س
نے ڈٹ کر لاہوری لشکر کا مقابلہ کیا۔ ایک ہلّے میں تو افغان لشکر ہل کر رہ
سوائے طہماس خان کے لاہوری گھڑ سواروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ تاہم
گھڑ سوار استقامت کے ساتھ ڈٹے رہے۔ اسی دوران میں حاجی عطائی خ
لشکر آ پہنچا اور اس نے سکھ فوج پر توپوں کے دہانے کھول دیئے۔ سکھ
بدترین شکست ہوئی اور امرتسر فتح ہو گیا۔ چند روزہ قیام کے بعد جہان خ
لاہور مراجعت کی۔

اسی اثنا میں تیمور شاہ اور جہان خان کو بعض سازشی لوگوں
بیگ کے خلاف اکسایا کہ وہ درپردہ سکھوں سے ملا ہوا ہے۔ چناں چہ

ہا گیا کہ لاہور حاضر ہو۔ وہ شوالک کی پہاڑیوں میں مع اپنے خاندان کے
روپوش ہو گیا۔ چناں چہ دلآرام کو حوالۂ زنداں کر دیا گیا۔ مغلانی بیگم نے دلآرام
رہائی کے لئے تیمور شاہ سے استدعا کی تاکہ وہ جا کر آدینہ بینگ سے بقایا تاوان
ادائی کے لئے کہے۔ اس کی رہائی کے ضمن میں مغلانی بیگم نے چھ لاکھ روپے
ر ضمانت ادا کیے۔ اس طرح دلآرام نے جالندھر کی راہ پکڑی۔ جب جہان
ن کو اس صورت حال کا علم ہوا تو اس نے غضب ناک ہو کر مغلانی بیگم کی
فتاری کا حکم دیا بلکہ خود اس کے دروازے پر جا پہنچا۔ اس پر سختی کی اور اس
ے زر و جواہرات کا مطالبہ کیا۔ ساتھ ہی اس نے میرزادہ غلام حسین کو ایک
لر کے ساتھ آدینہ بیگ کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اسی دوران میں آدینہ بیگ
نے اپنا قاصد مع تحفہ تحائف تیمور شاہ کی خدمت میں بھیجا اور رقم کی باقاعدہ
ئی کا عہد کیا۔ نیز درخواست کی کہ دربار میں حاضری سے مستثنیٰ قرار دیا جائے
ں کہ سکھوں کی شورش کے اندیشے سے وہ اپنا مرکزی علاقہ نہیں چھوڑ سکتا۔
ر جہان خان نے مرزا جان خان کو آدینہ بیگ کی جانب روانہ کیا، جب مرزا
ن وہاں پہنچا تو گفت و شنید کر کے آدینہ بیگ سے مل گیا۔ اس لئے کہ وہ ایک
ل سردار تھا اور سردار جہان خان کے ساتھ، جو غصیلی طبیعت کا آدمی تھا اور
مزاج تھا، نہیں رہنا چاہتا تھا۔ جب یہ صورت حال ہوئی تو سردار جہان خان
ملتان سے مراد خان کو طلب کیا اور بیس ہزار لشکر کے ساتھ آدینہ بیگ کے
ف روانہ کیا۔ تمام سکھ آدینہ بیگ کی حمایت میں اس کے ساتھ آ ملے اور
شیارپور میں ماہل پور کے مقام پر افغان لشکر اور آدینہ بیگ کے جتھے کے
ان گھمسان کی جنگ ہوئی، جس میں افغان لشکر نے شکست کھائی اور پسپا ہو

کر لاہور پہنچا۔ سکھوں کی جسارت بڑھی۔ انہوں نے جالندھر کے قریب سعادت خان آفریدی کے لشکر پر حملہ کیا اور اسے ہرا کر جالندھر پر قابض ہو گئے اور خوب لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ سکھوں کی اس فتح یابی کا بھرپور فائدہ آدینہ بیگ نے اٹھایا۔ ربیع الآخر ۱۱۷۱ھ مطابق جنوری ۱۷۵۸ء خواجہ عبیداللہ کی سرکردگی میں ۲۵/ ہزار گھڑ سواروں کو لاہور سے سکھوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔ ایک خون ریز جنگ کے بعد لاہوری لشکر نے ہزیمت اٹھائی سکھوں کے حوصلے بڑھے اور انہوں نے بٹالہ اور کلانور پر حملے شروع کر دیئے سردار جہان خان سکھوں کی اس غیر متوقع کامیابی پر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس دوران میں مرہٹوں نے سر ابھارا۔ انہوں نے پنجاب کی جانب پیش قدمی کی مرہٹہ پیشوا بالاجی راؤ کا بھائی راگوناتھ راؤ مرہٹہ لشکر کے ساتھ دہلی کے قریب جا پہنچا۔ ملہار راؤ ہلکر بھی اپنے لشکر سمیت شریک ہو گیا۔ انہوں نے نجیب اللہ کو دہلی سے مار بھگایا۔ ان حالات میں عبدالصمد خان محمد زئی، افغان صوبہ سرہند ادھر ادھر سے گھڑ سوار اکٹھے کر کے مرہٹوں کے حملے کے پیش نظر بند ہو بیٹھا لیکن مرہٹے اس طرف نہیں آئے۔ آدینہ بیگ نے موقع شناسی سے کام لیتے ہوئے مرہٹوں کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور انہیں پنجاب پر حملے کے لئے اکسایا۔ بصورت حملہ ایک لاکھ روپے روزانہ ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ راگوناتھ نے شرط مان لی اور مرہٹہ لشکر کی معیت میں فروری ۱۷۵۸ء میں آگے بڑھا۔ آدینہ بیگ اور سکھوں کی جمعیت نے ان کا ساتھ دیا۔ مارچ ۱۷۵۸ء میں یہ لشکر سرہند کے قریب جا پہنچا۔ یہاں افغان لشکر نے گورو گوبند سنگھ کے نوجوان لڑکوں کو قتل کر دیا۔ سکھوں، مرہٹوں اور آدینہ بیگ کے

لشکروں نے سرہند پر حملہ کیا اور ۲۱/ مارچ کو فتح حاصل کر لی۔ سکھ شہر میں داخل ہوئے اور انہوں نے تباہی اور لوٹ مار کی انتہا کر دی اور بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا۔ عبدالصمد خان اور جان باز خان جان بچاتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ نہیں راگوناتھ راؤ کے پیش کیا گیا۔ اس نے ان سرداروں کو عزت سے رکھا اور ئی بے حرمتی نہ کی۔ مرہٹوں اور سکھوں میں باہمی حسد و رقابت تھی۔ ان ں مٹھ بھیڑ ہوئی لیکن آدینہ بیگ نے صلح کرا دی۔

آدینہ بیگ ایک دو رخا شخص تھا۔ کبھی سکھوں کے ساتھ کبھی مرہٹوں ے ساتھ اور کبھی خط لکھ لکھ کر سردار جہان خان کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتا۔ ب اس نے سردار جہان خان کو اطلاع دی کہ مرہٹے دکن سے حملہ آور ہوئے ں اور ان کا رخ لاہور کی جانب ہے اور میں آپ کے وفادار دوست کی حیثیت ے آپ کو تازہ صورتِ حال سے مطلع کر رہا ہوں۔ اس خط کے موصول ہوتے سردار جہان خان نے ہر طرف سے لشکر جمع کیا اور بیرونِ لاہور خیمہ زن ہو ۔ آخر سکھ اور مرہٹے لاہور کے قرب و جوار میں پہنچ گئے۔ ان کی تعداد ایک ۔ سے متجاوز تھی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ تیمور شاہ کو ہمراہ لے کر پشاور کا رخ ے۔ وہ لاہور سے ایمن آباد میں خیمہ زن ہوا۔ یہاں سکھوں اور مرہٹوں نے ۔ کر دیا۔ اس نے بہ عجلت وزیر آباد سے دریائے چناب عبور کیا اور پشاور کی ب گامزن ہوا۔ اسی دوران میں سکھوں نے امر تسر پر قبضہ کر لیا۔ وہاں ایک ب تھا جو متبرک پانی سے پر رہتا تھا، افغانوں نے اسے کوڑے کرکٹ سے دیا تھا۔ اس کو انہوں نے دوبارہ صاف کیا۔ المختصر اب پنجاب سکھوں اور ں کے رحم و کرم پر تھا۔

یہ اپریل ۱۷۵۶ء کا واقعہ ہے مرہٹوں نے ایک لشکر جہان خان کے تعاقب میں پشاور روانہ کیا۔ راگوناتھ راؤ ایک ماہ کے قریب لاہور میں مقیم رہا۔ اسے جلد اندازہ ہو گیا کہ مرہٹے دیر تک پنجاب پر اپنا قبضہ برقرار نہیں رکھ سکتے۔ ایک تو سکھ ان کے لیے دردسر بنے ہوئے تھے دوسرے دکنی فوج پنجاب کے گرم موسم کی متحمل نہ تھی چناں چہ آدینہ بیگ سے ۷۵ر لاکھ روپیہ سالانہ کی ادائی طے پائی اور اسے پنجاب کو صوبہ داری سپرد کر دی گئی۔ آدینہ بیگ نے انتظامی امور کے لئے مرزا جان خان کو نائب ناظم مقرر کیا اور خود اپنے صدر مقام جالندھر کی راہ لی۔ ادھر راگوناتھ راؤ ۲ر رمضان ۱۱۷۱ھ مطابق ۱۰ر مئی ۱۷۵۸ء کو لاہور سے مع لشکر دہلی کی جانب کوچ کیا۔

آدینہ بیگ چار ماہ لاہور کی حکمرانی کر سکا۔ اس نے ستمبر ۱۷۵۸ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ پنجاب میں سکھوں کی شورشوں کے سبب امن غارت ہو چکا تھا۔ آدینہ بیگ کی موت پر دہلی کے وزیر غازی الدین نے سید جمیل الدین خان اور عبیداللہ خان کشمیری کو لاہور کی حکومت سنبھالنے کے لئے ادھر روانہ کیا۔ ادھر مرہٹہ سردار ملہار راؤ بلکر نے پنجاب کا رخ کیا تاکہ پنجاب کی صوبہ داری کا فیصلہ مرہٹے کریں۔

ان حالات میں مرزا جان خان کو لاہور کا ناظم مقرر کیا گیا۔ راگھوناتھ راؤ نے جانکوجی سندھیا کی سرداری میں ایک لشکر دریائے سندھ کی طرف روانہ کیا اور دو مرہٹہ سرداروں، رام جی اور شام جی کو مع لشکر ملتان بھیجا۔ مرہٹوں کا معرکہ گکھڑوں اور افغانوں کے ساتھ گرم ہوا اور کافی زحمت اٹھانی پڑی۔ اس کے بعد افغانوں اور مرہٹوں کے درمیان لگاتار جھڑپیں شروع ہو گئیں

سلسلہ پانی پت کی تیسری جنگ تک دراز ہوتا چلا گیا۔

ہندوستان کی سیاسی صورت حال :

مغلوں کی سیاسی کمزوری اور انتشار کا رد عمل یہ ہوا کہ مرہٹوں نے خوب پر پرزے نکالے وہ دکن سے چل کر دہلی، سرہند سے ہوتے ہوئے پنجاب تک آ پہنچے۔ حتیٰ کہ ملتان پر حملہ آور ہوئے اور ان کے ایک دستے نے پشاور کا رخ کیا۔ افغان جو محبّ وطن تھے سکھوں اور مرہٹوں کی روزانہ کی شورشوں اور یورشوں کے پیش نظر پشاور چلے گئے اور مناسب مواقع کی تلاش میں رہے۔ سردار جہان خان نے یہ تمام واقعات احمد شاہ درددران کی خدمت میں لکھ بھیجے چناں چہ ان حالات کے تناظر میں اس نے پیش قدمی کا فیصلہ کیا۔

ملتان پر مرہٹوں کا قبضہ (۱۷۵۸ء) :

احمد شاہ درددران نے ۱۷۵۲ء میں علی محمد خان خوگانی کو صوبہ دار ملتان مقرر کیا تھا اور کبھی اس کے انتظامی معاملات میں مداخلت روا نہیں رکھی تھی۔ سدوزئی ملتان میں مغل بادشاہ اورنگ زیب کے عہد حکومت سے آباد تھے۔ سلطان حیات خان کی اولاد اور شاہ حسین خان کے بھائی اللہ داد خان کی اولاد کے علاوہ دیگر افاغنہ یہاں خوش حالی اور فارغ البالی سے زندگی گزار رہے تھے تاہم آبائی ملک سے ان کا رابطہ برابر قائم تھا۔ یہی بنیادی سبب تھا کہ جب افغان بادشاہ نے علی محمد خان کو یہاں فائز کیا، اسے خاص ہدایات جاری کیں کہ سدوزیوں کا، جو اس کے اعزا و اقارب ہیں، خاص خیال رکھے۔ نواب علی محمد خان نے اپنے حسن انتظام اور خوش تدبیری سے عمدہ انتظامی اصلاحات نافذ

کیں اور ملتان کو خوشحالی کا گہوارہ بنا دیا۔

احمد شاہ نے چوتھے حملے کے دوران تیمور شاہ نائب سلطنت مقرر ہوا۔ کشمیر، ملتان اور سندھ کے صوبے بھی اس کی تحویل میں دے دیئے گئے۔ تیمور شاہ نے پنجاب کے سوا کسی اور صوبے کے امور میں دخل نہ دیا۔ پنجاب کے حالات کی خرابی میں سردار جہان خان کی غصیلی طبیعت کو دخل تھا۔ اپریل ۱۷۵۸ء کو مرہٹے لاہور پر قابض ہو چکے تھے۔ مرہٹوں کا ایک لشکر رام جی، شام جی کے تحت ملتان پہنچ گیا۔ نواب علی محمد خان نے دفاعی انتظام کیا اور پٹھانوں کے ایک دستے اور دیگر فوجی سپاہیوں کے ساتھ خیمہ زن ہو گیا۔ ۱۷۵۸ء میں سخت جنگ واقع ہوئی۔ مرہٹوں نے علی محمد خان کو شکست دی۔ اس نے بہاول پور کا رخ کیا اور خیر پور ٹامیوالی میں پناہ لی۔ مرہٹہ لشکر میدان خالی پا کر شہر میں داخل ہو گیا اور قتل و غارت اور لوٹ مار کی انتہا کر دی۔ اس دوران ایک گمنام شخص صالح بیگ کو ملتان کا صوبہ دار مقرر کر دیا گیا۔ اس نے یہ منصب مرہٹہ پنڈتوں کو رشوتیں دے کر حاصل کیا تھا۔ چھ ہزار مرہٹے اس کی حفاظت پر مامور رہتے تھے۔ اسے ایک سال سے بھی کم ملتان میں گزرا، اس عرصے میں ملتان کے حالات ابتر ہوتے چلے گئے۔ تاہم سدوزئی کے غیرت مند اور شجاع افراد نے مرہٹوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ بالآخر مصلحت وقت کے پیش نظر نواب شاکر خان ابن نواب زاہد خان کی سرکردگی میں ایک وفد مرہٹہ سردار کے پاس لاہور پہنچا۔ تاکہ معاہدہ ہو جائے۔ چناں چہ جان، مال اور عزت کے تحفظ بدلے معاہدہ طے پا گیا۔ ساتھ کے ساتھ سدوزئیوں نے احمد شاہ درانی کو تازہ احوال سے مطلع کیا۔ مزید علی محمد خان خوگانی نے بھی ایک قاصد قندھار

اور افغان بادشاہ نے مسلمانوں کے ناموس کی پاسداری کے لئے ہندوستان کا رخ کرنے کی استدعا کی۔ ادھر تیمور شاہ اور سردار جہان خان کے مراسلات بھی موصول ہورہے تھے چناں چہ صفر ۱۱۷۳ھ مطابق اکتوبر ۱۷۵۹ء کو احمد شاہ دردران نے اپنے لشکر کے ساتھ ہندوستان کی جانب کوچ کیا۔

نصیر خان بلوچ حاکم قلات کی بغاوت :

نصیر خان بلوچ، بلوچستان کے بروہی قبائل کا سردار تھا۔ وہ میر عبداللہ بروہی کا بیٹا تھا۔ باپ کی وفات پر بڑا لڑکا میر محبت خان قلات کا حکمران بنا۔ اس نے اپنے دوسرے بھائی حاجی محمد خان کو مستونگ کا علاقہ دے دیا۔ لیکن حاجی محمد خان نے قلعہ قلات کے محافظ سپاہیوں کو رقم دے کر قلعے کے دروازے کھلوا لئے اور اندر داخل ہو گیا۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ محبت خان کو گرفتار کرلیا اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ لیکن وہ چند روز بعد قلعے سے بھاگ نکلا۔ آخرکار دونوں بھائیوں میں مصالحت ہوئی کہ قلات حاجی محمد خان کی تحویل میں ہے اور مستونگ محبت خان کے تصرف میں۔ عہد نادر شاہ میں حاجی محمد خان قندھار، نادر شاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور اطاعت کا اظہار کیا۔ اسے میر امتیاز خان کا خطاب مرحمت ہوا۔ لیکن وہ ایک ظالم حکمران ثابت ہوا۔ بروہی قبائل کے اکابرین نادر شاہ کے حضور حاضر ہوئے اس کے مظالم کی شکایت کی اور محبت خان کو حاکم قلات بنانے کی استدعا کی۔ نادر شاہ نے ایک فوجی دستہ روانہ کیا جس نے محمد خان کو حوالہ زنداں کیا اور محبت خان کو حاکم قلات مقرر کیا گیا۔

ایرانی لشکر نصیر خان (برادر خورد) کو مع اس کی والدہ بی بی مریم اور اور علی پسر حاجی محمد خان کو یرغمال بنا کر ہمراہ لے گیا۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد

ان کو رہائی نصیب ہوئی۔ نصیر خان بہ عجلت تمام احمد شاہ دردران کے لشکر میں شامل ہو گیا۔ جب احمد شاہ کی حکومت کی جڑیں مستحکم ہوئیں تو اس نے نصیر خان کی اطاعت و وفاداری کے صلے میں ۱۷۴۹ء میں حاکم قلات مقرر کیا۔ اس نے اتنی قرابت اور یگانگت حاصل کر لی کہ منہ بولا بیٹا کہلایا جانے لگا۔ وہ بلوچستان کے امور میں سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ سالانہ محاصل باقاعدگی سے ادا کرتا تھا۔ ان غیر محدود اختیارات نے آخر کار اس میں غرور و تکبر پیدا کر دیا اور اس نے ۱۷۵۹ء میں اپنی آزادی اور خود مختاری کا پرچم لہرا دیا اور سالانہ محاصل کی ادائی سے گریزاں ہو گیا۔ احمد شاہ دردران نے ہندوستان پر حملے سے قبل اس بغاوت کو کچلنے کا عزم کیا۔ تاہم احمد شاہ دردران نے جو ایک مدبر، منتظم، معاملہ فہم اور متحمل مزاج بادشاہ تھا، ابتدائے کار میں یہ چاہا کہ یہ معاملہ پیار، محبت سے طے پا جائے کیوں کہ وہ نصیر خان کی شجاعت کا معترف تھا۔ اس نے اس غرض سے قاصد بھیجا اور نشیب و فراز سمجھائے لیکن وہ اقتدار کے نشے میں چور تھا نیز بلوچ سرداروں کی امداد و اعانت کا اسے زعم تھا اس لئے اس نے مصالحت و معاہدے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ الزام بھی تھا کہ وہ سندھ کے معاملات میں دخل اندازی کرنے لگا تھا۔ مجبوراً شاہ ولی خان بامے زئی وزیراعظم کی ماتحتی میں ایک اور لشکر اس کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔ دونوں لشکروں کے درمیان مستونگ میں تصادم ہوا، جس میں شاہ ولی خان کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اس صورت حال میں احمد شاہ دردران بذات خود مستونگ جا پہنچا اور نصیر خان بلوچ کو شکست فاش دی۔ بلوچوں نے راہ فرار اختیار کی۔ نصیر خان قلات میں قلعہ بند ہو گیا۔ قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا۔ آخر عاجز ہو کر نصیر خان نے صلح کی درخواست

احمد شاہ درددران نے عالی ظرفی کے ساتھ اس کی گذشتہ نافرمانی کو معاف کر دیا۔ وہ قلات سے باہر خیمہ شاہی میں پہنچا تو احمد شاہ درددران نے اسے گلے لگا لیا۔ معاہدہ مرتب ہوا۔ جس کے تحت اس نے افغان بادشاہ کی بادشاہت کو تسلیم کر لیا۔ اس کے عوض سالانہ محاصل معاف کر دیئے گئے اور یہ شرط طے ہوئی کہ جب بھی افغان تاجدار ہندوستان کا رخ کرے گا وہ اپنے بلوچ لشکر کی معیت میں قلات سے ہوتا ہوا براستہ سندھ لشکر شاہی میں شامل ہو جائے گا۔ اس کے بدلے وہ اپنے لئے اور اپنے سپاہیوں کے لئے اخراجات وصول کرے گا۔ اس بدھن کو مستحکم کرنے کے لئے احمد شاہ درددان نے میر نصیر خان بلوچ کے خاندان میں شادی کی اور دلہن سمیت قندھار مراجعت کی۔ اس کے بعد میر نصیر خان تمام زندگی رشتۂ وفاداری میں منسلک رہا۔

باب پنجم

احمد شاہ درد ران کا ہندوستان پر پانچواں حملہ

ہندوستان پر پانچویں حملے کے دو بنیادی اسباب تھے، سکھوں اور مرہٹوں کی پنجاب پر یلغار اور مغلوں کی سیاسی اور انتظامی نااہلی۔ چناں چہ احمد شاہ درد ران نے ۱۱۷۳ھ مطابق اکتوبر ۱۷۵۹ء قندھار سے براہ غزنی کابل، جلال آباد ہندوستان کا رخ کیا اور بہ عجلت پشاور پہنچ گیا۔ ادھر میر نصیر خان بلوچ نے اپنے لشکر سمیت پیش قدمی کی۔ مقصد مرہٹوں اور سکھوں کا استیصال تھا کیوں کہ ایک اطلاع کے مطابق مرہٹے پر قابض ہو چکے تھے۔ اسی دوران ایک ہراول دستہ سردار جہان خان کی زیر کمان پنجاب روانہ کر دیا گیا۔ لاہور سے باہر افغان لشکر اور مرہٹوں کے سردار سابھاجی پٹیل کے لشکر کے درمیان ایک خونیں تصادم ہوا۔ جس میں جہان خان کا بیٹا مارا گیا۔ وہ خود زخمی ہوا۔ افغان لشکر نے پسپائی اختیار کی اور پشاور پہنچ گیا۔

صورت حال کی اہمیت اور نزاکت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ احمد شاہ درد ران کی خدمت میں مختلف علاقوں سے وفود آنے لگے یا خط موصول ہونے لگے کہ براہ کرم ہندوستان کی جانب پیش قدمی فرما کر مرہٹوں کی طاقت پر ضرب کاری لگائی جائے اور اس فتنے کو ہمیشہ کے لئے کچل دیا جائے۔ ملتان کے سدوزئیوں نے خطوط ارسال کئے۔ نواب علی محمد خان خوگانی نے قاصد بھیجا۔ روہیلہ سردار نجیب اللہ نے امداد کے لیے پکارا۔ اس کے روہیل کھنڈ کے امرائے افغانان مثلاً نجیب خان اور اس کا پسر ضابطہ خان

رحمت خان، دودا خان، پسران علی محمد خان بنگش مرحوم، علاوہ ازیں مغل سلطنت کے بے شمار عمائدین واکابرین خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے مکاتیب اسی مضمون کے موصول ہوئے۔ چناں چہ احمد شاہ درددران پر یہ لازم ہو گیا کہ وہ ہندوستان پر ایک بھر پور حملہ کرے۔

احمد شاہ درددران اور مرہٹوں کے درمیان جنگ پانی پت سے قبل کے واقعات

احمد شاہ درددران نے ہندوستان کے امرأ اور علمأ کے دعوت نامے وصول ہونے پر بہ امر مجبوری ۳/ربیع الاوّل ۱۱۷۳ھ مطابق اکتوبر ۱۷۵۹ء کو دریائے سندھ عبور کرتے ہوئے پنجاب کی حدود میں قدم رکھا۔ اس سے قبل ایک ہراول دستہ سردار جہان خان کی سرکردگی میں بھیجا جا چکا تھا جس نے ساباجی کو اٹک کے مقام پر پسپا کر دیا تھا اور وہ دہلی کا رخ کر چکا تھا۔ احمد شاہ درددران کی آمد کی اطلاع پا کر اہل پنجاب مرہٹوں کے خلاف کمربستہ ہو گئے۔ دریائے ستلج کے کنارے مقامی باشندوں نے مرہٹوں کو مار بھگایا اور بہت سوں کو ہلاک کر ڈالا۔ لوٹا ہوا سازو سامان بھی مرہٹوں سے واپس لے لیا۔ جن میں چار ہزار اونٹ تقریباً ایک ہزار گھوڑے اور لاکھوں کی مالیت کا چاندی سونا تھا۔ احمد شاہ لاہور کے قریب پہنچا۔ اس کی فوج کی تعداد چالیس ہزار گھڑ سوار تھی جن میں پچیس ہزار اس کے اپنے افغان تنخواہ دار تھے اور پندرہ ہزار پشاور اور قرب وجوار کے قبائل تھے۔ بادشاہ خود سپہ سالار اعلیٰ تھا۔ آخر جنگ ہوئی دو ہزار سکھوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔

افغان بادشاہ فاتحانہ لاہور میں داخل ہوا۔ اپنے نام کا سکہ جاری کرایا۔ مساجد میں خطبہ پڑھوایا۔ منادی کرا دی گئی کہ نہ ہی کسی پرامن شہری کو تنگ کیا جائے گا، نہ ہی لوٹ مار ہو گی۔ حاجی کریم داد خان، وزیر شاہ ولی خان کے بھتیجے کو حاکم لاہور متعین کیا گیا۔ زین خان کو چہار محل (گجرات) اورنگ آباد، پسرور اور ایمن آباد کا فوج دار مقرر کیا گیا۔ عامر خان نائب ناظم لاہور مقرر ہوا۔ افغان تاج دار نے نجیب الدولہ کو ایک تسلی نامہ لکھ دیا کہ تمام امرأ علمأ اور دیگر باشندوں کو مطمئن کر دیں کہ ہم کافر مرہٹوں کا مکمل قلع قمع کر کے ہی لوٹیں گے۔ سردار جہان کو پندرہ ہزار لشکر کے ساتھ ہراول دستہ کے بطور سرہند روانہ کیا اور خود چالیس ہزار گھڑ سوار کے ساتھ آہستہ روی سے پیچھے روانہ ہوا۔

جب عمادالملک غازی الدین، وزیر مملکت کو یہ خبر ملی کہ مغل بادشاہ عالمگیر ثانی نے مراسلت کر کے افغان بادشاہ کو ہندوستان بلایا ہے تو اس کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی اور اس نے سازش کر کے ۸ ربیع الثانی ۱۱۷۳ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۷۵۹ء کو مغل بادشاہ عالمگیر ثانی کو قتل کرا دیا۔ اگلے دن چند مغل وفادار بھی قتل کر دیئے گئے۔ یہ اطلاع احمد شاہ درران کو پہنچی تو اس نے عمادالملک کو عبرت ناک سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ مغل وزیر نے چاروں اطراف ہرکارے دوڑائے۔ مرہٹوں کو مقابلے پر اکسایا۔ وہ جمع ہونے لگے۔ ۲۴ دسمبر ۱۷۵۹ء کو تھانیسر کے مقام پر سردار جہان خان اور مرہٹہ سردار دتہ جی کے درمیان لڑائی ہوئی جس میں مرہٹوں کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ وزیر غازی الدین کے لشکر میں ترک تیر اندازوں کا بھی ایک دستہ تھا جن کی تیر اندازی اور شجاعت کا بہت چرچا تھا۔ مزید پانچ ہزار مرہٹوں کی

بھی پہنچ گئی۔ ان سب کو جہان خان کا راستہ روکنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ یہ سب دتہ جی کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ افغان بادشاہ نے شاہ پسند خان کو مع چار ہزار گھڑ سوار، جہان خان کی اعانت کے لئے بھیجا، دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ افغان بادشاہ کی ایک جنگی حکمت عملی کام آئی۔ افغانوں نے تیروں کے سروں پر آگ لگا کر انہیں دشمن کی جانب پھینکا۔ مرہٹے بری طرح شکست کھا کر بھاگے۔ سینکڑوں لقمۂ اجل ہوئے۔ چناں چہ پہلے ہی حملے میں افغان فتح یاب اور ظفر مند ہوئے۔

احمد شاہ نے کشتی کے ذریعے دریائے جمنا عبور کیا۔ جمنا، گنگا دوآبے میں پہنچ گیا۔ سہارن پور کے قریب نجیب الدولہ نے اس کا استقبال کیا۔ اس کی راہ نمائی میں، جمنا کے شرقی کنارے سے چلتے ہوئے دہلی کا رخ کیا۔

روہیلہ، افاغنہ سردار، حافظ رحمت خان، ڈنڈی خان، سعد اللہ خان، فیض اللہ خان، فتح اللہ خان، ملا سردار خان اپنے اپنے لشکر سمیت بادشاہ کی فوج میں شامل ہو گئے۔ افغان بادشاہ دہلی سے کچھ دور خیمہ زن ہو گیا۔ دتہ جی جو شکست کھا کر دہلی سے بھاگا تھا وہاں سے کرنال، پانی پت ہوتا ہوا ۲۹؍ دسمبر ۱۷۵۹ء میں سونی پت کے مقام پر خیمہ لگا دیا۔ پھر وہ بدحواسی میں ۴؍ جنوری ۱۷۶۰ء کو دہلی گیا اور اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ دیگر مرہٹہ سرداروں کی خواتین کو یکجا کر کے ایک فوجی دستے کی حفاظت میں ریواڑی بھجوا دیا اور خود سونی پت لوٹ آیا۔ میدان جنگ کی صورت یہ تھی کہ جمنا کا شرقی کنارہ افغان بادشاہ کے قبضے میں تھا اور غربی کنارے سے مرہٹے دہلی سے رابطہ قائم کئے ہوئے ۳۰؍ جمادی الاوّل ۱۱۷۳ھ مطابق ۹؍ جنوری ۱۷۶۰ء کو نجیب خان

اپنے روہیلہ دستے کے ساتھ دریائے جمنا کو عبور کر کے شرقی کنارے سے غرلی
کنارے پہنچ گیا اور افغان فوج نے پشت کی جانب سے تحفظ مہیا کر دیا۔ سابھاجی
نے جو اپنے لشکر کے ساتھ براری گھاٹ میں موجود تھا، انہیں للکارا لیکن
افغانوں نے ان کو کچل ڈالا۔ اس لڑائی میں دتہ جی کی آنکھ میں گولی لگی وہ تڑپ کر
گھوڑے سے گرا اور مر گیا۔ جنکوجی اس لڑائی میں زخمی ہوا اور مرہٹوں نے راہ
فرار اختیار کی۔ میاں قطب شاہ نے دتہ جی کا سر قلم کیا اور نجیب اللہ کو پیش
کیا۔ اس کے دیگر مرہٹہ سرداروں کے سرہائے بریدہ کے ساتھ احمد شاہ
درددران کے پاس بھجوائے۔ گرفتار مرہٹہ سرداروں کو بھی افغان تاج دار کی
خدمت میں بھجوا دیا۔

دہلی کی کیفیت :

مغل تاج دار عالمگیر ثانی قتل ہوا تو دہلی میں کسی کی حکمرانی کا وجود نہ
اگرچہ اورنگ زیب کے لڑکے کام بخش کے پوتے کو شاہ جہان ثانی کے لقب
غازی الدین نے ۳۰ر نومبر ۱۷۵۹ء کو تخت نشین کیا لیکن نام کا بادشاہ تھا۔
میں کوئی انتظامی صلاحیت نہ تھی۔ سخت نااہل تھا۔ جب براری گھاٹ پر اف
لشکر نے فتح پائی تو غازی الدین دہلی سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور حاکم بھر
پور، جاٹ سردار سورج مل کے پاس کمہیر قلعے میں پناہ گزیں ہوا۔ سورج مل
پانچ ہزار سپاہی دہلی کی حفاظت کے خیال سے بھیجے لیکن افغان لشکر کے دہلی
سے قبل ہی یہ سب بزدلانہ، دہلی سے بھاگ کر اپنے مالک کے پاس لوٹ آ
احمد شاہ نے دہلی داخل ہونے سے قبل یاقوت خان کو جو اس کے وزیر
خان کا عزیز تھا، انتظامی نقطۂ نظر سے دہلی میں فوج دار کی حیثیت میں بھیج

افغان دہلی میں داخل ہوئے، کچھ لوگ قتل ہوئے، سپاہیوں نے لوٹ مار بھی
کی۔ احمد شاہ دہلی میں داخل نہیں ہوا۔ وہ دہلی کے حالات درست کرتے ہی
سورج مل حاکم بھرت پور کا قصہ نبٹانے پر متوجہ ہوا۔ نیز اس نے مادھو سنگھ
راجا جے پور اور بجے سنگھ راجا مارواڑ کی جانب قاصد بھیجے اور کہا کہ مین تمہارے
بلاوے پر ہندوستان آیا ہوں۔ اب میرے دربار میں حاضری دو اور خراج ادا
کرو۔ اس دوران افغان تاج دار نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کے مزار پر حاضری
دی۔ اس کے بعد افغان لشکر خضر آباد اور شیر گڑھ ہوتا ہوا دگ قلعہ سورج مل
جاٹ جا پہنچا اور قلعے کا محاصرہ کرلیا۔ سورج مل نے ادائے تاوان کا وعدہ کیا۔
مرہٹے چھپ چھپ کر افغان لشکر پر چھاپہ مارتے، سامنے آنے کی جرأت نہ
کرتے، انہوں نے جب ۱۱ر فروری ۱۷۶۰ء کو شب خون مارا تو افغانوں نے ان
کو کاٹ کر رکھ دیا۔ اسی اثنا میں احمد شاہ کو خبر ملی کہ مرہٹے، ملہار راؤ ہلکر کے
تحت جنکوجی سندھیہ اور دیگر سردار ایک بڑے لشکر کو ترتیب دے رہے ہیں۔
اس نے افغان لشکر کو جاٹ قلعہ دگ سے واپس طلب کیا اور ریواڑی کا رخ
کیا۔ پھر دہلی کا سفر اختیار کیا تا کہ ہلکر کو جالیا جائے۔ ہلکر اس وقت قطب مینار کے
قریب تھا۔ افغان فوج تیزی سے بڑھی وہ اطلاع پاکر فوراً دریائے جمنا عبور کرکے
دوآبہ گنگا کی جانب بھاگ نکلا۔ افغان تاج دار ۲۹ر فروری ۱۷۶۰ء کو مع لشکر
...ر آباد پہنچا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ مرہٹے سکندر آباد کے قریب ہیں، اس
نے سردار جہان خان، شاہ پسند خان اور قلندر خان کے ماتحت افغان لشکر
...ر آباد روانہ کیا۔ جس نے ملہار راؤ کو جالیا اور اتنا شدید حملہ کیا کہ مرہٹوں
کے بڑے نامور سردار، انندرام، سیتاجی، کھاراجی اور اس کا لڑکا فقیرجی

اور بے شمار مرہٹے قتل ہوئے۔ ملہار راؤ ہلکر دم دبا کر آگرے کی جانب بھاگ
نکلا۔ مرہٹوں کو یہ ذلت آمیز شکست ۴ر مارچ ۱۷۶۰ء کو ہوئی۔ اس شکست
کے بعد ہلکر نے اپنے پیشوا بالاجی رام کو ایک یاس بھرا خط لکھا اور اس سے استدعا
کی کہ دکن سے تازہ فوج بھجوائیں کیوں کہ صورت حال بہت مخدوش ہے، افغان
بادشاہ کے ساتھ روہیل کھنڈ کے تمام پٹھان مل گئے ہیں۔ ابدالی لشکر اور روہیلہ
پٹھان نہایت قد آور، بہادر، جسمانی طور پر توانا اور بے جگری کے ساتھ لڑنے
والے شہسوار ہیں۔ ان کے ساتھ گھڑ سوار تیز انداز اور عمدہ توپ خانہ ہے۔ اس
کے بعد ہلکر نے حافظ رحمت خان کے پاس قاصد بھیجا اور اسے افغان تاج دار سے
معاہدۂ امن کے لئے متوجہ کیا۔

احمد شاہ کی کول (علی گڑھ) آمد:

احمد شاہ درانی کول (علی گڑھ) پہنچا۔ یہاں سے ایک فوجی
بھرت پور بھیجا۔ جس نے رام گڑھ قلعے پر قبضہ کر لیا۔ اطلاع ملی کہ جن
سندھیہ اور ملہار راؤ ہلکر مایوس اور دل برداشتہ ہو کر اپنے پیشوا کے پاس
چلے گئے ہیں۔ بعض افغان سرداروں نے یہ رائے قائم کی کہ مرہٹے شکست
چکے ہیں اس لئے اب افغان تاج دار کو اپنے ملک مراجعت کرنی چا
نجیب الدولہ کی رائے اس کے برعکس تھی کہ مرہٹے نئی جنگ کے لئے تیار
رہے ہیں اس لئے ان کی مکمل سرکوبی کے بغیر واپسی اختیار نہ کی جائے۔
خبر ملی کہ ایک مرہٹہ لشکر مرہٹہ پیشوا کے بھائی، سادھا شیو بھاؤ کے تحت
سے چل پڑا ہے۔ چناں چہ اندریں حالات افغان بادشاہ نے ان کی مکمل
اور بیخ کنی کا ارادہ کر لیا۔ اس موقعے پر احمد شاہ نے بھگوڑے وزیر غازی

تمام جاگیر اور علاقہ نجیب الدولہ کو دینے کا پروانہ جاری کیا۔ مغل وزارت اس کے سپرد کر دی اور افغان لشکر کے مصارف برداشت کرنے کی ذمہ داری اس پر ڈال دی تاکہ افغان سپاہی لوٹ مار سے گریز کریں۔

افغان بادشاہ سے احمد خان بنگش کی ملاقات:

شاہ ولی خان نے شعبان ۱۱۷۳ھ میں نواب احمد خان بنگش کو مکتوب بھیجا کہ وہ دوستانہ طور پر دربار شاہی میں حاضری دے۔ وہ بخوشی حاضر دربار ہوا۔ دشاہ نے اس کی جاگیر اس کے نام کر دی اور اسے انعام و اکرام سے نوازا۔ حمد شاہ کول میں دو ماہ خیمہ زن رہا۔

›اب شجاع الدولہ کی حاضری:

یہاں افغان تاج دار نے ایک مکتوب شجاع الدولہ آف اودھ کو لکھا اور وستی کا ہاتھ بڑھایا۔ وہ شیعہ تھا جب کہ افغان تاج دار سنی تھا۔ بعض لوگوں نے اس سے احمد شاہ کے بارے میں غلط بیانی کی ہوئی تھی۔ نجیب الدولہ کی مراسلت سے یہ بدگمانیاں دور ہو گئیں۔ چناں چہ شجاع الدولہ ذی الحج ۱۱۷۳ھ مطابق لائی ۱۷۶۰ء حاضر دربار ہوا۔ بادشاہ نے چند فرسنگ کے فاصلے پر اس کا ستقبال کیا۔ اسے فرزند خان کا خطاب عطا کی اور بہت سے انعامات و اعزازات سے نوازا۔

رہٹوں کے ساتھ خط و کتابت:

جنگ پانی پت سے پہلے احمد شاہ نے مرہٹوں سے معاہدۂ امن طے کرنا اور اس سلسلے میں ملہار راؤ ہلکر نے حافظ رحمت خان کی وساطت سے

سلسلہ گفت وشنید شروع کیا لیکن یہ عمل بے نتیجہ رہا۔

مرہٹوں کا دہلی پر قبضہ :

پیشوا کے بھائی بھاؤ کی سپہ سالاری میں مرہٹہ لشکر نے دکن سے پیش قدمی کی اور ۳۰/ مئی ۱۷۶۰ء کو گوالیار اور ۸/ جون کو دھول پور پہنچا۔ راگوناتھ راؤ اور پیشوا کا سترہ سالہ لڑکا بشواس راؤ (جو نام کا سالار تھا) شریک لشکر تھے۔ یہ لشکر کیتھل پہنچا اور آہستہ قدمی سے آگے بڑھتا رہا۔ قرب وجوار کے ہندو، جاٹ، راجپوت اس میں شامل ہوتے گئے۔ بڑے بڑے سردار، ہلکر جنکوجی سندھیہ، بشواس راؤ، بلونت گنیش، مہندل، سورج مل جاٹ اور غازی الدین سب مل کر لاکھوں کا لشکر ٹھاٹھیں مارتا ہوا دہلی کی جانب بڑھا۔ دہلی کا فوجدار یعقوب علی خان حفاظت میں ناکام رہا۔ ۲۲/ جولائی ۱۷۶۰ء میں مرہٹے دہلی پر قابض ہو گئے۔ افغانوں نے لال قلعے میں دس دن تک دفاع کیا۔ احمد شاہ کی جانب سے کمک نہ پہنچی، اس لئے کہ مون سون کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ یعقوب علی خان نے جان کی امان کے بدلے قلعہ چھوڑنے کا اعلان کیا۔ ۲/ اگست ۱۷۶۰ء کو بھاؤ قلعے پر قابض ہو گیا۔ مرہٹوں نے مسلمانوں پر نہایت مظالم ڈھائے۔ انہیں کوئی خاص مال غنیمت ہاتھ نہ لگ سکا۔ چناں چہ انہوں نے لال قلعے کے دیوان خاص اور دیوان عام سے سونے چاندی کی چھتیں اکھاڑ لیں۔ بھاؤ نے نارو شنکر پنڈت کو منصب دار دہلی مقرر کیا اور ۱۲/ اگست کو مع لشکر شہر سے نکلا۔ دریائے جمنا عبور کیا اور احمد شاہ کا رخ کیا۔ مرہٹوں کا ہراول دستہ ... پہنچا۔ وہاں کے حاکم سردار عبدالصمد محمد زئی نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور ... دے دی۔ مرہٹے یہاں بھی قابض ہو گئے۔ نجابت خان اور میاں قطب ...

خوب لڑے اور زخمی ہوئے۔ انہیں گرفتار کر کے بعد میں قتل کر دیا گیا۔
مرہٹوں نے عبدالصمد خان اور قطب شاہ کے سر نیزوں پر بلند کئے اور انہیں
کوچہ وبازار میں گھمایا۔

شاہ عالم ثانی بحیثیت مغل تاج دار :

دہلی پر قابض ہونے کے بعد مرہٹوں نے ۱۰/ اکتوبر ۱۷۶۰ء شاہ جہان
ثانی کو معزول کیا اور شاہ عالم اوّل کے بیٹے مرزا جواں بخت (شاہ عالم ثانی) کو تخت
پر بٹھایا۔ شجاع الدولہ کو اس کی غیر موجودگی میں وزیر سلطنت مقرر کیا تاکہ وہ
رہٹوں کا ساتھ دے مگر اس باہمت نے انکار کر دیا۔ اس طرح عملاً غازی الدین
یا وزیر سلطنت رہا۔

نگ پانی پت :

/۶ جمادی الثانی ۱۱۷۴ھ مطابق ۱۴/ جنوری ۱۷۶۱ء، بروز چہار شنبہ)

احمد شاہ درددران کو عبدالصمد خان اور میاں قطب شاہ کے الم ناک قتل
یا اطلاع ملی تو اس نے مرہٹوں سے مصالحت کی کوشش ترک کر دی اور عزت
خاناں کا بدلہ لینے کی ٹھان لی۔ دریائے جمنا نہایت طغیانی پر تھا لیکن افغان جرنیل
کے حکم پر ۲۵/ اکتوبر ۱۷۶۰ء کو افغان فوج نے شرقی کنارے سے غربی کنارہ
بور کیا۔ ۲۶/ اکتوبر کو افغان بادشاہ دریا عبور کر کے غربی کنارے پر پہنچا۔
رہٹوں نے سونی پت کے سدّ راہ کے لئے ایک ہزار کا دستہ متعین کر رکھا تھا۔
شاہ نے شاہ پسند خان کی سرکردگی میں چار ہزار کا دستہ بھیجا جس نے
/ اکتوبر کو اسے تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد افغانوں اور مرہٹوں

کے درمیان سرائے سمھالکا کے قریب ایک جھڑپ ہوئی جس میں مرہٹے ہزیمت خوردہ ہوئے۔ اس کے بعد مرہٹے اپنے سرداروں کے تحت ۲۹؍اکتوبر ۱۷۶۰ء کو میدان پانی پت میں پہنچ گئے۔ ان کے عقب میں احمد شاہ یکم نومبر کو میدان مذکور میں جا پہنچا اور پانچ میل کے فاصلے پر خیمے نصب کر دیئے۔

پشاور سے پنجاب چلتے وقت افغان بادشاہ کے پاس چالیس ہزار گھڑ سوار تھے۔ سردار جہاں کا ہراول دستہ پندرہ ہزار پر مشتمل تھا۔ گویا کل تعداد ۵۵؍ہزار تھی، ان میں ماہر تیر انداز اور عمدہ توپ خانہ تھا۔ احمد شاہ کی ایجاد کردہ توپ (زمزمہ توپ) جو حملہ نیشاپور کے وقت خصوصاً تیار کی گئی تھی میدان پانی پت میں لائی گئی تھی۔ (یہ توپ احمد شاہ کے پوتے زمان شاہ کے بعد مہاراجا رنجیت سنگھ کے قبضے میں آئی۔ اس نے سکھوں کی بھنگی مثل کے جوانوں کو اسے ہمیشہ کھینچتے رہنے پر مامور کیا۔ چناں چہ عوام اسے بھنگی توپ کہنے لگے آج کل عجائب گھر لاہور کے سامنے ایستادہ ہے۔) افغان بادشاہ کے لشکر میں نجیب الدولہ بھی مع لشکر شامل ہو گیا۔ روہیل کھنڈ کے سردار حافظ رحمت خان دودو خان، ڈنڈی خان وغیرہ بھی اپنے اپنے لشکر سمیت آ ملے۔ شجاع الدولہ شریک جنگ ہوا۔ ہندوستان میں زمانۂ قدیم سے افاغنہ سردار آباد تھے وہ جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر آ شامل ہوئے۔ یہ جنگ اسلام اور کفر کے مابین تھا۔ احمد شاہ درّدران کے لشکر میں تقریباً ایک لاکھ سرفروشانِ اسلام تھے کہ مرہٹے تین لاکھ سے زیادہ تھے۔ گویا تمام کفار ہند جمع تھے، دکن کر مرہٹے راجپوت، جاٹ اور سابق وزیر عماد الملک کی تحریک پر چند بے غیرت بھی ان کے ساتھ تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے مکتوب کا یہ مضمون احمد شاہ درردران کے ذہن و دل کا حصہ بن چکا تھا کہ آپ پر اللہ کی طرف سے یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ مسلمانانِ ہند کی مدد کیجے اور کفر کا استیصال فرمایئے۔ اگر آپ نے تامل فرمایا تو ہندو حکومت بنا کر مسلمانوں کو اپنا حقیر غلام بنالیں گے۔ اگر دیکھا جائے تو حضرت شاہ ولی اللہ کے اس نقطۂ نظر میں دو قومی نظریے کی اوّلین نشان دہی ہوتی ہے۔

احمد شاہ درردران ایک مسلمان بادشاہ تھا۔ اسلام کی تعلیمات اور احکام ں کے وجود میں بسے ہوئے تھے۔ وہ حریت خواہ، غیرت مند اور جری شخص تھا ر پھر فطرۃً اور طبعاً ایک غیور اور خوددار پٹھان تھا۔ اسی لئے اس نے ہندوستان ں اپنے قیام کو طویل کیا اور یہ عزم کر لیا کہ مرہٹوں اور دوسری اسلام دشمن ہتوں کا مستقل قلع قمع کر دیا جائے۔ پانی پت کی جنگ اس کے عزائم کا ایک ملہ کن اقدام تھا۔

نی پت کے میدان کا نقشۂ جنگ اور مناظر و واقعات:

میدان جنگ میں ایک جانب اسلامی لشکر احمد شاہ درردران کی قیادت اور دوسری جانب کفار کی فوج، مرہٹہ سردار سادھ شیو بھاؤ کی سرکردگی میں سامنے خیمہ زن تھے۔ درمیان پانچ میل کا فاصلہ تھا۔ مرہٹہ لشکر میں توپ راہیم خان گاردھی کی تحویل میں تھا۔ دو ماہ تک کبھی جھڑپیں اور کبھی چھوٹی لڑائیاں جاری رہیں۔ ہر دوسرے تیسرے دن چھپ چھپ کر حملے ہوتے توپ خانے کا رخ روہیلہ افغان لشکر کی جانب تھا اور اس کا استعمال ہوتا توپیں خاموش ہوئیں تو تاریکی شب میں نجیب اللہ خان، سلطان خان

اور دوسرے روہیلہ پٹھانوں نے زبردست حملہ کیا۔ مرہٹوں نے بہت سی توپیں
وہیں چھوڑیں اور جان بچا کر بھاگ گئے۔ افغان لشکر نے آتشیں تیر برسائے
بلونت راؤ منڈیل مرہٹہ کمان دار ہلاک ہوا۔ یہ بھاؤ کا بااعتماد ساتھی تھا۔ بھاؤ کو
اس کی موت کا دلی صدمہ ہوا۔

ہر شب بادشاہ کے حکم سے پانچ ہزار افغان لشکر عقبی محافظین کے
ساتھ آگے بڑھ کر حملہ آور ہوتے۔ اس کا ایک اثر یہ ہوا کہ مرہٹوں کی رسد کے
تمام راستے مسدود اور منقطع ہوگئے اور جب ان میں قحط کے آثار پیدا ہوگئے
سردار علیا سنگھ آف پٹیالہ نے رسد کے سامان کے ساتھ ان کو کمک پہنچائی۔ پانی
پت کے شہری بھی قحط کی زد میں آئے۔ حاجی عطائی خان اور کریم داد خان نے
لشکر افغان فوج میں شمولیت اختیار کی۔ گوبند بندل، مرہٹہ سردار، جو رسد
کرنے پر مامور تھا، اپنے لشکر کے ساتھ کچھ سامان لے کر پہنچا۔ افغانوں نے
اسے جا لیا، مال واسباب پر قبضہ کیا اور اسے قتل کر دیا اور اس کا سر افغان تاج
کو پیش کیا۔ ان چھوٹی موٹی جھڑپوں میں بہت سے نامی مرہٹہ سردار مارے گئے
جس کے سبب مرہٹوں میں بے دلی اور بے حوصلگی پیدا ہوگئی۔ ایک دن ایک
دلچسپ واقعہ ہوا، نارو شنکر دہلی سے کچھ سامان رسد اور دو لاکھ روپیہ مع سو
ساتھیوں کے، بھاؤ کی امداد کے لئے پانی پت پہنچا۔ وہ شامتِ اعمال سے راستہ
بھول کر افغان لشکر کی جانب آگیا۔ افغانوں نے تمام مال واسباب ضبط کر لیا
ان تمام کو قتل کر دیا۔ ان مسلسل ناکامیوں سے دل شکستہ ہو کر سادھ شیو بھاؤ
مصالحت کی کوششیں کیں جنہیں افاغنہ نے بہ یک زبان مسترد کر دیا اور
اب فیصلہ میدان جنگ ہی میں ہوگا۔ یہ ۶؍ جنوری ۱۷۶۱ء کا واقعہ

۱۳/ جنوری کو چند مرہٹہ سردار، شیو بھاؤ کے خیمے میں جمع ہوئے۔ خوراک کی
لی کا ذکر کرنے لگے۔ اس وقت کے سکہ رائج الوقت کے مطابق گندم دو روپے
یر بھی دستیاب نہیں ہو رہی تھی۔ نہ جائے رفتن، نہ پائے ماندن کی کیفیت
ھی۔ ان حالات میں انہوں نے ۱۴/ جنوری کو جنگ آزمائی کا فیصلہ کیا۔ احمد شاہ
دران کو بھی بروقت خبر مل گئی۔ میدان جنگ کا نقشہ یہ تھا کہ مرہٹہ فوج کا
رکزی حصہ بھاؤ کے زیر سرکردگی تھا۔ اس کے ساتھ ابراہیم گاردھی کا توپ
نہ تھا۔ ایک جانب ملہار راؤ ہلکر اور دوسری جانب جنکوجی سندھیہ مع لشکر
ف آرا تھے۔

لشکر اسلام کی ترتیب احمد شاہ درددران کے حسن تدبر، جنگی حکمت عملی
حربی مہارت کی آئینہ دار تھی۔ اس کے جان نثار سپاہی با اعتماد ابدالیوں پر
تل تھے۔ ان کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی۔ انہیں اپنے ساتھ مرکز میں اپنی
کمان رکھا۔ ایک جانب سردار جہان خان بامے زئی، دوسری جانب شاہ پسند
ن تھے۔ اس کے علاوہ دیگر نامور اور معتبر افاغنہ سردار، شاہ ولی خان، احمد خان
ں، حافظ رحمت خان، ڈنڈی خان، برخوردار خان، عامر بیگ وغیرہ احمد شاہ
لی کے اردگرد مناسب مقامات پر مامور تھے۔ ان کے لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار
ک بھگ تھی اور ابدالیوں کو ملا کر ۷۸/ ہزار کے قریب بنتی تھی۔ ادھر
کفار کی تعداد تین لاکھ سے متجاوز تھی۔

۱۴/ جنوری ۱۷۶۱ء کو صبح سے خون ریز جنگ کا آغاز ہوا۔ ابراہیم
نے توپ خانے کا بھرپور استعمال کیا لیکن برخوردار خان نے اپنے بہادر
ساتھ توپ خانے پر اتنی شدت سے حملہ کیا کہ توپ خانے کو برباد کر

کے رکھ دیا۔ یہ ایک عظیم کامیابی تھی۔ شاہ ولی خان نے بھاؤ کی فوج پر حملہ بو
دیا۔ اس دوران پیشوا کا بیٹا بشواس راؤ جو نام کا سپہ سالار تھا، از راہ حماقت افغا
لشکر میں گھس گیا اور مارا گیا۔ اس کا سر کاٹ کر نیزے پر لٹکایا گیا۔ اسی طر
سادھ شیو بھاؤ کا سر بھی نیزے پر آویزاں ہوا اور پھر تو کٹے ہوئے سروں کی قط
لگ گئی۔ جنکوجی سندھیہ اور ملہار راؤ ہلکر کے سر بھی نیزوں پر پیوس
ہوئے۔ اس کے بعد تو افغانوں نے مرہٹوں کی لاشوں کے انبار لگا دیئے۔
ایک لاکھ سے زائد مرہٹے قتل ہوئے۔ فتح و ظفر حاصل کرنے کے بعد پنڈ
کو بلوایا گیا کہ وہ لاشوں کے انبار میں سے نامور سرداروں کی لاشوں کو بر
کریں۔ آتش کدہ روشن کیا گیا۔ عود و صندل کا اہتمام کیا گیا۔ ہڈیاں جلانے
بعد ان کی راکھ پیتل کی گڑویوں میں الگ الگ بھری گئی اور مرہٹہ پیشوا کے
عزت و احترام کے ساتھ بھیج دی گئی۔ مرہٹے افغان تاج دار کی اس مرو
وضع داری اور حسن سلوک پر بڑے ممنون ہوئے۔ اس جنگ میں بائیس ہزا
غلام اور کنیزیں گرفتار ہوئیں اور مال غنیمت کے طور پر سپاہیوں میں
ہوئیں۔ بے شمار توپیں اور ہاتھی قبضے میں آئے۔ کروڑوں کی مالیت کا سامان
بھی بطور مال غنیمت سپاہیوں میں تقسیم ہوا۔

پانی پت کے میدان میں عظیم الشان اور تاریخ ساز فتح حقیق
اسلام کی فتح تھی اور کفر کی شکست۔ احمد شاہ درانی نے اس بے مثال
ظفر مندی کے ساتھ کفار کے ہندو راج کے منصوبے کو خاک میں ملا کر ر

شاہ بھاؤ را پس از ذلتہ بجنت — کرد در انجام و در آغا
صور نامہ را بہ تارنخش نواخت — شاہ درانی نمودہ باز

کرد سلطان عصر درانی قتل تارا بہ تیغ دشمن گاہ
گفت تاریخ ایں ظفر آزاد نصرتِ بادشاہِ عالی جاہ

ہلی میں ورود اور قندھار کی جانب بازگشت :

۱۵ر جنوری ۱۷۶۱ء کو فاتح اسلام احمد شاہ درددران بڑی شان و نوکت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا۔ بوعلی شاہ قلندرؒ کے مزار پر حاضری دی۔ ن موقع پر اس کی کلاہِ افتخار میں کوہِ نور ہیرا آویزاں تھا جو اسے نادر شاہ کے قتل کے بعد حاصل ہوا تھا۔ احمد شاہ درددران ۲۹ر جنوری ۱۷۶۱ء کو نہایت شکوہ و ظمت کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا۔ سابق مغل ملکہ زینت محل اور اس کے ـتے مرزا جوان بخت نے اس کا شاہانہ استقبال کیا۔

احمد شاہ درددران کا مقصد اس فتح سے اپنے حکومت کا، ہندوستان میں یام نہ تھا اس کا مقصود تو صرف مرہٹوں کی سرکش اور بے لگام طاقت کو ملیا میٹ رنا اور سرزمین ہند میں مسلمانوں کا تحفظ اور سربلندی تھا۔ سو وہ اس عظیم ارادے میں فتح و نصرت سے ہم کنار ہوا۔ دہلی میں تقریباً ایک ماہ قیام کے بعد س نے قندھار کا عزم کیا۔ دہلی سے روانگی سے قبل اس نے شاہ عالم ثانی کو تخت پر متمکن کیا۔ مرزا جوان بخت کو ولی عہد بنایا۔ غازی الدین عماد الملک پاؤں پڑا اور معافی کا طالب ہوا۔ عالی ظرف بادشاہ نے عفو و کرم سے کام لیتے ہوئے اسے معاف کیا اور وزیر سلطنت مقرر کیا۔ نجیب الدولہ کو مغل فوج کے سپہ سالار کی ثیت سے ملکی امور کی نگہداشت پر متعین کیا۔ یعقوب خان کو نیابت سپرد کی۔ شجاع الدولہ کو اودھ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ زین خان کو سرہند کا منصب دار بنایا۔

مرزا تقی خان کے حوالے پٹیالے کی صوبے داری کی۔ کریم خان کو پنجاب کا او
سعادت یار خان کو دو آب جالندھر کی منصب داری تفویض کی۔ میر محمد خان پس
میر مومن خان آف قصور کو لاہور کی نظامت عطا ہوئی۔ یہ تمام انتظامات لاہو
پہنچنے کے بعد ۲۶ر اپریل کو کیے گئے اور ان امور و مسائل سے فارغ ہو کر
احمد شاہ درددران نے دریائے سندھ عبور کیا اور قندھار روانہ ہو گیا۔ قندھا
روانگی سے قبل احمد شاہ نے نواب سربلند خان کو ناظم ڈیرہ غازی خان مقرر کیا
نواب سربلند خان کو سالانہ محاصل کی عدم ادائیگی کی پاداش میں جالندھر ک
نظامت سے سبکدوش کیا گیا تھا۔ اسی طرح ملتان پر مرہٹوں کا قبضہ ہونے کے
سبب نواب علی محمد خان خوگانی کے ذمے کثیر رقم واجب الادا تھی۔ چناں چ
افغان بادشاہ نے مئی ۱۷۶۱ء کو یاقوت خان کو ملتان کا منصب دار مقرر کیا۔ و
اہل ثابت ہوا تو ۱۱۷۴ھ مطابق ۱۷۶۱ء میں اللہ یار خان بادوزئی کو ناظم ملتا
مقرر کیا گیا، لیکن وہ بھی انتظامی امور درست نہ رکھ سکا۔ اسی دوران نواب ع
محمد خان خوگانی نے اپنے ذمے واجبات کا ایک معقول حصہ بادشاہ کی خدمت میں
قندھار بھجوا دیا اور آئندہ محاصل کی باقاعدہ ادائیگی کا وعدہ کیا۔ چناں چہ اس
درخواست پر اسے ملتان کی صوبہ داری کا پروانہ جاری کر دیا گیا۔ علی محمد خ
خوگانی اب کی مرتبہ انتظامی امور میں سخت گیر واقع ہوا اور سدوزئیوں سے
اس کا رویہ درست نہ رہا۔ سدوزئیوں کی پنشن ایک لاکھ روپیہ بھی بند کر دی گ
چناں چہ سدوزئیوں نے قندھار اس کے رویہ کی شکایات کے انبار لگا دیے۔

احمد شاہ درددران کو افغانستان سے کوئی ڈیڑھ سال تک باہر رہنا پڑا
کا ایک رد عمل یہ ہوا کہ قندھار کے شاہی خاندان کے بعض افراد کے دل

بعض سرداروں کے ذہن میں بغاوت کا خنّاس پیدا ہوا۔ بادشاہ کے بھتیجے عبدالخالق خان سدوزئی نے گرشک میں علم بغاوت بلند کیا۔ دلاور خان اسحاق زئی اور زل بیگ پوپل زئی نے اس کی حمایت میں سر اٹھایا۔ حاجی جمال خان زرغانی نے جو سردار قبیلہ تھا اس نے یہ افواہ پھیلا دی کہ احمد شاہ نے ہندوستان میں شکست کھائی ہے اور خود قندھار میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے خطبہ دسکہ اپنے نام کا جاری کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جونہی یہ حقیقت سامنے آئی کہ احمد شاہ نے تو زبردست فتح حاصل کی ہے باغیوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ حاجی جمال خان معافی کا اعلان کر کے گوشہ نشین ہو گیا۔

احمد شاہ کی غیر موجودگی میں قندھار کی حکومت سلیمان خان کے سپرد تھی۔ اس نے باغیوں کی مدافعت کے لئے عبداللہ خان عرف شاہ پسند خان کو امداد کے لیے طلب کیا۔ اب تک فتح کی خبر قریہ قریہ، شہر شہر پھیل چکی تھی۔ جب شاہ پسند خان مع ہراول دستہ قندھار پہنچا تو دلاور خان اور زل بیگ اور ان کے حامیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور معافی کے طالب ہوئے۔ احمد شاہ دردران پشاور پہنچ چکا تھا اس نے باغیوں کے سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ باغی دلاور خان ہرات بھاگ کھڑا ہوا اور وہاں شہزادہ تیمور شاہ حاکم ہرات سے جان کی امان طلب کر لی۔ تیمور شاہ اس کی بغاوت کی حرکت سے بے خبر تھا۔ سلیمان خان نے باقی تمام باغیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ باغی لقمان خان ولد علی مردان بھی گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا۔ احمد شاہ درّدران نے مئی ۱۷۶۱ء میں قندھار پہنچ کر فتوحات کی خوشی میں لوگوں کو انعامات واکرامات سے نوازا۔

باب ششم

نواب علی محمد خان خوگانی بحیثیت صوبے دار ملتان

دوسرا دور (صفر ۱۱۷۳ھ مطابق اکتوبر ۱۷۵۹ء تا ۱۱۷۷ھ مطابق ۱۷۶۳ء)

احمد شاہ درددران نے صفر ۱۱۷۳ھ مطابق اکتوبر ۱۷۵۹ء میں ہندوستان پر پانچویں بار لشکر کشی کی۔ تیزی سے پشاور سے ہوتا ہوا لاہور پہنچ گیا۔ افغان بادشاہ کی آمد کی خبو سن کر مرہٹے ملتان اور لاہور سے بھاگ نکلے۔ نواب علی محمد خان خوگانی جو کہ ریاست بہاول پور کے علاقے خیر پور میں قیام پذیر تھا مرہٹوں کے ملتان چھوڑ کر چلے جانے کی خبر سن کر فوراً اپنے لشکر کے ساتھ ملتان پر حملہ آور ہوا۔ صالح بیگ جو کہ مرہٹوں کی طرف سے ملتان کا ناظم تھا کو شکست دی اور وہ ملتان سے بھاگ گیا۔ اس طرح ملتان پر نواب علی محمد خان کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔

نواب نے اپنے نظامت کے دور ثانی میں انتظامی امور کی انجام دہی پوری توجہ صرف کی۔ اس نے سب سے پہلے قلعہ اور شہر کی فصیل کی مرمت کرائی جو مرہٹوں کے دور میں منہدم ہو گئی تھی۔ اس سے ملتان بیرونی حملوں سے محفوظ ہو گیا۔ ملتان کی عید گاہ کو جسے ۱۷۳۵ء میں نواب عبدالصمد خان نے تعمیر کرایا تھا، ضروری مرمت مضبوط اور آراستہ کرایا اس طرح قلعے تعمیرات کا سلسلہ شروع کرایا۔ حضرت بہاء الدین زکریاؒ اور حضرت رکن الدین کے مزارات کی مرمت کرائی اور بیرونی دیواروں کو پختہ کرایا۔ مزارات احاطوں میں از سر نو مساجد تعمیر کرائیں۔ مزید قلعے پر اپنی رہائش کے لئے ر

ہیں تعمیر کرائیں۔ دمدمہ کی جانب فوج کے لئے بارکیں اور اسلحہ خانہ تعمیر
ایا۔ دمدمے کو مستحکم کیا۔ حضرت سید یوسف شاہ گردیزؒ، حضرت بہاء الدین
ریاؒ، حضرت رکن الدینؒ، حضرت شاہ شمس سبزواریؒ، حضرت موسیٰ پاک
انیؒ کی خانقاہوں اور مساجد کی دیکھ بھال اور انتظامات کے سلسلے میں تیل
اغ کے عنوان سے مغلوں کے عہد حکومت سے صوبۂ ملتان کے اندر کچھ
عی رقبہ جات مختص کیے گئے تھے۔ ان مزارات کے مخادیم ان رقبہ جات سے
اوار حاصل کرتے تھے اور اپنے خانوادے کی گزر اوقات کا سامان فراہم کرتے
ے۔ نیز مزارات کی دیکھ بھال پر بھی اخراجات ہوتے تھے۔ جب علی محمد خان
گانی نے شہر میں غلہ لانے پر ٹیکس عاید کیا تو ان مزارات کی زمینداری سے
لی کی شہر میں آمد پر بھی ٹیکس لگا دیا گیا۔

احمد شاہ درددران نے اس امر کو سخت ناپسند کیا اور ایک حکم نامے کے
یعے ان مزارات پر اٹھنے والے مصارف کو ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔ یہ
انیہ (۱۱۷۴ھ مطابق ۱۷۶۱ء) ایک کتبے کی صورت میں حضرت بہاؤالدین
ریاؒ کے مزار کی بیرونی دیوار کے مغربی دروازے پر آویزاں تھی۔ کتبے کی
رت درج ذیل ہے:

چوں بدورِ شہنشہِ دوران ۔۔۔ شد شکم سیر ہر کسے از نان
ہمہ جا رد نمود ارزانی ۔۔۔ ہیچ جا قحط نیست جز ملتان
کسی خبر گرسنہ نمی میرد ۔۔۔ اخذِ محصول غلہ کرد گراں
خاصہ بہر خدا و دولت خدا ۔۔۔ موجب آن اشرفِ انسان
فرحت روح غوث اعظم پیر ۔۔۔ در بزرگی فزوں تر از پیراں

روح مخدوم خوش بہاالدین　　بہر تفریح رکن عالم داں

و ز برائے دعائے احمد شاہ　　تاج بخشِ سر سلاطیناں

حاصلِ غلّہ را معاف نمود　　بندۂ حق علی محمد خان

تا خلائق دعائے شاہ کنند　　بادلِ شاہ و خرم و خنداں

صوبہ دارے کہ حاصلش گیرد　　سہ طلاق شدید بر زنِ آن

گفت ہاتف باسم صاحب پاک　　سال او گنج بخشِ جاویداں

(۱۱۷۴ھ)☆

مزید بر آں افغان بادشاہ نے ۱۴۵۰؍ رائج الوقت سکے سالانہ حضر
سید محمد راجو شاہ گردیزیؒ کے خانوادے کے لئے مقرر کر دیئے۔ بادشاہ کے ا
فرمان کی نقل سید محمد رمضان شاہ گردیزی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ ا
پر ۱۸؍ صفر ۱۱۶۷ھ مطابق ۱۶؍ دسمبر ۱۷۵۳ء کی تاریخ درج اور شاہی
ثبت ہے۔

ایک اہم واقعہ :

نواب صاحب کی دوسری نظامت کے دوران ایک اہم واقعہ رونما ہ
محمد باقر خان خدکہ سدوزئی (پسر سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی) کے فر
محمد سعید خان کے پسر انور خان کے دل میں یہ بات آئی کہ ملتان
حکومت سدوزئیوں ہی کی تحویل میں ہونی چاہئیے کوئی خوگانی کیوں نظا

☆ مزارات کی مرمت کے دوران محکمہ اوقاف والوں نے یہ کتبہ اتار کرا
پاس رکھ لیا ہے۔ (واللّٰہ اعلم بالصواب)

ان پر فائز ہو۔ایک دن (۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۲ء) علی محمد خان خوگانی بغرض
ار شہر سے باہر تھا۔انور خان نے اپنے چند حامیوں کے ہمراہ قلعہ ملتان پر قبضہ
لیااور اپنی صوبے داری کا اعلان کر دیا۔ علی محمد خان خوگانی فوراً شکار گاہ سے
، قلعے پر حملہ آور ہوا اور اسے فتح کر لیا۔اس جھڑپ میں انور خان اور اس کے
تھی مارے گئے۔اس کے بعد جب بھی علی محمد خان خوگانی شہر یا قلعے سے کہیں
جاتا دفاع کے لئے اپنا حفاظتی دستہ مامور کرتا۔اس واقعے کا ایک ردعمل یہ
کہ علی محمد خان خوگانی کے دل میں سدوزئیوں کے خلاف غبار آگیا۔ علی
خان خوگانی نے ۱۱۷۷ھ مطابق ۱۷۶۳ء تک ملتان پر بڑی شوکت و عظمت
ساتھ حکومت کی۔

سرا اہم واقعہ :

احمد شاہ کے حملہ ہندوستان کے دوران جب وہ ۱۷۶۰ء کے شروع
میں پنجاب میں قیام کئے ہوئے تھا تو اسے اطلاع دی گئی کہ اس کا پھوپھی
بھائی محمد خان ولد سلطان عبداللہ خان سدوزئی سابق حکمران ہرات ملتان میں
ہر دلعزیز ہے۔ احمد شاہ کو یہ بات کھٹکی۔احمد شاہ لاہور سے بطرف سرہند
نہ ہو گیا مگر اس دوران محمد خان اپنے چند رفقاً سمیت شکار کو گیا اور
۸ر جمادی الثانی ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۴ر فروری ۱۷۶۰ء کی شب اپنے خیمے میں
مارا گیا۔اس جانکاہ خبر پر تمام افاغنہ سوگوار ہوئے۔باقر خان خدکہ سدوزئی
۸۰ر سال کی عمر کو پہنچ چکا تھا، اپنے بھتیجے کی موت کا صدمہ برداشت نہ کر
۱۴ر ذی الحج ۱۱۷۳ھ مطابق ۳۰ر جولائی ۱۷۶۰ء کو انتقال کر گیا۔اپنے
کے مزار کے پہلو میں دفن ہوا۔ان سدوزئی خوانین کی قبریں ملتان چھاؤنی

کے ایس۔ پی ہاؤس والے چوک کی مغربی جانب احاطہ قبرستان خدکہ سدو
میں موجود ہیں۔ افغان بادشاہ ملتان کے سدوزئی افراد کے بارے میں جزئ
معلومات رکھتا تھا۔ محمد باقر خان خدکہ سدوزئی کی وفات پر ان کا فرزند کل
محمد شریف خان (شاخ خضر خیل) مسند سرداری پر متمکن ہوا۔

نواب شجاع خان سدوزئی بحیثیت صوبیدار ملتان :

پہلا دور (۱۱۷۷ھ مطابق ۱۷۶۳ء تا ۱۱۷۷ھ مطابق ۱۷۶۴ء)

نواب شجاع خانؒ سدوزئی پسر نواب زاہد خان اپنے بڑے بھائی نو
شاکر خان کی وفات کے بعد مودود خیل سدوزئی تمن کا سردار قرار پایا۔ وہ
ملتے ہی قندھار پہنچا اور وزیر فتح اللہ خان سدوزئی کی وساطت سے احمد شاہ درر
سے ملتان کی صوبیداری کا پروانہ لے کر ملتان پہنچا تو ملتان کے سدوزئی
خوش ہوئے۔ علی محمد خان ملتان شجاع خان کے حوالے کر کے خیرپور ٹامیو
گیا۔ کسی خون خرابے کے بغیر نواب شجاع خان نے ملتان کے اختیارات
لئے۔ پٹھانوں کے بعض سرکردہ افراد مثلاً جمعدار عظیم خان ملیزئی جو
نہایت خوبصورت اور بہادر نوجوان تھا اور ملیزئی قبیلے کا سردار بھی
محمد خان خوگانی کے ساتھ خیرپور چلے گئے۔

نواب شجاع خان نہایت بہادر، محنت پسند اور منتظم شخص تھا۔
زندگی میں عمارات کی تعمیر میں دلچسپی لیتا تھا۔ نواب زاہد خان دریائے چ
دونوں اطراف ہزاروں ایکڑ رقبے کا مالک تھا جو آج کل خان گڑھ اور
کہلاتا ہے۔ بعد میں نواب صاحب کے لڑکوں اور پوتوں نے اس علا
اور حاصل خیز کیا اور آموں کے باغات لگا کر اپنی آمدنی میں اضافہ

...اع خان نے بھی ملتان میں اتنی زمین خرید لی تھی کہ وہ ملتان کی کل زمین کے
...تھائی رقبے کا مالک تھا۔ اپنے رقبے میں اس نے اپنی رہائش کے لئے شیش محل
...بر کرایا۔ شجاع آباد میں ایک ناقابل تسخیر قلعہ بنوایا۔ اسی طرح اس کی دختر
...ن لی لی نے خان گڑھ کا علاقہ آباد کیا اور شہر و قلعہ تعمیر کرایا۔ اس کے لڑکے
...نفر خان نے غضنفر گڑھ کا علاقہ آباد کر کے ایک چھوٹا سا قلعہ بنوایا۔ وہ سخت
...اج تھا اس لئے اس کے آغاز حکومت میں معززین شہر چھوڑنے لگے اور
...دل پور ہجرت کرنے لگے۔ ان حالات کو اپنے لئے مناسب جان کر نواب علی
...خان نے جمعدار عظیم خان ملیزئی کے ہمراہ، چھ سو سواروں کے ساتھ ملتان
حملہ کر دیا۔

نواب شجاع خان نے اپنے دو ہزار پانچ سو سواروں کے ساتھ ملتان سے
...ر نکل کر مدافعت کی۔ ۱۱۷۷ھ مطابق ۱۷۶۴ء دونوں میں لڑائی ہوئی۔
...رچہ شجاع خان پامردی سے لڑا لیکن علی محمد خان سے شکست کھائی اور مع لشکر
...گ کھڑا ہوا۔ دوران جنگ مصطفیٰ خان فرزند علی محمد خان نے ایک کاری
...رب لگائی کیونکہ وہ زرہ پوش تھا اس لئے اس کی جان بچ گئی۔ اس کا تعاقب کیا
...یا بالآخر گرفتار ہوا اور قلعہ ملتان میں قید کر دیا گیا۔ نواب شجاع خان صرف چھ ماہ
...ومت کر سکا۔ فتح کے بعد علی محمد خان شہر میں داخل ہوا اور اس نے اس کی تمام
...گیر پر قبضہ کر لیا۔ سدوزئیوں کا تمسخر اڑایا گیا۔ شجاع خان کے حامیوں کی
...میدادیں ضبط کر لی گئیں۔ اس صورت حال کے بارے میں بہت سے لوگوں
...نے احمد شاہ درانی کو مکاتیب لکھ کر مطلع کیا۔ اس واقعے کے کوئی ایک دو ماہ بعد
...ں نے ملتان پر حملہ کر دیا۔

نواب علی محمد خان خوگانی بحیثیت صوبیدار ملتان :

تیسرا دور (۱۱۷۷ھ مطابق ۱۷۶۴ء تا محرم ۱۱۸۱ھ مطابق جون ۱۷۶۷ء)

ملتان پر سکھوں کا حملہ :

۱۲ر رمضان ۱۱۷۸ھ مطابق ۹ / مارچ ۱۷۶۴ء

پنجاب میں سکھوں کے مظالم، لوٹ مار، قتل وغارت اور سکھ گردی کی کوئی حد نہ تھی۔ انہوں نے فروری ۱۷۶۴ء میں لاہور پر قبضہ کیا۔ چھ ہزار گھڑ سواروں پر مشتمل لشکر کے ساتھ جس میں سردار ہری سنگھ کے بیٹے جھنڈا سنگھ، جھنڈا سنگھ اور ان کے ساتھ گنڈا سنگھ اور ہیرا سنگھ تھے، ملتان پر حملہ آور ہوئے۔ ان کا ظالمانہ طریق کار یہ تھا کہ یہ کفار افغان دشمنی کی بنا پر قتل عام کرتے پھرتے تھے۔ مسلمانوں کے گھر اور مساجد مسمار کر دیتے تھے۔ اس صورت حال میں، علی محمد خان صوبیدار ملتان نے، خبر ملتے ہی عام منادی کرا دی کہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں محفوظ ہو جائیں۔ گلیوں کے دروازے لگا کر حفاظتی حصار بنا لیں۔ اس نے قلعے اور شہر کے تمام دروازے بند کرنے کا اور گھروں میں ذخیرہ جمع کرنے کا اعلان کیا۔ بیرون شہر رہنے والوں سے کہا کہ شہر میں آکر پناہ لے لیں کیوں کہ سدوزئیوں کی علی محمد خان سے مخاصمت ہو چکی تھی۔ اس لئے انہیں یہ گمان ہوا کہ یہ ہمیں بے گھر کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ نواب زاہد خان کی اولاد شجاع آباد منتقل ہو گئی۔ ادھر محمد شریف خان خلف سدوزئی کو یہ اندیشہ گزرا کہ یہ ہمارے خزانے پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ ملک حیات خان کا خزانہ زرد سیم اور ہیرے جواہرات سے پر تھا اور اس کی مالیت

وڑ سکہ رائج الوقت بیان کی جاتی ہے۔ یہ خزانہ نسلاً بعد نسلٍ چلا آ رہا تھا چناں چہ
ہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی کڑی ہی میں رہیں اور اپنے ملازمین کے ساتھ
ھوں کے حملے کا دفاع کریں۔ افسوس انہیں وقت کی نزاکت کا اندازہ نہ ہو
ا۔

سکھ لشکر ۱۱ ر رمضان ۱۱۷۱ھ مطابق ۹ ر مارچ ۱۷۶۴ء ملتان پر حملہ
ر ہوا۔ اولاً انہوں نے کڑی سلطان حیات خان کا رخ کیا۔ ان کے ملازمین نے
ع کیا لیکن وہ تعداد میں قلیل تھے اس لئے جانیں دے کر سرخرو ہوئے۔ اس
ے بعد افغان سردار خود جنگ کے لئے نکل آئے۔ مثلاً محمد شریف خان مع اپنے
بیٹوں (پیر محمد خان اور دین محمد خان) اور اپنے بھائی عبدالعزیز خان کے تین
ل علاوہ ازیں صلابت خان ابن اشرف خان مودود خیل، احمد خان ولد عبداللہ
ان بہادر خیل، جو کہ سب نوجوان اور حفاظتی ہتھیاروں کے ساتھ لیس تھے
ر نکل آئے اور سرفروشی اور جاں نثاری کے جذبے کے ساتھ لڑے۔ بے شمار
ن مارے گئے۔ محمد شریف خان اٹھارہ زخم کھا کر گرا۔ پیر محمد خان اور دین
خان اپنے والد سمیت حالت جنگ میں زخمی ہوئے اور یہ سب گرفتار کر لئے
ے۔ معزز خواتین سر برہنہ پا برہنہ بھاگیں اور انہوں نے گردیزیوں کے گھروں
ں پہنچ کر اپنی جانیں اور عزت و ناموس بچائی۔ لٹیرے، لالچی اور ظالم سکھ
ی میں گھر گھر داخل ہوئے انہوں نے تالے توڑے اور جا بجا زمین کھود ڈالی۔
خر ان سکھوں نے خزانہ پا ہی لیا۔ تین دن سکھ لوٹ مار کرتے رہے لیکن شہر
قلعے میں داخل نہ ہو سکے۔ سدوزئی خاندان کی خواتین سلطان حیات خان کے
م ولومل (والد کوڑامل) کے گھر پناہ ڈھونڈی اور محمد شریف خان کی رہائی

تک وہیں قیام کیا۔ جب سکھوں کو پتہ چلا کہ محمد شریف خان احمد شاہ درران
بھائی ہے تو انہوں نے افغان تاج دار سے بارہ ہزار روپے سر کی قیمت طلب کی
دیگر گرفتار شدہ افراد کے سر کے لئے بھی قیمت مانگی۔ افغان تاج دار نے تدبر
حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے۔ محمد شریف خان کی رہائی کے لیے مطلوبہ تاوا
کی رقم سکھوں کو ارسال کر دی چناں چہ دو سال سے زائد عرصہ کے بعد ا
رہائی ملی اور وہ ملتان اپنے خاندان کی خبر گیری کے لیے پہنچا۔ یہاں کچھ ع
قیام کرنے کے بعد نواب علی محمد خان خوگانی کے خلاف شکایت لے کر ۱۸۴
مطابق ۱۷۷۰ء قندھار پہنچا۔ اس وقت احمد شاہ بیمار تھا لیکن بیماری کی حال
میں اسے شرفِ ملاقات بخشی اور تسلی دی۔ ملتان اور ڈیرہ غازی خان میں جا
عطا کی اور بارہ ہزار روپے نقد دے کر روانہ کیا۔

سکھوں کے حملہ ۱۷۶۴ء کے بعد ملتان کے سدوزئیوں نے خان لی
کی سربراہی میں ایک وفد تشکیل دیا تھا کیوں کہ عمر رسیدہ خان لی لی رشتہ
احمد شاہ کی پھپھی ہوتی تھی۔ یہ وفد نواب علی محمد خان خوگانی کے پاس درخوا
لے کر گیا کہ وہ شجاع خان سدوزئی جو کہ چھ ماہ سے قلعہ میں قید تھے کو رہا کر
چناں چہ علی محمد خان نے شجاع خان کو رہا کر دیا۔ اس قید شش ماہ میں شجاع
نے نہ سر کے بال ترشوائے نہ ناخن۔ رہائی کے بعد بال اور ناخن ترشوا کر
رومال میں باندھے۔ سدوزئیوں سے خطوط لکھوائے۔ خصوصاً لی لی خان
مراسلہ بنام شاہِ افغانستان جو بہت اہمیت کا حامل تھا، اسی طرح دوسرے
واقعات قلم بند کرائے مثلاً سکھوں کے مظالم کی خونیں داستان، کمک کا
سدوزئی خواتین اور محمد شریف خان کے قیدوبند کی روداد۔ ان حالا

واقعات کو من و عن احمد شاہ درّدران کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ آخر افغان تاج دار نے اکتوبر ۱۷۶۴ء میں ہندوستان کا رخ کیا۔

جب بادشاہ نے ہندوستان میں سکھوں کی مکمل سرکوبی کر لی اور اپریل ۱۷۶۵ء کو واپسی کا سفر اختیار کیا تو اس نے علی محمد خان خوگانی کی حکومت کو ختم کرنے کے ارادے سے ملتان، جھنگ اور ڈیرہ جات کے علاقے میر نصیر بلوچ کو پیش کیے۔ لیکن اس نے بوجوہ اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے معذرت کر لی۔ چناں چہ احمد شاہ درّدران نے علی محمد خان خوگانی ہی کی نظامتِ ملتان برقرار رہنے دی۔ نواب شجاع خان شجاع آباد چلا گیا اور زمینداری کے امور و انتظامات میں لگ گیا۔

احمد شاہ درّدران مہمات ملکی اور انتظامات سلطنت میں اس قدر مستغرق رہا کہ وہ ملتان کے معاملات پر توجہ نہ دے سکا۔ تاہم اس کے دل و دماغ میں یہ بات گردش کرتی رہی کہ ملتان کے سدوزئیوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔

جب اس نے آٹھویں بار ہندوستان پر اکتوبر ۱۷۶۶ء میں حملہ کیا اور براہ پشاور، دریائے سندھ کو اٹک کے مقام سے عبور کرتے ہوئے لاہور کا رخ کیا تو اس کے ذہن میں دو باتیں تھیں، سکھوں کی سرکوبی اور ملتان کے سدوزئیوں کی دادرسی۔

افغان تاج دار نے آٹھویں حملے کے اختتام پر قندھار جاتے ہوئے ملتان کا سفر اختیار کیا۔ ملتان کے سدوزئیوں پر مصائب و شدائد اس کے علم میں لائے گئے تھے اور نواب علی محمد خان خوگانی کو ان کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا۔ علی محمد خان نے پاکپتن جا کر بادشاہ کا استقبال کیا اور اسے ملتان لے آیا۔ اثنائے راہ میں

بادشاہ نے سکوت اختیار کئے رکھا۔ اس نے قلعے میں قیام کیا اور دوسرے دن محرم ۱۱۸۱ھ مطابق جون ۱۷۶۷ء قلعے میں عدالت قائم کی اور اعلانِ عام کیا کہ جس کسی کو صوبیدار سے کوئی شکایت ہو پیش کرے۔ اس سے قبل بادشاہ نے قریشی، گردیزی اور گیلانی خانوادوں کے مخادیم کو شرفِ ملاقات بخشا۔ انہیں مزارات کے تیل چراغ کے سلسلے میں مناسب خرچہ عنایت کیا اور خلعت وانعام سے نوازا۔ ٹیکس فری جاگیریں عطا کیں۔ ازاں بعد عوامی شکایات کے دفتر کھلے۔ سدوزئیوں کا ایک وفد نواب شجاع خان سدوزئی کی قیادت میں بہ ہمراہی شہزادہ محمد شریف خان خدکہ سدوزئی حاضر ہوا اور صوبیدار ملتان کی شکایت کی اور عرض کیا کہ جب ۱۷۶۴ء میں جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ ملتان پر حملہ آور ہوئے نواب کو پہلے سے علم تھا لیکن وہ دفاع کا بروقت انتظام کرنے سے قاصر رہا۔ کڑی سلطان حیات خان کے دفاع کے لئے کوئی فوجی دستہ متعین کیا جا سکتا تھا جو دانستہ طور پر نہیں کیا گیا۔ نواب نے صرف اپنے قلعے کا تحفظ کیا۔ عوام نے شہر کے دروازے بند کر کے شہر کو محفوظ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سکھوں کو کسی نے باقاعدہ اطلاع دے دی تھی کہ کڑی میں خزانہ ہے اور اس کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہیں۔ سکھ سیدھے وہاں پہنچے کشت وخون کیا۔ خزانہ لوٹا۔ شریف خان کو دیگر خواتین سمیت قیدی بنا لیا گیا۔ سکھ قلعے یا شہر کا رخ کیے بغیر لوٹ گئے۔ محمد خان نے سکھوں کا رخ ہی نہ کیا کہ تاوان ادا کر کے قیدیوں کو رہائی دلا… خدکہ خاندان کی محترم خواتین پر قیامت کا وقت تھا وہ سر برہنہ، پابرہنہ اپنی جا… اور ناموس بچانے کے لیے شہر میں داخل ہوئیں۔ خدا کا کرم تھا کہ ا… عزتیں محفوظ رہیں۔

ان الزامات کو سن کر بادشاہ نے نواب علی محمد خان سے جواب طلب
یا۔ اس سے کوئی جواب نہ بن سکا۔ وہ معافی کا خواستگار ہوا۔ افغان تاج دار نے
زردگی اور برہمی کے عالم میں حکم دیا کہ نواب علی محمد خان اور اس کے شرکائے
نذار، اس کے لڑکے غلام مصطفیٰ خان، دو بھتیجوں اور ایک بھانجے کا پیٹ چاک
دیا جائے اور انہیں اونٹوں پر ڈال کر شہر میں گھمایا جائے اور یہ منادی ہو کہ جو
ئی سدوزئیوں کی حرمت کی پاسداری نہیں کرے گا اس کا یہی عبرت ناک
ام ہوگا۔

وزیر سلطنت ولی خان بامے زئی نے صوبیدار کی جان بخشی کی درخواست کی
امنظور کر دی گئی۔ خود صوبیدار نے اپنی جان بخشی کے لئے ایک کروڑ روپیہ نقد
ینے کی پیشکش کی۔ شاہ نے فرط غضب سے کہا، کیا سدوزئی خاندان کی عزت ایک
ڑ کے عوض کوئی حیثیت نہیں رکھتی؟ اس نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ حکم پر عمل
رہوا ان سب کے پیٹ چاک کئے گئے ان کی لاشوں کو کوچہ و بازار میں گھما کر رسوا
لیا۔ اس کے بعد افغان تاج دار نے محرم ۱۱۸۱ھ مطابق جون ۱۷۶۷ء نواب
ن خان سدوزئی کو ملتان کی صوبیداری کا پروانہ عطا کیا۔ اسے صفدر جنگ بہادر کے
ب سے نوازا اور اس کی ضبط شدہ جاگیر واگزار کر دی۔ تمام سدوزئیوں کو بھی
ات اور جاگیریں بخشیں۔ نواب علی محمد خان کی تمام جاگیر ضبط کر لی گئی۔ اس طرح
ب کا دور حکومت (۱۷۵۱ تا ۱۷۶۷ء) اپنے انجام کو پہنچا۔ اس دوران علی محمد
کی دوسری بیوی احسان بی بی جو ایام حمل میں تھی، موقع پا کر جمعدار علیم خان
کی اور اس کے فوجی دستے اور ملازمین کے ہمراہ نکل بھاگی۔ یہ بہاول نگر کے
ڈونگ بونگہ کے ایک زمیندار کی لڑکی تھی۔ یہ لوگ پہلے ٹامیوالی گئے وہاں سے
خان ملیزئی نے بیوہ علی محمد خان کو ڈونگ بونگہ چھوڑا اور خود واپس لودھراں پہنچ

کر چھوٹے سے فوجی دستے کو منظم کر کے نئے صوبیدار شجاع خان کے لئے انتظا
مسائل پیدا کرنے لگا۔

بیوہ کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا۔ احسان لی لی اور اس کے لڑکے
کفالت کے لئے زمیندار نے کچھ جاگیر مختص کر دی۔ نومولود کی پرورش بہت احتیا
سے کی گئی۔ یہ خاندان کوئی سو سال وہیں سکونت پذیر رہا۔ آج بھی یہ موضع ڈوڈ
بونگہ احسان لی لی کے نام سے معروف ہے اور یہاں کی زمینداری علی محمد خان خوگ
کی اولاد میں سے ایک شخص محمد صدیق خان کی ہے۔ ان کے دیگر رشتہ دار رحیم
خان واحمد پور شرقیہ کی طرف ہجرت کر چکے ہیں۔ محمد صدیق خان خوگانی، فضل
خان خاکوانی ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ پولیس اور عبدالرحیم خان خاکوانی انہی کی اولاد
ہیں۔

نواب شجاع خان سدوزئی بحیثیت صوبے دار ملتان :

دوسرا دور (محرم ۱۱۸۱ھ مطابق مئی ۱۷۶۷ء تا صفر ۱۱۸۴ھ مطابق ۱۷۷۰

نواب شجاع خان عمدہ منتظم تھا۔ قانون کے نفاذ و عمل میں سخت تھ
اب کے اس نے نرم مزاجی اختیار کی، سابق منصب دار کے غیر شر
غیر ضروری ٹیکس سے متعلق قوانین کو منسوخ کر دیا۔ گردیزی خاند
جاگیروں کو ٹیکس فری قرار دیا۔ اس مرتبہ اس کے نرم رویے کے
انتظامات میں ڈھیلا پن پیدا ہوا۔ ڈاکو، لٹیرے جب چاہتے قانون اپنے ہا
لے لیتے۔ لوگوں کی جان و مال غیر محفوظ ہو کر رہ گئے۔ دوسری طرف
عظیم خان ملیزئی کو جب موقع ملتا، اپنے فوجی دستے کے ساتھ چوری
کرتا رہتا۔ لوگ دو طرفہ طور پر عدم تحفظ کا شکار ہو گئے۔ جب نواب

ں کے خلاف کوئی مہم بھیجتا وہ لودھراں کے جنگل میں روپوش ہو جاتا۔ اس نے
فلوں کو لوٹنا، لوگوں کے مویشی ہانک کر لے جانا اور فصل اٹھا لینا اپنا پیشہ بنا لیا۔
ن، جو دار الامان تھا، انتشار، بدامنی اور عدم تحفظ کی گرفت میں آ گیا۔ مسافر
ں کا سفر نہ کر سکے۔ مقیم ہو یا مسافر، سب معرض خطر میں تھے۔ بالآخر نواب
ع خان نے ایک حکمت عملی اختیار کی۔ اسے معاہدے کے بہانے سے بلایا اور
ے اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرا دیا۔ اس کی ہڈیوں کو پیس ڈالا۔ اس طرح
ن میں امن بحال ہوا۔

اب دوسرا گل یہ کھلا کہ سکھوں کے چھوٹے چھوٹے دستوں نے لوٹ
ر غرض سے ملتان پر حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ۱۷۶۸ء میں جھنڈا سنگھ
۔ آور ہوا اور اس نے شہر ملتان کا محاصرہ کر لیا۔ نواب نے شہر اور قلعے کی
ظت کے لئے مناسب بندوبست کیا اور غلہ جمع کر لیا۔ اس دوران ایک قاصد
ذریعے افغان تاج دار کو صورت حال سے مطلع کیا گیا۔ اس نے سردار جہان
ں کو ملتان روانہ کیا۔ اس کی آمد کی اطلاع پا کر سکھ عالم بدحواسی میں بھاگ
۔ لیکن جاتے جاتے فصلیں اجاڑ گئے۔ احمد شاہ درران نے نواب شجاع خان
دوسرے سدوزئیوں کے لئے ستر ہزار روپے سالانہ امدادی رقم مقرر کر دی
طے پایا کہ ڈیرہ غازی خان کا حکمران اپنے مقرر کردہ خراج سے زائد رقم
ان شاہی کے مطابق نواب شجاع خان کو ادا کیا کرے گا۔ سردار جہان خان نے
۱۷ء کا موسم گرما ملتان میں گزارا۔ اس کے بعد حکم شاہی کے مطابق قندھار
ا گیا۔ اب ملتان میں کچھ عرصے تک امن بحال اور قائم رہا۔

خزاں ۱۷۶۸ء میں نواب شجاع خان افغان تاجدار کی خدمت میں

حاضر ہوا۔ اپنی عدم موجودگی میں اس نے اپنے ایک عزیز ظریف خان سدوزئی کو نائب ناظم مقرر کر کیا۔ چار ماہ بعد لوٹا تو حالات دگرگوں نظر آئے، پیداوار کم کاشتکاروں کی جانب سے لگان کی عدم ادائی، ان سے سختی برتی تو وہ بہاول پور کی جانب بھاگ گیا۔ ایک سال معاشی مشکلات میں گزرا۔ آمدنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ نواب سالانہ خراج ادا کرنے سے قاصر رہا۔ چناں چہ صفر ۱۱۸۴ھ مطابق جون ۱۷۷۰ء نواب کو ملتان کی صوبیداری سے برطرف کر دیا گیا۔ نواب حاجی شریف خان بہادر خیل کو جو ان دنوں قندھار، دربار شاہی میں منصب داری ملتان کا پروانہ مرحمت ہوا۔ نواب شریف خان فوراً ملتان پہنچ گیا اس دوران سکھوں کے چھوٹے چھوٹے جتھے ملتان پر حملے کر رہے تھے۔

نواب شجاع خان نے اپنے دور اقتدار میں شجاع آباد کی بنیاد رکھی اور وہاں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرایا۔ اپنی بودوباش کے لئے اس میں محل بنوایا، فوج کے لئے بیرک ہوائے۔ چار چھوٹی توپیں قلعے میں نصب کیں، جب منصب داری سے فارغ ہوا تو شجاع آباد چلا گیا اور وہاں زراعت میں مصروف ہو گیا۔ شجاع آباد کی تمام تر جاگیر اسی کی تھی۔

نواب حاجی شریف خان بہادر خیل سدوزئی، صوبیدار ملتان:

صفر ۱۱۸۴ھ مطابق جون ۱۷۷۰ء تا ذیقعد ۱۱۸۴ھ مطابق مارچ ۱۷۷۱ء

نواب حاجی شریف خان ولد عبدالشکور خان ولد یوسف خان ولد خان ولد بہادر خان (جو امیر سدو کا فرزند تھا)---بہادر خان کی اولاد بہادر سدوزئی کے نام سے معروف ہے۔ عبدالشکور خان عرف شکرو خان نے جائیداد بیچی اور خرچ کر دی پھر وہ بسبب غربت نواب عبدالعزیز خان ولد

حیات خان کی ملازمت سے وابستہ ہو گیا۔ نواب حاجی شریف خان شکار کا نہایت شوقین تھا اور درندوں کو زندہ پکڑنے میں بڑا ماہر تھا۔ حصول منصب داری سے قبل اس کی گزر اوقات اس امدادی رقم میں سے ہوتی تھی جو شاہ کی جانب سے سدوزئیوں کے لئے مقرر تھی کیوں کہ زمین سے محروم تھا اس لئے حصول جاگیر کے لئے قندھار پہنچا۔ خدا کی شان، ملتان کی منصب داری صفر ۱۱۸۴ھ میں عطا ہوئی۔ اس سے پہلے کا ایک عبرت آموز واقعہ یہ ہے کہ شریف خان نواب شجاع خان کے عہد منصب داری میں اس کے پاس ملتان پہنچا اور زمین کا ایک ٹکڑا طلب کیا۔ نواب نے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا۔ اب منصب سنبھالنے کے بعد شریف خان نے نواب شجاع خان سے واجب الادا لگان طلب کیا۔ دونوں میں تلخ کلامی اور تلخی ہوئی۔ شجاع خان شجاع آباد چلا گیا۔ شریف خان نے اس کی جاگیر کا ایک حصہ واجب الادا رقم کے عوض حق سرکار ضبط کر لیا۔ مزید حکم جاری کیا کہ اس کی زمین کو نہر کے پانی سے محروم کر دیا جائے۔ شجاع خان نے فوجی دستے کے ساتھ مزاحمت کی اور زبردستی، سکندر آباد پر قبضہ کر لیا اور نہر کے پانی کو بھی قبضے میں لے آیا اور شریف خان کے ملازم ننو کو جو نہر کے پانی کا نگران تھا گرفتار کر لیا۔ شجاع خان نے بہاول پور کی راہ لی۔ ملتانی سپاہیوں نے شجاع آباد میں خوب لوٹ مار کی اور واپس ملتان آ گئے۔ جب ملتانی دستہ ملتان واپس ہوا تو شجاع خان دوبارہ شجاع آباد آ گیا۔ اس باہمی آویزش نے طرفین کو کمزور کر دیا۔ امن و امان متاثر ہوا۔ ڈاکو لٹیرے دندناتے پھرتے تھے۔ ملتان اور شجاع آباد غیر محفوظ ہو کر رہ گئے۔ قانون غیر موثر ہو کر رہ گیا۔ ملتان کا وعیدار ملتان میں امن قائم نہ رکھ سکا۔ لوگوں کو تحفظ نہ مل سکا۔ کاشتکاروں نے

لگان روک لیا۔ افغان بادشاہ کو خراج ادا نہ ہو سکا۔ ربیع اور خریف کی رقوم وصول کرنے میں حاجی شریف ناکام رہا اور اس کے بارے میں یہ قول گشت کرنے لگا:

حاجی شریف - نہ ربیع نہ خریف

آخر ان دگر گوں حالات میں اسے نو ماہ بعد حکومت سے ہٹا دیا گیا۔ یہ بر طرفی ذیقعد ۱۱۸۴ھ مطابق مارچ ۱۷۷۱ء میں عمل میں آئی۔ حاجی شریف نہایت زیرک تھا۔ اس کا کمال یہ ہے کہ غریب آدمی ہوتے ہوئے اس نے بادشاہ افغانستان اور اس کے درباریوں میں رسائی پیدا کر کے ملتان کی منصب داری کا پروانہ حاصل کیا اور نو ماہ ملتان پر حکومت کی۔ اس دوران جو رقم اس نے جمع کی بادشاہ کے خزانے میں جمع نہ کرائی۔ یہ شکایت قندھار پہنچی۔ یہ بھی پہنچا اور اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے ڈیرہ غازی خان کا علاقہ بھی بطور جاگیر لے لیا۔ دو سال ڈیرہ غازی خان کا حاکم رہا لیکن خراج ادا نہ کیا۔ آخر اس غیر ذمہ داری کے سبب حکومت سے ہاتھ دھونے پڑے۔ جب بادشاہ کی علالت کے دوران اس کی شکایت کی گئی تو اس عالی ظرف بادشاہ نے یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ میں کسی سدوزئی کو سزا نہیں دینا چاہتا۔

عہد تیمور شاہ میں اس نے پھر منصب داری کے حصول کے لئے ہاتھ پاؤں مارے لیکن ناکام رہا۔ اس کے باوجود ڈیرہ غازی خان میں جا آباد ہوا۔ روپیہ جمع کیا اور شان و شوکت سے زندگی گزاری۔ اس کی اولاد نے بھی ڈیرے میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اس کے دو لڑکے تھے۔ بڑا نواب عبدالرحیم خان چھوٹا قاضی حاجی محمد خان۔ بڑا لڑکا بہت ذہین و فہیم تھا۔ یہ ڈیرہ غازی خان

اری کے حصول میں کامیاب ہوا اور دو سال منصب اقتدار پر رہا۔ ۱۲۱۵ھ
مطابق ۱۸۰۰ء میں وفات پا گیا۔ اس کا اکلوتا بیٹا احمد خان تھا جو لاولد تھا۔ وہ
۱۲ھ مطابق ۱۸۲۹ء حج پر گیا اور مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ حاجی شریف کا
لڑکا حاجی محمد خان نمازی، متقی اور آزاد منش شخص تھا۔ حج سے واپس آیا تو
داری میں شدت اور قوت پیدا ہو گئی۔ اسے منصب قضا پر مامور کیا گیا۔ اس
پانچ بیٹے تھے، اس کی اولاد ہنوز ڈیرہ غازی خان میں سکونت پذیر ہے۔

اشریف بیگ تغلو :

مدت ۱۱۸۴ھ مطابق مارچ ۱۷۷۱ء تا جنوری ۱۷۷۲ء۔

نواب شجاع خان جانتا تھا کہ نواب شریف خان نے سالانہ خراج ادا
ں کیا۔ شجاع خان نے ایک ہندو کاروباری دھرم جیس سے، جو بسلسلہ کاروبار
نستان جارہا تھا، گزارش کی کہ وہ افغان تاج دار کے دربار میں جائے اور
ے لئے ملتان کی صوبیداری کا پروانہ بہ ایں شرائط لے آئے کہ میں وفادار
ں گا اور خراج باقاعدگی سے ادا کیا کروں گا۔ دھرم جیس دربار پہنچا اور شجاع
نا کی بجائے صوبیداری کا پروانہ اپنے لئے حاصل کر لیا۔ یہ واقعہ ذیقعد
۱۱۸ھ مطابق مارچ ۱۷۷۱ء کا ہے۔ تب اس نے اپنے ایک ملازم شریف بیگ
زا تغلو کو فرمان شاہی کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ حکومت کے اختیار سنبھال
لے۔ مرزا شریف بیگ چالاک شخص تھا وہ ملتان میں اپریل ۱۷۷۱ء میں پاک
وازے سے داخل ہوا اور بہ بانگ دہل اعلان کیا کہ وہ اپنے لئے قندھار سے
نہ حکومت لے کر آیا ہے۔ لوگوں کو دور سے پروانہ لہرا لہرا کر دکھاتا اور کسی کو
ب نہ پھٹکنے دیتا۔ لوگ اس کا فریب کھا کر اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ وہ

جلوس کی صورت میں قلعے کی جانب چلا۔ شہر پر پہلے ہی اس کا قبضہ ہو گیا
جب وہ سکی دروازے میں داخل قلعہ ہو رہا تھا، اس وقت حاجی شریف خان
برج میں بیٹھا، ڈاڑھی کو خضاب لگا رہا تھا۔ اس نے شور سنا اور حقیقت حال جا
چاہی۔ اس کا جو ملازم جاتا، لوٹ کر نہ آتا۔ آخر اس نے جمال نامی اپنے حجام کو
وہ لوٹا اور کہا کہ نیا منصب دار پروانہ تقرری لے کر آچکا ہے اور سپاہی اس
ساتھ شامل ہیں۔ چناں چہ مصلحت وقت بھانپ کر حاجی شریف خان فوراً
افراد خانہ و ملازمین اور مع صندوق ہائے زر و سیم، ڈیرہ غازی خان بھاگ نکلا
اس طرح مرزا شریف بیگ تغلو قابض ہو گیا۔

چند روز بعد قاصد یہ خبر لے کر آیا کہ اصل صوبیدار دھرم جیس مل
پہنچنے والا ہے۔ شریف بیگ کو استقبال کا حکم دے دیا گیا لیکن اس نے قلعہ
کے تمام دروازے بند کر لئے۔ ماہ اپریل میں دھرم جیس شہر سے باہر پہنچا اور
نے منسارام کے گھر قیام کیا۔ ایک صبح وہ مکان کی چھت پر کھڑا پگڑی باندھ ر
کہ کسی نے تاک کر گولی ماری وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ مرزا شریف بیگ تغلو
اطلاع ملی تو اس نے اپنی کامیابی کا اعلان کر دیا۔ ڈھول تاشے بجائے۔ قلعہ
کے دروازے کھول دیئے۔ غرباء میں رقوم تقسیم کیں، مٹھائی بانٹی، بز
دین کے مزارات پر حاضری دی۔

شریف بیگ نے طاقت کے نشے میں چور ہو کر اپنی آزادی کا اعلا
دیا۔ یہ خبر ہر طرف پھیل گئی اس دوران شجاع خان ملتان آیا اسے اس
منحرف ہونے کا پتہ چلا تو وہ فوراً شجاع آباد چلا گیا۔ اندریں حالات افغان
نے عبدالکریم خان بامے زئی کو ملتان کا نیا حکمران بنا کر بھیجا۔ اس نے آ

عہ و شہر کا محاصرہ کر لیا جو تین ماہ جاری رہا۔ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر تغلو
نے سکھوں کو امداد کے لئے لکھا اور امداد کے عوض بھاری رقم ادائیگی کا وعدہ
ا۔ عبدالکریم خان بامے زئی نے سکھوں سے متعلق اطلاع پائی تو محاصرہ اٹھا کر
پس چلا گیا۔ احمد شاہ درانی کو ان تازہ حالات کی خبر ملی تو اس نے سردار بہرام
ن بارک زئی المعروف سردار بہرو خان کو ۱۱۸۵ھ مطابق ۱۷۷۱ء مع لشکر
ان بھیجا تاکہ شریف بیگ کی گوشمالی کی جائے۔ نواب شجاع خان اپنے سپاہیوں
لے کر اس کے لشکر میں شامل ہو گیا۔ شہر کے باہر مقیم تمام سدوزئی بھی آ
لے۔ یہ ایک طرف سے احمد شاہ درانی سے اطاعت و وفاداری کا عہد تھا۔ اس
دہ لشکر نے حملہ کیا اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ جب قلعے پر حملہ کیا تو تغلو بہادری
ے لڑا۔ جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ بھی اس کی امداد کو آپہنچے۔ سردار بہرو خان
ھوں کی آمد کا سن کر ڈر ا اور اس نے مع لشکر قندھار کا رخ کیا۔ اسی اثنا میں خبر
ی کہ احمد شاہ درددران سخت بیمار ہے۔ نواب شجاع خان نے تمام سدوزئیوں
دوسرے افغانوں کا اجلاس طلب کیا جس میں علی الاتفاق طے ہوا کہ سب کو
اہل و عیال شجاع آباد منتقل ہو جانا چاہیئے۔

سکھ ملتان پہنچے، شہر پر قابض ہو گئے۔ جب شریف بیگ کو ان کی بدنیتی
لم ہوا کہ ان کا مقصد محض لوٹ مار ہے اور مستقل حکومت کا ارادہ رکھتے ہیں
اس نے قلعے کے دروازے بند کر لئے اور مقابلے کا فیصلہ کر لیا۔ سکھوں نے
ے کا محاصرہ کر لیا جو کئی ماہ جاری رہا۔ سکھ قلعے کو فتح کرنے میں ناکام رہے۔ اس
ان سکھوں نے ایک نئی سازش کی اور شریف بیگ کے ہندو دیوان سے
باز کر لی۔ چندروز بعد عیدالفطر کا دن آیا اور تغلو بغرض نماز عیدگاہ گیا تو اس

کی عدم موجودگی میں قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا اور یکم شوال ۱۱۸۵ھ مطابق
۵/ جنوری ۱۷۷۲ء قلعے پر قبضہ کر لیا گیا۔

اندریں حالات مرزا شریف بیگ تغلو ملتان سے سیتل داس کے باغ
میں منتقل ہو گیا۔ جھنڈا سنگھ اور لہنا سنگھ نے ملتان کو آپس میں بانٹ لیا اور لوٹ مار
کا بازار گرم کر دیا۔ روانگی سے قبل دیوان سنگھ چچووالیا کو ملتان کا قلعہ دار مقرر
کیا۔ سکھوں سے گفت و شنید کے بعد طے پایا کہ تغلو تلمبہ چلا جائے گا۔ وہاں اسے
جاگیر دے دی جائے گی وہ وہاں مستقل رہائش اختیار کرے گا۔ چناں چہ
تلمبہ چلا گیا۔ وہاں اس نے اپنے لئے ایک قلعہ تعمیر کرایا اور چند سال زندہ رہ
کے بعد تلمبہ ہی میں انتقال کیا۔ اس کے بعد ملتان تھا اور سکھ گردی۔ ان ظالموں
اور غارت گروں کا راج جنوری ۱۷۷۲ء تا جنوری ۱۷۸۰ء رہا۔ اس دوران
میں احمد شاہ درددران اپنے خالق حقیقی سے جا ملا اور تیمور شاہ تخت نشین ہوا۔

ہرات کا سفر:

احمد شاہ اسی سال ۱۱۷۴ھ مطابق ۱۷۶۱ء ہرات پہنچا وہاں ایک
وہ زیارت روضہ باغ کے لئے گیا تو اسد اللہ خان سدوزئی اور سلطان عبداللہ
سدوزئی کے مقبروں کو منہدم پایا۔ فوراً ان کی مرمت کا حکم صادر فرمایا۔
معمار نے خوشامدانہ انداز میں عرض کی کہ اس عمارت کی مرمت کا کیا فا
آپ اپنے والد ماجد کی قبر پر عمارت تعمیر کرائیں۔ (اس بات کا پس منظر یہ
سلطان عبداللہ خان نے احمد شاہ درددران کے والد زمان خان کو الزامِ بغاوت
قتل کرا دیا تھا۔) عالی ظرف بادشاہ نے جواب دیا کہ ہماری بادشاہت ا
ابدالیوں کی عزت اسد اللہ خان اور سلطان عبداللہ خان کے سبب ہے۔

بادشاہ کی زندہ دلی اور عالی حوصلگی:

اس گفتگو کے دوران احمد شاہ درِ دران نے 'ابدالی' کا لفظ استعمال کیا حالاں کہ وہ اس سے قبل حکم دے چکا تھا کہ ابدالی کی بجائے درانی کا لفظ استعمال میں لایا جائے۔ اگر کسی کی زبان یا قلم سے ابدلی نکلا تو اسے جرمانہ ادا کرنا پڑے گا چناں چہ اس جرم کی پاداش میں کئی خوانین کو جرمانے بھرنے پڑے تھے۔ اب بادشاہ کے منہ سے سادہ دلی میں ابدالی نکلا تو سب نے متفق ہو کر کہا کہ حضور بھی رمانہ ادا فرمائیں۔ بادشاہ نے خوشی بات مان لی۔ جرمانہ ایک ہزار سکہ رائج الوقت، ایک ہزار دنبے اور ان کے مطابق چاول، گھی، گرم مصالحہ وغیرہ طے ہوا اور اس سے خوانین کی ضیافت کا اہتمام ہوا۔ اس واقعے سے احمد شاہ درِ دران کی عالی ہمتی، خوش طبعی اور نیک نامی کی شہرت میں اضافہ ہوا۔ خصوصاً سدوزئی قبیلے سے اس کے انکساری و مروت کا ذکر عام ہوا۔ افغان بادشاہ کا یہ معمول تھا کہ وہ موسم گرما خراسان اور قندھار وغیرہ میں گزارتا تھا اور موسم سرما میں پشاور، پنجاب اور ہندوستان کے دیگر علاقوں میں بسر کرتا تھا۔

قندھار کی تعمیر نو:

جنگوں، شورشوں اور فتنوں کے خاتمے پر کچھ آسودگی آئی تو احمد شاہ درِ دران قندھار شہر اور قلعے کی تعمیر نو اور دوسرے انتظامی اور تعمیراتی امور پر متوجہ ہوا۔ اس نے شہر کی شرقی جانب گنداب کے علاقے میں ایک نہر کھدوائی تاکہ قرب و جوار کے علاقے سیراب ہوں اور قندھار غلّے میں خود کفیل ہو جائے۔ اسی سال شاہ کی والدہ زرغونہ الکوزئی نے وفات پائی۔ اس نے گنداب

کے علاقے میں جو الکوزئی کی ملکیت تھا، اس کو دفن کیا اور مقبرہ تعمیر کرایا۔
احمد شاہ درددران نے قندھار سے بارہ کوس کے فاصلے پر ایک نئے شہر کی بنیاد
رکھی۔ یہ علاقہ پوپل زیئوں کا تھا جو انہوں نے بادشاہ کو بطور تحفہ پیش کیا۔ اس
شہر کا نام احمد شاہی قندھار رکھا۔ اسے اشرف البلاد بھی کہتے ہیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے اور بادشاہ کی عالی ہمتی، بردباری اور تحمل کا ثبوت
فراہم کرتا ہے کہ اس نے اس مقصد کے لئے قندھار کے قریب ایک قریہ مرو
انتخاب کیا تھا۔ وہ علاقہ بارک زیئوں کا تھا، انہوں نے یہ رقبہ دینے سے انکار کر
دیا۔ بادشاہ کو ہرگز ناگوار خاطر نہ ہوا۔ یہ اس کے مزاج کا وصف تھا کہ وہ افغان
قبائل کی زمینداری یا معاملات میں بلاوجہ مداخلت نہیں کرتا تھا۔ قصہ مختصر
اشرف البلاد تعمیر ہوا اور اس کی تعمیر میں ہندوستانی معماروں نے اپنی صناعی اور
فن تعمیر کے جوہر دکھلائے۔ بادشاہ نے امرا اور سرداروں کو ترغیب دی کہ وہ
اپنے اپنے گھر یہاں تعمیر کریں۔ اسی طرح اس نے قلعے کو بھی مضبوط و مستحکم
کیا۔ بادشاہ کے ان تعمیراتی اور انتظامی اقدامات سے اس علاقے میں زراعت کو
فروغ ہوا۔ خوشحالی پھیلی اور قندھار کی زیبائی اور افادیت میں اضافہ ہوا۔

سکھوں کے احوال :

سلطان سکندر لودھی کے عہد میں پنجاب میں گرونانک نامی ہندو، بید
کالو بقال قوم کھتری کے گھر پیدا ہوا۔ بچپن ہی سے وہ ریاضت شاقہ کا عادی تھا،
استغراق کی منزلیں طے کر کے درجہ کمال پر پہنچا۔ پنجاب کے اکثر کفار اس کے
اردگرد جمع ہو گئے۔ اس نے ایک نیا مذہب نکالا اور اپنے مریدوں کو سکھ کا نام
جس کے معنی شاگرد ہیں۔ پنجابی میں ایک کتاب ان کی راہنمائی کے لئے

۔ نام اس کا گرنتھ رکھا۔ اس کتاب میں اکثر توحید کا بیان ملتا ہے۔ آخری عمر
میں اپنے بیٹوں کی بجائے اپنے مرید کو جانشین مقرر کیا اور مرتے وقت اپنے داماد
داس کو جانشینی دی۔ اس نے اپنے داماد رام داس کو اپنا وارث بنایا جو کھتری
لوڈھی سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے امرتسر میں ایک تالاب بنوایا جس کا نام
گرو رکھا۔ یہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں تھا۔ اس نے اپنے بیٹے سلبی کو ارجن
ے کر گدی نشین کیا۔ گرنتھ جو کئی اجزا اور اوراق میں بکھری ہوئی تھی، اس
سے ترتیب دیا۔ نیز اس نے پہلے چار گروؤں کے اقوال بھی یکجا کیے۔ ارجن
بعد اس کا بیٹا گوبند گرو مقرر ہوا۔ پھر اس کا پوتا ہر رائے گرو کہلایا۔ یہ شاہ
ں اور اورنگ زیب کا ہم عہد تھا۔ پھر اس کا بیٹا ہر کشن گدی پر بیٹھا۔ اس نے
میں وفات پائی۔ اس کے بعد کئی دعوے دار ابھرے کہ ہم رام داس اور
ن کی اولاد ہیں اور گرو ہونے کے حق دار ہیں۔ آخر کار ارجن کا بیٹا تیغ بہادر
تیغ گرو بنا۔ یہ شخص شیطنیت کا پیکر تھا اس کا پیشہ لوٹ مار اور قتل و غارت تھا۔
اورنگ زیب عالمگیر میں اس نے پنجاب کو بدامنی کا گڑھ بنا دیا۔ آخر مغل فوج
اسے شکست دے کر گرفتار کیا پہلے لاہور میں قید رکھا پھر شاہ جہاں آباد
ں) میں منتقل کر دیا۔ اس دوران میں اس کے لڑکے گوبند سنگھ اور اس کے
نے پنجاب میں فساد اور شورش برپا کیے رکھی۔ آخر مغلوں کے ساتھ تصادم
اس کے دو بیٹے مارے گئے اور کوئی اولاد باقی نہ رہی۔ اس نے سکھوں کے لشکر
لصہ کا نام دیا اور پانچ سکھوں کی اکٹھ کو پال قرار دیا۔ گوبند سنگھ نے گرو کا
ختم کر دیا اور کہا آئندہ کوئی گرو نہ ہوگا اور سکھوں کے لیے پانچ باتیں
قرار دیں۔

۱۔ ہر سکھ کا ہاتھ میں کڑا پہننا۔

۲۔ نیچے کچھا پہننا۔

۳۔ سر پر بال رکھنا مع کنگھے کے۔

۴۔ حقہ ترک کرنا۔

۵۔ کرپان کو لباس کا جزو بنانا۔

اس تفصیل کے بعد ہم واقعات کی جانب قلم کا رخ موڑتے ہیں۔ گرو بند
عہد اورنگ زیب میں شوالک پہاڑیوں کو پناہ گاہ بنا کر پنجاب کے اندر باغ
سرگرمیوں میں مصروف رہا۔ اس دوران میں مغل لشکر اس سے ٹکرایا۔ جب
اس نے شکست کو سامنے دیکھا زندہ آگ میں جل گیا۔ اس کے بعد سکھوں
دشمنی کا سلسلہ مسلمانوں سے شروع ہو گیا۔ پنجاب کے مغل حکام ان کے خلا
کارروائی کرتے لیکن یہ شورشوں سے باز نہ آتے تھے۔ جب احمد شاہ درران
ہندوستان کا رخ کیا یہ چھپ چھپ کر افغان لشکر پر جھپٹتے۔ آخر افغان تاج
نے حکم دیا کہ ان کا قتلِ عام کیا جائے اور ان کے سروں کے مینار بنائے جائیں

باب ہفتم

احمد شاہ درّ دراں کا ہندوستان پر چھٹا حملہ

احمد شاہ قندھار میں تھا تو سکھوں کی بغاوتیں اس کے علم میں آ رہی
ں۔ خواجہ عبید خان درانی جرنیل ان کے خلاف پنجاب میں کارروائیوں میں
وف تھا۔ سکھ سرداروں، جسیہ سنگھ ایلووالیہ، ہری سنگھ بھنگی، جے سنگھ کنہیا،
نگھ، سوبھا سنگھ اور گجر سنگھ وغیرہ اپنے جتھوں سمیت پنجاب کا امن تباہ کر
ے تھے۔ یہ شورش پسند، امرتسر سے نکل کر لاہور اور قرب و جوار کے
وں ایمن آباد اور سیالکوٹ پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ جب پنجاب کی
ب اعانت طلب کی گئی تو بادشاہ نے نورالدین بامے زئی کی سرکردگی میں ایک
ان لشکر ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیا۔ اس دوران میں سردار جسیہ سنگھ
خان کو شکست دے کر لاہور میں داخل ہو گیا۔ عبید خان قلعہ بند ہو گیا۔
اس فتنے کی بیخ کنی کے لئے احمد شاہ درّ دراں نے اکتوبر ۱۷۶۱ء میں قندھار
، لاہور کی جانب رخ کیا۔ وہ جلد ہی قلعہ رہتاس پہنچ گیا۔ شاہ کی آمد پر بزدل
، لاہور سے دم دبا کر بھاگے۔ کچھ نے شوالک کی پہاڑیوں کا اور کچھ نے لکھی
ں کا رخ کیا۔ آغاز سال ۱۷۶۲ء میں افغان بادشاہ لاہور پہنچ گیا اور ایک
ست لشکر ان کی سرکوبی کے لئے ترتیب دیا۔ ادھر سکھوں کا تیس ہزار لشکر
کوٹلہ میں جمع ہوا۔ بادشاہ نے جرنیلوں کو حکم دیا کہ سکھوں کو پوری طاقت
ل دیا جائے۔

رجب ۱۱۷۵ھ مطابق فروری ۱۷۶۲ء افغان لشکر نے سکھوں پر

زبردست حملہ کیا۔ ایک خون ریز جنگ ہوئی۔ جس میں بیس ہزار سکھ مارے
گئے۔ اس جنگ میں سردار جہان خان، سردار ولی خان بامے زئی، زین خان
مرتضیٰ خان وغیرہ اپنے اپنے دستوں کے ساتھ سکھوں کے قتلِ عام میں
مصروف رہے۔ سردار آلا سنگھ آف پٹیالہ کو جسے آلا بھی کہا جاتا تھا، زندہ پکڑ لیا
گیا۔ احمد شاہ درددران نے حکم دیا کہ اس کے سر کے بال مونڈ دیئے جائیں۔ اس
نے پریشان ہو کر کہا۔ میں اپنے بال خریدتا ہوں۔ اطلاع ملنے پر شاہ نے عالم
جلال میں کہا کیا رقم دیتا ہے۔ اس نے کہا ایک لاکھ روپیہ۔ بادشاہ نے رقم قبول
کی اور اسے چھوڑ دیا۔ بعد میں آلا کہتا پھرتا تھا کہ اگر میرا سر مونڈ دیا جاتا تو کس
کی مجال تھی کہ کیس رکھے۔

اس کے بعد افغان تاج دار نے حکم جاری کیا کہ امرتسر کو فتح کر کی چک
گرد کو بارود سے اڑا دیا جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی اور اس تالاب کو کوڑے کرکٹ
اور گندگی سے پاٹ دیا گیا۔

ایک روز افغان بادشاہ شکار کے سلسلے میں لکھی جنگل اور مانجھا جنگل گیا
اس دوران میں وہ ستانے اور حقہ پینے لگا۔ ایک سکھ جتھہ تاک میں تھا اس نے
اچانک حملہ کر دیا۔ ایک سکھ سوار نے بادشاہ پر گھوڑا دوڑایا۔ بادشاہ نے کمان میں
تیر جوڑ کر اس زور سے مارا کہ اس مردود کے سینے سے پار ہو گیا اور وہ گھوڑے
سے گر پڑا۔ بادشاہ کے محافظوں نے باقی سکھوں کو قتل کر ڈالا۔ اس کے
افغان لشکر نے سکھوں کی یورش اور شورش کے استیصال پر توجہ دی اور آہستہ
آہستہ ان کا خاتمہ کرنا شروع کر دیا۔

ذیقعد ۱۱۷۵ھ مطابق جون ۱۷۶۲ء احمد شاہ لاہور لوٹا۔ اس

ور الدین بامے زئی کو کشمیر کا منصب دار مقرر کر کے مع ایک لشکر کشمیر روانہ کیا۔ افغان لشکر نے جموں کے علاقے میں ڈوگرہ فوج کی سر کوبی کی۔ اسی دوران میں دشاہ کو خبر ملی کہ مئی ۱۷٦۲ء میں سکھوں نے سرہند پر حملہ کر کے زین خان اکم سرہند کو شکست دے دی ہے۔ بادشاہ ان دنوں لاہور تھا۔ وہ وہاں کی گرمی ا شدت برداشت نہ کر سکا اور کلانور میں (جہاں کبھی اکبر اعظم کی تاج پوشی ئی تھی) خیمہ زن ہوا۔ اکتوبر ۱۷٦۲ء میں بادشاہ نے لاہور مراجعت کی۔ الی کے موقع پر سکھ امرتسر میں اکٹھے تھے۔ ۱۷؍ اکتوبر کو افغان لشکر کے اتھ ایک خون ریز جھڑپ ہوئی۔ جب احمد شاہ اس صورت حال سے مطلع ہوا اس نے خود کمان سنبھالی اور امرتسر کا رخ کیا۔ تمام سکھ بھاگ نکلے۔

قندھار مراجعت سے قبل افغان بادشاہ نے نجیب الدولہ کو دہلی سے ب کیا۔ چناں چہ مغل تاج دار عالمگیر ثانی کی جانب سے نجیب الدولہ اور دیگر ل امرا، نواب یعقوب علی خان، منیر الدولہ وغیرہ استدعا لے کر حاضر ہوئے سابق کی طرح مغل حکومت کو اپنے زیر سایہ پکا کیا جائے۔ چناں چہ افغان شاہ نے پچاس لاکھ سالانہ خراج کے عوض مغل حکومت پکی کر دی۔ اس کے ، احمد شاہ درددران ۱۲؍دسمبر ۱۷٦۲ء کو لاہور سے مراجعت فرمائے لستان ہوا۔ اس مرتبہ اس نے ملتان کے راستے سے سفر اختیار کیا۔ اس نے ن سے باہر خیمہ لگایا۔ نواب علی محمد خان منصب دار ملتان میں حاضر ہوا۔ نے احکامات دیئے کہ وہ علاقے میں امن قائم رکھے۔ سکھوں کی حرکات ر رکھے۔ علاوہ ازیں سدوزئیوں کا خاص خیال رکھے۔ اس کے بعد اس نے ئی قبیلے کے افراد کی شکایات سنیں اور انہیں انعامات سے نوازا۔ اس کے بعد

احمد شاہ درددران ڈیرہ غازی خان اور ڈیرہ اسماعیل خان سے ہوتا ہوا درہ گومل

کے راستے غزنی جا پہنچا اور وہاں سے قندھار چلا گیا۔

احمد شاہ درددران کا ہندوستان پر ساتواں حملہ :

اس حملے کا بنیادی مقصد بھی سکھوں ہی کی سرکوبی تھا۔ احمد شاہ درددران

اکتوبر ۱۷٦۴ء کو ۱۸ ہزار لشکر کی معیت میں قندھار سے چلا اور پشاور پہنچ گیا۔

احمد شاہ کی غیر موجودگی میں ۱۰ اپریل ۱۷٦۳ء کو تمام سکھ امرتسر میں جمع

ہوئے۔ بیساکھی کا تہوار منایا اور افغان حکومت سے ٹکر لینے کا فیصلہ کیا۔ چناں چہ

عثمان خان لاہور سے لشکر سمیت باہر آیا۔ لڑائی ہوئی پانچ سو افغان مارے گئے۔

سکھوں نے لاہور اور حوالی لاہور میں بہت لوٹ مار کی۔ دوآبہ جالندھر میں

جہاں سعادت خان حاکم تھا، سکھوں نے حملہ کیا وہاں بھی افغانوں کو شکست

ہوئی۔ سعادت خان قلعہ بند ہو گا۔ اندریں حالات ۱۷٦۳ء میں سردار جہان

خان کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا گیا۔ وہ دریائے سندھ اور دریائے جہلم کو عبور کر

کے رچنا دوآب پہنچا اور سیالکوٹ کا رخ کیا۔ سکھ چوری چھپے لشکر پر حملہ کرتے

تھے اور پریشانی کا باعث بنتے تھے۔ پھر سکھوں نے سرہند کا رخ کیا۔ وہاں زین

خان منصب دار تھا۔ وہ کئی ماہ سے سپاہیوں کو تنخواہ ادا نہیں کر رہا تھا۔ اس لیے

انہوں نے لڑائی میں زین خان کی اعانت نہ کی۔ وہ شکست کھا کر قلعہ بند ہو گیا۔

انہوں نے فروری ۱۷٦۴ء میں لاہور کا رخ کیا اور محاصرہ کر لیا۔ خواجہ

عبید خان ان دنوں کلانور تھا۔ وہ فوراً لاہور کی جانب بڑھا۔ لڑائی ہوئی مارا گیا۔

اس کا نائب ناظم قبولی مل قلعہ بند ہو کر ڈٹا رہا۔ بالآخر اس نے سکھوں سے

طے کیا کہ اگر وہ محاصرہ اٹھائیں تو وہ ان کو تاوان ادا کرے گا۔ سکھ

جرأتیں بڑھتی چلی گئیں۔ ان کی فتنہ انگیزیوں اور تخریب کاریوں میں اضافہ ہوا۔ موسم گرما ۱۷۶۴ء میں سردار چڑہت سنگھ، سردار ہری سنگھ بھنگی کے لڑکے جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ نیز ہیرا سنگھ وغیرہ نے ملتان اور ڈیرہ جات پر حملے کیے۔ تباہی مچائی، لوٹ مار کی، کئی مساجد مسمار کر دیں۔

یہ حالات تھے جن میں احمد شاہ درران نے سکھوں کے خلاف اعلان جہاد کیا۔ بادشاہ نے سربلند خان فوجدار قلعہ رہتاس کو سکھوں کے خلاف کارروائی کرنے کا حکم صادر کیا۔ سربلند خان نے دریائے جہلم عبور کیا اور گجرات پر جو کہ چوہدری رحمت خان اور دیوان شیوناتھ کے ماتحت تھا اور انہوں نے سکھوں سے دوستی گانٹھ رکھی تھی، حملہ کیا۔ گجرات پر قبضہ کر لیا اور ان دونوں کو قتل کر دیا۔ سربلند خان واپس قلعہ رہتاس میں آگیا۔ سردار چڑہت سنگھ نے رہتاس پر حملہ کیا۔ سربلند خان کو شکست دے کر قیدی بنالیا۔ لیکن افغان بادشاہ کی آمد کا سن کر اسے کوئی نقصان نہ پہنچایا اور بعد میں رہا کر دیا۔ اس رہائی کی خوشی میں سربلند خان نے اسے دو لاکھ روپے پیش کیے۔

احمد شاہ نے دریائے سندھ عبور کیا اور لاہور کا رخ کیا۔ اس نے چلتے وقت میر نصیر خان بلوچ کو ہدایت کی تھی کہ وہ بلوچ لشکر کے ساتھ سندھ سے ہوتے ہوئے پنجاب کا رخ کرے اور سکھوں کی سرکوبی کے اس عمل میں شامل لشکر ہو جائے۔ میر نصیر خان بلوچ نے افغان تاج دار کو اطلاع دی کہ وہ سکھوں کے مظالم اور قتل و غارت سے باخبر ہے اور ان کے خلاف جہاد میں بادشاہ کے ساتھ ہے۔

پنجاب کی جانب پیش قدمی:

میر نصیر خان بلوچ اپنے بارہ ہزار بلوچ لشکر کے ساتھ ایمن آباد کے مقام پر احمد شاہ کی فوج میں شامل ہو گیا۔ احمد شاہ لاہور روانہ ہوا۔ یہاں پہلے سے سردار جہان خان مع لشکر موجود تھا۔ قبولی مل کی شکایات سے درگزر کرتے ہوئے احمد شاہ درددران نے اسے دوبارہ نائب ناظم متعین کیا اور اس کے بھانجے امر سنگھ کو بخشی لگایا۔ بادشاہ کے اس حسن سلوک سے وہ بھی شامل لشکر ہو گیا۔ اس طرح سارے پنجاب میں افغان لشکر نے پھیل کر جگہ جگہ سکھوں کی سرکوبی کی۔ انہیں شکست دی اور ان کا قتل عام کیا۔ افغان بادشاہ نے امرتسر کو تباہ کرنے کی ٹھان لی۔ سکھوں نے بہت دفاع کیا لیکن وہ شکست کھا کر بری طرح پسپا ہوئے۔ امرتسر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ اس کے بعد شاہ نے دوآبہ جالندھر اور سرہند میں سکھوں کی طاقت کو کچل دیا اور فتح و ظفر مندی کے ساتھ واپسی کا سفر اختیار کیا۔ مشہور مورخ قاضی نور محمد نے وہ شریک سفر تھا اپنے جنگ نامے میں اپنے مشاہدات قلم بند کیے اور سکھوں کے خلاف افغان اور بلوچ لشکر کی کارروائی کو سنہری حروف میں تحریر کیا۔

بادشاہ کی واپسی کے سفر میں میر نصیر خان بلوچ ساتھ تھا۔ بادشاہ اس کے کارناموں، اس کی شجاعت اور ایثار پسندی سے نہایت خوش تھا۔ اس نے اسے جھنگ، ملتان، ڈیرہ جات کی منصب داری عطا کرنی چاہی، میر نصیر خان نے معذرت پیش کی کہ وہ ان علاقوں کے انتظامات نہیں سنبھال سکتا اور اسے علاقے 'قلات' ہی پر خوش ہے۔

احمد شاہ درران کا آٹھواں حملہ :

افغان بادشاہ آئندہ دو سال ۱۷۶۵ء اور ۱۷۶۶ء میں ملکی انتظامات
کی درستی میں لگا رہا۔ سکھوں نے پھر اپنی ریشہ دوانیوں اور شورشوں کا آغاز کر
دیا۔ اطرافِ پنجاب میں پھیل گئے۔ امرتسر اور اس کے تالاب کی مرمت
کرائی۔ اپریل ۱۷۶۵ء میں وہاں بیساکھی کا تہوار دھوم دھام سے منایا۔ وہ
ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوئے اور انہوں نے لاہور پر حملے کا فیصلہ کیا۔ قبولی مل
کشمیر میں کچھ لشکر جمع کرنے گیا ہوا تھا۔ اس کے داماد جگن ناتھ نے سکھوں کا
مقابلہ کیا۔ لیکن شکست سے دوچار ہوا۔ اس طرح سکھ لاہور پر قابض ہوگئے۔
احمد شاہ نے اطلاع ملنے پر نومبر ۱۷۶۶ء میں قندھار سے پنجاب کا رخ کیا۔ وہ
پشاور ہوتا ہوا رہتاس اور وہاں سے ۴؍دسمبر ۱۷۶۶ء کو دریائے جہلم عبور کرتا
ہوا گجرات پہنچا۔ پھر اس نے شاہ دولہ کے مقام سے دریائے چناب عبور کرتے
ہوئے سیالکوٹ کا رخ کیا اور وہاں دو تین دن قیام کیا۔ آس پاس کے علاقوں
اورنگ آباد، پسرور، گجرات، سیالکوٹ کے زمینداروں نے حاضر ہو کر وفاداری
اور اطاعت کا اعلان کیا۔ پھر احمد شاہ نے ڈسکہ اور ایمن آباد سے لاہور کا رخ کیا۔
سکھوں کے سردار، سوبھا سنگھ، لہنا سنگھ، گجر سنگھ، ہیرا سنگھ، عجب سنگھ وغیرہ
آٹھ ہزار لشکر کے ساتھ لاہور میں تھے۔ انہوں نے جب احمد شاہ درران کی آمد
کی خبر سنی۔ عالم بد حواسی میں لاہور کے شہر اور قلعے کو چھوڑ کر جہاں سینگ
سمائے، بھاگ کھڑے ہوئے۔ لاہور پر افغان لشکر کا قبضہ ہو گیا۔ ۲۹؍دسمبر کو
احمد شاہ نے امرتسر کا رخ کیا۔ وہاں قبضہ کیا پھر یکم جنوری ۱۷۶۷ء کو جنڈیالہ پر
حملہ ہوا۔ اس دوران میں ۱۷؍جنوری ۱۷۶۷ء کو سکھوں نے سردار جہان

خان کے لشکر پر شب خون مارا اور خاصا جانی نقصان پہنچایا۔ جواب میں افغانو
نے بھی ہزاروں سکھوں کو تہہ تیغ کر دیا۔

موسم گرما کی آمد پر احمد شاہ درددران نے لاہور سے قندھار کا رخ کیا
اس مرتبہ بادشاہ نے ملتان کے انتظامی امور کی درستی کے لئے ملتان میں چند ر
قیام کیا۔

احمد شاہ درددران اور افغانستان :

احمد شاہ درددران کو پنجاب، ملتان اور ہندوستان کے دیگر علاقوں
لگاتار خطوط موصول ہو رہے تھے کہ پنجاب میں سکھوں نے اور حیدر آباد د
میں مرہٹوں نے قتل وغارت کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے اور مسلمان عذاب مسل
میں مبتلا ہیں، امداد فرمائی جائے۔ نظام حیدر آباد دکن نے مارچ ۱۷۷۰ء میں
روہیل کھنڈ اور اودھ کے روہیلہ پٹھانوں نے آغاز ۱۷۷۱ء میں مرہٹوں
خلاف احمد شاہ کو لشکر کشی کے لئے مکاتیب تحریر کئے لیکن اس کی تمام ز
گھوڑے کی پیٹھ پر گزری تھی۔ مسلسل جنگ جوئی، لگاتار گھڑ سواری، م
شمشیر زنی--اس صورت حال سے اس کی صحت متاثر ہو چلی تھی۔ ناک پ
چھوٹی سی پھنسی نکلی جو آہستہ آہستہ پھوڑا بن گئی۔ غالباً یہ سرطان تھا جو لا
تھا۔ اس نے ۲۲ر سال مسلسل جنگ وجدل میں گزارے تھے۔ مہمات ملک
انتظامات سلطنت کی گراں باری اس پر مستزاد تھی۔ زندگی کے آخری دو
اس نے اس مہلک مرض میں گزارے اور اس بیماری کے سبب وہ ایسے
موقع پر ہندوستان کے مسلمانوں کی کوئی عملی مدد نہ کر سکا۔

لی عہد کی نامزدگی:

ایام مرض میں اس نے ولی عہدی کا مسئلہ طے کیا۔ سلیمان خان
زیر اعظم کا داماد تھا اس نے کوشش کی کہ بادشاہ اسے ولی عہد نامزد کرے۔ لیکن
ادشاہ نے اپنے دوسرے لڑکے تیمور شاہ کو ولی عہد مقرر کیا۔ اس کا خیال یہ تھا
لہ سلیمان مزاج کا سخت ہے اور افغان قبائل کے سردار سخت گیر حاکم کو بالطبع
پسند نہیں کرتے جب کہ تیمور شاہ نرم دل، معاملہ فہم اور نرم مزاج ہے اور ملت
ناغنہ کا مزاج شناس ہے۔

ادشاہ کی وفات:

گرما ۱۷۷۲ء میں احمد شاہ درد ران کا مرض زور پکڑ گیا۔ وہ بیماری کے
وران میں ٹوبہ معروف (بلوچستان) میں منتقل ہو گیا۔ یہ قندھار سے نوے میل
الی جانب شرق ایک پر فضا مقام ہے۔ وہ کئی بار یہاں قیام کر چکا تھا۔ یہاں اس کے
نھیال والے رہتے تھے۔ وہاں جا کر لوگوں کو انعامات و اکرامات سے نوازتا رہا۔
خرشب جمعہ ۲۰/رجب ۱۱۸۶ھ مطابق ۲۳/اکتوبر ۱۷۷۲ء ٹوبہ معروف کی
ماک میں یہ ملت افاغنہ کی قسمت کا روشن ستارہ او جھل ہو گیا۔ موت کے وقت اس
کی عمر پچاس سال تھی۔ اس نے ۲۵/سال سے چند ماہ زیادہ حکومت کی۔
ملتان کو یہ شرف حاصل ہے کہ افغان تاجدار کی پیدائش ملتان میں ۱۷۲۲ء
میں اور وفات ٹوبہ معروف بلوچستان میں وقوع پذیر ہوئیں۔ یاقوت خان نے جو
ملت باعتماد سردار تھا، شہزادہ تیمور والی ہرات کی آمد تک پوشیدہ رکھا۔ تاکہ
زادہ قندھار پہنچ کر تخت نشین ہو سکے۔ اس کے بعد وہ اس کے تابوت کو مع

تمام خزائن قندھار کی جانب لے گیا۔

احمد شاہ درِ دران اور امورِ مملکت (۱۷۶۷-۱۷۷۰ء):

احمد شاہ درِ دران تاریخ کی ایک زندہ، پائندہ اور لازوال شخصیت ہے
اس کے کارنامے تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ نقش رہیں گے۔ اس کا عظیم اا
لافانی کارنامہ یہ ہے کہ اس نے آزاد افغانستان کی بنیاد رکھی اور افاغنہ کے دل
دماغ میں یہ بات اتار دی کہ وہ ایک حریت پسند، آزاد، باوقار اور عظیم قوم ہیں
وہ ترکوں اور ایرانیوں کے لئے کرایے کے سپاہیوں کی طرح لڑتے نہیں رہ
گے بلکہ وہ آئندہ اپنی عزت و ناموس کا دفاع کریں گے اور ان کی تلوار
افغانستان کی آزادی اور استحکام کے لئے بلند ہوا کریں گی۔ احمد شاہ درِدران
اس قوم کو عزت نفس اور جوہر غیرت و حریت سے آراستہ کیا۔ اس نے ا
سلطنت کو مستحکم کیا اور اس کو بے پناہ وسعت دی۔ چار اطراف عالم میں اپنا پ
اقتدار لہرایا۔ ہندوستان کے مغلوں، مرہٹوں اور سکھوں سے بزور شمشیر
بالادستی تسلیم کرائی۔ پنجاب، ملتان، ڈیرہ جات، سندھ، بلوچستان، سرہند
دہلی سے باہر تک کے علاقوں سے اپنی عظمت کا خراج وصول کیا۔ پشاور سمیت
اٹک تک کے قبائلی علاقے کو اپنی سلطنت میں جذب کیا۔ دوسری جانب مغر
میں ہرات کو اپنی سلطنت کا حصہ قرار دیا اور خراسان کے بیشتر حصوں سے خر
وصول کیا اور ان کے سر اطاعت کو اپنی قوت کے سامنے خم کیا۔ بخارا
اندکھوئی آمو دریا تک تمام علاقوں کو اپنا باج گزار بنایا۔ دریائے آمو کو وسطی
اور اپنی سلطنت کے درمیان سرحد قرار دیا۔ اپنے امور سلطنت کو مستحکم
کرنے کے بعد ۱۷۶۹ء میں آخری مرتبہ اس نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ و

ے آگے پنجاب تک آیا اور پھر اس نے قندھار مراجعت کی۔

ایران کے باغی سردار نصر اللہ مرزا کی بغاوت کو دبانے کے لئے شاہ رخ
زا نے ۱۱۸۳ھ مطابق ۷۰-۱۷۶۹ء میں لشکر کشی کی۔ انہی ایام میں احمد شاہ
ے بھی خراسان کا رخ کیا، ہرات پہنچ کر ترمت، شیخ جام اور لنگر پر قابض ہو کر
گے بڑھا تو نصر اللہ مرزا نے ہزیمت اختیار کی اور مشہد کا رخ کیا اور قلعہ بند
لیا۔ احمد شاہ درددران نے مشہد کا محاصرہ کر لیا۔ ایرانیوں نے ہتھیار ڈال
یے۔ بادشاہ مشہد میں فاتحانہ داخل ہوا۔ افغان تاجدار نے شہزادہ تیمور سے
رخ مرزا کی دختر گوہر شاد کی شادی کی اور اس طرح رشتے میں ایک اور
بوط گرہ لگائی۔ میرزا نصر اللہ نے اطاعت کا دم بھرا اسے فرزند خان کے
ب سے نوازا۔ اس طرح آخری افغان حملہ فتح پر نتیجہ خیز ہوا اور افغان تاج
نے ۸ر صفر ۱۱۸۴ھ مطابق ۹ر جون ۱۷۷۰ء قندھار مراجعت کی۔

شاہ سیرت و کردار اور کارہائے نمایاں کے آئینے میں :

قدرت نے احمد شاہ درددران کو بے شمار محاسن و فضائل سے نوازا تھا۔ وہ
ری وجاہت کا ایک پر جمال اور پر جلال پیکر تھا۔ سرخ و سپید رنگ، چوڑا چہرہ،
ڈاڑھی، چوڑی چھاتی، اونچا قد، چہرے سے ہمیشہ بادشاہت کا وقار ٹپکتا۔
نی طاقت کے ساتھ ساتھ ذہنی استعداد و صلاحیت سے مالا مال تھا۔
ت، دانش مندی، تدبر اور فہم و ذکاوت سے پوری طرح بہرہ ور تھا۔
ت و دلیری کے ساتھ ساتھ علم و ادب کا دلدادہ، اولیاء و صوفیاء کا عقیدت
ما، ادبا کا قدر دان، بزرگان دین کے مزارات پر حاضری دیتا۔ شاہی تخت
تا۔ اکثر اوقات قالین پر بیٹھ کر دربار داری کرتا، عدالت لگاتا، شکایات

سنتا، معاملات ملکی میں مشاورت کا اہتمام کرتا۔ لباس، خوراک اور عادات
اطوار میں سادگی پسند کرتا۔ الغرض وہ ایک درویش صفت بادشاہ تھا۔

نظام حکومت :

اس کا نظام حکومت نہایت سادہ تھا۔ قبائلی سرداروں پر مشتمل
کونسل برائے مشاورت قائم تھی۔ قندھار کے انتظامات براہ راست اس
ماتحت تھے۔ اس کی غیر موجودگی میں سلیمان خان نظم و نسق سنبھالتا تھا۔
کی حکومتیں بااعتماد اور منتظم افراد کے ہاتھ میں تھیں مثلاً ہرات میں تیمور
مدت حکمرانی کرتا رہا۔ افغانستان میں قبائلی سسٹم کا رواج ہے۔ وہ کبھی قبا
اندرونی معاملات میں دخل نہ دیتا۔ ہر قبیلے کا سردار خود مختار ہوتا۔ ہر قبیلے
داری تھی کہ فوجی مہمات کے دوران ایک فوجی دستہ بادشاہ کے حوالے
جس کے عوض معقول رقم ادا کی جاتی۔ اگرچہ اس کی حکومت شخصی تھی
نظم و نسق مشاورت سے طے پاتے۔ وہ مذہباً روادار تھا۔ تمام مسلم فرقوں
غیر مسلموں تک کی عزت کرتا۔ سب کو مذہبی آزادی حاصل تھی۔ دو
قطعاً رغبت نہ تھی۔ ہمیشہ اکابرین حکومت، سرداروں اور فوجیوں کا خیا
رقم کی تقسیم کے وقت ہر شخص کو بقدر منصب حصہ ملتا تھا۔

احمد شاہ درددران کی اولاد چھ بیٹوں اور ایک بیٹی پر مشتمل تھ

بیٹوں کے نام : سلیمان۔ تیمور۔ سکندر۔ داراب۔ پرویز اور سنجر

بیٹی کا نام : نجم السلطان

تمام اولاد مختلف بیویوں کے بطن سے تھی جو مختلف اقوام سے تعلق
احمد شاہ درددران فارسی اور پشتو کا شاعر تھا۔ اس کا دیوان چھپ چکا

رسٹی کے کتب خانے میں موجود ہے۔

وہ یقیناً اپنی شخصی سیرت، اپنی مجموعی عظمت، اپنی عظیم سیرت اور
بے مثال کارناموں کے سبب بابائے افغان ہے۔ وہ اسی نام سے افغانستان
اور بیرون افغان یاد کیا جاتا ہے۔ قندھار میں اس کے مقبرے پر بھی بابائے
ن لکھا ہوا ہے۔

باب ہشتم

خاندان سدوزئی کی ملتان میں سکونت

اور خانوادۂ سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی کا تذکرہ

سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی سلطان خداداد خان المعروف سلطا
خدکہ کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ اس کے دو بڑے بھائی قلندر خان اور عنایت خا
عالم جوانی میں لاولد فوت ہوگئے۔ سلطان حیات خان علاقہ صفاہ میں آلوس ابد
پر تیرہ سال حکومت کی، ۱۰۷۸ھ مطابق ۱۶۶۷ء تا ۱۰۹۰ھ مطابق ۱۶۸۰
میں قندھار کے قریب صفوی لشکر سے شکست خوردہ ہو کر اس نے ملتان کا ع
کیا اور ۱۴/ شوال ۱۰۹۳ھ مطابق ۲۶/ اکتوبر ۱۶۸۲ء براستہ ڈیرہ غازی خ
ملتان پہنچا اور وہاں اپنا مسکن بنایا۔ جہاں آج کل ڈپٹی کمشنر کا گھر ہے۔ ملحقہ م
بھی سلطان حیات خان نے تعمیر کرائی جو آج بھی موجود ہے۔ خان
۸۲/ سال کی عمر میں ۲۷/ رمضان ۱۱۴۱ھ مطابق ۱۵/ اپریل ۱۷۲۹ء وفا
پائی اور اپنے باغ میں مدفون ہوئے۔ بعد میں یہ جگہ خاندانی قبرستان کی صو
اختیار کر گئی اور یہ قبرستان موجودہ سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس چوک کی غربی جا
پٹرول پمپ کے ساتھ واقع ہے اور اس میں اس خانوادے کی بیشمار قبور
تذکرۃ الملوک کے مصنف شہزادہ علی محمد خان خدکہ سدوزئی بھی یہیں
ہیں۔ تمام قبور پر مرحومین کے ناموں کے کتبے نصب ہیں۔ اس کی
موجودگی میں ایرانیوں نے آلوس ابدالی کی دستار سرداری جعفر سلطان س

کے سر پر باندھ دی۔ جعفر سلطان نے ایرانی صفوی بادشاہ سے ہرات میں
قات کی اور اس کی بالادستی قبول کرلی۔ چنانچہ اس کی وساطت سے ایرانی گورنر
کے ساتھ سدوزئیوں کے بہتر مراسم استوار ہوئے۔ جعفر سلطان کا سال وفات
۱۱۰۷ھ مطابق ۱۶۹۵ء ہے۔ اس کی وفات کی خبر پاکر ملتان سے سلطان حیات کا
عبداللہ خان مع پسر اسد اللہ خان ہرات روانہ ہوا۔ افغانستان میں آلوس ابدالی
ادی کے لئے برابر جدوجہد کرتے رہے اور ایرانیوں کے ساتھ مسلسل نبرد
ا رہے۔ آخرکار ۱۵ر رمضان المبارک ۱۱۲۴ھ مطابق اگست ۱۷۱۲ء ایرانی
ر کو شکست دے کر اور ہرات پر قبضہ کر کے انہوں نے عبداللہ خان کی
رانی کا اعلان کردیا۔

اس طرح یہ اوّلین شرف آلوس ابدالی میں ملک امیر سدو کی اولاد میں
ے عبداللہ خان سدوزئی کو حاصل ہوا کہ اس نے سب سے پہلے سلطان اور شاہ
قب اختیار کیا اور افغانوں کی آزادی و حریت کا پرچم قلعہ ہرات پر لہرادیا اور
انیوں کی بالادستی سے مستقلاً آزاد ہوگئے۔ یہ امر خصوصیت کے ساتھ قابل
ر ہے کہ اس سے قبل ۱۱۲۰ھ مطابق ۱۷۰۸ء میں غلزیوں کے سردار
رواعظ غلزئی نے ایرانی لشکر کو قندھار میں شکستِ فاش دے کر مار بھگایا تھا اور
طرح قندھار میں آزاد افغان سلطنت کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کی تھی۔

حسین خان سدوزئی مودود خیل ابدالی :

۱۰۵۹ھ مطابق ۱۶۴۹ء میں، سب سے پہلے شاہ حسین واللہ داد خان
ن خان مودود خیل ابن امیر سدو نے ملکِ موروثی سے مستقل طور پر ہجرت
ملتان میں مستقلاً سکونت اختیار کرلی۔ شہزادہ اورنگ زیب مصبدار ملتان

تھا۔ اس نے ان کا خیر مقدم کیا۔ شاہ حسین خان کو خنجر مرصع و خلعت اور دس ہزار روپیہ پیش کیا۔ پس منظر یہ تھا کہ قندھار کے محاصرے کے دوران شاہ حسین خان نے ایرانیوں کے خلاف شہزادہ اورنگ زیب کی عملاً مدد کی تھی اور محاصرۂ قندھار میں بھرپور ساتھ دیا تھا۔ جب قندھار فتح نہ ہو سکا تو شہزادہ اورنگ زیب عالمِ یاس میں ہندوستان لوٹ آیا اور جب حسین خان کے لئے موروثی زمین تنگ ہو گئی تو وہ بھی براستہ ڈیرہ جات ملتان آ پہنچا۔ اس کے ہمراہ اس کے اعزا و احباب بھی تھے۔ شہزادہ اورنگ زیب نے شاہ حسین کے لئے یک صد روپیہ روزانہ اور اس کے رفقاً کے لئے پچاس روپے روزانہ مقرر کر دیئے اور رنگ پور کا علاقہ جو ملتان سے سولہ کوس کی مسافت پر ہے بطور جاگیر دے دیا۔ سلطان حیات خان رنگ پور سے ملتان چلا آیا۔ شہر سے باہر کڑی کلاں کے نام سے ایک بستی آباد کی۔ آج کل کے حساب سے اس کڑی میں نواں شہر تمام غربی علاقہ شامل تھا۔ جس میں ٹیلی فون ایکسچینج سے نواں شہر سے آگے مسلم ہائی سکول، اسٹیٹ بینک والا چوک اور وہاں سے پرانی بہاول پور روڈ کی طرف جاتے ہوئے، طارق روڈ کی جانب مڑتے ہوئے ابدالی مسجد اور دور تک کا علاقہ سب کڑی کلاں میں شامل تھا۔ چار دیواری اور قلعہ تعمیر کیا گیا۔ لوگوں کے لئے مکانات بنائے گئے۔ موجودہ کمشنر ہاؤس میں شاہ حسین نے اپنی رہائش کے لئے شیش محل تعمیر کرایا اور ساتھ کے ساتھ ابدالی مسجد ہوائی۔ اس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے لئے مقبرہ بنوایا جہاں وہ مرنے کے بعد دفن ہوا۔ ایک ایکڑ رقبہ اپنے خاندان کے قبرستان کی غرض سے مختص کر دیا۔ آج جہاں مقبرہ اور اس کی ملحقہ چار دیواری ہے، جس کو سلیم خان سدوزئی مرحوم اور ان کے بیٹے

خان اور ان کے خانوادے کے دیگر افراد فیض اللہ خان خدکہ سدوزئی مرحوم اور محمد عظیم خان خدکہ سدوزئی مرحوم سے مل کر اپنی جیبِ خاص سے ہزار ہا روپے صرف کر کے مستقل پکی چار دیواری ہوائی اور حکومت پنجاب کی وساطت سے قبضہ بھی لے لیا گیا۔ مگر یہ علاقہ تاحال ایک تبلیغی جماعت کے تصرف میں ہے۔ یہ سب علاقہ کڑی کلاں کے نام سے موسوم تھا۔

جب شاہ جہان بادشاہ نے شہزادہ اورنگ زیب خرم کو ملتان کی صوبیداری سے منتقل کر کے دکن بھیجا تو ۱۰۶۲ھ مطابق ۱۶۵۲ء میں شاہ حسین خان سدوزئی بھی ان کے ہمراہ دکن روانہ ہوا۔ دو سال بعد ۱۰۶۴ھ مطابق ۱۶۵۴ء شاہ حسین خان نے رخصت طلب کی اور آگرہ شاہ جہان کے دربار میں حاضر ہوا۔ وہاں مغل بادشاہ شاہ جہان نے اسے امیر الدولہ علی مردان خان کی وساطت سے مصبِ ہفت صدذات و سوار تفویض کیا اور اس کے برادر خورد اللہ داد خان کو منصب دو صدذات و سوار مرحمت فرمایا۔ علاقہ رنگ پور بطور جاگیر عطا کیا اور سیالکوٹ میں بھی جاگیر دی۔ مغل بادشاہ نے ملتان میں جاگیر عنایت کرتے ہوئے یہیں مستقل سکونت اجازت دے دی۔ وفادار خان کا خطاب بھی عطا کیا۔ انگوٹھی کا نشان مندرجہ ذیل قرار پایا:

بہ لطفِ عنایاتِ شاہِ جہان
خطاب شاہ حسین شد وفادار خان

چنانچہ شاہ حسین خان نے ملتان میں اپنے اقارب و احباب کے ساتھ [ملت]ان میں مستقل سکونت اختیار کر لی اس طرح وہ سدوزئیوں میں پہلا شخص تھا جو [ملت]ان میں سکونت پذیر ہوا۔ خان کے نام کی وجہ سے وہ آلوس ابدالی کا سردار ہے۔

اکابرینِ افاغنہ اپنے مسائل و امور لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اس نے بالآخر اپنی عدالت لگانی شروع کر دی۔ جہاں افاغنہ کے مسائل حل ہوتے اور تمام افغان ان احکام اور فیصلوں کو تسلیم کرتے تھے۔ ناظم ملتان نے کبھی ان کے امور میں دخل نہیں دیا۔ جب اورنگ زیب بادشاہ بنا تو اس کے عہد حکومت میں باقاعدہ فرمانِ شاہی جاری ہوا کہ ناظم ملتان اور کوتوالِ شہر، شاہ حسین خان کے کسی کام میں مداخلت نہ کریں اور پٹھانوں کی بستی میں کوئی دخیل نہ ہو۔ نیز شاہ حسینؒ کی عدالت کے فیصلے سرکاری حیثیت سے تسلیم کیے جائیں۔ جب اورنگ زیب دکن کا منصب دار تھا تو یہ دوسری بار دکن گیا اور جب اورنگ زیب نے علاقہ بیدر کا محاصرہ کیا تو خان نے عملاً جنگ میں اہم کردار ادا کیا اور شجاعانہ جنگ دشمن کے خلاف لڑی۔ فتح کے حصول کے بعد اورنگ زیب نے شاہ حسین کو انعاماتِ خاص سے نوازا۔ جب ۱۰۶۸ھ مطابق ۱۶۵۸ء میں اورنگ زیب کی حکومت مستحکم ہو گئی اور دہلی دارالحکومت قرار پایا تو خان نے دربار میں حاضری دی۔ مغل بادشاہ نے مرتبہ و منزلت میں اضافہ کیا۔ ایک لاکھ روپیہ نقد دیا اور جاگیر میں بھی اضافہ کر دیا۔

ایک دن کا ذکر ہے اورنگ زیب عالمگیر کا دربار آراستہ تھا۔ شاہ حسین خان پہلو نشین تھا۔ بادشاہ کے حضور عالی شان گھوڑے پیش کیے جا رہے تھے جب کوئی گھوڑا پیش ہوتا۔ بادشاہ، خان سے دریافت کرتا، یہ گھوڑا کیسا ہے، خان رک کر برجستہ جواب دیتا۔ اس موقع پر جب ایک گھوڑا پیش کیا گیا تو ایک پٹھان امیر نے شاہ حسین خان کی بات کاٹتے ہوئے فوراً جواب دیا۔ اس جرأتِ بے جا بلاسبب کی مداخلت پر شاہ حسین خان کو غصہ آیا اور اس نے عالمِ برہمی میں پشتو

"ارے غلام شخص : قبلہ گاہ مجھ سے استفسار فرماتے ہیں اور گستاخی کرتے
ے جواب تم دیتے ہو" خان کو تاہ قد تھا اور اس کا رنگ گندمی تھا بلکہ سیاہ۔
انچہ اس پٹھان امیر نے پھبتی کسی کہ "شکل سے تو تم غلام لگتے ہو اور کہتے مجھے
"اس پر شاہ حسین خان غضب ناک ہو کر اٹھا۔ خنجر نکالا اور اس کے پہلو میں
طرح پیوست کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

تمام دربار میں شور مچ گیا، شاہ حسین خان کو گرفتار کر لیا تھا۔ چاندی کی
ر ڈال دی اور قید کر دیا گیا۔ چند دن بعد مغل بادشاہ نے حکم دیا کہ دیرینہ
یات کے مطابق یا تو قاتل کو قتل کر دیا جاتا ہے یا قصاص لیا جاتا ہے۔ پرانے
نات اور خان کی طویل اہم خدمات کے پیش نظر بادشاہ نے فرمایا کہ ایسے
رانی اور بہادر شخص کو ضائع نہیں کیا جا سکتا۔ خزانۂ شاہی سے قصاص ادا کیا
ے اور معافی نامہ لکھوا کر خان کو رہا کر دیا جائے البتہ آئندہ دربار شاہی میں
لہ ممنوع قرار دیا جاتا ہے۔ ملتان میں مستقل سکونت اختیار کرے۔ اگر خان
یہ مغل، جو برہنائے غیرت سرزد ہوا تھا، نہ ہوتا تو وہ مزید درجاتِ کمال تک

شاہ حسین خان کی حیات میں اس کا برادر خورد اللہ داد خان وفات پا گیا
ے مقبرہ شاہ حسین خان میں دفن کیا گیا۔ اللہ داد خان کے چھ بیٹے تھے۔
خان۔ عابد خان ہزارہ عورت کے بطن سے، تیسرا لڑکا لشکر خان اور چوتھا
خان افغان خاتون کے بطن سے، پانچواں لڑکا باقر خان ایک ہندوستانی نژاد
کے بطن سے، چھٹا لڑکا ایک کنیز سے تھا۔ بھائی کی وفات کے کچھ عرصے
حسین خان بھی فوت ہو گیا، وہ لاولد تھا۔ اس لئے سرداران افاغنہ نے

عنایت خان کے سر پر دستار باندھی اور اسے سردار مقرر کیا۔ اللہ داد خان اور
حسین خان ابدالی مسجد کے قریب مقبرے میں دفن ہیں۔

مودود خیل کے سردار اللہ داد خان کی وفات پر دستار بندی قضیہ اور دیگر واقعاتِ متفرقہ :

اللہ داد خان فوت ہوا تو اس کے چار بیٹوں عنایت خان، لشکر خان
عابد خان اور باقر خان میں مودود خیل کی سرداری کا تنازعہ اٹھ کھڑا
لشکر خان مدعی تھا جبکہ بڑا ہونے کے سبب عنایت خان کا حق فائق تھا۔ مقد
سلطان حیات خان کی عدالت میں پیش ہوا۔ روایات و قواعد کے مطابق
عنایت خان کے حق میں ہوا۔ تمام خوانین نے سراہا اور اتفاق کیا اور عنایت
مودود خیل کا سردار مقرر ہوا۔ مغل بادشاہ اورنگ زیب نے اس فیصلے کی
کی اور اسے وفادار خان ثانی کا خطاب دیا۔ عنایت خان کے تین بیٹے
شیر محمد خان، اصغر خان، جعفر خان۔ جب عنایت خان فوت ہوا تو پھر سر
کے قضیے نے سر اٹھایا۔ یہ مقدمہ پھر سلطان حیات خان کی عدالت میں پیش
اور عابد خان کے حق میں فیصلہ ہوا کہ مودود خیل میں وہی سب سے بڑا اور
لیاقت تھا۔ سب نے اس فیصلے سے اتفاق کیا اور عابد خان کو سردار تسلیم کر لیا۔

عابد خان نے وفات پائی تو سرداری کے انتخاب کے لئے پھر
حیات خان سے رجوع کیا گیا۔ زاہد خان کی والدہ جو جلال خان سدوزئی
خیل کی بیٹی تھی، بطور حیلہ سلطان حیات خان کے گھر آئی۔ عابد خان
اور چادر سر سے ہٹا کر عرض کی کہ چچا کے پاس بہت توقع لے کر آ

ری اس چادر کو میلا نہ ہونے دینا۔ سلطان حیات خان نے اس کی چادر اس کے
پر ڈال دی اور اگلے دن اس کے بیٹے زاہد خان کے حق میں سرداری کا فیصلہ سنا
اس موقع پر اور لوگ بھی امیدوار تھے مثلاً سلطان حیات کا بیٹا عبدالعزیز خان
محمد باقر خان اور عنایت خان کا تیسرا بیٹا لشکر خان بھی۔ ان کی توقعات پوری نہ
یں اور سلطان حیات خان نے فیصلے میں ہمیشہ انصاف روا نہ رکھا۔ اسی عدل کی
افاغنہ اپنے معاملات میں سلطان سے رجوع کیا کرتے تھے اور مغل ناظم بھی
فیصلوں سے اتفاق کرتا تھا۔

حالات کی اس خوشگوار تبدیلی کے باعث افغانستان میں خضر خیل اور
دو خیل خاندانوں میں جو مخالفتیں تھیں، ملتان میں وہ دوستی میں بدل گئیں۔
خان ہمہ وقت سلطان حیات خان کی اطاعت کا دم بھرتا تھا۔ جیسا کہ پہلے بھی
رہوا، عنایت خان کی اولاد میں بڑا شیر محمد خان تھا، جس نے عالم دیوانگی میں
دی، وہ لاولد تھا۔ دوسرا جعفر خان تھا اس کے اولاد نرینہ نہ تھی۔ دو لڑکیاں
ں ایک لڑکی عارف خان ولد عابد خان کی بیوی تھی جس کے بطن سے ظریف
تولد ہوا۔ دوسری لڑکی لطف اللہ خان ولد محمد باقر خان خدکہ کے عقد میں
۔ عنایت خان کی بیٹی پشین میں بیاہی گئی تھی۔ وہ ابراہیم شاہ ولد میران
شاہ کی والدہ تھی۔ عنایت خان کے لڑکے اصغر خان کے چار بیٹے اور ایک
ی تھی۔ دو لڑکے عمر خان اور محمد خان ایک کسبی کے بطن سے تھے۔ مزید دو
کے اور ایک بیٹی افغان خاتون کے بطن سے تھے۔ ایک عبداللہ خان تھا جو
غان کے نام سے معروف ہوا دوسرا اسعد اللہ خان جو زبردست طبیعت کا
تھا۔ عمر خان کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ لڑکے ابو بکر خان، اکبر خان

-اکبر خان افیونی تھا۔ ابو بکر خان کی بہن نواب مظفر خان کے عقد میں آئی اور عہد مظفر خان میں دو روپیہ روزینہ پر کوتوالِ شہر ملتان مقرر کیا گیا۔ جب دوسری بار رنجیت سنگھ ملتان پر حملہ آور ہوا تو ابو بکر خان کو بطور یرغمال سکھوں کے حوالے کر دیا گیا۔ وہ دو سال سکھوں کی تحویل میں رہا۔ آخر نواب نے سکھوں کو کچھ رقم دے دلا کر اسے رہائی دلائی۔ ابو بکر خان آزردہ خاطر ہو کر نواب سربلند خان حاکم کچھی کے پاس چلا گیا اور کچھ وقت وہیں مقیم رہا۔ ابو بکر خان کا بھانجا نواب سرفراز خان اسے واپس ملتان لایا اور وہ ملتان میں مقیم ہو گیا۔ ۱۸۱۶ء میں سکھوں نے ملتان پر قبضہ کیا تو ابو بکر خان نواب حافظ احمد خان حاکم کچھی کے پاس ڈیرہ اسماعیل خان چلا گیا۔ کچھ عرصہ وہاں اقامت کے بعد مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس لاہور روانہ ہو گیا۔ رنجیت سنگھ نے چالیس روپے ماہانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس کا بڑا لڑکا عبداللہ خان تھا۔ اس کی ماں محمد خان ولد عزیم یار خان خدکہ سدوزئی کی باندی تھی۔ ابو بکر خان نے اپنی ایک لڑکی کی شادی اپنے بھانجے نواب سرفراز خان سے قیام لاہور کے دوران کر دی تھی۔

عنایت خان کے لڑکے اصغر خان کا دوسرا بیٹا محمد خان تھا۔ اس کی ایک بہن تھی جو صلابت خان ابن اشرف خان کے عقد میں آ گئی۔ اس کا دوسرا بیٹا سعد اللہ خان طبیب تھا جو ہمہ قسم کے امراض کا علاج کرتا تھا۔ لوگ اسے حکمت کے اعتبار سے اسے بقراط اور جالینوس تسلیم کرتے تھے۔ خدا نے اس کے ہاتھ میں شفا دی تھی، بعضوں کے نزدیک وہ صاحب کرامات تھا۔

زاہد خان سدوزئی کی بہن کا نام خدیجہ بی بی المعروف خان خور تھا جو عبداللہ خان کی بیوی تھی۔ عبداللہ خان لاولد مرا۔ خان خور بہت عاقلہ اور

تھی۔ پشتو میں اشعار کہتی تھی۔

سعد اللہ خان کی طبابت کا چرچا افغانستان تک جا پہنچا۔ وزیر سلطنت فتح اللہ خان سدوزئی نے اسے طلب کیا اور اس سے کوئی کشتہ طلب کیا۔ طبیب نے اسے مقوی باہ کے لئے گولی دی جو اسے راس آئی۔ اس نے شاہ افغانستان سے اس کی حکمت و حذاقت کا ذکر کیا۔ شاہ نے بھی ایسی ہی فرمائش کی۔ سعد اللہ خان نے اسے بھی مقوی باہ دوا پیش کی، مگر بادشاہ کی طبیعت اس سے پھر گئی اور اس نے وہ دوا مستحقین میں بانٹ دی۔ وہ وہاں سے کچھ کتابیں خرید کر کے، خاموشی سے، کسی کو بتائے بغیر لوٹ آیا۔ اس کا بیٹا باندی سے تھا۔ نام حفیظ اللہ خان تھا، دیوانہ تھا، لاولد مر گیا۔ اصغر خان ولد عنایت خان کی دختر واصل خان ولد عابد خان کے نکاح میں تھی۔

احوال عنایت خان و عابد خان پسران اللہ داد خان :

اللہ داد خان کے چار پسران تھے، عنایت خان، لشکر خان، عابد خان اور باقر خان۔ اکبر بادشاہ کے عہد میں نظام منصب داری کے تحت یہ قانون نافذ کیا گیا تھا کہ کسی منصب دار کے فوت ہونے پر اس کی تمام جاگیر حق سرکار ضبط کر لی جائے اور اس کی اولاد کو اہلیت و لیاقت و وفاداری ثابت کرنے پر وہ منصب اور جاگیر اس کو عطا کی جائے۔ اس مروجہ قانون کے تحت متوفیان شاہ حسین خان اور اللہ داد خان کی جاگیریں ضبط ہوئیں اور اب اللہ داد کے بیٹوں کو ان کے حصول کے لئے از سر نو مساعی کرنی پڑیں۔ عنایت خان اورنگ زیب بادشاہ کے حضور حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اسے پانچ صد کا منصب ذات و سوار عطا کیا اور وفادار خان کا خطاب مرحمت فرمایا۔ اس کے بھائیوں، عابد خان اور لشکر خان کو یک صد

منصب ذات و سوار دیا گیا۔ چنانچہ یہ سب مغل بادشاہ کی عنایت سے سرشار و سرفراز ہو کر ملتان لوٹے۔ انہیں فرمانِ شاہی کی رو سے موروثی جاگیریں بھی مل گئیں۔ اسی دوران ایک واقعہ رونما ہوا۔ عنایت خان المعروف وفادار خان ثانی اپنے بھائی عابد خان سے قبل ملتان آگیا۔ عابد خان دہلی میں رہا۔ عنایت خان کو اس کے وقائع نگار نے اطلاع دی کہ صفوی تاجدار ایرانی لشکر جرار کے ساتھ ہندوستان پر حملے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ عنایت خان نے از راہ وفاداری یہ خبر اورنگ زیب کی خدمت میں ارسال کر دی۔ بادشاہ کا معمول تھا کہ وہ اپنے وقائع نگار کے خطوط و اطلاعات شب میں پڑھتا تھا۔ وہ عنایت خان سدوزئی کے اس اطلاع نامے پر متحیر ہوا۔ اس نے عابد خان کو جو دہلی میں تھا، طلب کیا کہ تمہارے بھائی نے ایسی اطلاع ارسال کی ہے جبکہ ہمارے وقائع نگار جو پشاور، غزنی، کابل، ملتان اور بھکر میں ہیں، اس بارے میں خاموش ہیں۔ کہیں یہ خط جعلی تو نہیں یعنی کسی نے تمہارے بھائی سے منسوب کر کے بھیج دیا ہو۔ عابد خان نے شمع دان کی روشنی میں اس مراسلے کو دیکھا اور عرض کی کہ خط اصلی ہے دستخط اور تحریر منشی کی اور مہر عنایت خان کی ہے۔ اطلاع درست ہی ہو گی۔ بادشاہ نے از راہ مصلحت عابد خان کو نظر بند کر دیا۔ تین دن بعد سلطنت کے وقائع نگاروں نے اور شاہی مخبروں نے امر واقعہ کی تصدیق کی، تو بادشاہ عنایت خان کی وفاداری سے متاثر ہوا۔ عابد خان کو رہائی ملی۔ دربار شاہی میں طلب کیا گیا اور اسے عزت و اکرام سے ملتان روانہ کیا گیا۔

عابد خان :

عنایت خان کی آنکھ بند ہوئی تو اس کا برادر عابد خان وارث ہوا

و خیل خان خیل سدوزئی پٹھانوں کا سربراہ بنایا گیا۔ اسے نواب کا خطاب ملا
ہ موروثی جاگیر کا وارث ٹھہرایا۔ نواب عابد خان کی جاگیر رنگ پور کے علاوہ
کے جنوب میں دریائے چناب کے بائیں کنارے پر بھی واقع تھی۔ یہ علاقہ
زرخیز تھا۔ یہاں اس نے آموں کا باغ لگایا۔ جسے اس کے بیٹے نواب زاہد
نے خوب فروغ دیا۔ بعد میں نواب کے پوتے، نواب شجاع خان نے یہاں
شجاع آباد کی بنیاد ڈالی۔ نواب کا خانوادہ ذوق تعمیر سے سرشار تھا۔ انہوں نے
ثار علاقے اور چہار اطراف میں آبادیاں قائم کیں اور اس اعتبار سے بہت
ی اور شہرت حاصل کی۔ یہ سدوزئی خاندان ملتان پر ساٹھ سال سے زائد
تک حکمرانی کرتا رہا اور اس نے تعمیراتی اور زراعتی دلچسپیوں کے باعث اس
قے کی آبادی، خوشحالی اور فروغ میں تاریخ ساز کارنامے انجام دیئے۔

عنایت خان کے تین بیٹے تھے۔ بڑا، شیر محمد خان جو مجنون و دیوانہ ہو گیا
دوسرا اصغر خان، تیسرا جعفر خان۔

اللہ داد کے لڑکوں میں سے عابد خان کی اولاد نے بڑا نام کمایا۔ خود عابد
کو نواب کا خطاب ملا۔ اس کے لڑکے زاہد خان کو ملتان کی نظامت کا پروانہ
واب کا خطاب مرحمت ہوا۔ نواب زاہد خان دس سال سے زاہد مدت تک
ملتان کی حیثیت سے سیاہ و سفید کا مالک رہا۔ اس کی مدتِ نظامت ۱۷۳۸ء
۱۷۴ء ہے۔ ستر سال سے زائد عمر پائی اور ۱۷۴۹ء میں انتقال کیا۔ مقبرہ
حسین خان ابدالی میں دفن ہوا۔

عابد خان کے چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ زاہد خان، عارف خان اور
یجہ المعروف دختر خان خور، دختر جلال خان سدوزئی زعفران خیل کے

بطن سے تھے جبکہ تیسرا بیٹا واصل خان ایک ایرانی کنیز کے بطن سے تھا لاولد فو
ہوا۔ چوتھا بیٹا طارق خان تھا۔ مغل دربار سے جاگیر اسے ملی ہوئی تھی۔ فار
البالی میں بسر کرتا تھا۔ اس کا ایک فرزند ظریف خان تھا اس کی والدہ جعفر خ
سدوزئی کی بیٹی تھی۔ وہ بھی صاحب جاگیر تھا شجاع آباد میں وفات پائی۔
خان کے لڑکے زاہد خان اور اس کی اولاد نواب شاکر خان اور نواب شجاع خ
نے باری باری ملتان پر حکمرانی کی۔ بالآخر نواب شجاع خان کا بیٹا مظفر خان ملتا
حکمران مقرر ہوا۔ ملتان کے سدوزئیوں میں اس خانوادے نے سب سے
عزت و تکریم حاصل کی۔

نواب زاہد خان بحیثیت سردار مودود خیل سدوزئی تمن وبحیثیت حاکم ملتان :

عابد خان کی وفات کے بعد سلطان حیات خان کے فیصلے کی رو سے
کے لڑکے زاہد خان کو مودود خیل سدوزئی کا سردار چنا گیا۔ سلطان حیات
کے ڈیرے پر اس کے دستِ مبارک سے دستار بندی کی رسم انجام پذیر ہ
سلطان حیات خان کی زندگی میں زاہد خان اس کے احکامات کا پابند رہا او
طرح ملتان کے سدوزئیوں کے امور، معاملات اور مسائل بااحسن و خو
اور تکمیل پذیر ہوتے رہے اور ان فیصلوں اور احکامات کو مغل منصب دار
تائید و توثیق حاصل ہوتی رہی۔ زاہد خان کی بود و باش شیش محل میں ج
حسین ابدالی نے تعمیر کرایا تھا، قرار پائی۔ اگرچہ عنایت خان کی اولاد کو
ترک کرنی پڑی جس پر اصغر خان اور اس کے بھائیوں نے برا بھی مانا لیکن

...یات خان کے حکم کی تعمیل میں شیش محل اور دیوان خانہ کلاں زاہد خان کی ...حویل میں دے دیا گیا اور اصغر خان کو عوض میں اور عمارت مل گئی۔

سلطان حیات خان نے ۲۷؍رمضان ۱۱۴۱ھ مطابق ۱۵؍اپریل ۱۷۲۷ء میں وفات پائی۔ اس کا ترکہ، پچاس کروڑ کا خزانہ جس میں ہیرے ...اہرات، زرو سیم اور نقد سکہ ہائے رائج الوقت کے علاوہ بہت سی جاگیر بھی ...امل تھی، اس کے بیٹوں محمد باقر خان المعروف سردار خان خدکہ سدوزئی، ...بدالعزیز خان اور مقرب خان میں تقسیم ہوئی۔ باپ کی زندگی میں بڑا بیٹا عبداللہ ...ان (مع اپنے پسر اسد اللہ خان کے) ہرات میں حکمران تھا اور ۱۷۲۱ء میں ...رات میں ایک سازش کے تحت قاسم خان ولد سعید خان ولد جلال خان ...عفران خیل سدوزئی کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا اور اس کے بڑے بیٹے محمد خان کو ...تان سے ہرات جانا پڑا تھا اور بعد میں اللہ یار خان بھی باپ کے مخالفین سے انتقام ...ا خاطر ہرات چلا گیا تھا، اس منتقلی کے نتیجے میں عبداللہ خان اور اس کے پسران ...ترکہ جائیداد کے بیشتر حصے سے محروم رہے۔ سلطان حیات خان کی دولت ...میں سے جو حصہ عبدالعزیز خان کو ملا اس نے اس کے مزاج میں تغیر پیدا کر دیا۔ ...ہاول پور کے خدکہ سدوزئی اسی کی اولاد میں سے ہیں۔

۱۷۲۶ء سے لاہور کا منصب دار نواب زکریا خان پسر نواب عبدالصمد ...خان دلیر جنگ تھا جب کہ ملتان کی منصب داری عبدالصمد خان کی تحویل میں ...تھی۔ عبدالصمد خان کا انتقال ۱۱۵۰ھ مطابق ۱۷۳۷ء میں ہوا۔ زکریا خان ...تان آیا۔ باپ کی میت لاہور لے گیا۔ اس کے بعد اس نے ملتان کی منصب داری ...سنبھال لی اور اپنے دوسرے بیٹے حیات اللہ خان کو نائب ناظم کے بطور ملتان

چھوڑا۔ زاہد خان اس کے معاون اور قوتِ بازو کے طور پر ملتان کے امور نبٹاتا تھا۔ جلد ہی حیات اللہ خان نے لاہور روانگی سے قبل زکریا خان کی اجازت سے زاہد خان کو ملتان میں اپنا نائب مقرر کیا اور خود لاہور روانہ ہو گیا۔ کچھ ماہ بعد نادر شاہ نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ حیات اللہ خان نے حاضری دی اور دہلی تک اس کی خدمت میں حاضر رہا۔ واپسی پر نادر شاہ نے اسے شاہ نواز کا خطاب اور ملتان کی منصب داری کا پروانہ مرحمت کیا اور زاہد خان کو بحیثیت نائب ادائے فرائض کی اجازت بھی عطا کی۔ ایک اور واقعہ رونما ہوا، عبدالعزیز خان اپنی امارت کی بجائے پر زاہد خان سے حسد کرنے لگا۔ وہ نادر شاہ کی روانگی کے بعد شاہ نواز خان کے پاس لاہور پہنچا اور اسے لالچ دیا کہ اگر زاہد خان کو برطرف کر کے مجھے ملتان کی نائب نظامت دی جائے تو پچاس ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت ادا کروں گا۔ شاہ نواز نے از راہ حرص اسے پروانہ نائب نظامت جاری کر دیا اور وہ ملتان کے افاغنہ کا سردار مقرر ہو کر پہنچ گیا۔ شاہ نواز نے زاہد خان کو ہٹانے کے لئے ایک معمولی سے واقعے کو جواز بنایا۔ کچھ افاغنہ کی جھڑپ دیوان لکھپت رائے سے ہو گئی اس کے کچھ ساتھی قتل ہو گئے۔ ایک منصب دار لعل ہزاری کا ہاتھ بھی کاٹا گیا۔ اس شور و غوغا کی اطلاع زکریا خان تک پہنچی تو اس نے زاہد خان سے باز پرس کی کہ شرپسند پٹھانوں کو پکڑ کر لاہور پیش کرو۔ بصورت دیگر پٹھانوں کی بستیوں کو جلا کر بھسم کر ڈالو اور ان کا قتل عام کرو۔ یہی پٹھان زاہد خان کے دست و بازو تھے۔ وہ پریشان ہو گیا کہ کیا کرے۔ اس نے تمن داروں کو جمع کر کے کہا کہ افغانوں کے نوجوان پیش کئے جائیں۔ سب انکاری ہو گئے کہ ہمیں فساد کی کوئی خبر نہیں۔ زاہد خان نے عالم ناچاری میں اپنے بیٹے شاکر خان کو جس کی

اسی روز ہوئی تھی، بطور یرغمال لاہور بھیج دیا۔ زکریا خان نے اسے قید میں ڈال دیا
اور حکم جاری کیا کہ دیگر سرداروں کے بیٹوں کو بھی بھیجو یعنی باقر خان المعروف
سردار خان، عبدالعزیز خان پسران سلطان حیات خان کو بطور یرغمال ملتان بھیجا
جائے۔ تمام سدوزئی سردار مع اپنے اپنے بیٹوں کے لاہور پہنچے کہ اگر ہماری قید
سے سدوزئیوں کی عزت کا تحفظ ہوتا ہے تو ہم حاضر ہیں۔ شاہ نواز خان نے ان
سب کو لاہور میں تقریباً چھ ماہ نظر بند رکھا۔ بالآخر رہائی دی اور معاف کر دیا۔
لیکن عبدالعزیز خان سے نائب نظامت کا سودا بعوض پچاس ہزار روپیہ ہو چکا تھا،
و نائب نظامت کا پروانہ اس کے نام جاری ہو گیا۔

اب زاہد خان نے مایوس ہو کر دہلی کا رخ کیا اور وزیر قمر الدین سے
ملاقات چاہی۔ گفتگو ہوئی لیکن بے نتیجہ رہی۔ اس کے بعد زاہد خان نے روہیلہ
افغان سردار علی محمد خان کی جانب اس غرض کے لئے وکیل بھیجا کہ وزیر
قمرالدین سے مطلوبہ پروانہ نائب نظامت دلوادے۔ روہیلہ افغان نے کہا کہ
اس نے آج تک کسی کی سفارش نہیں کی تاہم مجھے تمہاری تمن داری کے پیش
نظر تمہاری خاطر عزیز ہے۔ میں کوئی تدبیر کرتا ہوں اور زاہد خان کو مشورہ دیا
کہ وہ وزیر قمرالدین کی بیٹھک میں اس وقت داخل ہو، جب وزیر اور میں اور
دیگر مصاحبین پہلے سے موجود ہوں۔ وزیر روہیلہ سردار کی بہت عزت کرتا تھا
اور تعظیم سے پہلو میں نشست دیتا تھا۔ زاہد خان نے اسی مشورے پر عمل کیا،
داخل ہو کر زاہد خان براہ راست علی محمد خان کے روبرو گیا اور اسے سلام کیا۔ علی
محمد خان اسے دیکھ کر ایستادہ ہو گیا۔ اس کے بعد زاہد خان نے وزیر کو سلام کیا اور
نشست پر جا بیٹھا۔ وزیر نے جب علی محمد خان کا اس انداز میں تعظیماً کھڑے

ہوتا دیکھا تو حیرت سے دریافت کیا آپ کس کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ علی
محمد خان نے کہا، زاہد خان سدوزئی کے لئے کیونکہ یہ ہمارے ملک افغانستان
سردار کا بیٹا ہے۔ مجھے اس کی خاطر نہایت عزیز ہے، وزیر متاثر ہوا، دوسرے
دن، بوقت شام، بعد عصر، قاصد آیا اور زاہد خان کو وزیر کی خدمت میں لے گیا۔
اس نے پاس، نشست دی اور دریافت کیا۔ ملتان سے نئے نئے دہلی آئے ہو
یہاں کیا دیکھا؟۔ زاہد خان نے برجستہ کہا، میں نے چہرۂ مبارک پر نیا چاند دیکھا
ہے۔ وزیر اور حاضرین اس جواب پر محظوظ ہوئے، بات چیت کے دوران وزیر
نے پوچھا، یہ شعر کس طرح ہے؟

چہار چیز است تحفۂ ملتان
گرد، گرما گدا د گورستان

زاہد خان نے جواباً عرض کیا، یہ شعر ملتان پر صادق آتا ہے۔ ہندوستان کی
سرزمین پتھریلی ہے اس لیے یہاں گرد نہیں ہوتی۔ ملتان کی زمین خاکی ہے اس
لئے گرد ہوتی ہے۔ وجود آدم بھی خاک سے ہے نہ کہ پتھر سے۔ یہاں بارش ہوتی
ہے اس لئے گرمی کم ہے۔ ملتان میں بارش کم ہے اس لئے گرمی زیادہ پڑتی ہے۔
مثل مکہ معظّمہ کے کہ اس کی شان میں وارد ہے، سخت گرمی پڑتی ہے۔ گداگروں
کی کثرت وہاں کے سخیوں کے سبب ہے۔ قبروں کی کثرت اس لئے ہے کہ بے
بے شمار بزرگ دفن ہیں۔ جو شخص دور و نزدیک فوت ہوتا ہے یہیں لاکر دفن
کرتے ہیں اور بارش کی قلت کے سبب یہ قبریں مسمار نہیں ہوتیں، دیر تک
رہتی ہیں۔ لوگ دور دور سے آکر ان قبروں پر فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ دوسرے
شہروں میں کثرتِ باراں کے سبب قبریں جلد دھنس جاتی ہیں۔ وہاں کے

نہریں تعمیر کراتے ہیں جو خلافِ شرع ہے۔ زاہد خان کی اس بر جستہ گفتگو سے
قمرالدین متاثر ہوا اور درباری خوش ہوئے۔ تب وزیر نے دہلی آنے کی
ت دریافت کی۔ زاہد خان نے نظامت ملتان طلب کی۔ وزیر نے اسے اطمینان
یا۔ مغل دربار میں جب محمد شاہ تخت نشین تھا۔ وزیر کی سفارش پر زاہد خان کو
بداری ملتان کا پروانہ عطا کر دیا گیا۔ مزید بر آں، ایک مادہ فیل اور خلعت
دی گئی۔ اس کے بعد زاہد خان براستہ مارواڑ ملتان آیا۔ آمد سے قبل بیٹوں کو
ع بھجوائی۔ تمام افغانوں نے شہر سے کئی کوس باہر آکر استقبال کیا۔ اس تمام
ملے کی انجام دہی میں چھ ماہ صرف ہو گئے۔ اس دوران ملتان کی نیابت
لعزیز خان سے متعلق رہی۔ لیکن وہ انتظامی اعتبار سے ناکام رہا۔ جب نواب
خان پروانہ لے کر اطراف ملتان پہنچا اور تمام افاغنہ اس کے گرد جمع ہو گئے
ب نے ایک وکیل شاہ نواز خان کے پاس لاہور بھیجا۔ جس نے مغلوں کا
کردہ پروانہ اسے پیش کیا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد زاہد خان نے
کے زور پر اور افغان لشکر کی مدد سے ملتان کو عبدالعزیز خان سے حاصل کر
ہ لاہور بھاگ گیا۔

اسی طرح ۱۷۳۹ء میں زاہد خان بار دیگر ملتان کا حاکم مقرر کیا۔ اس
مد میں انتظامات اتنے مستحکم ہوئے کہ شہر اور اطراف میں امن بحال ہو
ہزنی، چوری، ڈکیتی وغیرہ کا قلع قمع ہو گیا۔ نواب کو زراعت سے شغف
نے چناب اور ستلج سے نہریں نکالیں، زراعت نے ترقی کی، اہلِ ملتان
ہو گئے۔

باغ لانگے خان :

نواب زاہد خان کے عہد نظامت میں لانگے خان خوگانی نے بیرون کڑی افغانان میں ایک دلکشا باغ تعمیر کرایا اور اس میں نوع بہ نوع ثمر دار درخ لگائے۔ اس کے ایک کنارے پر نالہ علی محمد بہتا تھا۔ یہ باغ عام و خاص کی تفر اور راحت رسانی کا مرکز بن گیا۔ لوگ یہاں موسم گرما میں مل بیٹھتے اور پار مناتے۔ لانگے خان خوگانی نے باغ کے تحفظ کے خیال سے اس میں عوام ال کا داخلہ بند کر دیا۔

لانگے خان خوگانی لاولد تھا۔ نواب زاہد خان نے اس سے یہ باغ خر اور از راہِ سیر چشمی اسے عوام الناس کی سیر و تفریح کے لئے کھول دیا۔ آج نواب مرحوم کا یہ فیضان عام جاری ہے۔

دیوان کوڑامل اور نواب زاہد خان میں لڑائی :

میر منو لاہور کا وائسرائے بنا تو اس نے دیوان کوڑامل کو نظامتِ مل پروانہ دیا۔ ۱۷۴۸ء میں دیوان کوڑامل متی تل کے مقام پر خیمہ زن ہوا نے نواب زاہد خان کو پیغام بھجوایا کہ ملتان میرے حوالے کر دیا جائے صورت حال میں ملتان کے خوانین کی اکثریت نواب زاہد خان کے ارد گر ہوئی اور لڑائی پر اتفاق رائے ہوا۔ نواب عبدالعزیز خان نے جو نواب زا سے بر سر مخاصمت تھا نے دیوان کوڑامل کی حمایت کا فیصلہ کیا۔ ویسے بھی یہ اور اس کا باپ ولو مل سلطان حیات خان کے ذاتی ملازم رہ چکے تھے۔ ۸ میں متی تل میں جو ملتان سے دس میل کی مسافت پر ہے، لڑائی ہوئی نو

ان نے شکست کھائی اور دریائے چناب کو عبور کر کے سیت پور کی جانب چلا
یا۔ ملتان دیوان کوڑامل کی تصرف میں آگیا۔ اس نے عبدالعزیز خان کو نائب
ظم ملتان مقرر کر دیا۔ اسی عرصے میں احمد شاہ درران کی آمدِ لاہور کی اطلاع
ا۔ دیوان کوڑامل میر منو کی طلبی پر مع لشکر لاہور پہنچا۔ اس کی عدم موجودگی
ں نواب زاہد خان نے ملتان پر قبضہ کر لیا اور عبدالعزیز خان کو مار بھگایا۔

شاہ حسین خان لاولد تھا۔ اس کے بھائی اللہ داد خان کی اولاد ملتان کی
ست اور انتظامات میں زیادہ دخیل تھی۔ بالآخر اس کا پوتا نواب زاہد خان دس
ل تک ملتان کے سیاہ و سفید کا مالک رہا اور اس کی اولاد، نواب شاکر خان، شجاع
ن اور شجاع خان کا لڑکا مظفر خان، مختلف وقتوں میں ملتان کے حکمران رہے۔
ں کے مقابلے میں سلطان حیات خان کی اولاد سیاست افغانستان میں زیادہ دلچسپی
تا رہی۔ چناں چہ اس کا بڑا بیٹا عبداللہ خان صفا پہنچا۔ حصول کامیابی کے بعد
رات کی جانب بڑھا اور فتح کے بعد حاکم ہرات مقرر ہوا۔ سلطان حیات خان کے
ر بیٹے مختلف بیگمات کے بطن سے تھے۔ سلطان عبداللہ خان، محمد باقر خان
معروف سردار خان، مقرب خان، نواب عبدالعزیز خان۔

سلطان عبداللہ خان کی اولاد ہرات اور صفا میں بھی حکمران رہی۔ جب
واقع ہاتھ آیا دہیں مستقل سکونت بھی اختیار کرتی رہی۔ جب کہ باقی بیٹوں کی
لاد نے ملتان کو مستقبل ٹھکانا بنایا۔ اسی طرح اللہ داد خان کی اولادِ بھی مستقلاً
ان میں آباد ہو گئی۔ نواب عبدالعزیز خان فرزند سلطان حیات خان سیاست
ن میں عملاً بہت دخیل تھا۔ وہ صاحب تموّل تھا۔ اس نے مغل دربار اور لاہور
منصب دار کوڑامل سے گہرے تعلقات استوار کر رکھے تھے۔ جب ۱۱۶۲ھ

مطابق ۱۷۴۹ء میں کوڑامل نے ملتان کا رخ کیا اور نواب زاہد خان نے اسے ملتان کے اختیارات سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ تب دونوں میں لڑائی واقع ہوئی جس میں نواب زاہد خان نے شکست کھائی اور سیت پور چلا گیا۔ نواب عبدالعزیز خان دیوان کوڑامل کی نیابت میں داخل ہوا۔ نواب کو ملتان کا نائب ناظم مقرر کیا گیا۔ اس کی حکومت چھ ماہ چلی۔ اس دوران میں اس نے سدوزئیوں کی ناراضگی مول لی۔ قصہ مختصر سدوزئی ملتان کے ارباب بست وکشاد تھے، جب ۱۷۵۲ء میں علی محمد خان خوگانی ملتان کا منصب دار مقرر ہوا تو سدوزئیوں نے اس پر کڑی نظر رکھی۔ اس نے بھی سدوزئیوں کی پذیرائی اور حرمت داری قائم رکھی۔ لیکن جب اس نے سدوزئیوں کو آزردہ اور ناراض کیا تو اس کا اقتدار روبہ زوال ہوا اور بالآخر انہی کی شکایت پر اسے معزول کیا گیا بلکہ قتل کرا دیا گیا۔

نواب زاہد خان تقریباً دس سال سے زیادہ عرصہ تک ملتان کا حکمران رہ کر ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۷۴۹ء میں فوت ہوا۔ وہ ایک نیک دل، شریف الطبع اور منتظم شخص تھا۔ اس نے ملتان کے انتظامات حسن وخوبی سے چلائے۔ دولت اسے کبھی عزیز نہ تھی۔ فلاحی کام انجام دیئے مثلاً باغ لانگے خان خرید کر عوامی تفریح کے لئے وقف کر دیا۔ وہ سدوزئیوں کو بہت قدرو محبت کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور ان کی عزت وتوقیر رکھتا تھا۔ نواب زاہد خان علم دوست شخص تھا۔ مثنوی مولانا روم اور اور کیمیائے سعادت ساتھ رکھتا۔ ان کا بیشتر حصہ اس کی نوک زبان تھا۔ دوران گفتگو ان کے حوالے دیتا تھا۔

نواب زاہد خان کے دو فرزند تھے، نواب شاکر خان اور نواب عبدالعزیز خان جب عبدالعزیز حکومت نہ سنبھال سکا تو نواب شاکر خان نے لاہور

کچہری اور دیوان کوڑامل سے نائب نظامت کا پروانہ لے کر لوٹا۔ لاہوری لشکر کی مدد سے اس نے عبدالعزیز خان کو ہٹایا اور ملتان کی نظامت پر قابض ہو گیا۔

احمد شاہ ابدالی کے پنجاب، ملتان، ڈیرہ جات اور سندھ کے الحاق ۱۷۵۱ء سے قبل یہ تمام علاقہ لاہور کے منصب دار کے تحت ہوتا تھا اور مغل حکومت میں اس علاقے کی بہت تاریخی اہمیت تھی۔

جب مغلوں پر زوال آیا اور دیوان کوڑامل ناظم ملتان قرار پایا تو اس نے بہاول پور کے نواب بہاول خان اوّل سے معاہدہ طے کر کے ملتان کا جنوبی علاقہ دم داہن جو دریائے ستلج کے کنارے واقع ہے، نواب بہاول پور کو چار ہزار روپے سالانہ مستاجری پر دے گیا۔ اس میں لودھراں، میلسی، کروڑ اور دنیاپور کے علاقے بھی شامل تھے۔ بہاول پور کے نواب مبارک خان کے عہد میں ۱۷۵۰ء میں اس معاہدے کی تجدید ہوئی۔ نواب نے اس علاقے میں زراعت کے فروغ پر گہری توجہ دی، کئی انہار نکالیں۔ اسے اتنی آمدنی ہوتی تھی کہ اس نے کبھی یہ علاقے حکام ملتان کو واپس نہیں کئے جب مہاراجا رنجیت سنگھ نے ۱۸۱۸ء میں ملتان پر حملہ کیا تو اس نے جبراً یہ علاقے حاصل کر لئے۔

احمد شاہ دردران نواب زاہد خان کی صوبیداری کے دوران تختِ افغانستان پر متمکن ہوا۔ جب وہ ہندوستان پر حملے کے لئے روانہ ہوا تو سفر ملتان اختیار کرتے ہوئے ملتان سے چار میل کے فاصلے پر دریائے چناب کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ احمد شاہ نے زاہد خان کو طلب کیا لیکن اس نے مغلوں سے وفاداری کے سبب ملاقات سے انکار کر دیا۔ جس پر احمد شاہ کو دلی رنج ہوا۔ جب نواب معین الملک ولد وزیر قمرالدین خان لاہور اور ملتان کا صوبیدار مقرر ہوا تو اس

نے زاہد خان کو نظامت ملتان سے معزول کر کے دیوان کوڑا مل کو صوبیدار ملتان
مقرر کیا۔ نواب نے بغاوت کر دی اور جنگ کا ارادہ کر لیا۔ تمام افاغنہ نے اسے
بغاوت سے روکا۔ حتیٰ کہ اس کے دونوں لڑکے شاکر خان اور شجاع خان بھی اس
سے کنارہ کش ہو گئے۔ جب مغل فوج کوڑا مل کی سربراہی میں ملتان سے سات
کوس بطرف لاہور پہنچی اور اس نے خیمے نصب کر لئے تو زاہد خان کے لڑکے،
نیز عبدالعزیز خان بھی کوڑا مل سے جا ملے۔ ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء (موسم
خزاں) میں متی تل کے مقام پر تصادم ہوا۔ جس میں نواب زاہد خان نے
شکست کھائی اور چناب عبور کر کے سیت پور بھاگ گیا۔ اس طرح کوڑا مل کا قبضہ
ملتان پر ہو گیا۔ حالی انتظامات کے بعد لاہور روانہ ہونے سے قبل کوڑا مل نے
نواب عبد العزیز خان خدکہ سدوزئی کو نائب ناظم ملتان متعین کیا۔ نواب
عبدالعزیز خان ۱۱۰۷ھ مطابق ۱۶۹۵ء کو سلطان حیات خان کی چھوٹی چہیتی بیگم
سے جو کہ ہندی نژاد تھی، پیدا ہوا تھا۔ وہ تریسٹھ سال کی عمر میں نظامت پر مامور
ہوا، بہت زیرک اور عیار تھا، نہایت متمول تھا، بحیثیت ناظم ناکام رہا۔ چھ ماہ بعد
معزول کر دیا گیا۔ جس کا بڑا سبب معزز خوانین کے ساتھ اس کا ناز یبا سلوک تھا۔
خوانین نے مشترکہ طور پر اس کی شکایت معین الملک کو لاہور پہنچائی، اس نے
شکایت پر کان نہیں دھرے۔

زاہد خان نے ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۷۴۹ء سیت پور سے واپس آکر افغانوں
کی اعانت سے ملتان پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ عبدالعزیز خان لاہور بھاگ گیا
لاہور سے دیوان کوڑا مل کو اپنی مدد کے لئے لے آیا۔ سکھ سردار جیسا سنگھ
مغل فوج میں شامل تھا۔ مغل فوج حضرت شاہ شمس سبزواریؒ کے مزار

ریب خیمہ زن ہوئی۔ نواب اپنے بیٹے شجاع خان اور دیگر لشکر افاغنہ کے ساتھ
قلعہ بند ہو گیا۔ ادھر شاہ نواز خان مغل دربار سے پروانہ نظامت ملتان لے کر
تان کی جنوبی سمت سے وارد ہوا۔ اس نے نواب زاہد خان کو پیغام بھیجا کہ قلعے
سے باہر نکلئے، ہم مل کر کوڑامل پر حملہ آور ہوتے ہیں، چنانچہ ۱۱۶۲ھ مطابق
۱۷۴۹ء میں شاہ شمسؒ کے مزار کے قریب گھمسان کی جنگ ہوئی، جس
ں شاہ نواز خان اور عبدالعزیز خان مقابلے کے دوران مارے گئے۔ نواب زاہد
ان بوجہ کبر سنی قلعہ بند ہو گیا۔ البتہ شجاع خان نے کمال شجاعت کا مظاہرہ کیا۔
لآخر شہر اور قلعہ فتح ہو گیا۔ لیکن دیوان کوڑامل نے سیاسی چال چلتے ہوئے نواب
اہد خان کے بڑے بیٹے نواب شاکر خان کو ملتان کا نائب ناظم مقرر کر دیا اور خود
لاہور روانہ ہوا۔ اس جنگ کے تیسرے دن نواب زاہد خان نے وفات پائی۔
واب زاہد خان اعلیٰ درجے کا منتظم تھا، اس کے عہد میں امن و امان کا دور دورہ رہا
ور زراعت کے سبب ملتان خوشحالی کے دور سے گزرتا رہا۔

نواب شاکر خان :

نواب زاہد خان کی وفات پر نواب شاکر خان کو مودود خیل سدوزئیوں
کا سردار چنا گیا اور حسب روایت سلطان حیات خان کی حویلی میں محمد باقر خان
کہ سدوزئی نے اس کے سر پر دستار باندھی۔ اس دوران احمد شاہ درّانی کی
کومت کا ڈنکا چار دانگِ عالم میں بج رہا تھا اور ملتان کے افاغنہ کی نظریں دہلی کی
ئے قندھار کی جانب اٹھنے لگی تھیں۔ افغانستان میں سدوزئیوں کی حکومت
کے استحکام کے بعد لاہور کے منصبدار نے ڈر کر کوڑامل کی سفارش پر شاکر خان
معزول کر دیا اور اس کی جگہ خواجہ حسن خان کو ناظم ملتان مقرر کیا گیا۔ کچھ

عرصے بعد شاکر خان نے رحلت پائی۔ شاکر خان کے، ابراہیم خان کامران خیل سدوزئی کی بہن کے بطن سے دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکوں کے نام حسن خان اور حسین خان تھے۔

حسن خان :

روایات کے مطابق حسن خان کے سر پر سرداری کی دستار باندھی گئی۔ افسوس حسن خان عالمِ جوانی میں لاولد انتقال کر گیا۔ چچا شجاع خان نے مودود خیل سدوزئی تمن کی سرداری کا دعویٰ کر ڈالا اور شیش محل پر بھی قبضہ کر لیا۔ حسین خان کی آرزو تھی کہ وہ سردار بنے لیکن کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ معاملہ سلطان حیات خان کی حویلی تک پہنچا۔ باقر خان وفات پا چکا تھا چنانچہ خدکہ سدوزئی خاندان کے بزرگ باقر خان کے لڑکے محمد شریف خان نے دستار سرداری شجاع خان کے سر پر باندھ دی۔

نواب شجاع خان :

دستار بندی کے بعد ملتان کے افاغنہ کا سردار مودود خیل تمن میں نواب شجاع خان قرار پایا۔ یہ عین وہ وقت تھا جب احمد شاہ درران ۱۱۶۵ مطابق ۱۷۵۲ء میں ہندوستان پر فتح و ظفر مندی کا پرچم لہراتے ہوئے پنجاب ملتان، ڈیرہ جات، بھکر اور سندھ کے الحاق کا اعلان کر چکا تھا اور ملتان میں اپنی حکومت کی جانب سے علی محمد خان خوگانی کو صوبیدار مقرر کر چکا تھا۔ چنانچہ محمد زئی قبیلے کے علی محمد خان خوگانی نے ۱۷۵۲ء تا ۱۷۶۷ء نہایت شان و شوکت سے ملتان پر حکومت کی۔ اس کے عہد میں امن وامان قائم رہا۔ اصلاحات

ہوئیں۔ تجارت وزراعت میں نمایاں ترقی آئی۔ افاغنہ ملتان خوشحالی سے ہمکنار ہوئے۔ نواب شجاع خان ہمیشہ اس کے خلاف کوشاں رہا۔ بالآخر ۱۱۷۷ھ مطابق ۱۷۶۳ء میں وہ فتح اللہ خان سدوزئی کے تعاون سے منصب داری کا پروانہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور کچھ عرصے تک بر سر اقتدار رہا۔ لیکن چند مہینے بعد اسے ہٹا کر علی محمد خان خوگانی کو دوبارہ منصب دار بنا دیا گیا۔ اس کی منصب داری کے دوران ۱۲/ رمضان ۱۱۷۸ھ مطابق ۹/ مارچ ۱۷۶۴ء کو جھنڈا سنگھ اور گنڈا سنگھ نے ملتان میں کڑی سلطان حیات خان پر حملہ کر کے بڑی لوٹ مار اور غارت گری کی۔ علی محمد خان خوگانی اس موقع پر قلعہ بند ہو گیا اور اس نے ستم رسیدہ سدوزئی خاندان کی کوئی مدد نہیں کی۔ سکھ لوٹ مار کے بعد لوٹے اور جاتے ہوئے سردار محمد شریف خان سدوزئی کو گرفتار کر کے ہمراہ لے گئے جسے بعد میں احمد شاہ ابدالی نے تاوان ادا کر کے رہا کرایا۔ یہ شکایات پے در پے احمد شاہ تک پہنچیں۔ اس نے ۱۷۶۷ء میں ملتان کا دورہ کیا اور علی محمد خان خوگانی کو معزول کر دیا۔

اس صورت حال میں نواب شجاع خان دوبارہ ۱۱۸۱ھ مطابق ۱۷۶۷ء ملتان کا منصب دار مقرر کیا گیا۔ جو تین سال تک یہ فرائض ادا کرتا رہا۔ اس نے بہت سے شہر اور بستیاں تعمیر کیں اور آباد کرائیں۔ چناب اور ستلج سے نہریں نکالیں زراعت کو ترقی بخشی اور بہت شہرت و نام کمایا۔ نواب کی سخت گیری کے سبب ہر قسم کی بد عنوانی کا خاتمہ ہو گیا اور جرائم پیشہ لوگوں کا استیصال ہو گیا۔ مگر جب نواب شجاع خان حساب طلب کرنے پر افغان بادشاہ کو سالانہ خراج ادا کرنے سے قاصر رہا تو اسے صفر ۱۱۸۴ھ مطابق ۱۷۷۱ء کو منصب سے معزول

کر کے اس کی بجائے حاجی محمد شریف خان سدوزئی کو مصبدار مقرر کیا گیا۔

حسین خان ولد نواب شاکر خان ولد نواب زاہد خان :

جب حسین خان مودود خیل تمن کی سرداری سے محروم رہا اور شیش محل سے بھی شاکر خان نے اسے نکال دیا تو شدت افسردگی کے سبب وہ خمر میں مبتلا ہو گیا۔ البتہ وہ چار مہینوں، محرم، ربیع الاوّل، رمضان اور رجب میں صحیح الحال رہتا۔ وہ شجاع خان اور مظفر خان سے عموماً آزردہ خاطر تھا۔

۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۹۶ء ملے زئی پٹھانوں سے زمین کے ایک تنازعے میں حسین خان کا ایک محصل مارا گیا۔ نواب مظفر خان نے مارنے والوں کو نظر بند کر دیا۔ انتقاماً حسین خان نے اپنے آدمیوں کے ذریعے ملے زئیوں کے تین آدمی قتل کرا دیئے اور تین زخمی ہو گئے۔ احمد خان سدوزئی بھی جو حسین خان کا آدمی تھا، مارا گیا۔ اس سارے قضیے کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے مظفر خان نے حسین خان کے گھر پر محافظ مقرر کر دیئے اور قاتلوں کے بازو طلب کر لئے۔ حسین خان انکاری تھا۔ معاملے نے طول کھینچا۔ اس موقع پر حسین خان کی بہن بطور میلے یعنی (ننوات) نواب مظفر خان کے گھر گئی۔ اس طرح یہ ہنگامہ ختم ہوا۔ حسین خان نے نواب مظفر خان سے برادری موقوف کر دی اور مقاطعہ کر لیا۔ وہ ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۴ء میں فوت ہوا۔ اس کے تین لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ بڑا لڑکا نصر اللہ خان، احمد خان سدوزئی بہادر خیل کی دختر کے بطن سے پیدا ہوا۔ دوسرا لڑکا سعد اللہ خان اور تیسرا فیض اللہ خان اور تین لڑکیاں خانقاہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مجاور کی لڑکی کے بطن سے تھے۔ باپ کی وفات پر نصر اللہ خان لیاقت کا حامل تھا اور نواب سرفراز ولد

فر خان کا ہم نشین اور ہم صحبت تھا۔ وہ خوش خلق اور نیک اطوار تھا۔ باپ کی
م جاگیر اسے مل گئی۔ جب ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ
نے مع لشکر اپنے لڑکے کھڑک سنگھ کو سالاری میں ملتان پر لشکر کشی کی تو اس
ن ریز معرکے میں نصر اللہ خان کمال شجاعت سے لڑا اور اس نے شہادت
صل کی۔ یہ لاولد تھا۔ سعد اللہ خان اور فیض اللہ خان نہایت نالائق، بے پروا
. لاابالی طبیعت کے مالک تھے۔ جاگیر کا جو حصہ ملا اسے (تسخیر ملتان سے قبل)
یا۔ بعد میں حافظ احمد سدوزئی کے پاس ڈیرہ اسماعیل خان چلے گئے۔ وہاں کچھ
نہ مقرر کر دیا۔ اس پر گزر اوقات نہ ہو سکی تو خاندانی عزت و ناموس کی پروا
ے بغیر کاسۂ گدائی ہاتھ میں تھام لیا۔

باب نہم

سلطنت تیمور شاہ کا تذکرہ

احمد شاہ درددران کی وفات کی خبر پاتے ہی تیمور شاہ نے قندھار کا رخ کیا۔ ادھر شاہ ولی خان بامے زئی وزیر سلطنت نے بادشاہ کے پسر کلاں شہزادہ سلیمان کو جو کہ اس کا داماد بھی تھا دوسرے خوانین کی مشاورت کے ساتھ تخت پر بٹھادیا۔ چار کلغی والا تاج اس کے زیب سر کیا اور اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس دوران میں عبدالخالق خان سدوزئی کامران خیل احمد شاہ قندھار سے مخفی طور پر نکل گئے اس کو دیکھا دیکھی دیگر امراؤ خوانین نے بھی سلیمان خان کا ساتھ چھوڑا اور تیمور شاہ کا رخ کیا۔ تیمور شاہ قندھار پہنچا۔ حالات کا رخ پہچان کر شاہ ولی خان بامے زئی خود بھی تیمور شاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس کی غداری اور نمک حرامی پر تیمور شاہ نے اس کی، اس کے چار لڑکوں اور اس کے دوسرے طرف داروں کی گردن ماردی۔ جب تیمور شاہ قندھار کے دروازے پر پہنچا تو شہزادہ سلیمان نے بھائی کا استقبال کیا۔ تاج اس کے سر پر آراستہ کیا۔ تب تیمور شاہ شہر میں داخل ہو کر جلوس کی صورت میں قلعے میں وارد ہوا۔ تخت نشین ہوا۔ تمام سردار، امرأ، اکابر حاضر دربار ہوئے اظہار اطاعت کیا۔ بادشاہت کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔ خطبہ اور سکہ اس کے نام کا جاری ہوا سکے پر یہ الفاظ کندہ ہوئے:

چرخ می آرد طلا و نقرہ و خورشید و ماہ
تا کند بر چہرہ نقشِ سکہ تیمور شاہ

ور شاہ نے آئندہ کے لئے کابل کو دارالسلطنت قرار دیا۔ جب کابل کی سمت
ج کیا۔ بھائیوں کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی۔ ان سے میل جول اور ان
، لوگوں کی آمدورفت ممنوع تھی۔ تیمور شاہ کے ملکی انتظامات کو درست کیا۔
حات اور مہمات کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ وہ بہادر تھا مگر ظالم نہ تھا۔ علماء و فضلاً
ذر دان تھا۔ اسے پشاور بہت پسند تھا۔ موسم سرما کے دو ماہ وہاں گزارتا تھا۔

اس کے عہد میں دو مرتبہ سدوزئیوں نے بغاوت کی۔ ایک دفعہ
۱۱ھ مطابق ۱۷۷۵ء میں عبدالرحمٰن خان کامران خیل بہت سارے درانی
ر کے ساتھ چڑھ آیا۔ تیمور شاہ کے پاس لشکر قلیل تھا۔ اس نازک موقع پر
ر شاہ کی والدہ نے سر سے چادر اتار کر بدست خواجہ سرا، امرائے درانی کے
ں بھجوا دی کہ تم مختار ہو، میرے سر کو برہنہ رکھو یا ڈھانپ دو۔ تمام امرا نے
اق ہو کر کہا، یہ ہمارے لیے شرم و غیرت کا مقام ہے۔ ہم بغاوت کا سدباب
یں گے۔

دوسری مرتبہ ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۵ء اکبر خان ولد محمد خان ولد
لطان عبداللہ خان سلطان خیل خدکہ نے علم بغاوت بلند کیا۔ یہ بغاوت بھی کچل
ی گئی۔ اکبر خان نے راہ فرار اختیار کی اور قلات میر نصیر خان بلوچ کی جانب
وہاں سے پھر کابل آیا تو گرفتار ہوا اور قلعہ بالا حصار میں قید کر دیا گیا۔ ان
توں کے کچلنے میں بادشاہ نے اپنے حامیوں کو انعامات و اعزازات سے نوازا۔
اللہ خان سدوزئی کو وزیر سلطنت مقرر کیا۔ ملتان کے بعض سدوزئیوں کو بھی
مات بخشے گئے۔ اسی دوران میں اطلاع ملی کہ ڈیرہ اسماعیل خان کا ایک بلوچ
ار نصرت خان مال گزاری کے ادا کرنے سے انکاری ہے اور لوگوں پر

دست ستم دراز کرتا ہے۔ اس کی سر کوبی کے لئے ایک افغان لشکر بھیجا گیا
اخلاص قلی خان غلزئی کو حاکم ڈیرہ مقرر کیا گیا۔ افغان لشکر نے بزور شمشیر
فتح کیا اور نصرت بلوچ کو گرفتار کر کے کابل بھجوا دیا۔

اسی اثناء میں تیمور شاہ کو اطلاع دی گئی کہ سکھوں نے پنجاب اور ملتان
میں شورشیں برپا کر رکھی ہیں چناں چہ اس نے اس سکھ گردی کے قلع قمع کا
کیا۔

ملتان میں سکھ گردی (جنوری ۱۷۷۲ء تا جنوری ۱۷۸۰ء):

جنوری ۱۷۷۲ء میں گنڈا سنگھ نے ملتان پر قابض ہو کر بارہ ہزار ر
اضافی مالیہ ملتان پر عاید کیا اور جبراً اپنے لئے یہ رقم وصول کی۔ اس نے ملتان
مختلف دیہات کے حساب سے تقسیم کیا اور اپنے ماتحت سرداروں کے حو
کر دیا۔ ان سرداروں نے معمولی سے معمولی دیہات پر بھی زراعت کی آم
تین سے سات روپے ٹیکس عاید کیا اور وصولی شروع کر دی۔ جہاں ایک
ہے اور جس سے تھوڑی سی زمین کاشت ہوتی ہے وہاں تین روپے سے
روپے تک ٹیکس عاید کیا گیا جو سالانہ لگان سے اضافی تھا۔ سکھ ایک د
تھے۔ جاہل، بے عقل، غیر مہذب، ان کا پیشہ ڈاکہ زنی، لوٹ مار، قتل و
اور بھری بستیوں کی تباہ کاری تھا۔ پورا پنجاب ان غارت گروں کے زیر
مگر یہ اس علاقے کو نظم و نسق نہ دے سکے۔ تاریخی اور مذہبی عمارتیں م
دی گئیں۔ اذان پر پابندی لگا دی گئی۔ مسلمانوں کا مساجد میں جانا ممنوع
مساجد کو اصطبل میں بدل دیا گیا۔ مسلمانوں کی ہر قسم کی بے حرمتی
مسلمان ان مظالم کی تاب نہ لا سکے، انہوں نے قرب و جوار کی اسلامی

ں ہجرت کی، یا وہیں غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے۔

ملتان جو کبھی دارالامان تھا، بربادی کی عبرت ناک تصویر بن کر رہ گیا۔ ثر مسلمان امرا اور افاغنہ نے ریاست بہاول پور میں پناہ لی۔ سکھوں کی حرص و .س کا یہ حال تھا کہ انہوں نے آمدنی کی خاطر کروڑ، دنیا پور، فتح پور، دیپال پور ر ستلج کے غربی کنارے کا رقبہ بہاول پور کے داد پوتروں کو مستاجری پر دے ا۔ ملتان میں سکھوں کی غارت گری کا یہ عالم تھا مسلمانوں کے گھروں کے ڈھی والے دروازے مسمار کر دیئے گئے تا کہ لوٹ مار میں کوئی رکاوٹ مانع نہ ۔ مسجد علی محمد خان (ولی محمد خان) میں گرنتھ رکھ دی گئی۔ سکھ کوتوال شہر وہاں ھ کر عدالت قائم کرتا تھا جب جھنڈا سنگھ نے امرتسر کی طرف روانگی اختیار کی ، اس نے اپنے سکھ قلعہ دار کی حفاظت کے لئے سکھوں پر مشتمل فوجی دستہ قرر کر دیا۔

یہ حالات تھے جب احمد شاہ درددان نے وفات پائی اور تیمور شاہ تخت رائے سلطنت ہوا۔ ۱۷۷۳ء میں اس نے کابل کو نیا دارالسلطنت قرار دیا۔ ئی ڈیڑھ سال انتظامات ملکی کی درستی اور باغیوں کی سرکوبی میں مصروف رہا۔ دسمبر ۱۷۷۴ء میں اس نے سردار مدد خان اسحاق زئی کی سرکردگی میں ایک ر ملتان کی فتح کی غرض سے روانہ کیا اور خود اس کے عقب میں پنجاب کا رخ ۔ نواب شجاع خان نے اپنے لشکر سمیت سردار مدد خان کے لشکر میں شمولیت اور دونوں نے مل کر ملتان کے شہر اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ جھنڈا سنگھ جو جے کنہیا مثل کے سردار کے خلاف جموں میں فوجی مہم میں مصروف تھا اس لڑائی ارا گیا۔ ان حالات میں بھنگی مثل والے سکھ ملتان سکھوں کی امداد کے لئے

نہ پہنچ سکے۔ جھنڈا سنگھ کے بعد گنڈا سنگھ بھی جو بھنگی مثل کا سردار رہا دیوان سنگھ
فوج دار ملتان کی مدد سے قاصر رہا۔ ادھر تیمور شاہ لاہور تک پہنچ چکا تھا اور
مدد خان اسحاق زئی کا لشکر بس ملتان کو فتح کرنے ہی والا تھا کہ افغانستان کے
اندرونی حالات اور معاملات میں کچھ ایسی پیچیدگی پیدا ہوئی کہ بادل ناخواستہ
تیمور شاہ کو واپس جانا پڑا چناں چہ جنوری ۱۷۷۵ء میں لاہور سے مراجعت کا
اعلان ہوا اور مدد خان کو بھی حکم ہوا کہ محاصرہ اٹھا کر جلد کابل پہنچے۔ تیمور شاہ
نے چند ماہ پشاور میں قیام کیا۔ تیمور شاہ کو یہ علاقہ بہت پسند تھا۔ اس نے قلعہ بالا
حصار کی مرمت کرا کے اپنے لیے عالی شان عمارات تعمیر کرائیں اور اسے
دوسرے درجے کا دارالحکومت قرار دیا۔ وہ یہاں بیٹھ کر افغانستان کے اندرونی
معاملات درست کرتا رہا۔ جب وہ ۱۷۷۵ء میں یہاں اقامت پذیر تھا
معزاللہ خان مہمند نے کسی طرح قلعے میں داخل ہو کر بادشاہ کے قتل کی کوشش
کی۔ سہ پہر کا وقت تھا، بادشاہ محو خواب تھا اسے بیدار کر کے صورت حال سے
آگاہ کیا۔ وہ بہ عجلت ایک خفیہ راستے سے باہر نکل گیا اور اپنے افغان لشکر کو پکارا
اسی اثنا میں مدد خان اسحاق زئی ملتان کا محاصرہ اٹھانے کے بعد پشاور آ چکا تھا
مدد کو پہنچا اور اس نے معزاللہ خان مہمند اور اس کے ساتھیوں کو دردناک طریقے
سے قتل کیا اور ان کی لاشوں کے ٹکڑے کر ڈالے۔ ادھر نواب شجاع خان
ملتان سے شجاع آباد مراجعت کی البتہ اپنے لڑکے مظفر خان کو مع یار محمد ترین
کابل بغرض حصول پروانہ منصب داری بھیجا۔ یار محمد ترین کو اس معاملے میں
کی زیرکی اور دانش مندی کی وجہ سے وکیل مقرر کیا گیا تھا۔ یہ وفد تیمور شاہ
خدمت میں فتح اللہ خان سدوزئی وزیر سلطنت کو سفارش کے ساتھ برا...

ضر ہوا۔ تیمور شاہ نے نواب مظفر خان کو ڈیرہ غازی خان کی آمدنی میں سے پانچ
زار روپے کی ادائیگی کا پروانہ دیا لیکن فوجی امداد کے سلسلے میں سکوت اختیار کیا۔
ب یہ وفد واپس پہنچا تو نواب شجاع خان یار محمد خان ترین سے سخت ناراض ہوا
رہید سے اس کو مارا۔

اس کے بعد نواب شجاع خان خود عازم کابل ہوا اور وزیر سلطنت جو اس
ماموں تھا، کی مدد سے نظامت ملتان کا پروانہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا
۔ تیمور شاہ نے بطور امداد ایک فوجی لشکر سردار مدد خان اسحاق زئی کی
یر سرکردگی فتح ملتان کی غرض سے روانہ کیا۔ نواب بہاول پور کو بھی ہدایت کی
ا کہ وہ مع لشکر ان سے ساتھ مل کر شریک جنگ ہو۔ نواب بہاول پور تین ہزار
ڑ سواروں کے ساتھ ملتان روانہ ہوا اور اس طرح اس مشترکہ فوج نے شہر اور
لعے کا محاصرہ کر لیا۔

ذی الحج ۱۱۸۸ھ مطابق فروری ۱۷۷۵ء شہر ملتان فتح ہو گیا۔ قلعے
کے محاصرے کو اٹھارہ دن گزر گئے۔ قلعہ مفتوح نہ ہو سکا۔ اسی دوران میں گنڈا
سکھ لشکر کے ساتھ دیوان سنگھ کی مدد کے لئے ملتان آ پہنچا۔ اس صورت
ل میں نواب بہاول خان ثانی رکن الدولہ داد پوترہ بہاول پور کی جانب بھاگ
نواب مظفر خان بھی ہمراہ تھا۔ سکھوں نے تعاقب کیا۔ نواب نے اپنی
ت کی جانب رخ کیا جب کہ نواب مظفر خان نے ملتانی افغانوں پر مشتمل
رف ایک سو گھڑ سواروں کے ساتھ نہایت پامردی سے مقابلہ کیا۔ سکھوں
نڈا سنگھ کی سرکردگی میں شجاع آباد کا محاصرہ تین ماہ تک جاری رکھا۔ نواب
خان کے سپاہی تیر برساتے، نواب مظفر خان بیرونی دیہات سے ناگہانی

حملے کرتا۔ آخر گنڈا سنگھ کچھ رقم لے کر واپس چلا گیا۔ قلعہ ملتان کے محاصرے کے دوران تیمور شاہ کے قاصد نے سردار مدد خان کو عبدالخالق سدوزئی کی بغاوت کی اطلاع دی اور حکم پہنچایا کہ جلد واپس پہنچو۔ چناں چہ مدد خان واپس چلا گیا۔ نواب شجاع خان نے عالم یاس میں براستہ ڈیرہ غازی خان بہاول پور کا رخ کیا۔ پنجند کے مقام پر نواب بہاول خان ثانی نے اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ بہاول پور میں تھا کہ اسے اپنے بیٹے کی بہادری اور سکھوں کے محاصرہ اٹھا لینے کی خبر پہنچی نواب شجاع آباد پہنچ گیا اور چند روز کے بعد ۱۸/ رجب ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۶/ ستمبر ۱۷۷۵ء کو وفات پائی اور شجاع آباد میں دفن ہوا۔

نواب شجاع خان میں بہت سی انتظامی اور اخلاقی صفات تھیں۔ نہایت منتظم تھا لیکن ماتحتوں سے کام لینے میں سختی بھی اختیار کر لیتا تھا۔ اسے شہر آباد کرنے، عالی شان عمارتیں تعمیر کرانے اور باغ لگوانے کا نہایت شوق تھا۔ جاگیر بنانے میں بھی دلچسپی تھی۔ لوگوں پر نوازشیں کرتا تھا۔ خلافِ اسلام امور سے گریز کرتا۔ اس کا اتنا رعب و دبدبہ تھا کہ کسی کو اس کے روبرو اونچا بولنے یا تکلفانہ ہنسنے کی اجازت نہ تھی۔ وہ ہمیشہ نواب بہاول خان ثانی سے برابری کا برتاؤ کرتا تھا۔ وہ علی محمد خوگانی کے دربار میں کبھی حاضر نہ ہوا بلکہ اسے اپنے برابر سمجھتا تھا۔ اپنے مقابلے میں کسی سدوزئی یا غیر سدوزئی کو کوئی اہمیت نہ دیتا۔ کبھی کسی کے گھر چل کر نہ جاتا تھا۔ گویا اس کے اوصاف میں اپنے بارے میں ایک احساسِ تفاخر و ترجیح ہمیشہ قائم رہا۔

سکندر خان سدوزئی برادر تیمور شاہ کی بغاوت :

بعض افاغنہ نے جن کی طبیعت میں فساد انگیزی تھی۔ ۱۷۷۵ء میں تیمور شاہ کے برادر خورد سکندر خان کو شاہ کا لقب دے کر اس کی بادشاہت کا اعلان کر ڈالا۔بادشاہ نے بلا تاخیر فوجی دستہ بھیجا۔ شہزادہ سکندر کو کابل کے بالاحصار میں قید کر دیا گیا اور اس کے ساتھیوں کو جن میں بعض درانی (ابدالی) بھی شامل تھے، مثلاً ژال نیک بادوزئی، قتل کر دیا گیا۔

اسی طرح آزاد خان ولد کریم داد خان بامے زئی ناظم کشمیر نے جہل و نادانی اور حماقت آمیز خرد سالی کے سبب سیف اللہ خان سدوزئی ابن علی یار خان ولد سلطان عبداللہ خان کی معیت و امداد کے ساتھ بغاوت کی بلکہ اسے بادشاہت کا لالچ دیا۔ تیمور شاہ نے اطلاع پاتے ہی سردار مدد خان کو لشکر کشی کا حکم دیا۔ سردار مدد خان نے حملہ کیا۔ بعض قتل ہوئے، بعض بھاگ گئے۔ آزاد خان جان بچا کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا اور بھاگ کر راجہ بھنج (کشمیر کا ایک راجہ) کے پاس جا پہنچا۔ اس نے گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس بھجوانے کا ارادہ کیا لیکن آزاد خان نے خودکشی کر لی۔ اس طرح یہ ہنگامہ بھی فرو ہوا۔

ملتان کے احوال :

اکبر خان خدکہ سدوزئی کی بغاوت کے واقعے کے بعد تیمور شاہ نے اوّلین فرصت میں ملتان آنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہاں کے امور و احوال کو درست کرے اور وہاں کے سدوزئیوں پر خصوصی التفات کرے تاکہ آئندہ ایسا کوئی واقعہ رونما نہ ہو۔ لیکن انہی دنوں اکبر خان خدکہ کے قلات پہنچنے اور میر

نصیر خان کے دل میں باغیانہ خیالات پیدا کرنے کے سبب میر نصیر خان وفاداری سے منحرف ہو گیا۔ لیکن مناسب اقدامات و مصالح کے سبب جلد ہی میر نصیر خان سے مصالحت کی راہ نکل آئی۔ اس امر سے مطمئن ہو کر تیمور شاہ ۱۱۹۳ھ مطابق اکتوبر ۱۷۷۹ء کو کابل سے عازم ملتان ہوا تاکہ اس علاقے کو سکھوں سے آزاد کرائے۔ وہ جلد پشاور پہنچ گیا اور اس نے حاجی علی خان کو سفارت کے ساتھ سکھوں کے پاس بھیجا۔ سکھوں نے اسے قتل کر دیا۔ بادشاہ غضب ناک ہوا اور اس نے زنگی خان درانی کو ۱۸ ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ روانہ کیا جس نے رہتاس کے قریب سکھوں کو جالیا اور ان کا قتل عام کیا۔ عقب میں تیمور شاہ چلا اور ۱۷۸۰ء کو ملتان پہنچا۔ قلعہ و شہر کا محاصرہ ایک ماہ جاری رہا۔ نواب مظفر خان اپنے افغان دستے اور نواب بہاول پور اپنے بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ لشکر میں شامل ہو گئے۔ دوسری طرف بھنگی مثل کے سردار جسیہ سنگھ نے سکھوں کی امداد کے لیے ۱۵ ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ ملتان کا رخ کیا۔ جب اسے علم ہوا کہ شاہی لشکر نے ملتان کا محاصرہ کر رکھا ہے تو اس نے اپنے لشکر کی باگ شجاع آباد کی جانب موڑ دی۔ نواب مظفر خان اپنے علاقے کے دفاع کے لئے شجاع آباد کی طرف بڑھا۔ شجاع آباد سے باہر دونوں لشکروں میں تصادم ہوا۔ اسی دوران میں ایسی قیامت کی آندھی چلی کہ آدمی کو نظر نہ آتا تھا۔ اتفاقاً ایک ڈھول بجانے والا سکھ فوجی نواب کے سپاہیوں کے ہاتھ لگ گیا وہ اسے پکڑ کر نواب کے پاس لے آئے۔ نواب نے کہا کہ ہم تمہاری جان بخشی کر دیں گے اگر تم فوجیوں کو اکٹھا کرنے کی تھاپ پر ڈھول بجاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا، اس تھاپ پر ادھر دوڑے۔ فضا غبار آلود تھی۔ افغان سپاہی دورویہ کھڑے

جو سکھ آتا، اس کا سر قلم کر دیتے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں سر تن سے جدا ہو گئے۔ جب مطلع صاف ہوا تو سکھوں کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ ہزاروں سکھ قتل ہو چکے تھے۔ باقی سکھ لاہور کی جانب بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہ واقعہ ۱۱۹۴ھ مطابق ۱۷۸۰ء کا ہے۔ نواب نے تمام کٹے ہوئے سروں کو ریڑھیوں میں بھر کر تیمور شاہ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ بہت خوش ہوا۔ نواب مظفر خان کی یہ پہلی نمایاں کامیابی سکھوں کے خلاف عمل میں آئی۔ اس کے بعد نواب مظفر خان دوبارہ ملتان جا کر شریک محاصرہ ہو گیا۔ جب سکھ قلعدار کو اس ہوش ربا واقعے کا علم ہوا تو اس نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔

سکھ فوج میں ایک مسلمان عبدالکریم خان بابر شامل تھا، اس کی وساطت سے جان بخشی ہوئی اور طے پایا کہ قلعے کی ایک جانب سے تیمور شاہ داخل ہو گا دوسری جانب سے سکھ فوج نکل جائے گی۔ چناں چہ صفر ۱۱۹۴ھ مطابق فروری ۱۷۸۰ء افغان بادشاہ قلعۂ ملتان میں داخل ہوا اور پورے آٹھ سال کے تاریک ترین دور ستم کے بعد ملتان پر دوبارہ افغان علم لہرایا اور ملتان جون ۱۸۱۸ء تک نواب مظفر خان کے تحت ایک افغان صوبے کے طور پر قائم رہا۔

ملتان سے روانگی سے پہلے تیمور شاہ نے نواب مظفر خان کو صوبہ دار ملتان مقرر کیا۔ اسے نواب صفدر جنگ اور رکن الدولہ کے خطاب سے نوازا۔ بارہ ہزار روپے سالانہ وظیفہ مقرر کیا۔ شہر و قلعۂ ملتان کی مناسب مرمت کے لئے ایک لاکھ مزید عطا کئے۔ سپاہیوں کو بھی انعامات دیئے گئے۔ عبدالکریم خان بابر جس کی مدد سے فتح آسان ہو گئی تھی، نواب کا وکیل مقرر ہوا۔ اس کے بعد

ملتان کے حالات کی درستی اور دیگر انتظامی امور پر خاص توجہ دی گئی۔ ملتان کے مخادیم تیمور شاہ کے دربار میں حاضر ہوئے ان کے گزر اوقات اور مزارات کے تیل چراغ کے لئے انہیں جاگیریں عطا کی گئیں اور خلعت و انعام مرحمت ہوئے۔ مسلمانوں کی غصب شدہ جاگیریں واگزار کی گئیں۔ مسجد علی محمد خان اور دیگر مساجد کو گرنتھ سے پاک کر کے مناسب مرمت کرائی گئی۔ امام اور موذن مقرر کئے گئے۔ عام مسلمانوں کو ان کے شکستہ اور منہدم مکانات کی مرمت کے لئے رقوم دی گئیں جو مسلمان اور خصوصاً افغان افراد بہاول پور ہجرت کر گئے تھے ان کو بلا کر ملتان میں انہیں آباد کیا گیا اور ان کی مالی اعانت کی گئی۔ ملتان کے سدوزئیوں پر خاص عنایات کی گئیں۔ دین محمد خان خدکہ سدوزئی اور عظیم یار خان کو ہدایت کی کہ اپنے خانوادے کا خاص خیال رکھیں اور آئندہ باغیانہ سرگرمیوں اور انحرافی روّیوں سے اجتناب برتیں۔ تمام امور و معاملات کی بحالی اور درستی کے بعد تیمور شاہ کابل روانہ ہو گیا۔

بعہد تیمور شاہ سندھ کے حالات:

کلہوڑہ سردار میاں عبدالنبی (شاہ نواز خان) حکمران سندھ تھا اور احمد شاہ درردران کے زمانے سے خراج گزار تھا۔ میر ہنجار وغیرہ تالپوران دو تین پشتوں سے اس کی ملازمت سے وابستہ تھے۔ میر فتح علی خان تالپور وغیرہ میاں عبدالنبی کے خلاف آمادۂ سازش ہوئے۔ بغاوت کی، جنگ لڑی اور اسے سندھ سے خارج کر دیا اور سندھ پر قبضہ جمالیا۔ میاں عبدالنبی نے تیمور شاہ سے امداد چاہی۔ افغان بادشاہ نے مدد خان کو گھڑ سواروں کا ایک لشکر دے کر سندھ روانہ کیا۔ اس نے تالپوروں کو زبردست مات دی اور یہ شکست خوردہ سندھی ف

امر کوٹ (چولستان) بھاگ گئی۔ سردار مدد خان نے صحرا عبور کیا۔ قلعہ امر کوٹ جا پہنچا۔ امر کوٹ فتح ہو گیا اور میاں عبدالنبی (شاہ نواز خان) پروانہ شاہی کی رو سے دوبارہ سندھ کا منصب دار مقرر کیا گیا۔ اس پر سالانہ مالیہ نوے لاکھ ادا کرنے کی پابندی عاید کی گئی۔ مدد خان لوٹ گیا۔ تالپور دوبارہ عبدالنبی سے برسرپیکار ہوئے۔ اسے شکست دے کر سندھ پر دوبارہ قابض ہو گئے۔ عبدالنبی دوبارہ کابل کے دربار سے امداد چاہی اور یہ کئی بار ہوتا رہا اور افغان لشکر متعدد دفعہ سندھ پر حملے کرتا رہا۔ مگر آخری دفعہ ۱۲۰۲ھ مطابق ۱۷۸۸ء میں سردار مدد خان نیز احمد خان نورزئی اور بوستان خان سندھ آئے تالپوروں کو شکست فاش دی۔ لیکن میاں عبدالنبی سندھ پر مکمل قابو پانے میں ناکام رہا۔

اس صورت حال میں میر فتح علی خان تالپور نے آغا ابراہیم شاہ ایرانی کو خدمت شاہی میں بھیجا اور وزیر سلطنت اور امراَ کی وساطت سے استدعا کی کہ پروانۂ حکومت اسے عطا کیا جائے۔ اس سلسلے میں امراَ کو تحفے تحائف دے کر ان کی ہمدردیاں حاصل کیں۔ واجب الادا لگان کی تمام رقوم ادا کرنے اور مزید ایک لاکھ روپیہ سالانہ بطور نذرانہ پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ اس طرح بالآخر وہ ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۴ء میں سندھ کا پروانۂ منصب داری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

داؤد پوترہ زمیندار ڈیرہ جات اور بہاول پور ادائے مالیات میں غیر ذمہ داری اور سستی اختیار کرتے تھے اور افغان لشکر کو حرکت میں آنا پڑتا تھا۔ ۱۲۰۳ھ مطابق ۱۷۸۸ء میں تیمور شاہ کی براہ راست سرکردگی میں ایک کثیر د عظیم لشکر کابل سے روانہ ہوا۔ اس افغان لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار تھی جو بعد میں

اسّی ہزار تک پہنچ گئی۔ اس میں بارہ ہزار آلوس درانی، ایک ہزار قوم ترین، پانچ سو برچ، بارہ ہزار غلزئی، بارہ ہزار یوسف زئی، بارہ ہزار پانچ سو متفرق آلوس افاغنہ ، بیس ہزار عملہ و خاصہ غلام خانہ ازبک، ہزارہ، المان، قلماق، بلوچ وغیرہ شامل تھے۔ یہ لشکر پہلے پشاور پہنچا پھر اس نے ڈیرہ جات اور بہاول پور کا رخ کیا۔

یہاں سے قلعہ دراوڑ پہنچا۔ بہاول خان ثانی حکمران بہاول پور جیسلمیر بھاگ گیا۔ قلعہ بہ آسانی بلاجنگ و تصادم فتح ہو گیا۔ بہاول خان نے گفت و شنید کی، ہتھیار ڈال دیے۔ قاصد بھیج کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور لگان کی ادائی کا وعدہ کیا۔ ضمانت کے طور پر اپنا بیٹا تیمور شاہ کے حوالے لیا۔ بادشاہ اسے کابل ہمراہ لے گیا۔ اس پر عنایات کیں۔ اسے فرزند خان کے خطاب سے نوازا۔ ازراہ مہربانی لگان بھی معاف کر دیا۔ اس طرح یہ قضیہ طے ہو گیا۔

باب دہم

احوال صوبۂ ملتان

۱۷۵۲ء میں ملتان، احمد شاہ درّدران کے فرمان کے مطابق سلطنت
فغانستان کا حصہ قرار پایا تھا۔ اس وقت علی محمد خان خوگانی کو نواب کا خطاب
رحمت فرما کر صوبہ دار ملتان مقرر کیا گیا تھا اور اب تیمور شاہ نے مظفر خان کو
واب صفدر جنگ بہادر رکن الدولہ کا خطاب دیا اور ملتان کا ناظم مقرر کیا۔ نواب
محمد مظفر خان اپنے والد نواب شجاع خان کی وفات کے ایک ماہ بعد ۲۰ر شعبان
۱۱۸۰ھ مطابق ۱۸ر اکتوبر ۱۷۷۵ء کو اٹھارہ سال کی عمر میں شجاع آباد میں
سودوزئی خیل تمن کا سردار قرار پایا۔ اس نے اسی دن سے جدوجہد آزادی کی جنگ
سکھوں کے خلاف لڑنا شروع کر دی۔ صوبۂ ملتان کی حدود میں خود ملتان شہر کے
علاوہ، مظفر گڑھ جسے ۱۷۹۸ء میں نواب مظفر خان نے آباد کیا تھا اس کی جانب
دریائے چناب سرحد تھی، شرقی جانب دریائے راوی اور جنوب کی طرف
دریائے ستلج سرحد کا کام دیتا تھا۔ اس صوبے میں مظفر گڑھ، رنگ پور، مراد آباد،
خان گڑھ، غضنفر گڑھ، یہ تمام دریائے چناب کے پار کے علاقے شامل تھے جب
کہ لودھراں، میلسی، کروڑ، دنیاپور اور قبولہ، ستلج کے علاقے شامل تھے۔ مزید
علاقہ شجاع آباد صوبے کا حصہ تھا۔ صوبہ ملتان کا طول ۱۱۰ میل اور عرض ستّر
میل تھا۔ اس صوبے میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ عرصہ دراز سے پٹھان،
خصوصاً سدوزئی خاندان کے افراد نہ صرف باا ثر تھے بلکہ نواب زاہد خان کے بعد
سے یعنی ۱۷۳۸ء سے حکومت کرتے چلے آرہے تھے۔ ایک تہائی زمینداری

سدوزئیوں کی تھی۔ دریائے راوی سے سیراب ہونے والا رقبہ سارے ملتان کے علاقے میں بکثرت پیداوار کا حامل تھا۔ بعد میں چناب اور ستلج کے دریاؤں سے مختلف اوقات میں حکمرانوں نے انہار نکالیں اور یہاں کی زرعی زمین کو قابل کاشت اور زرخیز بنایا۔ سکھوں کے عہد میں ملتان کی خوشحالی کو نظر لگ گئی۔ کیا شہر، کیا دیہات، ہر طرف بربادی اور ویرانی کا سماں تھا۔ جب نواب مظفر خان کا عہد شروع ہوا تو انہار کو دوبارہ مرمت کر کے کارآمد بنایا گیا۔ زمین کی از سرنو کاشت کی گئی اور ملتان کو دوبارہ خوشحالی نصیب ہوئی۔

ملتان کو ایک مختصر سی اسلامی ریاست کہہ سکتے ہیں جس کی کل آمدنی ساڑھے پانچ لاکھ روپے تھی جس میں ڈھائی لاکھ بطور سالانہ خراج باقاعدگی سے بادشاہِ افغانستان کو بھیجا جاتا تھا باقی رقم سے دیگر اہم امور کے مصارف پورے ہوتے تھے مثلاً انتظامیہ اور فوج کے اخراجات، سدوزئیوں کے وظائف، بزرگانِ دین حضرت بہاء الدین زکریاؒ، حضرت رکن الدینؒ، حضرت شاہ یوسف گردیزؒ، حضرت شاہ شمس سبزواریؒ، حضرت موسیٰ پاک شہیدؒ کے مزارات کے تیل چراغ کا خرچ، متعلقہ مخادیم کو نقد یا جاگیر کی صورت میں ادائی، نواب مظفر خان کی فوج دو ہزار گھڑ سوار پر مشتمل تھی جس میں زیادہ تر افغان تھے۔ تین ہزار پیادہ جو مقامی لوگوں پر مشتمل ہوتی، بوقت ضرورت اکٹھی کر لی جاتی۔ اس طرح یہ تعداد کم و بیش ۱۰/ سے ۱۲/ ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ ۲۲/ چھوٹی توپیں بھی شامل تھیں۔ نواب نے شہر و قلعہ کی فصیلوں کو مرمت کر کے اپنی مسلم ریاست کو محفوظ تر کر لیا تھا۔ قلعے میں جہاں محلات شاہی تھے ان کو بھی مرمت سے مستحکم کیا۔ توپیں نصب کیں۔ مستقل فوج کی رہائش کی خاطر بارکیں

یں۔ اسلحہ خانہ تعمیر کیا۔ صوبیدار گھڑ سوار لشکر پر زیادہ توجہ صرف کرتا تھا۔ م و نسق میں سخت گیر تھا۔ فوجی اور انتظامیہ افسروں پر کڑی نگاہ رکھتا۔ خود الت لگاتا اور عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرتا تھا۔

نواب شجاع خان کی اولاد میں چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ بڑی بیگم ، بطن سے نواب مظفر خان، سکندر خان اور خان بی بی - دوسری بیگم سے غضنفر ن اور سنجر خان - مظفر خان اولاد میں سب سے بڑا تھا۔ وہ آغاز عمر ہی سے عت و لیاقت کا پیکر تھا جب کہ دوسرے بھائیوں کی طبیعت میں جنگ جوئی ، بے نیازی اور عیش و آسودگی سے زندگی بسر کرنے کا رحجان غالب تھا۔

یہ خانوادہ شہر آباد کرنے کا طبعی ذوق رکھتا تھا اور تعمیر پسند تھا۔ مثلاً ندر خان نے سکندر آباد تعمیر کیا۔ غضنفر خان نے غضنفر آباد، خان بی بی نے خان ہ، مظفر خان نے مظفر گڑھ (۱۷۹۸ء میں) اور مظفر آباد شہر آباد و تعمیر کئے۔ ب نے سلطان حیات خان سدوزئی کی اولاد کی حرمت و تکریم کی۔ عمدہ لقات استوار کئے کیوں کہ احمد شاہ درردران اس محترم خانوادے کی نہایت زت کرتا تھا۔ اگرچہ تیمور شاہ کے عہد حکومت میں سلطان عبداللہ خان کی لاد نے متعدد بار بغاوتیں کیں اور وہ بغاوتیں دبا بھی دی گئیں۔ مگر محمد باقر خان ر اس کے فرزند محمد شریف خان اور اسی طرح اس کے لڑکے دین محمد خان شہ امن پسند رہے اور تیمور شاہ کے ساتھ ساتھ ملتان کے مختلف حکمرانوں نے بھی ہمیشہ تعاون اختیار کرتے رہے۔ دین محمد خان معاصر نواب شجاع خان ے خانوادے کے افراد کو ہمیشہ ہدایت کرتے تھے کہ یہ سدوزئیوں کی حکومت ان سے تعاون بے حد ضروری ہے۔

شہزادہ علی محمد خان خدکہ سدوزئی :

شہزادہ علی محمد خان خدکہ سدوزئی مولف تذکرۃ الملوک عالی شان
فارسی (جو ۷؍ محرم الحرام ۱۲۵۱ھ مطابق ۵؍ مئی ۱۸۳۵ء ملتان میں پا
تکمیل کو پہنچا) دین محمد خان کے اکلوتے فرزند تھے اور نواب مظفر خان اور اس
کے بیٹے نواب سر فراز خان کے ہم عصر تھے، ہمیشہ اس حکومت سے کھلا تعاون
کرتے تھے۔ گو نواب سر فراز خان ان کی لیاقت اور علم و فضل سے حسد کرتے
ان کی قدر و منزلت سے چشم پوشی برتتے تھے حالانکہ نواب مظفر خان ان
تنبیہ کرتے کہ یہ تمہارے بھائی ہیں اور اس خانوادے میں بلند مقام اور عالی و
شخص ہیں۔

محمد شریف خان خدکہ سدوزئی ۷؍ ربیع الثانی ۱۱۸۹ھ مطا
۷؍ جون ۱۷۷۵ء میں فوت ہوئے تو ان کے فرزند کلاں، پیر محمد خان بعم
۱۸؍ سال سلطان حیات خان شاخ کے سربراہ مقرر ہوئے، نواب مظفر خا
نے اپنے ہاتھ سے ان کے سر پر دستار باندھی۔ گنڈا سنگھ اور جھنڈا سنگھ کے حم
ملتان کے موقع پر تمام سدوزئی افراد قلعہ شجاع آباد میں منتقل ہو گئے
محمد شریف خان کو سکھوں نے گرفتار کر لیا اور ہمراہ لے گئے۔ جب
پیر محمد خان مع افراد خانوادہ شجاع آباد میں اقامت پذیر ہوا۔ نواب شجاع خا
نے ان کے گزر اوقات کے لئے بارہ ہزار روپے بطور سالانہ وظیفہ مقرر کیا
نواب کی وفات کے بعد عہد مظفر خان میں بھی یہ وظیفہ تسلسل سے جاری ر
تعلقات کی اس عمدہ روش کے سبب دونوں خانوادوں میں بہت قربت
ہو گئی۔

پیر محمد خان نہایت وجیہہ و شکیل شخص تھا۔ ۲۲ر سال کا تھا کہ
ر ذی الحج ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۲ر فروری ۱۷۷۷ء میں شجاع آباد میں وفات پا
اس کی میت تدفین کے لئے آبائی قبرستان لے جائی جارہی تھی۔ یہ سکھوں
مد حکومت تھا۔ سکھوں نے لوگوں کا جم غفیر دیکھا مبہوت ہو گئے اور سب
تدفین کی رسم میں شرکت کی۔ پیر محمد خان لاولد تھا، اس کے بعد خدکہ
زئی خانوادے کی دستار اس کے چھوٹے بھائی دین محمد خان کے سر باندھی
۔ شہزادہ علی محمد خان دین محمد خان کا لڑکا تھااور باپ کی وفات پر خدکہ سدوزئی
ن کا سردار قرار پایا۔

ان لشکر کا بہاول پور ریاست پر حملہ :

سکھوں کے حملہ ملتان کے وقت نواب بہاول پور نے امداد سے گریز کیا
س لیے نواب مظفر خان نے اس کے خلاف تادیبی کارروائی کا فیصلہ کیا۔ ایک
ر عبدالکریم خان بابر کی سربراہی میں رات کے وقت ملتان سے روانہ ہوا۔ کسی
ح نواب بہاول پور کو پیشگی اطلاع مل گئی۔ اس نے دریائے گھارا کے کنارے
ملتانی لشکر کو للکارا۔ باہم لڑائی ہوئی۔ عبدالکریم خان بابر گولی لگنے سے مر گیا۔
نی فوج پسپا ہو کر شجاع آباد پہنچ گئی۔ بالآخر یہ باہمی تنازعہ اور چپقلش معاہدہٗ
ستی پر ختم ہوئی۔ محمد بہاول خان ثانی افغان بادشاہ کا باج گزار تھا۔ اس کے ذمے
جات تھے۔ نواب مظفر خان نے فتح اللہ خان سدوزئی وزیر سلطنت کی
اطت سے تیمور شاہ کے کان بھرے۔ تیمور شاہ نے اکتوبر ۱۷۸۰ء کو ایک
سردار مدد خان کی سرکردگی میں روانہ کیا۔ نواب بہاول پور کو افغان لشکر کی
کی خبر ملی تو وہ مع خاندان اور خزانے کے چولستان کے صحرا میں قلعہ دراوڑ

میں منتقل ہو گیا۔ افغان لشکر جب ڈیرہ غازی خان پہنچا تو نواب مظفر خان ا
لشکر سمیت اس میں شامل ہو گیا۔ بہاول پور پر حملہ ہوا۔ چند شہری قتل ہو
چند مکان مسمار ہوئے۔ شہر میں لوٹ مار ہوئی۔ پھر قلعہ دراوڑ کا رخ
خوراک کے انتظامات نواب کے ذمے تھے اس لئے وہ اس مقصد کے لئے
رہ گیا۔ بندوبست مناسب طور پر ہو گیا۔ صحرا میں کنویں کھودے گئے۔ میٹھا
نکل آیا۔ مدد خان نے قلعے کا محاصرہ کیا۔ نواب بہاول پور نے قلعہ بند ہ
بہادرانہ مقابلہ کیا۔ اتفاقاً قلعے کے اندر گولہ بارود نے آگ پکڑ لی۔ نواب بہ
خان پر یاس منڈلانے لگی۔ مدد خان نے بہ آسانی قلعہ فتح کر لیا۔ بہاول خان
مدد خان کے مابین معاہدۂ امن طے پایا۔ بہ ایں شرط کہ بہاول خان کا بیٹا مبا
خان تیمور شاہ کے پاس بطور ضمانت لے جایا جائے گا اور لگان کے بقایاجات
ادائی کی صورت میں رہائی پائے گا۔ اس طرح تیمور شاہ کی بالادستی قبول کر لی
اس واقعے کا اجمالاً ذکر پہلے آچکا ہے۔ یہ بھی طے پایا کہ سکھوں کے حملے کی صو
میں اس کی جانب سے فوجی مدد کی جائے گی۔ معاہدے کی تکمیل کے بعد ش
خان بادوزئی کو قلعہ دراوڑ کا ناظم مقرر کیا گیا۔ افغان بادشاہ واپس چلا گیا تو
بہاول پور دوبارہ آمادۂ شورش ہوا اس نے مقرر کردہ ناظم کو دراوڑ کے قلعہ
نکالا اور پہلے کی طرح قلعے پر قابض ہو گیا۔ شاہ محمد خان نے اپنی جاگیر د
میں جا کر پناہ لی اور نواب مظفر خان سے مدد چاہی۔ نواب نے سکوت اختیا
نواب مظفر خان باقاعدہ خراج ادا کرتا تھا جب کہ نواب بہاول پور نے ا
خراج میں کبھی باقاعدگی نہ برتی۔ کبھی کبھار تھوڑی بہت رقم بھجواتا اور بس

نواب بہاول پور کی چھیڑ چھاڑ صوبہ دار ڈیرہ غازی خان سے

...رکہ رقبے کے بارے میں رہتی تھی کیوں کہ اس نے بزور شمشیر ڈیرہ کے
...انی علاقے کو دبا رکھا تھا۔ وہ منصب دار افغان بادشاہ کا باج گزار تھا اس لئے
...اہ کو بار دیگر ادھر رخ کرنا پڑا۔ ۱۲۰۰ھ مطابق دسمبر ۱۷۸۵ء تیمور شاہ
...ر پہنچا۔ اس نے پہلے، بیس ہزار پر مشتمل لشکر شہزادہ ہمایوں اور مدد خان کی
...ردگی میں کشمیر روانہ کیا تاکہ آزاد خان کی بغاوت کو کچلا جائے۔ اس کے بعد
...ار احمد خان نورزئی کو ۱۲۰۰ھ مطابق ۱۷۸۶ء بہاول پور بھیجا تاکہ اس تازہ
...ش کو دبایا جائے۔ افغان لشکر نے براہ خان گڑھ دریائے چناب کو عبور کر کے
...ل پور پر حملہ کیا۔ مظفر خان نے بھی شمولیت اختیار کی۔ نواب بہاول پور پہلے
...رح قلعہ دراوڑ میں محفوظ ہو گیا۔ بہاول پور میں تھوڑی سی بربادی اور قتل و
...ت ہوئی اور وہاں کے مٹھی بھر سپاہیوں نے شکست کھائی۔ پرانے معاہدے
...ہدید ہوئی۔ باج گزاری کا از سر نو وعدہ ہوا۔ افغان بادشاہ کی بالادستی تسلیم کی
...ر افغان بادشاہ نے مراجعت اختیار کی۔

...ھوں کی ملتان پر یلغار:

ان واقعات نے نواب مظفر خان کی توقیر اور نیک نامی میں اضافہ کیا جو
...ان کے لئے باعث حسد ہوا۔ سکھ ۱۲۰۲ھ مطابق ۱۷۸۷ء میں ملتان پر
...ور ہوئے۔ نواب نے نہایت شجاعت سے ان کو ہزیمت سے دوچار کیا۔ پسپا
...وقت انہوں نے پھر تباہی مچائی۔ فصلیں تباہ کیں، دیہات کو لوٹا اور چھ
...ملتان کا گہوارۂ امن دوبارہ بدامنی کا شکار ہوا۔ نواب نے دوبارہ تیمور
...ے امداد چاہی تاکہ سکھوں کو عبرت ناک سزا دی جائے۔ اتفاقاً نواب
...خان وعدے کے برعکس ادائے خراج سے قاصر رہا۔ ادھر سندھ کے

حکمران تالپور بھی کئی سال سے خراج ادا نہیں کر رہے تھے۔ اندریں حالات
الاوّل ۱۲۰۳ھ مطابق دسمبر ۱۷۸۸ء افغان تاج دار مع لشکر پشاور روانہ
اس نے پیشگی نواب کو خوراک کے بندوبست کی ہدایت کی۔ سکھوں نے
لشکر کی آمد کی خبر سنی تو وہ بھگوڑے جنگلوں کی طرف بھاگ گئے۔ اب کے
لشکر کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ تیمور شاہ ڈیرہ غازی خان سے ہو
ہوئے خان گڑھ میں خیمہ زن ہوئے۔ خان گڑھ میں ملتان کے خدکہ خانوا
کے تمام افراد حاضر ہوئے اور اپنی اطاعت کا اظہار کیا۔

تیمور شاہ کی ریاست بہاول پور پر لشکر کشی :

اس کے بعد تیمور شاہ عازم بہاول پور ہوا۔ نواب بہاول پور حسب
سابق قلعہ دراوڑ میں قلعہ بند ہو گیا۔ اس مرتبہ بہاول پور شہر کو مکمل طور
تصرف میں لے لیا گیا۔ سردار مدد خان کو قلعہ دراوڑ بھیجا گیا۔ نواب اس کی
سن کر اپنے سردار عالم خان کو قلعہ دار مقرر کر کے ریاست بیکانیر بھاگ گیا
اس نے عزت رائے کو بطور وکیل افغان بادشاہ کے پاس اپنی وفاداری کی
دہانی اور بقایاجات کی ادائی کے وعدے کی تجدید کے لئے بھیجا۔ بالادستی
کرنے کا عہد کیا۔ نواب بہاول پور کے ایک معتمد، نور محمد خان بابر امین الملک
وساطت سے عزت رائے کو حاضری کی اجازت مرحمت ہوئی اور اس کی
ضمانت پر معاہدے کی تجدید ہوئی۔ طے پایا کہ مبارک خان ضمانت کے
بادشاہ کی تحویل میں رہے گا۔ معاہدہ طے پایا تو مبارک خان خود دس لاکھ
لے کر حاضر دربار ہوا اور واجبات کی قسط اوّل ادا ہوئی۔ تیمور شاہ نے
مسرت کے طور پر مبارک خان کو خلعت دی اور ملتان کے ماتحت لیے میں

ار روپے کی ادائی کا حکم دیا۔ بادشاہ نے اس کی عزت کی اسے سربلند خان کا
اب اور ریاست بہاول پور کا فرمان دیا اور اپنے ہمراہ کابل لے گیا۔ واپسی میں
ہ نے دوبارہ خان گڑھ قیام کیا۔ ملتان کے سدوزئی افراد حاضر ہوئے ان کے
اتب میں اپنی انتظامی اور وظائف مقرر کئے گئے۔ نواب مظفر خان نے کئی بار
راک کے بندوبست میں اپنی انتظامی صلاحیت اور عمدہ کارکردگی کا اظہار کیا تھا
لئے اظہار شادمانی کرتے ہوئے اس کے سالانہ مالیے میں سے ایک لاکھ کم
نے کا اعلان کیا۔ ادھر یہ گل کھلا کہ مالیات کے نگران نور محمد خان بابر نے جو
ب سے مخاصمت رکھتا تھا، بادشاہ کے کان بھرے کہ نواب کے ذمے تو بہت
رقم واجب الادا ہے۔ اس پر تیمور شاہ نے اس کے کہنے میں آکر نواب کو تین
ھ روپے سالانہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ نواب نے سر تسلیم خم کیا۔ اس حکم کو
ل کیا لیکن اس پر کبھی عمل نہ کیا۔ اس پر نور محمد خان نے نواب کے خدام کی
فتار کا حکم جاری کیا۔ مظفر خان روبرو آیا کہ میرے خدام کی بجائے مجھے گرفتار
جائے۔ جب یہ واقعات تیمور شاہ کے علم میں آئے تو اس نے سب کی رہائی کا
م دیا کیوں کہ بادشاہ کو ایک سدوزئی سردار کی گرفتاری اور وہ بھی روپے کی خاطر
ارا نہ تھی۔ اسے سدوزئیوں کی توقیر کا پاس تھا۔ اس نے نور محمد خان کو
رک دیا اور نواب مظفر خان کی صوبہ داری کا پروانہ دوبارہ جاری کیا گیا اور کمال
ربانی سے تمام واجبات بھی معاف کر دیئے گئے۔ جب شاہ نے بہاول پور اور
ان کے معاملات کی گرہ سلجھالی تو وہ سندھ کی جانب متوجہ ہوا کیوں کہ وہاں
حکمران کئی سال سے مالیہ ادا کرنے سے جی چرا رہے تھے۔ اس نے ایک لشکر
ھ کی جانب روانہ کیا جس نے مالیہ وصول کیا اور کامیاب لوٹا۔

تیمور شاہ آغاز سال ۱۷۸۹ء کابل روانہ ہوا۔ نواب مظفر خان نے ڈ
غازی خان تک مشائعت کی اور اس کی اجازت سے ملتان لوٹ آیا۔

تیمور شاہ کی ماور النہر پر لشکر کشی:

تیمور شاہ کابل پہنچا ہی تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ شاہ مراد ازبک وال
ماور النہر نے بلخ پر لشکر کشی کی ہے۔ تیمور شاہ کسی تاخیر کے بغیر اس کے سر پر
پہنچا۔ خوں ریز جنگ ہوئی جو تیمور شاہ کی غلط منصوبہ بندی کے سبب ناکامی پر
ہوئی۔ بادشاہ نے افضل خان ولد سردار مدد خان کو ایک لشکر کے ساتھ ا
توپ خانے کے عین آگے ایستادہ کر دیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ توپیں اس طرح گو
برسائیں کہ دشمن پر براہ راست جا گریں اور افضل خان اپنے سواروں کو نصف
دائیں، نصف بائیں پھیلائے، پیش قدمی کریں۔ ازبک فوج نے سبک رفتار
سے حملہ کر دیا اور جب افضل خان کا لشکر منصوبے کے مطابق آگے بڑھا تو ازبک
لشکر کی توپوں پر سیدھا آن پہنچا۔ توپیں داغی گئیں تو دوسری جانب افضل خا
کے سپاہی بہ عجلت دشمن والی جگہ پر پہنچ گئے۔ چند گولے اپنوں ہی پر گر
ہزاروں افغان مارے گئے اور ان کی امداد نہ ہو سکی۔ اس طرح بادشاہ
منصوبے کی خامی سے اپنی ہی فوج تباہ ہو گئی۔ دوسرے دن طرفین نے مصالح
کا آغاز ہوا اور طے پایا کہ جنگ بند کر دی جائے۔ شاہ مراد ازبک کے بھائی
تیمور شاہ سے معاملت کی اور دریائے آمو کو سرحد قرار دے دیا گیا۔ بادشاہ
کابل مراجعت کی۔ ازبک سردار کے بھائی کو ہمراہ لے گیا اور عزت و احترام
ساتھ انعامات سے نواز کر اسے واپس روانہ کر دیا۔

میاں عبدالنبی:

۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۱ء میں میاں عبدالنبی ملقب بہ میاں شاہ نواز سابقہ والی سندھ جسے میر فتح علی خان نے ۱۱۹۸ھ مطابق ۱۷۸۴ء سندھ سے نکال دیا تھا کابل میں تھا اور شاہی احسانات و عنایات سے ممنون تھا۔ شاہ نے اس کے احترامات و مناصب میں اضافہ کیا۔ علاقہ کچھی شمالی اور چولستان کی حکومت کا پروانہ اسے مرحمت فرمایا۔ وہاں اس وقت بلوچ میرانی اور جسکانی سردار برسر حکومت تھے جو ادائے مالیات میں تساہل پسندی سے کام لیتے تھے۔ تیمور شاہ نے حکم دیا کہ افغان لشکر عبدالرحیم خان ہوتی کی ماتحتی میں روانہ ہو اور کچھی شمالی میاں عبدالنبی کی تحویل میں دی جائے۔ ملتان اور ڈیرہ غازی خان کے حکام کو شاہی لشکر سے تعاون کا حکم بھی جاری کیا گیا۔

صوبہ کچھی شمالی و ڈیرہ اسماعیل خان:

اس صوبے میں تھل، بھکر، منکیرہ اور لیہ کے علاقے شامل تھے۔ یہاں میرانی اور جسکانی بلوچ برسر اقتدار تھے۔ اپنے اندرونی معاملات میں بااختیار تھے۔ احمد شاہ درردان افغان بادشاہ کی بالادستی قبول کر چکے تھے لیکن ادائے خراج میں تساہل سے کام لیتے تھے۔ ان پر لشکر کشی کا یہ پس منظر تھا۔

افغان لشکر نے منکیرہ کے سوا، جو ریگستان، تھل میں واقع تھا اور جہاں میلوں پانی دستیاب نہ تھا، سارا علاقہ فتح کر لیا۔ تمام جنگ جو بلوچ اس قلعے میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ نواب مظفر خان اور نواب قمرالدین خان نے امداد میں تساہل سے کام لیا۔ اس لئے افغان لشکر میاں عبدالنبی کے لئے منکیرہ فتح نہ

کر سکا۔ محاصرے میں طوالت پیدا ہوتی چلی گئی۔ تیمور شاہ نے نواب مظفر خان کو فوری امداد کی ہدایت کے لئے خان سر گانی کو اس کے پاس بھیجا۔ نواب نے محمد خان ولد یار محمد خان کو ملتان میں نائب ناظم مقرر کیا اور فوراً مہم پر روانہ ہو گیا۔ محاصرے کو نو ماہ گزر چکے تھے۔ نواب کے پہنچتے ہی موسم سرما ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۱ء میں قلعہ مفتوح ہو گیا۔ مظفر خان کی غیر موجودگی میں محمد خان سدوزئی نے نہایت لیاقت اور تدبر کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے۔ مکیرہ کی فتح کے بعد نواب مظفر خان نے ملتان مراجعت کی۔ ان دنوں تیمور شاہ پشاور میں تھا۔ اس نے نواب کی خدمات کے اعتراف کے طور پر سالانہ خراج میں سے پچاس ہزار روپے تخفیف کر دیئے۔ نواب نے فیصلہ کیا کہ وہ خود دربار شاہی میں حاضر ہو کر لگان کے واجبات میں سے مزید رقم کم کرائے۔ نواب نے دوبارہ محمد خان ولد یار محمد خان کو ملتان کا نائب ناظم مقرر کیا اور براہ ڈیرہ جات پشاور کا عزم کیا۔ محمد خان نے اسی خوش اسلوبی کے ساتھ فرائض ادا کئے۔

محمد خان سدوزئی مصبدار کچھی وڈیرہ اسماعیل خان :

محمد خان ولد یار محمد خان المعروف یارن خان ولد غازی خان ولد محبت خان ولد اسماعیل خان ولد بہادر خان فرزند ملک سدّو۔ بہادر خان کی اولاد بہادر خیل سدوزئی کے نام سے معروف ہے۔ محمد خان کی والدہ کا تعلق ترین قبیلے سے تھا۔ جب محمد خان پیدا ہوا تو یار محمد خان بوجوہ دماغی توازن کھو بیٹھا اور اس نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا۔ محمد خان نے اپنے خالو کے گھر پرورش پائی۔ بعد میں اس کی کفالت محمد شریف خان خدکہ نے کی۔ محمد خان بلوغت کو پہنچا تو اس نے سپاہ گری کا پیشہ اپنایا اور صوبہ دار ملتان کی فوج میں ایک سپاہی کی حیثیت سے بھرتی

ہو گیا۔ بعد میں محمد شریف خان نے اسے ایک گھوڑا عنایت کیا۔ چناں چہ وہ گھڑ سوار بنا اور نواب شجاع خان کے لشکر میں اسی حیثیت سے شامل ہوا۔ محمد خان بلند قامت اور چوڑے چکلے جسم کا مالک تھا۔ میدان جنگ میں سب کی توجہ کا مرکز بنا رہتا۔ نواب حاجی شریف خان کے عہد میں جمعدار کے مرتبے پر پہنچا۔

شریف بیگ تغلو کی صوبیداری ملتان کے دوران سدوزئیوں کی شریف بیگ سے جنگ ہوئی تو محمد خان لڑتا ہوا گرفتار ہو گیا۔ اسے قیدی بنا لیا گیا جب امن قائم ہوا تو محمد شریف خان خدکہ نے شریف بیگ سے ملاقات کر کے اپنی ضمانت پر رہا کرایا۔ جب شریف خان سدوزئی ناظم ڈیرہ غازی خان مقرر ہوا تو یہ اس کے پاس چلا گیا اور اس کے لشکر میں بحیثیت جمعدار ملازمت اختیار کر لی۔ جب تیمور شاہ تسخیر ملتان کے لیے آیا اور تمام سدوزئی افاغنہ شجاع آباد سے نکل کر اس کے استقبال کو پہنچے تو محمد خان ڈیرہ غازی خان سے افغان بادشاہ کے حضور پہنچا۔ تیمور شاہ نے اسے منصبِ دوصد عطا کیا۔ اس وقت محمد خان کے پاس کوئی اعلیٰ نسل کا گھوڑا نہیں تھا چنانچہ اس نے دین محمد خان خدکہ پسر محمد شریف خان خدکہ سے درخواست کی کہ وہ اسے ایک عمدہ گھوڑا مع پوشاک دیں۔ چنانچہ اس نے اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے محمد خان کو اس کی حسبِ خواہش ایک عمدہ گھوڑا مع پوشاک فراہم کر دیا۔ ۱۷۸۰ء میں سکھوں کے تصرف سے ملتان کو آزاد کرا لیا گیا اور تیمور شاہ نے ملتان کی منصبداری نواب مظفر خان سدوزئی کے سپرد کر دی۔ اسی اثنا محمد خان نے ایک روپیہ روزانہ پر مظفر خان کی ملازمت اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ بعد محمد خان نے مظفر خان سے کہا کہ نواب شجاع خان کہتا تھا کہ محمد خان نہ تو بھوکا اچھا ہے نہ پیٹ بھرا۔ میں بھوکا ہوں اب آپ کی

مرضی۔ اس پر نواب مظفر خان نے اس کا روزینہ دو روپے مقرر کر دیا۔ جب نواب مظفر خان بادشاہ کے حکم پر شاہ نواز خان حاکم کچھی کی سرکوبی کے لیے منکیرہ روانہ ہوا تو محمد خان کو نائب ناظم ملتان مقرر کر کے گیا اور واپسی پر اس کی انتظامی اہلیت کی بنا پر اس کی ترقی کر دی اور ماہانہ تنخواہ یک صد روپے مقرر کر دی۔ کچھ عرصہ میں محمد خان نے پانچ دس ہزار روپے جمع کر لیے۔ جب شاہ زمان ڈیرہ غازی خان آیا تو اس نے فوراً بھاگ کر اس کے دربار میں حاضری دی اور اپنے لیے منصب کی استدعا کی۔ شاہ زمان نے اسے سات صد روپے کا منصب عطا کیا۔ اب اس نے ملتان میں کچھ جاگیر خریدی اور تمام سدوزئیوں کے مقابلے میں ترقی کے زینے طے کرتا چلا گیا۔ لالہ آتمارام کو اپنا وکیل بنا کر کابل کے وزیر سلطنت رحمت اللہ خان سدوزئی کے پاس بھیجا کہ کوئی کام کار، خدمت وزیر سلطنت کی ہو تو بندہ (محمد خان) حاضر ہے۔ جو حکم نامہ ہو گا انشاء اللہ جا آوری ہو گی۔ اسی دوران شاہ زمان اور وزیر سلطنت میاں شاہ نواز خان حاکم کچھی شمالی سے ناراض ہو گیا کیونکہ وہ مالیہ شاہی خزانے میں جمع کرانے میں ناکام رہا۔ چنانچہ رحمت اللہ خان سدوزئی کی وساطت سے کچھی شمالی کی حکومت کا شاہی پروانہ محمد خان سدوزئی کے نام جاری کر دیا گیا۔ اب محمد خان کے بخت نے یاوری کی اور اس نے نواب مظفر خان سے اجازت لی اور اپنی جمعیت کے ساتھ شاہ نواز خان کو شکست دینے کی غرض سے لیہ جا پہنچا۔ دونوں کے درمیان سخت معرکہ آرائی ہوئی۔ دوران لڑائی شاہ نواز خان کا لڑکا مارا گیا اور دیگر بے شمار افراد قتل ہوئے۔ محمد خان نے بہادری کے جوہر دکھاتے ہوئے لیہ پر بذریعہ شمشیر قبضہ کر لیا۔ میاں شاہ نواز سندھ بھاگ گیا۔ اسی اثنا شاہ زمان شہزادہ ہمایوں کی بغاوت

کے سلسلے میں سخت پریشان تھا اور اس کے پیچھے ایک شاہی لشکر روانہ کیا ہوا تھا۔ شہزادہ ہمایوں براستہ بلوچستان سندھ داخل ہوا اور وہاں سے کچھی شمالی پہنچا۔ اس کی اطلاع ملتے ہی محمد خان ایک لشکر لے کر اس کے سر پر آن پہنچا۔ مابین طرفین سخت لڑائی ہوئی بہت سے آدمی مارے گئے۔ شہزادہ ہمایوں کا بیٹا بھی مارا گیا اور خود شہزادہ ہمایوں سدوزئی کو محمد خان نے قیدی بنا کر ۳/ دسمبر ۱۷۹۵ء کو شاہ زمان کے پاس پشاور پہنچا دیا۔ اس خوشی میں شاہ زمان نے محمد خان کو نواب کا خطاب دیا اور ایک شاہی پروانہ جاری کیا جس کے مطابق محمد خان سدوزئی کو ڈیرہ اسماعیل خان و کچھی شمالی کا مصبدار قرار دیا گیا۔ مزید یہ کہ محمد خان کو معین الدولہ سربلند خان ، بہادر فیروز جنگ کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔ علاوہ ازیں ۲۰/ ہزار سالانہ آمدن کی جاگیر بھی عطا کی گئی۔ اب محمد خان روز بروز ترقی کی منازل طے کرتا چلا گیا اور اس کی دولت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ محمد خان چوں کہ ایک قابل منتظم تھا اس لیے اس نے اپنے علاقے کا نظم و نسق نہایت عمدہ طریقے پر چلانے لگا۔ رہزنوں کی سختی کے ساتھ لشکر کشی کر کے سرکوبی کی گئی۔ اس طرح اپنے علاقے میں امن و امان قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جب اس نے زراعت کی طرف توجہ دی تو پیداوار میں اضافے کے ساتھ علاقہ کے لوگ خوشحال ہو گئے۔ اب بحیثیت مصبدار اس نے نواب محمد مظفر خان کو برابری کی سطح پر خطوط لکھنے شروع کیے جسے نواب مظفر خان نے برا منایا۔ محمد خان نے اپنے علاقے سے نکل کر قرب و جوار کے تمام علاقوں کو مسخر کرنا شروع کر دیا۔ علاقہ ٹانک جو کہ افغان نیازی تمن کا علاقہ تھا، تسخیر کر لیا۔ اس طرح علاقہ توار اور دامان کے علاقے بھی فتح کر لیے گئے۔ اب ہر طرف اس کا اقتدار تھا اور اس

کے دبدبہ سے لوگ کانپتے تھے۔ شاہ زمان شاہِ افغانستان نے کابل سے احکامات جاری کیے کہ تمام سدوزئی حکام ان سے ملاقات کے لیے پشاور پہنچیں اور اس نے کابل سے پشاور کا سفر کرنے کا پروگرام بنالیا تھا۔ چنانچہ نواب محمد مظفر خان ملتان سے پشاور کی طرف روانہ ہوا اور قیامِ ڈیرہ اسماعیل خان کے دوران نواب مظفر خان خیمہ زن تھا کہ محمد خان اس کے استقبال کی غرض سے حاضر ہوا۔ نقیب نے بلند آواز سے کہا نواب محمد خان معین الدولہ سربلند خان بہادر فیروز جنگ استقبال کے لیے حاضر ہوا چاہتا ہے۔ نقیب کی آواز سننے کے بعد نواب محمد مظفر خان بہت رنجیدہ اور خفا ہوا۔ جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو نواب محمد مظفر خان قالین پر بیٹھا ہوا تھا نیم ایستادہ ہو کر ہاتھ ملایا جسے نواب محمد خان نے برا منایا اور نواب مظفر خان سے کہا کہ وہ خدکہ خاندان کے افراد کو بہت عزت دیتا ہے اور اٹھ کر ملتا ہے، اپنے برابر بٹھاتا ہے، میرے ساتھ ایسا ناروا سلوک کیوں؟ جب کہ میں ایک علاقے کا مصبدار بھی ہوں۔ مظفر خان نے جواب دیا کہ ہمارے خاندان کا یہ دستور ہے کہ خدکہ خاندان والے خواجہ خضر کی اولاد ہیں اور ان کی تعظیم ہر سدوزئی کا فرض ہے۔ جب کہ تم میرے ملازم رہ چکے ہو اور یہ بھی نہ بھولنا کہ تمہیں گھوڑا اور زین خدکہ خاندان کے افراد نے فراہم کی تھی۔ بہر حال نواب محمد خان کچھ دیر بیٹھ کر ناراض ہو کر ڈیرہ اسماعیل خان چلا گیا اس کے بعد اس نے پھر نواب مظفر خان سے کبھی ملاقات نہیں کی۔ محمد خان کے جانے کے بعد نواب مظفر خان نے یہ شعر پڑھا

مکّر نا اہل را بر مسند خود جاء مدہ
کفش گر زریں بود بالائے سر نتواں نہاد

اس دوران اطلاع پہنچی کہ شاہ زمان کے خلاف بغاوت ہو گئی ہے اور سلطنت پر شاہ محمود کا قبضہ ہو گیا ہے۔ چنانچہ نواب محمد مظفر خان نے ملتان واپسی کا سفر اختیار کیا۔ اب شاہ محمود کی طرف سے ڈیرہ اسماعیل خان و کچھی شمالی کی حکومت کا پروانہ عبدالرحیم ہوتی کے حق میں جاری ہوا۔ جب عبدالرحیم خان نے اپنی جمیعت کے ساتھ ڈیرہ اسماعیل خان کا رخ کیا تو محمد خان اپنے لشکر کو ترتیب دے کر مقابلہ میں آیا۔ اطلاع ملنے پر کہ محمد خان جنگ کے لیے تیار ہے۔ عبدالرحیم خان نے اپنا وکیل سیف اللہ خان بالی جو اس سے پہلے محمد خان کا ملازم رہ چکا تھا کو ڈیرہ پر قبضہ کے لیے روانہ کیا۔ مگر سیف اللہ خان نے اپنے بھائی عظیم خان کو ڈیرہ کی مہم پر روانہ کیا اور خود پیچھے رہا۔ نواب محمد خان نے عظیم خان کو مار بھگایا اور بعد میں وزیر سلطنت کی وساطت سے شاہ محمود سے اپنے حق میں شاہی پروانہ مصبداری لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی طرح شاہ شجاع الملک کے عہد میں نواب محمد خان نے میر علی خان نورزئی کی بغاوت کا سنا تو ایک لشکر نواب مظفر خان اور نواب بہاول پور کی امداد سے تیار کر کے اپنے بھائی خدایار خان کی سرکردگی میں باغیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے باہر جنگ ہوئی جس میں میر علی خان نورزئی کو مار بھگایا۔ اب نواب محمد خان کی فوجیں سنگھڑ کی طرف روانہ ہوئیں اور بزور شمشیر سنگھڑ پر قبضہ کر لیا گیا۔ سنگھڑ کی ذمہ داری اسد خان بلوچ کے حوالے کی کیونکہ اسد خان بلوچ کی ہمشیرہ سے نواب محمد خان نے شادی کر رکھی تھی۔ سنگھڑ پر قبضہ کی اطلاع جب شاہ شجاع الملک کو ملی تو وہ ناراض ہوا۔ افغان تاجدار نے سنگھڑ کو چھڑانے کے لیے وزیر سلطنت محمد خان بامے زئی جو نواب محمد خان کا مرلی تھا درمیان میں آگیا اور بادشاہ کی اجازت سے محمد خان

سے بات چیت کر کے سنگھڑ کو نواب محمد خان سے خلاص کرا کر ناظم ڈیرہ غازی خان کے زیر تسلط کر دیا گیا۔ مگر محمد خان کی خاطر داری کے باعث سنگھڑ کی ذمہ داری اسد خان بلوچ کی جائز رکھی گئی۔ اس طرح مالیات کی وصولی محمد خان کرتا رہا۔ ڈیرہ غازی خان کے ناظم کا صرف نام ہی رہ گیا۔

جب پہلی دفعہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ملتان کا محاصرہ کیا تو نواب مظفر خان نے اپنے بیٹے ذوالفقار خان کو نواب محمد خان (سربلند خان) کے پاس ڈیرہ اسماعیل خان امداد کے لئے بھیجا۔ محمد خان نے ذوالفقار خان کی بڑی عزت کی اور مہمان داری میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی مگر لشکر کو جمع کرنے میں دیر لگادی تا آنکہ خبر پہنچی کہ سکھ چلے گئے ہیں۔ ان حالات میں ذوالفقار خان ملتان واپس چلا آیا۔

نواب محمد خان نے اپنی حکومت کو مستحکم کرنے کے لیے منکیرہ کے قلعے کی مرمت کروائی اور وہاں پر ایک فوجی دستہ تعینات کیا۔ منکیرہ چونکہ کچھی شمالی کا صدر مقام تھا اس لیے اس کے قلعے کے باہر چاروں اطراف ایک خندق بھی کھودی گئی اور اس کے قریب ایک اور قلعہ کی تعمیر بھی کی گئی۔ جس کا نام مبارک گڑھ رکھا۔ اس چولستان کے علاقے میں ہر پندرہ کوس کے فاصلے پر چار چھوٹے چھوٹے مزید قلعے تعمیر کروائے۔ ہر قلعہ میں جمیعت تعینات کی۔ نواب محمد خان نے چالیس پچاس چھوٹی بڑی توپیں تیار کروا کر مندرجہ بالا قلعوں میں آٹھ دس توپیں فی قلعہ کے حساب سے نصب کروادیں۔ ہر قلعہ میں وافر سیسہ بارود دیگر سامان حرب مہیا کر دیا گیا۔ اس طرح اس عسکری تیاری پر ایک لاکھ روپے سے زیادہ خرچہ کیا۔ مزید چار ہزار گھوڑ سوار و پیادہ ملازم بھرتی کیے اور ان قلعوں

میں انہیں تعینات کر دیا گیا۔ اپنے علاقے میں رہزنوں کی سر کوبی کی مثلاً ڈیرہ غازی خان کے علاقے میں واقعہ ضلع کرک کا زمیندار غلام محمد کلاچی رہزنی کا پیشہ اختیار کیے ہوئے تھا اور اپنے بھائی جمعہ خان ناظم ڈیرہ غازی خان کو بدنام کر رکھا تھا۔ نواب محمد خان نے غلام محمد کلاچی کے خلاف لشکر کشی کی اور اس کو کرک سے مار بھگایا اور کرک پر خود قبضہ کر لیا اور وہاں پر قلعہ تعمیر کیا جس کا نام سلامت گڑھ رکھا۔ اسی طرح آلوس گنڈہ پور داماں کے علاقے میں اپنے مظالم کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان پر بھی لشکر کشی کی اور انہیں سختی کے ساتھ دبا کر امن و امان قائم کر دیا۔

نواب محمد سربلند خانی معین الدولہ فیروز جنگ بہادر جب تک زندہ رہا اپنی بہادری اور سیاست کے بل بوتے پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی بالادستی کو تسلیم نہیں کیا اور اس کی زندگی میں رنجیت سنگھ کو اس کے علاقہ پر لشکر کشی کی جرأت نہیں ہوئی۔ البتہ کبھی کبھار جب کبھی سکھ لشکر نے اس کے علاقے کا رخ کیا تو کچھ رقم فوج کے سردار کو دے دلا کر بغیر جنگ کے واپس کر دیتا۔ اس طرح وہ اپنی عقل سمجھ اور سیاست میں اور ملکی کارگزاری میں یگانہ آفاق تھا۔ نواب صاحب کی عمر جب ۸۰ر سال سے تجاوز کر گئی تو ایک مرتبہ جب رنجیت سنگھ لشکر کشی کرتے ہوئے گوگیرہ میں خیمہ زن ہوا تو نواب محمد خان کی طرف اپنا وکیل مالیات کی وصولی کے لیے روانہ کیا تو نواب نے غصے سے کہا کہ رنجیت سنگھ اپنی سابقہ روایات سے تجاوز کر رہا ہے۔ وکیل کو برخاست کر کے اپنے گھر چلا گیا اور کچھ ساعت بعد اطلاع ملی کہ نواب محمد خان غصے کی حالت میں فوت ہو گیا ہے۔ نواب صاحب کو مبارک گڑھ میں دفن کیا گیا۔ نواب صاحب نے پانچ

شادیاں کی ہوئی تھیں، ایک بیوی حاجی سعادت خان ولد عبدالرحمٰن خان سدوزئی کی بہن تھی جو نواب صاحب کی زندگی میں فوت ہو گئی۔ دوسری بیوی مغلیہ خاندان سے تعلق رکھتی تھی اس کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ تیسری بیوی مصری خان ولد سردار خان پوپلزئی کی لڑکی تھی۔ چوتھی شادی بلوچ قبیلہ میں کی اور پانچویں شادی خواہر اسد خان نواسہ مسو خان بلوچ زمیندار سنگھڑ تھی۔ نواب محمد سربلند خان کی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ صرف ایک لڑکی تھی جس کی شادی اس نے حافظ احمد خان سدوزئی ولد عبدالرحمٰن خان ابن مومن خان سدوزئی سے کردی۔

حافظ احمد خان سدوزئی اور نواب شیر محمد خان سدوزئی منصب داران ڈیرہ اسماعیل خان و کچھی شمالی :

نواب محمد خان کی وفات پر مسندِ منصب داری کے لئے ایک تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بعض افاغنہ کی رائے تھی کہ نواب مرحوم کا بھائی خدایار خان اس منصب کے لئے موزوں ہے۔ بعض سرداروں کا خیال تھا کہ نواب کے داماد حافظ احمد خان کو جو شریف طبع اور کم گفتار تھا اس منصب پر مامور کیا جائے۔ آخر کافی بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ اس مندر پر نواب کے نواسے کو جو حافظ احمد خان کا بیٹا تھا بٹھایا جائے۔ اس کا نام شیر محمد خان سدزوئی تھا۔ اس سے قبل نواب نے اپنی حیات ہی میں عبدالصمد خان برادرِ کلاں شیر محمد خان کو اپنا ولی عہد مقرر کیا ہوا تھا۔ لیکن وہ نواب کی زندگی ہی میں بہ قضائے الٰہی فوت ہو گیا تھا چنانچہ اب تمام سرداران تمن افاغنہ جمع ہوئے اور بہ اتفاقِ رائے شیر محمد خان

دوزئی کو نواب کا خطاب دے کر مسندِ منصب داری پر فائز کیا۔ خواص، عوام، رام، سلام بجا لائے اور اظہارِ اطاعت کیا۔ حافظ احمد خان اپنی زندگی میں بیٹے کے نام پر حکومت کا نظم و نسق چلانے لگا اور نواب مرحوم کے بھائی خدایار خان معطل کر کے چھوڑا۔

حوال حکومت:

نواب محمد خان مرحوم کی وفات کے بعد اس کے برادرِ نسبتی علی محمد خان سکانی بلوچ نے علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ بلوچ قبیلے کے افراد اس کے ارد گرد اکٹھے و گئے۔ حافظ احمد خان نے ان کی سرکوبی کے لئے ایک لشکر روانہ کیا اور اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا اور قید میں ڈال دیا۔ حالتِ قید ہی میں اس کو موت نے آلیا۔

اس کے بعد دوسرا تاریخی واقعہ یہ ہوا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کا حملہ قوع پذیر ہوا۔ سکھ لشکر کچھی شمالی کی حدود تک آپہنچا اور اس نے قلعہ محمود کوٹ و فتح کر لیا۔ حافظ احمد خان نے اپنے وکیل کی معرفت سکھوں کو کچھ رقم دے لا کر انہیں اپنی سرحد سے باہر کر دیا۔

تیسرا واقعہ عبدالصمد خان بادوزئی جاگیر دار دائرہ دین پناہ کی بغاوت ی۔ اس نے نواب محمد خان مرحوم کے احسانات فراموش کر کے اور اس کی ائیوں کو طاقِ نسیاں پر رکھ کر بغاوت کا تہیہ کر لیا۔ اس کے خلاف بھی لشکر ہوئی اور اسے شکست دے کر مار بھگایا۔ اس کے بعد حافظ احمد خان نے اپنا ں کابل، شاہ محمود کی خدمت میں بھیجا اور اپنے بیٹے کے لئے پروانۂ منصبداری صل کر لیا۔ شاہ محمود نے شیر محمد خان کو نواب شاہ نواز خان کا خطاب مرحمت

کیا۔ حافظ احمد خان نے سرور خان کٹی خیل زمیندار ٹانک کے خلاف ایک لشکر روانہ کیا کیونکہ اس نے لگان کی ادائی سے انکار کر دیا تھا۔ اس لشکر نے جنگ کی کے سرور خان کٹی خیل کے بیٹے کو گرفتار کر لیا اور اسے یرغمال بنا لیا۔ دوسرے لوگوں کی دیکھا دیکھی نواب محمد خان کے بھائی خدایار خان نے بعض مفسدوں کا ساتھ ملا کر بغاوت اختیار کی لیکن حافظ احمد خان نے بروقت لشکر کشی کر کے اسے گرفتار کر لیا اور اس کے افرادِ خاندان سمیت اسے ملک علاقے سے نکال دیا اور ملتان روانہ کر دیا۔

جب ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء سکھوں نے ملتان پر قبضہ کر لیا تو تمام سدوزئی اور دیگر پٹھان خاندانوں کے افراد پناہ جوئی کے لئے ڈیرہ اسماعیل خان پہنچے۔ حافظ احمد خان نے ان سب کا پرتپاک استقبال کیا اور سب کے لئے بقدر حیثیت و مراتب خوراک، کپڑا اور روزینہ مقرر کر دیا۔ اس حسنِ سلوک سے اس نے عزت اور نیک نامی کمائی۔ افغان تاجدار کی جانب سے حکم نامہ موصول ہوا کہ ڈیرہ غازی خان پر لشکر بھیج کر اسے بارک زئیوں سے آزاد کرایا جائے۔ حکم شاہی کے مطابق حافظ احمد خان نے ایک لشکر ڈیرہ غازی خان روانہ کر دیا۔ سمند خان ناظم ڈیرہ غازی خان نے کسی مقابلے کے بغیر ہتھیار ڈال دیئے اور اس طرح حافظ احمد خان ڈیرہ غازی خان پر قابض ہو گیا۔ اس نے اسی طرح بنوں کے گردونواح میں بھی لشکر کشی کی اور وہاں کے سرداروں سے لگان وصول کیا۔

سکھ لشکر موقع بے موقع، بہانے تلاش کر کے، برابر تنگ کرتا تھا۔ ہر سال یہ لشکر نازل ہو جاتا لیکن حافظ احمد خان نہایت سمجھ داری اور حکمت عملی سے انہیں کوئی رقم ادا کئے بغیر واپس بھیج دیتا۔ ۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۱

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے بیٹے کھڑک سنگھ کی ماتحتی میں ایک زبردست لشکر ڈیرہ اسماعیل خان کی جانب بھیجا۔ اس لشکر نے کھڑی فصلوں کو بہت نقصان پہنچایا اور دیہات کی آبادی میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا اور بغیر لڑائی کے واپس چلے گئے۔ اگلے سال ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۲ء مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بذاتِ خود ایک لشکر جرار کے ساتھ قلعہ مبارک گڑھ کا رخ کیا۔ یہ قلعہ چولستان میں تھا۔ اس کے اردگرد پانی کی قلت تھی۔ حافظ احمد خان نے اس مقام کو ہر طرح سے محفوظ تصور کرتے ہوئے اپنی قرارگاہ بنا رکھا تھا۔ رنجیت سنگھ نے چولستان میں جا بجا کنویں کھدوائے اور اپنے لشکر کے لئے پانی فراہم کر لیا اور اس نے قلعہ مبارک گڑھ کا محاصرہ کر لیا۔ جو پندرہ روز جاری رہا۔ وہ سرداران جو سکھوں کے حملہ ملتان کے دوران ہنسی اڑاتے تھے، اب رنجیت سنگھ کے لشکر کی گولہ باری سے خوفزدہ تھے۔ حافظ احمد خان انہیں جنگ کی ترغیب دیتا مگر سکھوں کی ہیبت ان کے دل پر طاری ہو چکی تھی۔ وہ لڑنے کے لئے آمادہ نہ تھے۔ ان حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے نواب نے اپنے وکیل بھیجے اور مہاراجہ کے ساتھ ایک صلح نامہ طے پا گیا اور دستخط ثبت ہو گئے تھے۔ معاہدے کی رو سے قلعہ مبارک گڑھ مع اسلحہ و توپ خانہ رنجیت سنگھ کے حوالے کر دیا گیا اور اس کے عوض مہاراجہ نے باقی علاقہ، ڈیرہ اسماعیل خان، بھکھی، داماں وغیرہ نواب حافظ احمد خان کو بخش دیا اور طے پایا کہ وہ مہاراجہ کا جاگیردار بن کر حکومت کرے گا۔ اسے یہ بھی اجازت دے دی گئی کہ وہ مبارک گڑھ سے اپنا اور دیگر افغانوں کا اسباب ڈیرہ اسماعیل خان منتقل کر سکتا ہے۔

سکھوں کے حملے کے دوران بھکر کے قرب و جوار کے بلوچ

سرداران، جاگیرداران بے وفائی اور غداری برتتے ہوئے مہاراجہ سے جا
تھے چنانچہ فتح مندی کے بعد مہاراجہ نے منکیرہ، مبارک گڑھ اور بھکر کے نوا
علاقوں کی جاگیریں ان سرداروں کو عطا کر دیں۔ انہوں نے اپنے دیگر بلو
رشتہ داروں کو اس علاقے کی جاگیر پر قبضہ کرنے کے لئے سندھ اور بلوچستا
سے بلالیا۔ جب یہ لوگ بھکر کے علاقے میں پہنچے تو چند افغانوں نے مزاحمت
بلوچ تعداد میں زیادہ تھے اس لئے اس تصادم میں بلوچوں نے افغانوں کو قتل
دیا۔ جب حافظ احمد خان کو اس حادثے کی اطلاع ملی تو اس نے ڈیرہ اسماعیل خا
سے ایک افغان جمعیت بلوچوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کی فریقین میں خوں ر
جنگ ہوئی۔ افغانوں نے بلوچوں کو شکست دی اور بہت زیادہ تعداد میں بلو
مارے گئے۔ باقی شکست کھا کر سندھ کی جانب بھاگ گئے۔

جیسا کہ اس سے پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ اس واقعے سے قبل حاف
احمد خان نے سرور خان کٹی خیل زمیندار ٹانک کو اس کی سرکشی اور لگان کی عد
ادائی پر شکست دی تھی۔ اب رنجیت سنگھ کر کامیابی سے سرور خان کے حوص
بڑھ گئے۔ اس نے اپنے بیٹے اللہ داد خان کو ڈیرہ اسماعیل خان کی تسخیر کے
روانہ کیا کیونکہ وہ رحمت خان سے اپنی گزشتہ شکست کا بدلہ چکانا چاہتا تھا۔ ڈ
اسماعیل خان کے شہر اور قلعے کی فصلیں دریائے سندھ میں طغیانی اور سیلاب
باعث زمین بوس ہو چکی تھیں اور لوگ بیرونِ شہر سکونت اختیار کئے ہوئے
اور ان کی حفاظت کے لئے کوئی دیوار نہ تھی۔ جب اللہ داد خان اپنے لشکر
ساتھ شہر پر حملہ آور ہوا تو حافظ احمد خان نے تمام افغانوں پر مشتمل لشکر شہر
باہر مدافعت کے لئے بھیج دیا۔ اللہ داد خان مع توپ خانہ آیا تھا۔ جب طرفین

ـنک چھڑی اور توپیں گولہ باری کرنے لگیں تو حافظ احمد خان کے جری اور
یر دل گھڑ سوار نیام سے تلواریں نکال کر شیروں کی مانند جھپٹے اور ان کو تہہِ تیغ
رنا شروع کر دیا۔ اللہ داد خان نے شکست کھائی اور وہ اپنی توپیں چھوڑ چھاڑ
ماگ نکلا۔ حافظ احمد خان کی فوج کو جو مالِ غنیمت ہاتھ لگا اس میں پانچ توپیں
یک ہاتھی بھی تھا۔ یہ واقعہ ۱۲۳۸ھ مطابق ۱۸۲۲ء میں ظہور پذیر ہوا۔ اس
فر مندی کے نتیجے میں دامان کے باشندوں پر حافظ احمد خان کی دھاک بیٹھ گئی۔
سال بعد ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء میں نواب احمد خان سدوزئی ناظم ڈیرہ
ماعیل خان پچاس سال کی عمر میں مرضِ استقسا میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا۔
ب تک وہ زندہ رہا، عزت اور شان و شوکت کے ساتھ رہا۔ خدا نے اس کی
ظمت کی حفاظت کی اور فتح و کامرانی اس کے قدم چومتی رہی۔

نواب محمد خان (سربلند خان معین الدولہ فیروز جنگ بہادر) کی بیٹی
ـے بطن سے حافظ احمد خان کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ اگرچہ
محمد خان نے دوسری شادی اسد خان بلوچ کی بہن سے کی تھی لیکن اس کے بطن
سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ احمد خان کا تابوت ملتان لایا گیا اور مقبرہ آباؤ اجدادِ شاہ
ـسین خان میں دفن کیا گیا۔ ابدالی مسجد جسے شاہ حسین خان نے تعمیر کرایا تھا،
ـے ساتھ اپنے بھائی اللہ داد خان کی وفات پر شاہ حسین خان نے جو مقبرہ
تھا، اس کے ساتھ ہی تقریباً چھ کنال کا رقبہ بغرض قبرستان سدوزئیوں کے
وقف کر دیا گیا تھا۔ اس لئے سدوزئی بالعموم اسی قبرستان میں دفنائے جاتے

نواب احمد خان کی دختران میں سے ایک دختر حیات اللہ خان پسر خدایار

خان برادر احمد خان کے عقد میں تھی۔ دوسری دو بیٹیاں محمود خان ولد محمد خان پسر حاجی عظیم یار خان سلطان خیل خدکہ کے بیٹوں کے ساتھ، جو اس کے بھانجے بھی تھے، بیاہی گئیں۔ احمد خان کے بیٹوں سے بڑا بیٹا نواب شیر محمد خان سدوزئی جس کا لقب شاہ نواز خان تھا، ڈیرہ اسماعیل خان کا منصب دار مقرر کیا گیا۔ احمد خان کے دوسرے بیٹے کا نام عبدالرحیم خان اور تیسرے کا عبدالکریم خان تھا۔

نواب شیر محمد خان سدوزئی منصب دار ڈیرہ اسماعیل خان :

باپ کے انتقال پر نواب شیر محمد خان سدوزئی ڈیرہ اسماعیل خان کا منصب دار قرار پایا۔ شروع کے ایک دو سال وہ اپنے اہل کاروں کی اعانت سے نظم و نسق چلاتا رہا کیونکہ باپ کی وفات کے وقت وہ جوانی کی عمر کو نہ پہنچا تھا تاہم وہ جلد ہی امورِ حکومت سمجھنے لگا اور آہستہ آہستہ اس میں تدبر پیدا ہوتا چلا گیا اور اس نے تمام انتظاماتِ حکومت اپنے دستِ اختیار میں لے لئے۔ اس نے تمام سرداروں کو جو احمد خان کی وفات کے بعد امورِ حکومت میں دخیل تھے بلکہ سیاہ سفید کے مالک بنے ہوئے تھے، برطرف کر دیا اور اپنی مرضی سے نئے حکام اور خدام مامور کئے۔ نواب شیر محمد خان جسمانی طور پر نہایت قوی ہیکل، شہہ زور پہلوان تھا کبھی کبھار عالمِ جذب و جنوں میں وہ گفتار میں ناگفتنی کہنے لگتا اور کردار میں ناکردنی کرنے لگتا تھا۔

نواب دو مرتبہ لاہور بھی گیا تھا ایک بار اپنے والد کی زندگی میں دوسری بار اس کی وفات کے بعد۔ جب وہ بحیثیت حکمران لاہور گیا تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس کی خاطر مدارات کی، دربار میں اپنے برابر والی مسند پر

عزت و تکریم کے ساتھ اسے رخصت کیا۔ اس نے قیامِ لاہور کے دوران نواب سر فراز خان سدوزئی سے بھی ملاقات کی۔ چوں کہ نواب بلحاظ عمر بڑا تھا اس لئے شیر محمد خان از راہِ تکریم خود اس کے پاس چل کر گیا۔ اس کے جواب میں، بعد میں نواب سر فراز خان سدوزئی باوجود اپنی بزرگی و کبرسنی کے شیر محمد خان کی خیریت طلبی کے لئے اس کی قیام گاہ پر گیا۔ ان ملاقاتوں میں دونوں نے ایک دوسرے کی نہایت تکریم و تعظیم کی۔

امورِ حکومت:

نواب احمد خان سدوزئی ایک باہمت اور جرأت مند شخص تھا۔ اس کے آباؤ اجداد کے زمانے سے یہ رسم جاری تھی کہ جو افغان موسمِ سرما کی یخ باری سے اپنے مویشی بچانے کے لئے غزنی سے ڈیرہ اسماعیل خان کی چراگاہوں کی جانب لاتے تھے وہ منصب دار ڈیرہ کا لگان کی صورت میں کچھ رقم ادا کر دیتے تھے۔ اب کے اس نظامت کے دوران جب آلوس افاغنہ اس مقصد سے اس جانب آئے تو مقررہ رقم ادا کرنے سے منحرف ہوگئے۔ یہ تعداد میں کوئی بیس ہزار تھے اس لئے مخالفت پر آمادہ تھے۔ نواب شیر محمد خان نے ایک ہزار سواروں کے ساتھ ان پر شب خون مارا۔ ساری رات خوں ریز جنگ میں گزری۔ سینکڑوں قتل ہوئے اور ہزاروں مجروح۔ مخالفوں کے خیموں کی طنابیں کاٹ دی گئیں۔ نواب نے ذاتی طور پر شجاعت کے جوہر دکھلائے اور آلوس افاغنہ کو شکستِ فاش ہوئی۔ صبح سویرے آلوس افاغنہ کی خواتین سروں پر قرآن اٹھائے خیموں سے نکلیں اور نواب کے سامنے منت و زاری کی اور معافی کی استدعا کی۔ نواب نے عورتوں کو اس کیفیت میں دیکھ کر عفو و درگزر سے کام

لیا اور معافی دے دی۔ نواب کا لشکر صرف ایک ہزار پر مشتمل تھا جبکہ مخالفین بیس ہزار کی کثیر تعداد میں تھے۔ اگرچہ نواب کے لشکر سے چند افراد قتل اور سو کے قریب زخمی ہوئے لیکن اس معرکے میں شاندار کامیابی پر نواب کی دھاک تمام علاقے میں بیٹھ گئی۔ نواب اس واقعے کے بعد ڈیرہ اسماعیل خان واپس آگیا۔ اس واقعے سے پوندوں، کوہ نشینوں اور دامان والوں پر نواب کا اتنا دبدبہ طاری ہوا کہ اس کے بعد انہوں نے بغاوت کی کبھی ہمت نہ کی اور ہمیشہ وفاداری اور اطاعت کا دم بھرتے رہے۔

دوسرا واقعہ جو ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۸۳۳ء میں پیش آیا وہ ٹانک کے جاگیردار کی بغاوت تھی، نواب لشکر لے کر اس کی سرکوبی کے لئے جا پہنچا۔ راستے میں ایک قلعہ پڑتا تھا۔ اس پر قبضہ کیا اور آگے بڑھ کر ٹانک کا محاصرہ کر لیا۔ جب جاگیردار ٹانک کی مدد کے لئے کوئی نہ آیا تو اس سے ہتھیار ڈال دئے اور معافی کا طالب ہوا۔ نواب نے اس سے تاوانِ جنگ وصول کر کے اسے معاف کر دیا اور محاصرہ اٹھالیا۔ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ء تک اس کے علاقے میں کسی نے دم نہ مارا اور کسی کو سرکشی کی نہ سوجھی۔

نواب کی شادی دختر خدایار خان برادر نواب محمد سربلند خان سے ہوئی اس خاتون کے بطن سے صرف ایک لڑکی ہوئی۔ نواب کی دوسری شادی دختر حبیب اللہ ولد وزیر اعظم وفادار خان سدوزئی کامران خیل سے ہوئی۔ جس کے بطن سے ایک لڑکا سرفراز خان اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ نواب شیر محمد خان کی تیسری بیوی اسد اللہ زمیندار بلوچ سنگھڑ کی دختر تھی۔

باب یازدہم

تیمور شاہ کی پشاور آمد اور وفات

شاہ زمان اور اس کے بعد کے واقعات

سرما ۱۲۰۷ھ مطابق ۱۷۹۲ء میں تیمور شاہ پشاور آیا اور اپنے اس قیام کے دوران وہ علیل رہنے لگ گیا۔ چنانچہ جلد ہی اسے بیماری کے دوران کابل کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ کابل پہنچ کر تیمور شاہ ۱۲۰۸ھ مطابق ۱۸/ مئی ۱۷۹۳ء کو وفات پا گیا۔ اسے کابل کے باغ میں دفن کیا گیا۔ تیمور شاہ نے کئی شادیاں کیں اس کی اولاد میں ۳۵ لڑکے اور ۶ لڑکیاں تھیں۔ ۳۵/ شہزادوں میں سے دو لڑکے، بڑا محمد ہمایوں حاکم قندھار اور شاہ محمود حاکم ہرات دارالحکومت سے دور تھے۔ باقی سب کابل میں تھے۔ بادشاہ کی وفات کے بعد تمام امرأ کا مشاورتی اجلاس نئے بادشاہ کے بارے میں منعقد ہوا۔ تیمور شاہ کی چہیتی بیوی جوان پر (دختر شرہت علی) نے امرائے درانی کے روبرو بیان دیا کہ مرحوم نے مجھے وصیت کی تھی کہ امرأ کے روبرد گواہی دوں کہ مرحوم کے تیسرے بیٹے شاہ زمان کو تخت نشین کیا جائے۔ تمام امرأ نے اتفاق کیا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر تمام شہزادوں کو نظر بند کیا اور اس کے بعد شاہ زمان کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا۔ شاہ زمان اس وقت ۲۳ سال کا تھا۔ اس کی تخت نشینی کا اعلان ہوا۔ اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری ہوا۔ تمام امرأ کو خلعت واکرام سے نوازا گیا۔ رحمت اللہ خان سدوزئی ولد فتح اللہ خان سدوزئی کو وزیر سلطنت مقرر کیا گیا۔ اسے وفادار

خان کا خطاب مرحمت ہوا۔ شیر محمد خان ولد شاہ ولی خان مختار الدولہ مقرر ہو
ان کے مناصب کے مطابق وزراَ کی کونسل تشکیل دی گئی۔ تمام شہزادے قلعہ
بالاحصار میں محبوس ہوئے۔ چالیس لاکھ روپے خوانین اور فوجیوں میں تقسیم
ہوئے۔ شاہ محمود اور شہزادہ ہمایوں کو حسب سابق ہرات اور قندھار کی حکومت
پر قائم رکھا گیا۔ شاہی اعلان جاری ہوا کہ عہد تیمور شاہی کے تمام وظائف
حسب دستور جاری رہیں گے۔ یہ فرمان بھی صادر ہوا کہ کوئی شخص بھی ان
خلل انداز نہ ہو اور فتنہ و فساد برپا نہ کرے۔ شاہ محمود نے اطاعت کرلی۔

شہزادہ ہمایوں سدوزئی کی بغاوت :

شاہ زمان کا سوتیلا بھائی شہزادہ ہمایوں آمادۂ بغاوت ہوا۔ اس نے قندھار
میں اپنی بادشاہت کا اعلان کیا اور لشکر لے کر کابل کا رخ کیا۔ اس نے شادی خان
اچکزئی کو ۱۲ ہزار سپاہیوں کی معیت میں ہراول دستے کے طور پر اپنے سے ا
منزل آگے روانہ کیا۔ شاہ زمان بھی مقابلے کے لئے کابل سے باہر نکلا۔ ا
ہراول دستہ بھی شاہ پسند خان کی سربراہی میں اس سے ایک منزل آگے
ہوا۔ جب دونوں سردار آمنے سامنے ہوئے تو انہوں نے صلح و مصالحت
باتیں کیں۔ جس پر شادی خان، شاہ زمان سے ملاقات کے لئے رضامند ہو
چناں چہ وہ شاہ زمان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ معاملت ہوئی اور اس نے اطا
گزاری کا اعلان کر دیا۔ جب شہزادہ ہمایوں کو اس تازہ صورت احوال کی خبر
وہ بلوچستان روانہ ہو گیا۔ میر نصیر خان بلوچ نے پورے احترامات کے سا
کا استقبال کیا اور اسے اپنے پاس پناہ دی۔ شاہ زمان نے اپنے سپاہی شہزاد
کی گرفتاری کے لئے میر نصیر خان کے پاس بھیجے۔ اس نے خوب صورت

کام لیااور کہاجس طرح دوسرے شہزادے بالا حصار میں بیٹھے ہیں اسی طرح اسے بھی سمجھ لو۔ البتہ اگر شہزادہ ہمایوں سے کوئی نامناسب ظہور میں آئے تو میری ذمہ داری ہوگی۔ لیکن میں ایک شہزادے کو اس طرح باندھ جکڑ کر نہیں دیتا۔

چند روز بعد میر نصیر خان انتقال کر گیا۔ اس کے بیٹوں میں تفرقہ پیدا ہو گیا۔ میر محمود خان فرزند کلاں نے افغان تاج دار سے کمک طلب کی اس نے کمک کو شہزادے کی حوالگی سے مشروط کر دیا۔ میر محمد نے ہامی بھر لی۔ اس پر شاہ زمان نے مختار الدولہ کو لشکر کے ساتھ میر محمود کی امداد کے لئے بھیجااور اسے حکم دیا کہ شہزادہ ہمایوں کو تحویل میں لے کر کابل روانہ کیا جائے۔ پھر میر محمود کی مدد کی جائے۔ چناں چہ قلات پہنچ کر مختار الدولہ نے شہزادہ ہمایوں کو حاصل کیااور ایک معتمد دستے کے ساتھ کابل روانہ کر دیا۔ جب یہ دستہ پشنگ (پشین) پہنچا تو سید خداداد پشنگی نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ حملہ کیااور شہزادے کو رہا کرالیا۔

جلد ہی شہزادہ ہمایوں نے ایک لشکر ترتیب دیااور قندھار جا پہنچااور اسے فتح کر لیا۔ زمان شاہ نے فوراً قندھار پر لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ ابھی شاہ زمان قندھار کے قریب ہی تھا کہ شہزادہ ہمایوں مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے کوہستان کی جانب بھاگ گیا۔ کچھ مدت وہاں سرگرداں رہنے کے بعد عازم پنجاب ہوا۔ سنگھڑ سے ہوتا ہوا کچھی شمال پہنچا۔ محمد خان سدوزئی، حاکم کچھی شمالی نے اس کو جالیا۔ ایک معرکہ برپا ہوا جس میں شہزادہ سلطان احمد پسر ہمایوں اور چند دیگر خوانین قتل ہو گئے۔ شہزادہ محمد ہمایوں گرفتار ہوا۔ افغان بادشاہ کے حکم پر اسے کابل بھجوادیا گیا۔

۱۲۱۱ھ مطابق ۱۷۹۶ء میں شہزادے کو اندھا کر کے بالا حصار میں قید کر دیا اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرا دیا۔ آخر ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء میں اس کو بھی مروا

دیا گیا۔ شہزادہ ہمایوں کے بیٹے شہزادہ سر مست کو، جو اتفاقاً زندہ رہ گیا تھا، بالاحصار میں حوالہ زنداں کر دیا گیا۔

شاہ زماں کی پہلی بار ہندوستان میں آمد :

تخت نشینی کے بعد اور کابل میں اندرونی معاملات کی درستی کے بعد شاہ زمان ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا اور ۱۲۰۷ھ مطابق ۱۷۹۴ء اس نے براستہ ڈیرہ جات ہندوستان کا رخ کیا۔ اس مہم کا اہم مقصد کچھی شمالی اور سندھ کے متعلقہ حکام سے اپنی بالادستی تسلیم کرانا اور انہیں باقاعدگی سے سالانہ خراج ادا کرنے کا پابند بنانا تھا۔ وہ ۹ / جنوری ۱۷۹۴ء کو ڈیرہ غازی خان پہنچ گیا۔ اس نے تمام حکام اور زمینداروں سے باج وصول کیا۔ تمام سرداروں، زمینداروں اور اکابرین و حکام یاان کے نمائندے حاضر ہوئے۔ نواب بہاول پور نے اپنے بیٹے فیض اللہ خان کو پیش کیا۔ ملتان کے تمام افاغنہ نے حاضری دی۔ ملتان کے سدوزئی جن میں تذکرۃ الملوک کے مصنف علی محمد خان خدکہ کے والد شہزادہ دین محمد خان خدکہ بھی شامل تھے، خدمت میں حاضر ہوئے۔ تیمور شاہ کی وفات پر اظہار تعزیت کیا۔ زمان شاہ کی تخت نشینی پر تہنیت پیش کی۔ نواب مظفر خان نے بھی حاضری دی۔ بادشاہ نے سب کو مناسب انعامات واکرامات سے نوازا۔ اس موقع پر دین محمد خان گلہ گزار ہوا کہ نواب مظفر خان کا رویہ ملتان کے معزز خوانین کے ساتھ مائل بہ درشتی ہے۔ شاہ نے سکوت اختیار کیا اور وزیر سلطان رحمت اللہ خان سدوزئی کی خاطر داری سے نواب کے خلاف کوئی اقدام

نہیں کیا۔ رد عمل کے طور پر نواب نے ان لوگوں سے سخت روش اختیار کی۔ اس کے بعد سدوزئی کے دو خانوادوں میں رنجش پیدا ہو گئی۔ سکھوں کے حملے کے وقت یہ رنجش نمایاں نظر آئی۔ بعد میں نواب کو اپنی روش کا احساس ہوا۔ اس نے منانے کی کوشش کی لیکن دلوں میں میل آ چکا تھا۔

میاں عبدالنبی صوبیدار کچھی شمالی کے ذمے خراج کی رقم واجب الادا تھی جو ایک لاکھ بیس ہزار بنتی تھی۔ علاوہ ازیں لوگ اس کے مظالم سے بیزار اور وہ اپنے جور و ستم سے بدنام ہو چکا تھا۔ جب وہ ڈیرہ غازی خان میں حاضر دربار ہوا، افغان تاج دار نے ادائے واجبات کا حکم دیا۔ اس کے پاس رقم نہ تھی۔ اونٹوں کا ایک بڑا گلہ تھا۔ نواب مظفر خان کی وساطت سے طے پایا کہ وہ عوض کے طور پر پانچ سو اونٹ پیش کرے گا۔ مگر وہ مقرر کردہ اونٹ بھی پیش کرنے سے قاصر رہا۔ بادشاہ نے اسے اس کے منصب سے معزول کر دیا اور وزیر سلطنت کی سفارش پر محمد خان سدوزئی سابق نائب ناظم ملتان کو پروانہ منصب داری عطا کر دیا۔ ان امور کی انجام دہی کے بعد فروری ۱۷۹۴ء کو اس نے کابل مراجعت کی۔ روانگی سے قبل شاہ نے فرمان جاری کیا کہ نواب مظفر خان اور سرفراز خان بادوزئی محمد خان سدوزئی کی اعانت کریں اور کچھی شمالی کا علاقہ میاں عبدالنبی سے گزار کرا دیں۔ لشکر محمد خان کی تحویل میں دے دیا گیا۔ لیہ کی جانب پیش قدمی کی قلعہ لیہ سے باہر عبدالنبی کو شکست ہوئی وہ قلعے میں داخل ہو کر قلعہ بند ہو [illegible] قلعے کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اس تصادم میں کئی نامور لوگ مارے گئے جن میں [illegible] النبی کا لڑکا محمد عارف خان، سرفراز خان بادوزئی اور عبدالرحیم خان بابر [illegible]میت سے قابل ذکر ہیں۔ بالآخر عبدالنبی نے ڈیرہ غازی خان کی جانب راہ

فرار اختیار کی۔ محمد خان سدوزئی قلعہ لیہ پر قابض ہو گیا اور آہستہ آہستہ پچھی شمالی مع بھکر، ڈیرہ فتح خان اور ڈیرہ اسماعیل خان محمد خان سدوزئی کے مکمل تصرف میں آ گیا اور اس نے ایک نامور منصب دار کے طور پر شہرت پائی۔

اس زمانے میں ۱۲۰۹ھ مطابق ۱۷۹۴ء میں نواب مظفر خان نے دریائے چناب کی غربی جانب موہن بٹی (موسیٰ کی ہٹی) کے مقام کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے اس سے نصف میل مزید مغرب کی سمت، ایک قلعے کی تعمیر کا حکم دیا اور قلعے کے ساتھ شہر بھی آباد ہو گیا۔ نواب نے اس کی بنیاد ۱۷۹۴ء میں اپنے ہاتھ سے رکھی اور قلعہ و شہر کو اپنے نام سے موسوم کیا۔ یعنی مظفر گڑھ اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں خان گڑھ، غضنفر گڑھ، سکندر آباد کے علاقے کے قلعے وجود میں آ گئے۔ نواب مظفر خان میں ذوق آباد کاری و تعمیر بہت تھا چناں چہ قرب و جوار کے علاقوں میں نہروں کا جال بچھا دیا گیا اور زراعت کو بہت فروغ ملا۔

جب شاہ زمان کابل واپس گیا تو نواب مظفر خان نے شاہ کو ایک مراسلہ ۲۷ رجب ۱۲۰۸ھ مطابق ۱۴ مارچ ۱۷۹۴ء ارسال کیا۔ جس میں اپنی اطاعت و وفاداری کا یقین کامل دلایا۔ نواب کیوں کہ دین محمد خان کی گم گزاری سے متفکر تھا اس لئے یہ ازالہ ضروری تھا۔ مزید اس مراسلے میں افغان تاج دار کو فتح ہندوستان کا مشورہ درج تھا۔ خصوصاً پنجاب پر لشکر کشی کا۔ لیکن شاہ زمان ملک کے اندرونی معاملات کی درستی میں مصروف تھا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ اس کے بھائی، شہزادہ محمود نے بغاوت کا علم بلند کر دیا تھا۔ بلا تاخیر اس کے خلاف لشکر کشی کی گئی۔ وہ مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور اپنی والدہ کو ہمراہ لے کر

آرام کے مقام پر شاہ زمان کے حضور حاضر ہوا اور معافی کا خواستگار ہوا۔ چنانچہ ۱۲۱۰ھ مطابق ۱۷۹۵ء اسے معاف کر دیا گیا لیکن وہ خوفزدہ تھا اس لئے موقع دستیاب ہوتے ہی ایران بھاگ گیا۔ شاہ زمان بلا روک ٹوک ہرات میں داخل ہو گیا۔ وہاں کچھ عرصے اقامت پذیر ہونے کے بعد اپنے بیٹے شہزادہ قیصر کو ہرات کا حاکم مقرر کر کے واپس آگیا۔ اس نے وہاں ایک افغان لشکر حفاظتی نقطہ نظر سے مامور کر دیا۔

شاہ زمان کا ہندوستان پر دوسرا حملہ :

شاہ زمان ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۷۹۶ء کو کابل سے ہندوستان کے لئے روانہ ہوا وہ پشاور اور اٹک سے گزرتا ہوا حسن ابدال پہنچا۔ وہاں سات دن خیمہ زن رہا۔ اس نے احمد خان نورزئی کی سربراہی میں ہراول دستہ سکھوں کے کچلنے کے لئے پنجاب روانہ کیا۔ احمد خان نورزئی نے پیش قدمی کر کے قلعہ روہتاس پر تو قبضہ کر لیا لیکن وہ سکھوں کو کچلنے میں ناکام رہا۔ اس لئے کہ سکھوں کا طریق جنگ یہ تھا کہ وہ میدان کی بجائے پہاڑیوں میں روپوش ہو جاتے تھے اور گھات لگا لگا کر افغان لشکر پر حملے کرتے تھے۔ احمد خان حسن ابدال واپس آگیا اور افغان تاجدار کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس دوران میں سکھوں نے بہت لوٹ مار مچائی اور پنجاب سے نکل کر سرہند تک امن وامان اور نظم ونسق کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

ادھر مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی اپنے درباریوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں گھرا ہوا تھا، اس نے شاہ زمان کو اپنی امداد کے لئے متوجہ کیا لیکن مون سون شروع ہونے کے سبب شاہ زمان نے معذرت کر لی اور کابل کی جانب

مراجعت کی۔

شاہ زمان کا ہندوستان پر تیسرا حملہ :

شاہ زمان نے تیسری مرتبہ ہندوستان کا رخ کیا۔ اس نے ۱۲؍ جمادی الثانی ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۳؍ دسمبر ۱۷۹۶ء کو پشاور سے گزرتے ہوئے دریائے سندھ کو اٹک کے مقام پر عبور کیا۔ اس نے ۲۰؍ ہزار سواروں پر مشتمل ایک لشکر شیر محمد خان مختار الدولہ کی سرکردگی میں سکھوں کے خلاف روانہ کیا۔ سکھ اپنے اپنے شہر اور قلعے خالی کر کے پہاڑوں اور جنگلوں میں چھپ گئے۔ انہوں نے اپنے مرکزی شہر امرتسر کو بھی خالی کر دیا۔ شاہ زمان لاہور پہنچا تو لہنا سنگھ نے جو لاہور پر قابض تھا حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کی نسبت سے لاہور کو سید شاہ چراغ کے حوالے کیا اور خود بھاگ گیا۔ شاہ زمان رجب ۱۲۱۱ھ مطابق جنوری ۱۷۹۷ء کو لاہور میں داخل ہوا اور ایک ماہ لاہور میں قیام پذیر رہا۔ تمام منصب دار سابق معاہدے کی رو سے افغان تاج دار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اظہار اطاعت کیا۔ نواب مظفر خان سے وفاداری کے اظہار کے لئے ایک مختصر فوجی دستے ملتان سے لاہور روانہ کر دیا۔ سکھوں کے خلاف کارروائی کا سلسلہ جاری تھا کہ شہزادہ محمود کی ہرات میں بغاوت کی اطلاع ۱۲۱۳ھ مطابق فروری ۱۷۹۸ء پھر موصول ہوئی۔ شاہ زمان بلا تاخیر کابل پہنچا اسی دوران میں سکھوں نے کوٹ کمالیہ پر جو سعادت یار خان کھرل کے پاس تھا، حملہ کر دیا اور اسے مار بھگایا۔ کھرل سردار ملتان پہنچا اور نواب مظفر خان نے کمک طلب کی۔ نواب نے ایک فوجی دستہ اس کی مدد کے لئے بھیج دیا۔ سعادت یار خان نے واپس جا کر سکھوں پر حملہ کیا اور انہیں شکست دی۔ اس کامیابی اور ظفر مندی سے نواب مظفر خان

کے رعب و دبدبہ اور شہرت میں اضافہ ہوا۔

شاہ زمان کے عہد کی بغاوتیں

شہزادہ محمود کی بغاوت کا سلسلہ جاری تھا۔ ان سازشوں میں دیگر قبائل کے علاوہ ایک طاقتور قبیلے بارک زئی کا سردار پائندہ خان بھی شامل ہو گیا۔ پائندہ خان نے اپنے قبیلے نیز دیگر امراً مثلاً امین الملک بابری، حکومت خان سرگانی، جعفر خان جوان شیر کو ساتھ ملا کر قندھار کے قرب وجوار میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ یہ سب شہزادہ محمود کو تخت پر بٹھانا چاہتے تھے۔ بعض ایرانی افراد بھی محمود کے حامی تھے۔ شاہ زمان نے قندھار کی جانب پیش قدمی کی۔ پائندہ خان اور اس کے طرف داروں کو شکست دی۔ انہیں گرفتار کیا اور ان سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے۔ پائندہ خان کا بیٹا فتح خان فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا اور ہاتھ نہ آسکا۔ اس فتح کے بعد شاہ زمان نے ہرات کی طرف توجہ دی کیوں کہ محمود نے پھر بغاوت کر دی۔ جب شاہ زمان کا لشکر روانہ ہوا تو وہ ایران بھاگ گیا۔ اسی دوران ایک اور اطلاع ملی کہ محمد شاہ قاچار نے نادر مرزا (نواسہ ٔ نادر شاہ) حاکم مشہد پر چڑھائی کر کے قلعہ ٔ مشہد بزور شمشیر فتح کر لیا ہے۔ محمد شاہ قاچار نے نادر مرزا کو قتل کرا دیا ہے اور نادر شاہ کی تمام اولاد کو بھی جو اس کے ہاتھ لگی قتل کرا دیا۔ اس نے انتظام کے جوش میں نادر شاہ کی قبر سے (جو روضۂ امام رضاؑ کے ... میں تھی) اس کی لاش نکلوا کر جلا دی اور اس کی راکھ کو اپنے بیت الخلا کی ...ں میں استعمال کیا۔ اس عناد کا سبب یہ تھا کہ نادر شاہ نے محمد شاہ قاچار کو خصی ... یا تھا۔ اس کے بعد محمد شاہ قاچار نے ہرات پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ یہ اطلاع پا ... شاہ زمان نے تمام اطراف سے لشکر مجتمع کیا جس کی تعداد ایک لاکھ تھی، کثیر

توپ خانہ ہمراہ تھا۔ والی ایران مقابلے پر نہ آیا اور تہران کی جانب چلا گیا۔ اس کا
نتیجہ یہ ہوا کہ ہرات مستقلاً افغانستان کا جزو قرار پایا۔ شاہ زمان چند روز ہرات میں
ٹھہر کر کابل چلا گیا۔ پھر وہ سرما گزارنے پشاور آیا کہ کچھ دنوں بعد شہزادہ محمود اور
فتح خان بارک زئی اور دوسرے درانیوں نے مشترکہ سازش کر دی۔

شاہ زمان کا ہندوستان پر چوتھا حملہ :

شاہ زمان نے سرما ۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۸ء ہندوستان کا رخ کیا۔ اس
نے سکھوں کے خلاف کارروائی کا آغاز کیا لیکن وہ عادتاً جنگلوں اور پہاڑوں میں
روپوش ہو گئے۔ قصور کے شجاع اور جرأت مند منصب دار نظام الدین نے
سکھوں کے خلاف بادشاہ کی معاونت کی۔ اس دوران میں ایک نوجوان سکھ
رنجیت سنگھ بعمر ۱۸ر سال شاہ کی توجہ اپنی جانب کھینچتا رہا۔ بادشاہ جہاں جاتا
اطاعت و وفاداری کا دم بھرتے ہوئے اپنے مختصر لشکر کے ساتھ ہمراہ رہتا۔ اس
اثنا میں بادشاہ کو اطلاع ملی کہ فتح علی خان نے خراسان میں شورش برپا کر رکھی
ہے۔ نیز شہزادہ محمود، فتح خان بارک زئی کے ساتھ مل کر مصروف سازش
اور یہ سازشی گروہ ایران کی طرف اکٹھا ہونے میں مصروف تھا۔ اس خبر پر
زمان نے فوراً مراجعت کی، ان دنوں دریائے جہلم طغیانی پر تھا۔ دریا عبور کر
ہوئے شاہی توپیں کیچڑ میں پھنس گئیں۔ شاہ نے سفر جاری رکھا اور اٹک پر
کیا۔ رنجیت سنگھ نے جو اپنے مختصر لشکر کے ساتھ ہم رکاب تھا، شاہ کے
جانے کے بعد کیچڑ میں دھنسی اور پھنسی توپیں نکالیں اور صاف کر کے ا
پشاور لے گیا۔ شاہ ۳۰ر جنوری ۱۷۹۹ء کو پشاور پہنچا۔ رنجیب سنگھ حضو
حاضر ہوا اور توپیں پیش کیں۔ شاہ اس وفاداری اور کارگزاری پر نہایت

ہوا اور اس نے رنجیت سنگھ کو لاہور کا پروانۂ منصب داری عطا فرمایا۔ رنجیت سنگھ پروانہ بدست لاہور آیا اور بزور شمشیر لاہور کا حاکم بن بیٹھا۔ یہ واقعہ ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء کا ہے۔

شاہ زمان کے خلاف سازشیں اور حکومت سے برطرفی:

۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء میں شہزادہ محمود، فتح خان بارک زئی اور دوسرے آلوس درانی (ابدالی) نے بھاری لشکر کے ساتھ قندھار کا رخ کیا۔ وہاں شہزادہ حیدر، پسر شاہ زمان حاکم تھا۔ وہ قلعے میں مستحکم ہو گیا۔ لیکن چند اہل سازش نے قلعے کے دروازے کھول دئے اور حملہ آور اندر داخل ہو گئے۔ شہزادہ حیدر کو قید کر دیا گیا۔ وزیر اعظم وفادار خان کے بھتیجے عبدالکریم سدوزئی اور دیگر رشتہ دار اور وفادار افراد بھی قتل کر دئے گئے اور شہزادہ محمود کے حکم سے سدوزئیوں کا قتل عام ہوا۔ یہ خبر پشاور میں شاہ زمان کو ملی اس نے اپنے برادر حقیقی شاہ شجاع الملک کو پشاور کا حاکم مقرر کیا۔ اپنے اہل و عیال اور کچھ خزانہ و مال و اسباب کو وہیں چھوڑا اور وزیر اعظم رحمت اللہ خان سدوزئی کے ہمراہ کابل کا رخ کیا۔ ادھر شاہ محمود اور فتح خان بارک زئی قندھار میں حکومت کے استحکام کے بعد مع لشکر کابل روانہ ہوئے۔ شاہ زمان نے احمد خان نورزئی کو ہراول کے طور پر روانہ کیا اور خود کابل سے نکل کر پیچھے پیچھے چلا۔ مختار الدولہ کو کابل کا نگران مقرر کیا۔ احمد خان نورزئی اور شاہ محمود کے درمیان جھڑپیں ہوئیں اور طے پایا کہ وہ شاہ محمود کے پاس سلام کے لئے جائے گا اور وہ اس کا استقبال کرے گا۔ چنانچہ احمد خان نورزئی مع لشکر شاہ محمود سے مل گیا۔ یہ خبر شاہ زمان کے لئے باعث پریشانی ہوئی۔ اس کے امرا اور لشکر میں مزید بغاوت پھیل

گئی۔ شاہ زمان اور رحمت اللہ سدوزئی (وزیر سلطنت) پریشان ہوئے اور مقابلے کی بجائے پشاور کی راہ لی۔ جب اثنائے راہ میں قلعۂ عاشق شنواری پہنچے تو عاشق شنواری حاضر ہوا۔ استقبال کیا اور اپنے قلعے میں لے گیا اور موقع پا کر نہایت فریب کے ساتھ قلعے کے اندر قید کر دیا۔ شاہ محمود نے اپنے آدمی بھیجے شاہ زمان کو گرفتار کیا اور اس اندھا کر کے قلعہ بالا حصار میں مقید کر دیا۔ اس کے ساتھی قتل ہوئے۔ المختصر نو سال حکومت کرنے کے بعد ۳۲/سال کی عمر میں ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء شاہ زمانؒ کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

باب دوازدہم

شاہ محمود بحیثیت افغان بادشاہ

شاہ محمود مع اکابرین، فتح خان بارک زئی اور دیگر درانی سرداروں وغیرہ کے جلو میں فاتحانہ شان سے کابل میں داخل ہوا۔ مختارالدولہ نے اس پر کابل کے دروازے کھول دیے۔ اس کی تخت نشینی ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء میں عمل میں آئی۔ بادشاہت کا اعلان ہوا۔ خطبہ و سکہ اس کے نام کا جاری ہوا۔ امرأو سرداران حاضر خدمت ہوئے اور وفاداری کا اظہار کیا۔ مختارالدولہ شیر محمد خان بامے زئی وزارت عظمٰی کے منصب پر فائز ہوا۔ فتح خان بارک زئی کو سرداروں کا سردار (امیر الامرأ) مقرر کیا گیا۔ سکے پر یہ عبارت کندہ ہوئی:

چوں برگزیدۂ سبحان ظل ما بود است
فراز مسندِ شاہی مقامِ محمود است

ازاں بعد ایک لشکر پشاور شجاع الملک کی جانب روانہ کیا گیا۔ وہ یہ خبر سن کر مع اہل خاندان تیرہ، آفریدیوں کی جانب بھاگ گیا۔

شاہ محمود نے حکومت قندھار اپنے بیٹے شہزادہ کامران کے سپرد کی۔ اپنے برادر حقیقی شہزادہ فیروزالدین خان کو مع لشکر جانب ہرات روانہ کیا۔ شہزادہ قیصر اس دوران احوال میں ہرات کو خالی کر کے ایران بھاگ گیا۔ فیروزالدین ہرات پر قابض ہو گیا۔ شاہ محمود امور سلطنت میں کم دخل دیتا تھا۔ تمام معاملات ملکی اور امور فتح خان بارک زئی انجام دیتا تھا۔ گویا وہ اصل اختیارات کا مرکز و محور تھا۔ نتیجہ یہ کہ جلد ہی ملکی حالات میں انتشار اور ابتری پیدا ہو چلی۔ چنانچہ حکومت کی ان خامیوں کے مد نظر ۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۲ء پہلی مرتبہ عرصہ دراز کے بعد، غلزئی

سر اٹھانے لگے اور سازش کرتے ہوئے عبدالرحیم خان غلزئی پسر اخلاص قلی خان نے آلوس غلزئی کو جمع کیا اور ایک لشکر ترتیب دیا۔ اس کے بعد اس نے کابل کا عزم کیا۔ اس وقت شاہ محمود کابل میں تنہا تھا۔ سردار فتح موجود نہ تھا۔ شاہ محمود نے ایک لشکر سردار احمد خان نورزئی کی سرکردگی میں کابل سے باہر روانہ کیا تاکہ عبدالرحیم خان غلزئی سے جنگ کی جائے۔ لشکر چار ہزار درانیوں اور بیس ہزار دوسرے افراد پر مشتمل تھا۔ غلزئی لشکر میں بھی ہزاروں سپاہی موجود تھے۔ آلوس ابدالی اور آلوس غلزئی کے مابین بڑے عرصے کے بعد، ایک خون ریز جنگ واقع ہوئی جس میں ایک ہزار سے زیادہ غلزئی قتل ہوئے۔ باقی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ عبدالرحیم خان غلزئی نے کوہستان کی جانب راہ فرار اختیار کی۔ سردار احمد خان فاتحانہ انداز میں کابل میں داخل ہوا۔ ہر طرف سے اس کی تحسین و آفرین کی گئی۔

عہد شاہ محمود کے دیگر حالات :

ملکی امور میں شاہ محمود کی عدم دلچسپی اور دوسری طرف فتح خان بارک زئی کی قوت واثر کا رد عمل یہ ہوا کہ حکام سلطنت میں عموماً بے پروائی پیدا ہو گئی۔ سرکاری ملازمین مال گزاری کی وصولی میں ذمہ داری نہیں دکھاتے تھے۔ چناں چہ امور سلطنت میں خلل پیدا ہو گیا۔ اختیارات کی مرکزیت کمزور پڑی تو ہر صاحب منصب خود کو بااختیار سمجھنے لگا۔ سیاسی امور کے علاوہ مذہبی امور میں بھی خلا ، وانتشار نے سر اٹھایا۔ اس عہد سے پہلے کبھی شیعہ سنی اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا۔ احمد شاہ درّدران کے تدبر اور حکمت عملی کے سبب مسلمانوں کے تمام مذہبی گروہ متحد تھے۔ لیکن اب منفی صورت حال کا یہ اثر ہوا کہ عین کابل میں شیعہ سنی فساد برپا ہو گیا۔ سردار فتح خان بارک زئی بغرض لشکر کشی ڈیرہ جات

[ز]مان کی طرف گیا ہوا تھا اور کابل میں مختار الدولہ ملکی نظم و نسق پر گرفت قائم [نہ]یں کر سکا تھا۔ سردار احمد خان نورزئی غلزئیوں پر فتح پا کر اتنا سرشار تھا کہ اب [ا]سے صرف سرداری کے لفظ سے دلچسپی رہ گئی تھی اور اب وہ عملاً ہر قسم کی [س]رکشی سے کنارہ کش رہنا چاہتا تھا۔ صرف فتح خان بارک زئی صاحب سیف و [قل]م تھا اور وہ دور تھا۔ اس خلا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امرائے درانی نے باہمی [مش]ورت کے بعد شاہ محمود پر یورش کر دی۔ ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء کو شاہ محمود [کو] کابل میں محصور کر دیا گیا۔ وزیر سلطنت شیر محمد خان بامے زئی شہزادہ شجاع [ال]ملک کو جو آفریدیوں کے علاقے تیرہ میں خاک چھان رہا تھا، کابل لے آیا اور [قل]عہ کابل پر بزور شمشیر قابض ہو گیا۔ شاہ محمود کو قلعہ بالا حصار میں حوالہ زنداں [ک]ر دیا گیا۔ اس کی مدت حکومت دو سال چند ماہ تھی۔

شاہ زمان کو جو قلعہ بالا حصار میں حالت قید میں تھا نکال کر اس سے [د]ریافت کیا گیا کہ تخت شاہی پر کسے بٹھایا جائے۔ اس نے کہا شاہ شجاع الملک کو۔

[ش]اہ شجاع الملک کی حکومت کا ذکر:

شجاع الملک ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء کابل میں تخت نشین ہوا، خطبہ و [س]کہ اس کے نام کا جاری ہوا، شاہ محمود نے شاہ زمان کی آنکھوں میں سلائی پھروا [د]ی تھی، اب اس نابینا سے دریافت کیا گیا۔ شاہ محمود کے بارے میں کیا حکم ہے۔ [ا]س عالی ظرف نے کہا۔ میں اسے معاف کرتا ہوں۔ اس کی آنکھیں نہ نکالی [جا]ئیں۔ اس کے بعد حکم ہوا۔ عاشق شنواری کو گرفتار کر کے اس کے ٹکڑے [ٹک]ڑے کر دیئے جائیں کیونکہ اس نے فریب کاری سے شاہ زمان کو گرفتار کیا تھا۔ [حک]م کی تعمیل ہوئی۔ اسی دوران میں یہ واقعہ رونما ہوا کہ سردار فتح خان بارک زئی

جو مالیات کی وصولی کے لئے ڈیرہ جات اور دامان گیا ہوا تھا، شاہ محمود کی معز
اور شاہ شجاع الملک کی تخت نشینی کی خبر سن کر پریشان ہو گیا اور اس کی کابل
آمد کی خبر سن کر حواس باختگی کے عالم میں کابل کی طرف پلٹا۔ شاہ شجاع الملک
نے ایک لشکر اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ کابل سے کچھ دور جنگ ہوئی، فتح خان
نے شکست کھائی اور قندھار کی جانب بھاگ گیا۔

شاہ محمود کے عہد میں طوائف الملوکی کے باعث شاہی خاندان ا
سرکردہ قبیلوں کے افراد اپنی حفاظت کے خیال سے پشاور سے گزرتے ہو
حدود پنجاب، راولپنڈی کی طرف چلے گئے تھے۔ جنمیں وزیر اعظم کی دختر اور ش
شجاع الملک کی بیوی رضیہ بیگم بھی شامل تھی۔ یہ قافلہ خیر و سلامتی کابل پہنچا
بادشاہ بیوی کو دیکھ کر شاد ہوا اور اسے وفا بیگم کے خطاب سے نوازا۔ اس کے نام
سکہ جاری کیا۔ سکہ کا نقش نگیں یہ تھا:

شہ شجاع الملک شد شاہنشہِ مالک رکاب
یافت بنتِ آصفِ دوراں وفا بیگم خطاب

اس کے بعد وفا بیگم کی قدر و منزلت بہت کی گئی۔

شاہزادہ کامران پسر شاہ محمود قندھار کا گورنر تھا۔ جب فتح خان
قندھار کی جانب فرار کیا۔ شجاع الملک نے فوراً ایک لشکر جانب قندھار روانہ کی
اور خود بھی عقب میں چلا۔ شہزادہ کامران نے یہ اطلاع پائی تو قندھار کو خالی ک
کے فراح کی جانب بھاگ گیا۔ شجاع الملک نے کسی مزاحمت کے بغیر قندھار
قبضہ کر لیا۔ کچھ عرصے قیام کیا۔ شہر کے انتظامات درست کئے۔ لوگوں
انعامات سے نوازا۔ سیر و شکار سے لطف اندوز ہوا اور مراجعت اختیار کی۔ ا

دوران میں شہزادہ فیروزالدین اور اس کے سوتیلے بھائی (برادر حقیقی شاہ محمود) کے مابین صلح عمل میں آئی۔

حکومت سنبھالنے کے بعد شاہ شجاع الملک نے ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۸۰۴ء درۂ بولان کے راستے ہندوستان کی طرف پہلی بار رخ کیا۔ جب بلوچستان پہنچا تو میر محمود خان والیٔ قلات اپنے لشکر سمیت اس کے سلام کو حاضر ہوا۔ بادشاہ کے امین الملک نے میر محمود خان سے مالیات کے بقایاجات کا حساب طلب کیا۔ میر محمود نے کچھ رقم ادا کی اور بقیہ میں کچھ کا معافی کا خواستگار ہوا۔ اس کے بعد شاہ شجاع الملک شکارپور واقع سندھ میں داخل ہوا۔ امیران سندھ بھی گذشتہ تین سال سے مالیہ ادا نہیں کر رہے تھے۔ امیران نے بادشاہ سے ملاقات کی اور کچھ رقم پیش کر کے بقایاجات کے لیے معافی کی درخواست گزاری۔ اب شاہ شجاع الملک وہاں سے ڈیرہ غازی خان پہنچ کر دریائے سندھ کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ تمام مصبداروں اور تمن داروں کو چاروں اطراف اطلاع کر دی گئی۔ چنانچہ نواب محمد خان سدوزئی مصبدار ڈیرہ اسماعیل خان وکچھی حاضر خدمت ہوا۔ کچھ رقم پیش کی اور بقایا کے لیے معافی کا خواستگار ہوا۔ ملتان کے سدوزئیوں نے بھی حاضری دی خصوصاً شہزادہ محمد خان سدوزئی قابل ذکر ہے، جس کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار روپے ملتان کے لگان میں سے مقرر کیا گیا۔

نواب مظفر خان اس شاہی حکم پر عمل درآمد سے انکاری ہوا۔ اس طرح آنے والے دنوں میں سلطان حیات خان کے خاندان کے افراد اور نواب مظفر خان کے درمیان رنجش پیدا ہوگئی۔ نواب مظفر خان نے شاہ شجاع الملک سے ملاقات نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا کیونکہ اس نے بھی گذشتہ تین سال کا مالیہ

ادا نہیں کیا تھا۔ چنانچہ نواب صاحب نے زردار خان حبشی ناظر ملتان کو اپنا وکیل بنا کر وفا بیگم کے پاس ڈیرہ غازی خان بھیجا۔ وفا بیگم شاہ شجاع الملک کی چہیتی بیوی تھی اور مرحوم وزیر رحمت اللہ خان سدوزئی وفادار خان ثانی کی بیٹی تھی، مرحوم وزیر نواب شجاع خان اور نواب مظفر خان کا مربی رہا تھا۔ زردار خان حبشی ناظر ملتان نے وفا بیگم سے درخواست کی کہ وہ شاہ شجاع الملک سے سفارش کر کے شاہی دربار میں اس کی حاضری کو مستثنٰی قرار دے اور اس کی جگہ اس کے تیسرے بیٹے شاہ نواز خان کو حاضری کی اجازت دی جائے۔ مزید یہ کہ واجبات میں تخفیف کی جائے اور اس وقت جو رقم حاضر خدمت ہے اسے قبول کیا جاوے۔ وفا بیگم کی سفارش پر شاہ شجاع الملک رضامند ہو گیا۔ اس نے دربار میں زردار خان حبشی ناظر ملتان اور شہزادہ شاہ نواز خان کی بڑی عزت افزائی کی۔ شیر محمد خان بامے زئی وزیر سلطنت چوں کہ نواب مظفر خان سے حسد رکھتا تھا اس لیے وہ شجاع الملک کے اس فیصلے سے بڑا مضطرب ہوا۔ مگر شاہی حکم کے سامنے زبان بند رکھی۔ اس کامیابی اور کامرانی سے زردار خان اور شاہ نواز خان جب ملتان واپس پہنچے تو نواب مظفر خان نے ان کا منہ چوم لیا۔

اب شاہ شجاع الملک نے واپس کابل براستہ پشاور جانے کا اعلان کر دیا۔ ڈیرہ غازی خان چھوڑنے سے پہلے عطا محمد خان پسر شیر محمد خان بامے زئی کو ڈیرہ غازی خان کا مصبدار مقرر کیا گیا۔

شہزادہ قیصر پسر شاہ زمان :

جب شاہ شجاع الملک کابل پہنچا تو شہزادہ قیصر پسر شاہ زمان چچا کے سلام کے لیے حاضر ہوا۔ وزیر شیر محمد خان بامے زئی اور سردار فتح خان بارک زئی

سفارش کی کہ اسے معاف کر دیا جائے، چنانچہ اسے معاف کر دیا گیا۔ بادشاہ کا معمول تھا کہ موسم سرما پشاور میں اور موسم گرما کابل میں گزارتا تھا، اب کے ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء میں پشاور آیا تو عطا محمد خان ولد شیر محمد بامے زئی کو ۱۲ر ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ ملتان اور دامان خراج کی وصولی کے لیے بھیجا۔ عظیم خان بارک زئی بھی ہمراہ تھا۔ یہ لشکر یہاں سے کشمیر جا پہنچا کیونکہ عبداللہ خان ناظم کشمیر باقاعدگی سے مالیہ ادا نہیں کر رہا تھا۔ اب شیر محمد خان بامے زئی اور عبداللہ خان کے درمیان ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء جنگ ہوئی اور عبداللہ خان شکست کھا کر بھاگ گیا۔ شاہی فوج کشمیر پر قابض ہو گئی۔ کامیابی کے بعد شیر محمد خان بامے زئی نے بادشاہ کی اجازت سے اپنے لڑکے عطا محمد خان کو کشمیر کا مصبدار مقرر کر دیا اور پھر واپس کابل چلا آیا۔

شاہ شجاع الملک کے خلاف بغاوت :

کابل میں وزیر شیر محمد خان بامے زئی نے شہزادہ قیصر پسر شاہ زمان سے سازباز کر کے بغاوت کر دی۔ اس نے سردار فتح خان بارک زئی کو ساتھ ملانا چاہا لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ میر واعظ خیری جو نیکوکاری کی بنا پر کابل میں بہت اثر رکھتا تھا، نے وزیر بامے زئی کا ساتھ دیا۔ میر واعظ نے اپنے مریدوں کو آمادۂ بغاوت کر لیا۔ اس وقت شاہ شجاع الملک پشاور میں تھا۔ جب اسے بغاوت کی اطلاع ملی تو اس نے سیدھا کابل کا رخ کیا۔ بادشاہ کی آمد کی خبر سن کر شیر محمد خان بامے زئی خوفزدہ ہو کر قندھار کی جانب روانہ ہوا۔ مگر راستے ہی میں مقابلہ ہوا اور شیر محمد خان مارا گیا۔ خواجہ محمد خان ولد زال، بیگ خان بادوزئی قتل ہوا۔ شہزادہ قیصر سدوزئی فرار ہو گیا۔ خدا نے شاہ شجاع الملک کو فتح و ظفر مندی سے بہرہ ور

کیا۔ لشکر شاہی ان مقتولین کے سروں کو نوکِ نیزہ پر اٹھا کر شہر میں داخل ہوا
کابل میں امن و امان قائم ہوا۔

اسی دوران میں ایک اور حادثہ رونما ہوا۔ احمد شاہ درران کے پوتے
آپس میں مسلسل لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ جو برسر اقدار آتا، افراد خانوادہ کو
کابل کے قلعہ بالا حصار میں قید کر دیتا تھا۔ جب شاہ زمان نے ایسا کیا تو اس نے
خاصی احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ لیکن شاہ محمود اور اس کے بعد شاہ شجاع الملک
نے بے پروائی برتی۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ ان قیدی شہزادوں کے محافظین
انہیں اسلحہ اندر پہنچانے لگے اور اس طرح کافی ہتھیار جمع ہو گئے۔ قلعہ دار خان
نشان خان نے بھی غفلت اختیار کر رکھی تھی۔ جب شاہ پشاور میں مقیم تھا، ان
شاہزادوں نے چند جان نثاروں کی معیت میں پہرہ داروں پر حملہ کر کے انہیں
ٹھکانے لگا دیا۔ قلعہ دار کو بھی قتل کر دیا، گھوڑوں پر سوار ہو کر سب قلعے سے نکل
گئے۔ کابل سے کسی نے ان کا تعاقب نہیں کیا۔ یہ سب شاہ محمود سے مل گئے اور
بہت سے آلوس ابدالی بھی ان کے حامی ہو گئے۔ اس بغاوت میں بھی میر واعظ کا
دخل تھا۔ چنانچہ شجاع الملک یہ خبر سن کر کابل پہنچا تو اس نے میر واعظ کی تلاش
میں آدمی دوڑا دیے۔ بالآخر وہ پکڑا گیا اور شاہی حکم سے قتل کر دیا گیا۔ اس کے
مریدوں نے بڑا اودیلا کیا کہ میر واعظ کو بے گناہ مارا گیا۔ وہ ماتم کرتے، روتے
پیٹتے رہے لیکن شاہ نے مطلق پرواہ نہ کی۔ اس کے بعد شاہی لشکر نے شہزادہ قیصر
کو گرفتار کر لیا اور وہ کابل کے قلعہ بالا حصار میں قید کر دیا گیا۔ ازاں بعد شاہ شجاع
الملک نے شاہ زمان کے بیٹے شہزادہ حیدر کو کابل میں ناظم مقرر کیا اور خود پشاور
روانہ ہوا۔ وہاں سے اکبر خان بامے زئی کو ایک لشکر سمیت کشمیر روانہ کیا۔ اسی اثنا

پشاور میں شاہ کو اطلاع ملی کہ انگلستان کے بادشاہ جارج کے وکیل کی حیثیت سے الفنسٹن (Elphinstone) پشاور باریابی کا طلبگار ہے۔ چنانچہ دربار آراستہ کیا گیا۔ جہاں اس نے بادشاہ کا شاہی مکتوب پیش کیا۔ دونوں جانب سے تحائف کا تبادلہ ہوا۔ اس کی شاہانہ مدارات کی گئی اور انعامات و اکرامات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔ اسی دوران میں امین الملک اکبر خان بامے زئی اور عطا محمد خان ولد شیر محمد خان بامے زئی، حاکم کشمیر کے مابین جنگ ہوئی۔ عطا محمد خان نے شکست کھا کر پشاور کا رخ کیا۔ اسی مدت میں ایک اور خبر پہنچی کہ شاہ محمود اور فتح خان بارک زئی نے لشکر جمع کر کے کابل پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا ہے، نیز شاہزادہ قیصر کو بھی بالا حصار سے آزاد کرا لیا ہے۔ چنانچہ اس صورت حال میں شاہ شجاع الملک نے فوراً الفنسٹن کو رخصت کیا اور مع لشکر پشاور سے کابل کی جانب روانہ ہوا۔ کابل سے باہر شاہ شجاع الملک کے لشکر اور شاہ محمود اور فتح خان بارک زئی کے لشکر میں زبردست جنگ ہوئی۔ فریقین کے بے شمار لوگ مارے گئے۔ ان مرنے والوں میں اکرم خان بامے زئی بھی تھا۔ اس لڑائی میں شاہ شجاع الملک کو شکست ہوئی۔ وہ قندھار کی جانب بھاگ گیا۔ اس نے اپنی بیگم دفا بیگم کو بہت سے زر و مال کے ساتھ پشاور روانہ کیا، جہاں سے وہ راولپنڈی، سکھوں کی حدود ریاست میں پہنچ گئی۔ کابل میں شاہ محمود کی حکومت کا، فتح خان بارک زئی کی جانب سے اعلان کر دیا گیا۔

دوسری بار شاہ محمود بحیثیت بادشاہ :

شاہ محمود پسر تیمور شاہ ولد احمد شاہ درّ درّان ۱۲۲۴ھ مطابق ۱۸۰۹ء موسم گرما میں دوسری مرتبہ مسند شاہی پر کابل میں متمکن ہوا۔ اس کے نام کا

سکہ و خطبہ جاری ہوا۔ تمام امراءاور سرداروں نے اظہار اطاعت کیا۔ سردار خان بارک زئی کو وزارت بخشی گئی۔ ادھر شاہ شجاع الملک جو قندھار کی جانب بھاگ گیا تھا، اعظم خان بادوزئی سے طالب امداد ہوا۔ یہ خسیچہ باشی کے منصب پر فائز تھا اس لئے اس سے امداد متوقع تھی۔ جب شجاع الملک کی آمد کی خبر سنی قندھار میں آباد آلوس ابدالی جمع ہونا شروع ہوئے لیکن جب شاہ محمود کی حکومت کی خبر پہنچی تو یہ سب شاہ شجاع سے منقطع ہو گئے۔ شاہ شجاع پہلے کاکڑوں کی بستی پھر سانگھڑ پہنچا۔ اس طرح افغانستان سے بلوچستان اور پھر سندھ سے ہوتا ہوا دہ کچھی شمالی گیا کیونکہ وہاں کے حکمران نواب محمد خان سدوزئی سے اسے امداد کی امید تھی۔ نواب محمد خان حاضر خدمت ہوا، نذرانے اور تحائف پیش کئے۔ شاہ شجاع نے راولپنڈی کا قصد کیا کہ وہاں وفا بیگم قیام پذیر تھی۔ اس طرح نواب نے شاہ شجاع کو اپنی حدود سے بصد عزت واحترام رخصت کیا۔

کابل میں شاہ محمود کی حکومت مستحکم ہو گئی۔ اس نے اپنے بیٹے شہزادہ کامران کو قندھار کی حکومت کا پروانہ دیا اور مع لشکر قندھار روانہ کیا۔ اس کے بعد اس نے کابل کے قلعہ بالا حصار میں قید تمام سدوزئی شاہزادوں کو رہا کر دیا اور اس طرح تمام ملک میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور یگانگت کی فضا پیدا ہو گئی۔

شاہ محمود کے سردار لشکر جہان دار خان نے اٹک کی طرف پیش قدمی کی اور قلعہ اٹک پر قابض ہو گیا۔ وزیر فتح خان بارک زئی بلا تاخیر پشاور پہنچا اور اس نے اپنا وکیل رنجیت سنگھ کے پاس بھیجا۔ صلح نامہ مرتب ہوا اور اس پر طرفین کے دستخط ہو گئے۔ طے ہوا کہ علاقہ کشمیر افغانوں کے تصرف میں رہے گا اسے راجوڑی کی طرف سے کشمیر جانے والا راستہ فراہم کیا جائے گا، وزیر فتح

نے دریائے اٹک اور جہلم کو عبور کیا۔ مہاراجہ نے راوی اور چناب کو عبور کیا اور
بھی ملاقات ہوئی اور طرفین میں تحائف کا تبادلہ ہوا۔ رنجیت سنگھ نے دیوان
نکم چند کی تحویل میں ایک لشکر دیا کہ وہ وزیر فتح خان کی ماتحتی میں راجوڑی کے
استے سے فتح کشمیر کے لئے جائے۔ اس مشترکہ لشکر نے کشمیر پر حملہ کیا۔ حاکمِ
شمیر عطا محمد خان بامے زئی نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور ۱۲۲۸ھ
طابق ۱۸۱۵ء میں کشمیر فتح کر لیا گیا۔ عطا محمد خان نے راہِ فرار اختیار کی۔ دیوان
نکم چند کو اس خدمت کے صلے میں خلعت و انعام سے نوازا گیا۔ جب جہاندار
ان حاکم اٹک نے دیکھا کہ کشمیر فتح ہو گیا ہے اور اب وہ زد میں ہے تو اس نے
اتامل قلعہ رنجیت سنگھ کے حوالے کر دیا اور خود لاہور جا کر اقامت پذیر
ہو گیا۔

وزیر فتح خان نے فتح کشمیر کے بعد اپنے بھائی عظیم خان بارک زئی کو
ہاں کا ناظم مقرر کر دیا اور واپسی پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کو پیغام بھجوایا کہ تم نے
قلعہ اٹک پر بلا جواز قبضہ کر لیا ہے۔ اسے ہمارے حوالے کر دو۔ پھر وہ اٹک کی
جانب بڑھا۔ رنجیت سنگھ نے اٹک کی طرف توپ خانہ بھیج دیا۔ افغانوں اور
سکھوں کے درمیان زبردست محاربہ ہوا۔ جس میں فتح خان نے قلت لشکر کے
سبب شکست کھائی۔ چنانچہ وہ براستہ تری چھلہ دریائے سندھ کو عبور کر کے پشاور
پہنچ گیا۔ یہ پہلا اہم قلعہ تھا جو افغان تاجدار کے ہاتھ سے نکل گیا۔ فتح خان کابل
گیا اور تمام روداد شاہ محمود کے گوش گزار کی۔

شاہ محمود کے عہد کے دیگر واقعات:

موسم گرما گزرنے کے بعد خبر ملی کہ ازبک قبائل نے افغانوں کو نکال

کر بلخ اور بدخشاں پر قبضہ کر لیا ہے۔ کابل حکومت نے سکوت اختیار کیا جو ایک طرح سے شاہ محمود کی حکومت کی کمزوری کی دلیل ہے۔ افغان تاج دار شاہ محمود اپنے وزیر فتح خان بارک زئی کے ساتھ ۱۲۲۹ھ مطابق موسم سرما ۱۸۱۳ء کابل سے پشاور کے لیے روانہ ہوا۔ پشاور سے دامان کے راستے مالیات کی وصولی کے لیے ڈیرہ غازی خان میں وارد ہوا۔ عبدالجبار خان حاکم ڈیرہ غازی خان نے بادشاہ کا استقبال کیا۔ بادشاہ دریائے سندھ کے کنارے خیمہ زن ہو گیا۔ اطراف کے کارداروں کو مالیات کی وصولیؑ کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ فتح خان کی خواہش تھی کہ بادشاہ کی اجازت سے کسی طرح ملتان کی حکومت کا پروانہ اپنے بھائی عبدالجبار خان کے نام حاصل کر لے۔ دوسری طرف نواب محمد مظفر خان وزیر کے عزائم سے آگاہ تھا۔ چنانچہ نواب صاحب نے اپنے سسر سرور خان کو وکیل بنا کر شاہ محمود کے پاس بھیجا۔ سرور خان نے شاہ محمود کے سامنے نواب محمد مظفر خان کے حاضر نہ ہونے کی وجہ بادشاہ کا اس کے دل میں خوف بیان کیا۔ عرض کیا کہ دشمن کی مخالفت اور باقاعدگی سے سالانہ مالیات کی عدم ادائیگی کا خوف ہی لاحق ہے مزید یہ کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ہر سال زبردستی خراج وصول کر رہا ہے۔ سرور خان نے نواب محمد مظفر خان کی طرف ۱۵ ہزار روپے کے ساتھ ساتھ تحائف شاہ محمود کو پیش کیے اور وفاداری کا اعلان کیا۔ چنانچہ شاہ محمود سرور خان کو عزت کے ساتھ رخصت کیا اور وزیر فتح خان کو ہدایت کی کہ مالیات کی وصولی کے لیے ملتان کی طرف لشکر کشی نہ کرے۔ وزیر فتح خان جو روانہ ہو چکا تھا راستے سے واپس لوٹ آیا اور اس طرح ملتان افغان حملہ سے بچ گیا۔

ج کی تنخواہ سدوزئیوں کے عہد میں :

یہ امر قابل ذکر ہے کہ عہد احمد شاہ دردران میں ہر سوار کی تنخواہ
ٹھ روپیہ مساوی تین تومان ماہانہ تھی۔ عہد تیمور شاہ میں مہمات میں کمی واقع
ئی۔ سو تنخواہ تیں روپے مساوی ڈیڑھ تومان مقرر ہوئی، عہد شاہ زمان میں
ات محدود رہیں۔ فوج عموماً چھاؤنی ہی میں مقیم رہتی۔ اس لئے تنخواہ ایک
ن مقرر ہوئی اور شاہ شجاع کے زمانے میں پانچ روپے ہو گئی۔ عہد شاہ محمود
تنخواہ فی سوار دو روپے تقسیم ہوتی تھی۔

شاہ محمود موسم سرما میں سندھ کی جانب شکارپور پہنچا۔ تالپوروں سے
انہ مالیہ وصول کیا۔ ڈیرہ جات کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر قیام کیا۔ ناظم ملتان اور
م ڈیرہ اسماعیل خان و کچھی شمالی پیش ہوئے۔ نذرانے اور تحائف پیش خدمت
ے۔ شاہ محمود ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۵ء واپس کابل پہنچا۔ اسی سال اطلاع پہنچی
فتح علی خان قاچار برادر زادہ محمد شاہ قاچار والیٔ ایران نے ایک لشکر کے ساتھ
ت کا رخ کیا ہے۔ شاہ محمود نے وزیر فتح خان بارک زئی کو لشکر دے کر جانب
ان روانہ کیا، جنگ ہوئی۔ فتح خان نے ایرانی لشکر کو شکست فاش دی اور اہل
ت کو شاہِ قاچار کے ستم و استبداد سے نجات دلائی۔ اس وقت ہرات میں شاہ
کے حقیقی برادر خورد فیروز خان سدوزئی کی حکومت تھی۔ یہ واقعہ ۱۲۳۲ھ
ق ۱۸۱۷ء میں وقوع پذیر ہوا۔

اسی دوران میں شہزادہ کامران پسر شاہ محمود جو وزیر فتح خان سے ذاتی
کی بناً پر مخالفت رکھتا تھا، قندھار سے مع لشکر ہرات کی جانب قبضے کے
ے سے روانہ ہوا۔ وہ قبضے کے علاوہ فتح خان کو گرفتار بھی کرنا چاہتا تھا کیونکہ

ده کابل سے دور تھا۔ شاہ محمود نے اطلاع پاتے ہی اپنے نواسے جہانگیر خ
سدوزئی کو کابل کا ناظم مقرر کر کے مع لشکر قندھار کی جانب پیش قدمی کی تا
شاہزادہ کامران کو راستے ہی میں روک لے اور جنگ کی نوبت نہ آئے۔ لیکن
شہزادہ کامران راستہ تبدیل کر کے ہرات جا پہنچا۔ وزیر فتح خان نے مقابلے
گریز کرتے ہوئے قلعہ ہرات کامران کے حوالے کر کے قندھار کی جانب نکل
جانا چاہا مگر کامران نے فریب کے ساتھ اسے اکیلا طلب کیا اور قید کر لیا۔ اس
سارا لشکر ہزیمت کھا کر بھاگ گیا یا قتل ہو گیا۔

وزیر فتح اللہ خان بارک زئی کا قتل :

شہزادہ کامران ہرات کا حاکم بن بیٹھا اور اس نے وزیر فتح خان پر تہمت
اٹھائی کہ اس نے شہزادہ فیروزالدین خان سدوزئی کے حرم میں داخل ہو
خواتین کی بے حرمتی کی ہے اور اس جرم میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے
اس طرح اپنی آتشِ مخالفت کو ٹھنڈا کیا۔ یہ واقعہ ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۱۷ء
ہرات میں پیش آیا۔ اس واقعے کے نتائج دوررس ہوئے اور اس کے بعد سدو
اور بارک زئی کبھی متحد نہ ہو سکے اور ان کے مابین عداوت ضرب المثل کی
اختیار کر گئی۔ اسی دشمنی کے سبب آگے چل کر آلوس ابدالی دو حصوں میں
گئے۔ ۱۸۱۸ء کا سال افغانستان اور ملتان میں سدوزئیوں کی حکومت کا آخر
سال ثابت ہوا۔ ملتان میں نواب مظفر خان شہید نے رنجیت سنگھ کے لشکر
مقابلہ کرتے ہوئے جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی اور ۱۸۱۸ء میں سکھ ملتان
کی حکومت پر قابض و متصرف ہوئے۔ افغانستان میں بارک زئی اور دیگر
کے درمیان اشتراک ہوا اور انہوں نے مل کر اور سدوزئیوں سے

مت چھین لی۔ جب فتح علی خان کے دردناک قتل کی اطلاع شاہ محمود کو ملی تو
ں نے شاہزادہ کامران سے ناراضی کا اظہار کیا اور کہا وہ ہمارا وفادار تھا اگر تمہیں
ں سے ذاتی رنجش تھی تو عفو و درگزر سے کام لینا چاہئے تھا۔ اس کے بعد شاہ
ود ہرات کی جانب روانہ ہو گیا۔

جب رنجیت سنگھ کو افغانستان کے اندرونی خلفشار اور خصوصاً
وزئیوں اور بارک زئیوں کی باہمی لڑائیوں کی اطلاع پہنچی تو اس کے حوصلے
ہوئے۔ وہ ملتان فتح کر چکا تھا۔ اب ایک لشکر جرار کے ساتھ اٹک کی جانب
ں قدمی کی۔ دریائے سندھ کو اٹک سے عبور کیا اور پشاور پہنچا۔ وزیر فتح خان کا
ئی وہاں کا حاکم تھا وہ پشاور چھوڑ کر جلال آباد بھاگ گیا۔ رنجیت سنگھ نے
۱۲۳ھ مطابق ۱۸۱۹ء کسی مزاحمت کے بغیر پشاور پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد
ں نے جہاندار خان بامے زئی کو جو اس کے لشکر میں شامل تھا، طلب کیا اور اس
ے حسن سلوک کے عوض (کہ اس نے قلعہ اٹک رنجیت سنگھ کے حوالے کر دیا
ا) پشاور کی حکومت اس کے حوالے کی، وہ پشاور میں چند روز قیام کے بعد اٹک
ر پھر وہاں سے راولپنڈی پہنچا۔ اسی دوران میں وزیر فتح خان کا بھائی لشکر جمع کر
ے پشاور پہنچ گیا۔ جہاندار خان میں تابِ مقاومت نہ تھی وہ باجوڑ کے راستے
ت کی جانب جو کہ علاقہ آلوس زئی تھا، بھاگ گیا۔ اس طرح فتح خان کے
ں نے پشاور پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔

اسی دوران میں فتح خان کے قتل کی خبر تمام افغانستان اور کشمیر میں
ں گئی۔ اس کے بھائی عظیم خان بارک زئی حاکم کشمیر نے لشکر مرتب کیا اور
ی کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے کابل کا عزم کیا۔ روانگی سے قبل اس نے شاہ

شجاع الملک سے جو لدھیانے میں تھا، رابطہ پیدا کیا اور اسے مل کر جدوجہد کرنے
کی دعوت دی، شاہ شجاع خفیہ طور پر (تاکہ رنجیت سنگھ کو خبر نہ ہو) بہاول پور اور
پھر ڈیرہ غازی خان پہنچ گیا۔ شاہ شجاع نے روانگی سے قبل اپنے بیٹے شہزادہ تیمور
کو سندھ روانہ کیا جس نے جاتے ہیں شکار پور پر قبضہ کر لیا۔ شاہ شجاع پشاور پہنچا۔
عظیم خان بارک زئی بھی کشمیر سے پشاور آگیا۔ دونوں میں باہمی گفت و شنید ہوئی
مگر قول و قرار کی نوبت نہ آئی۔ بالآخر دونوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ شاہ شجاع
نے شکست کھائی اور خیبر سے ہوتا ہوا تیرہ چلا گیا۔ وہاں سے ڈیرہ جات کے
راستے شکارپور آیا اور قیام اختیار کیا۔ دوسری طرف عظیم خان بارک زئی نے
شہزادہ ایوب خان سدوزئی بن تیمور شاہ بن احمد شاہ درران کی بادشاہت کا اعلان
کردیا جو اس وقت مستقلاً حدود پشاور میں اپنی جاگیر پر مقیم تھا۔

ایوب خان سدوزئی کی حکومت کا اعلان، بارک زیوں کا کابل و قندھار پر قبضہ اور شاہ محمود کی شکست :

عظیم خان بارک زئی نے ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۸۱۹ء میں ایوب
سدوزئی کی حکومت کا اعلان ہوا۔ خطبہ و سکہ اس کے نام جاری ہوا۔ پشاور
مالیات سے اس کی وجہ معاش ستر ہزار روپیہ مقرر کی گئی اور شاہی و وزارت کے
تمام اختیارات خود سنبھال لئے اور مع لشکر کابل روانہ ہوا۔ خبر ملی کہ شہزادہ
جہانگیر ابن شہزادہ کامران نے قلعہ بالاحصار میں قدم جما لئے ہیں اور اپنے باپ
سے جو ہرات میں تھا، کمک چاہی ہے۔ جب کمک پہنچنے میں تاخیر ہوئی تو
عظیم الشان لشکر کے ساتھ سر پر آن چڑھا تو ایک اندھیری شب میں جب

ج رہے تھے اور مینہ برس رہا تھا، قلعہ کابل کے دروازۂ کوہستانی سے مع سو
ڑ سوار کے برآمد ہوا، نکل بھاگا اور ہرات جا پہنچا۔ عظیم خان بارک زئی اپنے
شاہ ایوب خان سدوزئی کے ساتھ کابل میں فاتحانہ داخل ہوا۔ قلعہ تصرف
ں لایا اور جلد ہی لشکر کشی کر کے قندھار کو بھی مفتوح کر لیا۔ عظیم خان نے چلتے
ت اپنے بھائی عبدالجبار خان کو حاکم کشمیر مقرر کیا تھا۔ جب رنجیت سنگھ کو اس
ورت احوال کی خبر ملی اس نے ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۸۱۹ء ایک لشکر کشمیر کی
ب بھیجا۔ عبدالجبار خان مقابلے کی تاب نہ لاکر پشاور بھاگ گیا اور کشمیر پر
نجیت سنگھ کا قبضہ ہو گیا۔ اس کے بعد جب ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۲۰ء رنجیت
لُھ ملتان دورے پر آیا تو اس نے ایک لشکر ڈیرہ غازی خان کی تسخیر کے لئے
رتب کیا۔ زمان خان بارک زئی برادرزادہ عظیم خان بارک زئی حاکم ڈیرہ غازی
ان تابِ مقاومت نہ لاکر بھاگ نکلا۔ اس طرح ڈیرہ غازی خان بھی مہاراجہ
نجیت سنگھ کے قبضے میں آ گیا۔

۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۱ء عظیم بارک زئی مع ایوب خان سدوزئی کابل
ے قندھار پہنچا وہاں سے امرائے سندھ تالپوران کے پاس اس غرض کے لئے
کیل بھیجا کہ شکارپور سے شجاع الملک کا اخراج عمل میں لایا جائے۔ چنانچہ اس
و کے تحت شجاع الملک مع اپنے فرزند کے بار دیگر لدھیانے آکر مقیم ہو گیا۔
عظیم خان بارک زئی نے مع بادشاہ کے کابل مراجعت کی۔ اسی دوران میں
رانِ سندھ نے شکارپور اور قلعہ بھکر پر بھی قبضہ کر لیا۔

سال ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۲ء کے آغاز میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے
قہ کچھی شمالی پر لشکر کشی کی۔ حافظ احمد خان سدوزئی برادرزادۂ نواب محمد سربلند

خان سدوزئی نے سکھ لشکر کا مقابلہ کیا۔ پھر وہ قلعہ منکیرہ میں محصور ہو گیا لیکن زیادہ دیر مقابلے پر نہ ٹھہر سکا اور گفت و شنید کے بعد امان مانگ لی اور قلعہ منکیرہ رنجیت سنگھ کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ معاہدہ طے پانے کے بعد مہاراجہ نے ڈیرہ اسماعیل خان اور اس کے قرب و جوار کا علاقہ نواب سربلند خان سدوزئی کے حوالے کیا اور اس کی نظامت برقرار رکھی گئی۔

۱۲۳۸ھ مطابق ۱۸۲۳ء مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پشاور پر حملہ بولا۔ جنگ کی جس میں بے شمار لوگ قتل ہوئے اور وہ پشاور پر قابض ہو گیا۔ عظیم خان بارک زئی اور اس کے بھائی یار محمد بارک زئی اور دیگر بارک زئی افراد نے مہاراجہ کی خدمت میں اظہار اطاعت کیا لہذا پشاور یار محمد بارک زئی کے حوالے کر دیا گیا۔ ان غیر متوقع واقعات پر عظیم خان بارک زئی کو نہایت ندامت ہوئی اور وہ اس شرمساری کے تحت مرگِ طبیعی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا۔ اس کا بیٹا حبیب اللہ خان کابل کا صاحب اقتدار ہوا مگر ایوب خان سے اس کو صحبت راس نہ آئی۔ جس کے نتیجے میں کابل میں خانہ جنگی کا آغاز ہو گیا۔ اس لڑائی میں ایوب خان کا بیٹا اسماعیل خان قتل ہوا۔ ایوب خان شکست کھا کر تخت چھوڑ کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس لاہور آ گیا۔ مہاراجہ نے اس کے اور اس کے خانوادے کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا۔ اب کابل پر حبیب اللہ خان بارک زئی کا قبضہ تھا۔ آلوس سدوزئی پر یہ کڑا وقت تھا۔ احمد شاہ درران اور تیمور شاہ کی اکثر اولاد اور افراد نے عسرت اور تنگی معاش کے سبب کابل، قندھار سے ہجرت کی اور شاہ محمود اور شہزادہ کامران کے پاس ہرات چلے گئے۔ بعضوں نے لاہور اور لدھیانے کا رخ کیا۔ مہاراجہ نے ہر سدوزئی شہزادے کے لئے وظیفے کی رقم مقرر کی۔ شاہ شجاع الملک بھی لدھیانے میں قیام پذیر ہو گیا۔

نستان میں بارک زئیوں کا عہد حکومت :

یہ امر تاریخی اہمیت کا حامل ہے کہ سدوزئیوں کی حکومت جن کا پرچم
ل کے زیر سایہ ملتان، پشاور اور افغانستان کے مختلف اطراف میں کابل اور
ھار تھے، ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۱۸ء کے آخر تک اختتام پذیر ہو گئی۔ بارک
برادران نے افغانستان کے مختلف اطراف واکناف پر قبضہ کر لیا۔ پشاور بھی
کے تصرف میں آگیا۔ ادھر ملتان پر مہاراجہ رنجیت سنگھ متصرف ہو گیا۔

۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں دوست محمد خان پسر پائندہ خان بارک
، جاگیر دار غزنی نے حبیب اللہ خان پسر عظیم خان بارک زئی سے جنگ کی،
پائی اور اس طرح بلاشرکت غیرے حکومت کابل پر دوست محمد خان بارک
کا قبضہ ہو گیا۔ پائندہ خان کی کئی بیویاں تھیں، جن سے بے شمار بیٹے تھے۔
انچہ دوست محمد خان نے اپنے حقیقی بھائیوں کو جن کی تعداد پانچ تھی اور جن
ے نام کزدل، رحم دل، شیر دل، کوہ دل، مہر دل تھے، مختلف اطراف میں پھیلا
۔ قندھار کزدل کے حوالے کیا۔ دوسری بیوی کے بطن سے چار حقیقی بیٹے
محمد خان، سلطان محمد خان، پیر محمد خان اور سید محمد پشاور میں حکومت کرنے
لگے۔ انہوں نے اطراف کی جاگیر کو آپس میں بانٹ بونٹ لیا۔ ۱۲۵۰ھ مطابق
۱۸۳ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پشاور پر حملہ کیا، قبضہ کیا اور پائندہ خان
اولاد کو نکال باہر کیا۔ شاہ محمود اور اس کا بیٹا کامران خان دیر تک ہرات اور
اح پر حکومت کرتے رہے۔

تاریخی حساب سے سدوزئیوں نے ۱۷۱۲ء میں ہرات و فراح پر
مت کا آغاز کیا تھا اور بوقت زوال حکومت بھی یہ علاقے انہی کے تصرف میں

تھے۔ ادھر جب بھی فتح علی خان قاچار، شاہ ایران کی اولاد نے جو مشہد مقدس
حکمران تھے، ہرات پر حملہ کیا، سدوزئیوں سے شکست ہی کھائی۔ شہزادہ
کامران حاکم ہرات کو ایرانیوں کے حملوں اور ان کے دفاع سے اتنی فرصت
نہ ملتی کہ وہ قندھار کے انتظام وانصرام پر توجہ منعطف کر سکے۔ وہ ہرات پر اپنے
باپ شاہ محمود کے نام پر حکومت کرتا تھا۔ شاہ محمود کا برادر حقیقی شہزادہ
فیروزالدین مشہد مقدس میں مستقلاً سکونت اختیار کر چکا تھا۔ ایرانی حکومت اسے
گزارہ الاؤنس دیتی تھی اور شاہ محمود بھی اس کی مالی اعانت کرتا رہتا تھا۔ اس نے
مشہد ہی میں وفات پائی۔ اس کے دو بیٹے شہزادہ قاسم اور (دوسرے کا
نامعلوم) مشہد ہی میں سکونت پذیر رہے اور مقررہ وظائف ہی پر گزر اوقات
کرتے رہے۔

شاہ محمود سدوزئی نے ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء ہرات میں وفات پائی
اسے ہرات ہی میں روضہ باغ میں مقبرہ شاہ عبداللہ خان سدوزئی اور اسد
خان سدوزئی کے قریب دفن کیا گیا اور ایک علیحدہ گنبد تعمیر کر دیا گیا۔ شاہ محمود
کا اکلوتا لڑکا شہزادہ کامران تھا جو حاکم ہرات تھا۔

شہزادہ کامران سدوزئی حاکم ہرات کا تذکرۂ حکومت:

شاہ محمود کی وفات پر شہزادہ کامران نے قلعہ ہرات میں اپنی بادشاہت
کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ امرا اور خوانین درانی سلام کے لئے اور اطاعت گزاری
کے اظہار کے لئے حاضر ہوئے

بحمداللہ کہ از تائیدِ سر پر سلطنت مہری
ہزار افسوس کہ از چرخ فنا ماہ

شاہ محمود عالیجاہ چوں از تختِ شاہی بر خاست
بفضل حق بر او شاہ محمد کامران بہ نشست

س کے نام کا خطبہ جاری ہوا۔ نوبت شاہی اس کے نام کی بجائی گئی۔ لیکن سکہ سیم زر گزشتہ کی طرح باپ ہی کا جاری رکھا۔ عہد کیا کہ جب بارک زئیوں سے ملکِ موروثی واپس لے لیا جائے گا تب نیا سکہ جاری کیا جائے گا۔

شہزادہ کامران نے اپنے چچا شاہ شجاع الملک (مقیم لدھیانہ) کی خدمت میں اپنا ایک وکیل مع موروثی جتا، کمر بند، شمشیر، اسپ و کلاہ وغیرہ بھیجا کہ یہ سامان چچا کے حضور پیش کرے اور عرض کرے کہ بادشاہت کے حقدار آپ ہیں۔ ہم آپ کے فرماں بردار ہیں۔ اگر مناسب خیال فرمائیں، ہرات تشریف لائیں بلکہ انسب ہوگا کہ کمر بستہ ہو کر قندھار کی جانب رخ کریں۔ میں اپنے بیٹے کو مع لشکر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ میں ایرانیوں کے دفاع میں الجھا رہتا ہوں اور ہرات کی محافظت و انتظام داری کے لئے فرصت نہیں پاتا۔ رشتے کو مزید استحکام دینے کے لئے شہزادہ کامران نے اپنی بیٹی کا رشتہ شہزادہ تیمور بن شجاع الملک سے کرنے کا اعلان کیا اور شاہ شجاع الملک کی بیٹی کا جو وفا بیگم کے بطن سے تھی، اپنے بیٹے شہزادہ جہانگیر خان کے ساتھ مناکحت کے لئے خواستگار ہوا۔ شاہ شجاع الملک نے یہ رشتہ قبول فرمایا۔ غلام ابراہیم خان حبشی کو لدھیانے سے ہرات روانہ کر دیا گیا۔

۱۲۴۹ھ مطابق ۱۸۳۳ء میں ایرانی لشکر نے ہرات کے شہر اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ شہزادہ کامران قلعے سے باہر آیا۔ ایرانیوں اور افغانیوں میں زبردست معرکہ ہوا، بہت خون ریزی ہوئی، ہزاروں ایرانی قتل ہوئے،

ہزاروں گرفتار ہوئے۔ شہزادہ کامران فتح وظفر مندی سے بہرہ ور ہوا۔ گرفتار
ایرانیوں کو سمرقند وبخارا میں فروخت کیا گیا۔

وزیراعظم وفادار خان (فتح اللہ خان سدوزئی) کے خانوادہ کا ذکر:

حضرت امیر سدو کے تیسرے لڑکے کامران خان کی اولاد نے، جو
کامران خیل سدوزئی کہلاتی ہے، بیشتر افغانستان ہی میں بود وباش اختیار کر
رکھی، ان میں سے بعض نے سلطان حیات خان سدوزئی کے ساتھ ملتان ہجرت
کی۔ ان اہل ہجرت میں سے موسیٰ خان جو کامران خان کا نواسہ تھا اور جو ملتان
میں مستقلاً سکونت پذیر ہو گیا تھا، سلطان حیات خان کا ہم عصر تھا۔ موسیٰ خان
کے دو بیٹے تھے، بڑا ہارون خان (دوسرے کا نام معلوم نہیں)۔ ہارون خان نے
سدوزئیوں میں لمبی عمر پائی۔ وہ سلطان حیات خان کے بیٹے عبداللہ خان کی معیت
میں ہرات بھی گیا تھا۔ حتیٰ کہ اس نے احمد شاہ درّدران کا عہد حکومت بھی دیکھا
تھا۔ طولِ عمری اس کی ناموری کا سبب تھی۔ ۱۷۴۵ء مین جب احمد شاہ
درّدران پہلی مرتبہ شاہ نواز خان کی صوبیداری کے دور میں وارد ہوا تو گفت
شنید کے لئے جو وفد گیا اس کا سربراہ بھی ہارون خان ہی کو بنایا گیا تھا اور دربار
لاہور میں جب شاہ نواز خان نے دریافت کیا کہ بھائی احمد خان سدوزئی کا کیا حال
ہے اور کیسا ہے؟ تو ہارون خان سدوزئی نے نہایت پسندیدہ بلکہ تاریخ میں یادگار
رہنے کے قابل جواب دیا تھا:

"ہم بھائی احمد خان کو نہیں جانتے ہم تو احمد شاہ
درّدران کی جانب سے آئے ہیں"

ہارون خان نے اوائل حکومت درّدران میں وفات پائی۔ اپنے پیچھے ایک لڑکا

یک لڑکی چھوڑی۔ ہارون خان کی لڑکی کا نکاح محمد خان بہادر خیل سدوزئی
کن ملتان سے ہوا۔ شادی کے بعد محمد خان نے قندھار ہجرت کی۔ محمد خان کا
یک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام یار محمد خان رکھا گیا۔ یار محمد خان بہت خوش خلق اور
ندہ طبع تھا۔ وہ شاہ محمود کی حکومت تک زندہ تھا۔ اس سے دو لڑکے پیدا ہوئے
قندھار میں سکونت پذیر ہیں۔

تح اللہ خان سدوزئی :

فتح اللہ خان پسر ہارون خان، احمد شاہ درددران اور تیمور شاہ کے عہد
لومت میں نہایت معزز و مکرم تھا۔ سدوزئیوں میں اس سے زیادہ عالی مرتبہ
نصیت کوئی نہ تھی۔ درددران نے اسے وفادار خان کا خطاب عطا کیا اور اپنا وزیر
قرر کیا۔ عہد تیمور شاہ میں بھی وہ وزیر سلطنت رہا۔ وہ سدوزئیوں کے معاملات
مسائل کو طے کرتا تھا اور تمام امور اس کے وسیلے سے انجام پذیر ہوتے تھے۔

ایک دن اوائل حکومت درددران میں فتح اللہ خان اور تمام امرائے
رانی کشک خانے میں جمع تھے اور مختلف امور پر بات چیت ہو رہی تھی۔ کسی بات
ایک درانی نے فتح اللہ خان کو سخت کلمات کہہ دیئے۔ فتح اللہ خانے نے برہم ہو
ر کہا "سپی غل مخورہ" (اے کتے پاخانہ نہ کھا)۔ اس درانی نے یہی الفاظ فتح اللہ
مان کو کہہ دیئے۔ فتح اللہ خان نے غضب ناک ہو کر تلوار اس طرح ماری کہ اس
رانی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ کسی کو جرأتِ مداخلت نہ ہوئی۔ وہ گھوڑے پر سوار
و گھر چلا گیا۔ خواجہ سراؤں نے حرم میں درددران کو اس واقعے سے مطلع کیا۔ شاہ
لام گاہ میں آیا۔ درباری حاضر ہوئے۔ مقتول کے خویش و اقارب میں سے ایک
نے دہائی دی کہ فلاں درانی کو بے گناہ قتل کیا گیا ہے حالاں کہ اس درانی نے کچھ

نہیں کہا تھا۔بادشاہ نے حاضرین سے گفتگو کی روداد پوچھی، سب نے کہا اوّل، فتح
اللہ نے گالی دی۔ پھر درانی نے جواباً گالی دی۔ اس پر فتح اللہ خان نے اسے شمشیر
سے قتل کر دیا۔ احمد شاہ نے اس مقتول کے خویش کو کہا" اے کتے! جھوٹ کیوں
بولتا ہے کہ اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔" اس پر وہ شخص چپ ہو گیا۔ شاہ نے حکم دیا
اسے چوب سے مارا جائے۔ جب وہ شدتِ ضربات سے بے ہوش ہو گیا تو اسے
خانہ معلیٰ سے باہر ڈال دیا گیا۔ دوسرے دن جب فتح اللہ خان حسب معمول سلام
کو حاضر ہوا تو شاہ نے اس سے واقعہ گزشتہ کی تفصیل پوچھی۔ فتح اللہ نے راستی
کے ساتھ من و عن بات کہہ دی۔ شاہ نے بات سن کر کہا

"مجھے باری تعالیٰ کی قسم! اگر اس کی نازیبا بات سن کر
تیری غیرت بیدار نہ ہوتی تو میں تجھے زندہ نہ چھوڑتا
لیکن تیری زندگی باقی تھی کہ تو نے اس غیرت وجرأت
کا مظاہرہ کیا۔"

ایک دن مجلس شاہ میں معاملات پر گفتگو ہو رہی تھی۔ شاہ نے فتح اللہ خان سے
پوچھا، "میری پسند تم سدوزئیوں اور درانیوں کے ساتھ کیا ہے؟" فتح اللہ خان
نے عرض کی، "آپ درانیوں کے بادشاہ اور ہمارے سر تاج ہیں"۔ شاہ نے
فرمایا "نہیں ایسا نہیں ہے میں درانیوں کا بادشاہ ہوں اور تمہارا بھائی ہوں۔"

فتح اللہ خان کا مشاہرہ تین ہزار روپے سالانہ مقرر تھا۔ کابل، قندھار
اور پشاور میں معقول جاگیر بھی تھی۔ جب عہد احمد شاہ میں عبدالخالق خان
کامران خیل نے بغاوت کی، فتح اللہ خان نے اس بغاوت کو کچلنے میں بڑھ چڑھ کر
حصہ لیا۔ جس پر خوش ہو کر شاہ نے اسے وفادار خان کے خطاب سے نوازا۔

شاہ کے دل میں اس کی بہت عزت تھی، وہ کہا کرتا تھا، ''وفادار خان میرا چچا
ہے۔'' دربار میں وہ شاہ کے قریب ترین نشست پر بیٹھتا۔ عموماً بادشاہ کے
خوان پر، ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا۔ ۱۲۰۳ھ مطابق ۱۷۸۸ء میں جب
ر شاہ نے ہندوستان پر لشکر کشی کی اور کابل سے بہاول پور کا رخ کیا تو اثنائے
میں اس نے وفات پائی۔ اس کے چار بیٹے تھے، ایک نعمت اللہ خان جو عہد
شاہ ہی میں مر گیا تھا۔ نعمت اللہ خان کا ایک بیٹا عبدالکریم تھا۔ جب عہد شاہ
د میں پہلی مرتبہ قندھار فتح ہوا تو فتح اللہ خان بارک زئی نے ازراہ دشمنی اسے
ل کروادیا۔ فتح اللہ خان کا دوسرا بیٹا رحمت اللہ خان تھا جو باپ کی موت کے بعد
ھار ہی میں تھا۔ تیمور شاہ نے ۱۲۰۳ھ مطابق ۱۷۸۸ء میں اسے قندھار سے
ب کیا اور فتح اللہ خان کی جگہ اسے وزیر سلطنت مقرر کیا۔

رحمت اللہ خان نہایت عالم و فاضل، عاقل و دانش مند، متقی و متشرع
۔ اس کی مجلس میں اہل کمال اور علمأ و فضلأ بیٹھتے تھے۔ قال اللہ قال الرسول کا
ر ہوتا تھا۔ وہاں کسی کو غلط بات کہنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

قاضی فیض اللہ دولت شاہی، رحمت اللہ خان کے پاس اس کے باپ کی
ریف و فاتحہ خوانی کے لئے آیا۔ رحمت اللہ خان برائے تعظیم نہ اٹھا۔ قاضی نے
ل میں کینہ رکھ لیا اور بادشاہ سے اس کے خلاف لگائی بجھائی کرنے لگا۔ آخر
تیمور شاہ کے دل میں اس کے خلاف غبار آگیا اور تقرب و منزلت میں کمی آگئی۔
خاطر داری کم ہو گئی، اس صورت حال کو دیکھ کر رحمت اللہ خان نے دربار شاہی
میں جانے سے گریز اختیار کرنا شروع کیا۔ وہ حساس تھا۔ دل کو صدمہ پہنچا۔
صاحب فراش ہو گیا۔ شاہی اطبأ علاج کرتے۔ افاقہ نہ ہوتا۔ بادشاہ کو علم ہوا تو

اس نے شاہی دواخانے سے خواجہ سراؤں کے بدست معجون، عرق، شربت مفرح وغیرہ بھیجنے شروع کیے۔ رحمت اللہ خان شاہی آدمیوں کے سامنے دوا لیتا، بعد میں استعمال نہ کرتا۔ اسی عالم میں تین سال بیت گئے۔ کسی کو اندازہ نہ ہو سکا کہ دوائیں باقاعدگی سے استعمال نہیں ہو رہی ہیں۔ جب تیمور شاہ نے وفات پائی تو رحمت اللہ خان کے دل کا بوجھ ہلکا ہوا، شفا پائی۔ شاہ زمان کے دربار میں حاضر ہوا اور اس کے مزاج میں حد درجے دخیل ہو گیا۔ ملکی اور مالی امور اصلاح و مشاورت میں کسی اور کی گنجائش نہ رہی۔ شاہ نے وفادار خان کا خطاب دیا اور وزیر سلطنت مقرر کیا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ شاہ نے رحمت اللہ خان کے ایما پر قاضی فیض اللہ دولت شاہی کو قید میں ڈال دیا اور یہ دیرینہ عداوت کا ردعمل تھا۔ رحمت اللہ خان نے شاہ کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ قاضی جادوگر ہے۔ اس نے جادو کے زور سے تیمور شاہ کو اپنی جکڑ مین لے رکھا تھا۔ اس کو سنڈاس خانے میں بند کیا جائے تا کہ اس کے دماغ سے جادو کا اثر جاتا رہے۔ چنانچہ یہی ہوا اور قاضی اس ذلت و خواری کے ساتھ ہلاک ہوا۔

تمام امرا رحمت اللہ خان سے خوف کھاتے اور اس کے سامنے دست بستہ ایستادہ رہتے تھے۔ ایک بار رحمت اللہ خان، مختار الدولہ ولد شیر محمد خان بامے زئی سے ناراض ہو گیا۔ اسے کشک خانے میں جوتوں سے اتنا پٹوایا کہ وہ بالآخر ہلاک ہو گیا۔

ایک اور واقعہ یہ ہے کہ اشرف البلاد میں ایک درانی نے ایک سدوزئی کی مران خیل کی گائے کی دم کاٹ دی۔ اس سدوزئی نے رحمت اللہ خان سے شکایت کی۔ رحمت اللہ خان نے شاہ زمان کو آگاہ کیا اور کہا آج ایک درانی

[جر]أت کرتا ہے کہ ایک سدوزئی کی گائے کی دم کاٹ دیتا ہے۔ کل یہ لوگ [س]دوزیوں کے ہاتھ پاؤں قطع کریں گے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں، اگر ایسی [با]توں سے درگزر کیا جائے تو کل کلاں کو خطرناک واقعات بھی رونما ہو سکتے ہیں۔ [ز]مان شاہ اس طرح برہم ہوا کہ اس نے اس شخص کو کشک خانے میں توپ سے [ا]ڑوادیا۔ اس کے گوشت کے ٹکڑے محل سرا کے ساتھ چمٹ گئے۔ حکم دیا کہ [مح]ل سرا کی دیواروں کو پاک صاف نہ کرو بلکہ ایسے ہی رہنے دو تاکہ لوگوں کو [ع]برت حاصل ہو۔ زمان شاہ نے ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء رحمت اللہ خان کو [ق]لمدان مرصع اور عصائے مرصع عطا کر کے وزارت پر متمکن کیا اور وزیر اعظم [د]ستور معظم وفادار خان کے خطاب سے نوازا اور نقش نگیں اس طرح کیا :

چو فضلِ ایزد و لطفِ محمدی یار است
وزیر اعظم شاہ زماں وفادار است

شاہی خزانے سے ایک لاکھ روپیہ مشاہرہ اس کا مقرر کیا اور باپ ہی کی طرح کابل، قندھار اور پشاور میں اس کو جاگیر بخشی۔ اس کی لڑکی رضیہ بیگم کا رشتہ شاہ زمان نے اپنے لئے مانگا۔ وزیر اعظم نے عرض کی ''ہم غریب لوگ ہیں، شاہوں کے ساتھ ہماری نسبت چہ معنی دارد'' شاہ زمان نے فرمایا ''ہم نے یہ [سو]ال از روئے بادشاہی نہیں، از روئے برادری کیا ہے'' وزیر اعظم نے کہا، اگر [م]رضی بادشاہ یہی ہے تو میں اپنی بیٹی رضیہ کا رشتہ آپ کے بھائی شجاع الملک کے ساتھ منظور کرتا ہوں۔ شاہ زمان نے اتفاق کیا، منگنی طے پا گئی۔ شادی کے [و]قت وزیر اعظم نے بیٹی کو دو لاکھ کا جہیز دیا۔ اس واقعے کے بعد زمان شاہ نے [اپ]نے لئے اس کی دوسری بیٹی کا رشتہ طلب کیا۔ وزیر اعظم نے منظور کیا اور

آئینِ شاہاں کے مطابق شان و شوکت سے شادی منعقد ہوئی۔

وزیر اعظم مراتب و مناصب کے اس اوجِ کمال تک پہنچا کہ لوگ گمان کرتے تھے کہ ایک روز وزیر بادشاہ بن جائے گا اور بادشاہ کو قید میں ڈال دے گا آخر واقعات نے پلٹا کھایا۔ ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء میں زمان شاہ کے خلاف بغاوت ہوئی، بادشاہ اور وزیر اعظم دونوں گرفتار ہوئے اور قلعہ عاشق شنواری میں مقید کر دیئے گئے۔ شاہ محمود کابل میں تخت نشین ہوا۔ اس نے وزیر اعظم کو قتل کرا دیا اور شاہ زمان کی آنکھوں میں سلائی پھروادی اور اسے کابل کے قلعہ بالا حصار میں زندانی کر دیا۔

شاہ محمود نے گرفتاری کے دوران رحمت اللہ خان سے خزانہ طلب کیا۔ اس نے ٹکا سا جواب دیا کہ میرے پاس تو کروڑہا روپے ہیں۔ اگر میں جانتا کہ مال دینے سے جان بخشی کی صورت نکل آئے گی تو بے حد و شمار خزانہ دیتا۔ لیکن جانتا ہوں کہ میری خلاصی ممکن نہیں۔ پس دشمنوں کو عطائے مال و زر سے کیا فائدہ۔ جس کے پاس میرا خزانہ ہے، میں نے اسی کو بخشا۔ توشہ آخرت کے طور پر میرے کام آئے گا۔

رحمت اللہ خان کو اس کے دو بھائیوں سمندر خان اور محمد خان سمیت قتل کر دیا گیا۔ رحمت اللہ خان کی ماں افغان، سمندر خان کی ماں مغل اور محمد خان کی ماں آلوس درانی تھی۔ سمندر خان کا ایک لڑکا سکندر خان اور محمد خان کا ایک لڑکا عطا محمد خان جو سدوزئی عورت کے بطن سے ہے اور وزیر اعظم کا داماد ہے۔ وزیر اعظم عبدالرحمٰن خان کی دختر کے بطن سے عطا محمد خان کے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ رحمت اللہ خان المعروف وفادار خان کے تین لڑکے اور تین

ماں ہیں۔ ایک لڑکا محمد صدیق خان، دو لڑکیاں جن میں ایک لڑکی وفا بیگم
تاج الملک کے عقد میں ہے اور دوسری لڑکی مراد بیگم عطا محمد خان کی بیوی ہے۔
سب ایک افاغنہ ماں سے ہیں۔ رحمت اللہ خان کا دوسرا بیٹا حبیب اللہ خان
ماں سے اور تیسرا بیٹا عثمان خان اور تیسری لڑکی جو شاہ زمان کے عقد میں
ایک کرد عورت کے بطن سے ہیں۔ شاہ محمود کے عہد میں محمد صدیق خان
رحمت اللہ خان وزیر اعظم، راولپنڈی چلا آیا تھا اور وہیں وفات پائی۔ متوفی کی
ی اپنی چچازاد بہن سے ہوئی۔ وہ لاولد تھا۔ رحمت اللہ خان کے دوسرے بیٹے
ب اللہ خان کے بکثرت لڑکے لڑکیاں تھیں جن کی تعداد دس، پندرہ کے
بیان ہے۔ اس کی سب سے بڑی لڑکی کی شادی شیر محمد خان سدوزئی
ر خیل ناظم ڈیرہ اسماعیل خان سے ہوئی۔

اندان عبد الخالق خان سدوزئی کا تذکرہ :

عبد الخالق خان سدوزئی عبد الرحمٰن خان کامران خیل سدوزئی کے
اندان سے تھا۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں جب عبد اللہ خان سدوزئی ہرات
حاکم تھا، یہ وہیں سکونت پذیر تھا۔ آلوس ابدالی میں خانہ جنگی کے دوران جب
ذوالفقار خان پسر زمان خان نے ہرات کا محاصرہ کیا تو عبد الرحمٰن خان بھاگ کر
ذوالفقار خان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ جب اسد اللہ خان پسر عبد اللہ خان
سدوزئی نے ہرات کے محاصرے کے موقع پر ذوالفقار خان کو شکست دی تو وہ
فراح کی جانب بھاگ گیا۔ عبد الرحمٰن خان بھی ہمراہ تھا۔ بعد میں جب ذوالفقار
قندھار سے فراح آیا تو حسین غلزئی نے فریب سے ان سب کو قلعے میں قید
کیا۔ عبد الرحمٰن خان بھی ان قیدیوں میں شامل تھا۔ جب ۱۷۳۸ء میں

نادر شاہ افشار نے قندھار پر قبضہ کیا تو ان سب قیدی سدوزئیوں کو رہائی دی اور ماژندران میں انہیں جاگیریں بخشی گئیں۔ اس طرح عبدالرحمٰن خان اس کا خانوادہ احمد شاہ درّدران کے خاندان سے منسلک رہا۔

عبدالرحمٰن خان عہد احمد شاہ تک زندہ رہا۔ نہایت معزز و محترم تھا سدوزئیوں سے بہت محبت رکھتا تھا۔ احمد شاہ درّدران ازراہ عزت اسے کاکا کہتا تھا۔ وہ بادشاہ کے حکم سے سدوزئیوں کے تمام امور و معاملات طے کیا کرتا تھا اس کے بعد فتح اللہ خان سدوزئی کو اس عہدہ پر متعین کیا گیا۔ فتح اللہ خان نے مرتے وقت دو لڑکے چھوڑے۔ عبدالخالق خان اور عبدالسلام خان۔ عہد درّدران میں دونوں معزز و محترم تھے۔ جب احمد شاہ نے وفات پائی تو پہلا شخص یہی عبدالخالق تھا جس نے قندھار سے ہرات جا کر تیمور شاہ کو یہ خبر سنائی۔ تیمور شاہ کے ہمراہ ہرات سے قندھار پہنچا۔ قندھار میں برسر اقتدار آ کر تیمور شاہ نے اس کی نہایت عزت و توقیر کی، وہ بادشاہ کا نہایت مقرب تھا۔ اسے ہر وقت باریابی کی اجازت تھی، ہر روز کا سلام اس پر معاف تھا۔ اس بنا پر امرأ میں اس کی عزت و منزلت بہت بڑھ گئی تھی۔

اسی دوران میں طے ہوا کہ احمد شاہ درّدرانؒ کا مقبرہ تعمیر کیا جائے اس مقصد کے لئے تیمور شاہ نے عبدالخالق خان کو ایک لاکھ روپیہ حوالے کیا کہ وہ اپنی مرضی سے مقبرہ تیار کرائے۔ کچھ عرصے بعد پتہ چلا کہ وہ یہ رقم کھا گیا ہے۔ مقبرہ تعمیر نہیں ہوا تھا۔ اسے کابل طلب کیا گیا۔ جب اسے پتہ چلا کر تیمور شاہ حالتِ غضب میں ہے وہ غزنی کی جانب بھاگ گیا اور وہاں کچھ حامیوں کو جمع کر کے علم بغاوت بلند کر دیا۔ جمعیت اکٹھی کی اور تیمور شاہ سے جنگ کی ٹھانی

ر قندھار کا رخ کیا۔ وہاں شہزادہ ہمایوں پسر تیمور شاہ حکمران تھا۔ اسے شکست
ا، قیدی بنایا اور قلعہ بند ہو گیا۔ پھر خزانے پر قبضہ کیا۔ قلعے کے دروازے
لے۔ لوگوں میں خزانہ لٹایا اور کابل پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ قندھار میں اپنے
ر عبدالسلام کو حاکم مقرر کیا اور پچاس ہزار کا لشکر ہمراہ لے کر کابل کی جانب
ج کیا۔ تیمور شاہ بھی قلعہ کابل سے نکل کر مدمقابل ہوا۔ دونوں لشکر آمنے
منے تھے۔ تیمور شاہ نے محسوس کیا کہ بہت خون خرابہ ہو گا۔ چنانچہ اس نے
ی شریف خان سدوزئی کو وکیل بنا کر عبدالخالق خان کے پاس پیغام صلح کے
تھ بھیجا اور کہا جو شہر درکار ہے، لے لو لیکن جنگ و فساد اختیار نہ کرو۔ یہ بھی کہا
اگر کسی طرح نہیں مانتے، مجھے ہرات دے دو، میں وہاں گوشہ نشینی اختیار کر
ں گا اور تم حکومت سنبھال لینا۔ عبدالخالق نے اسے تیمور شاہ کا عجز سمجھا اور
بر میں آگیا اور کہا کہ تمہارے خاندان سے چار خون رکھتا ہوں۔ تمہیں ہرات
یسے جانے دوں۔ ایک درانی قریب ایستادہ تھا، اس نے کہا، آپ کا حکم ہو تو
یمور شاہ کو باندھ کر آپ کے قدموں میں ڈال دوں۔ اسی انداز کی فضول گوئی
رتا رہا۔ آخر حاجی شریف خان نے واپسی کی رخصت طلب کی۔ عبدالخالق خان
نے کہا پہلے کیوں جاتے ہو، اکٹھے کابل میں داخل ہوں گے۔ حاجی شریف خان
نے عرض کی کہ میں وکیل ہوں۔ آپ کے ساتھ کیسے جا سکتا ہوں ہاں اگر
جازت ہو تو کابل پیغام پہنچا کر لوٹ آؤں گا اور آپ کے ساتھ مل جاؤں گا، چنانچہ
جی شریف خان واپس ہوا اور جا کر تمام روداد بادشاہ کے گوش گزار کی۔ اس
ت رات کی تاریکی پھیل چکی تھی۔ وزیر فتح اللہ خان موجود تھا۔ اس نے پریشانی
ر اضطراب کا اظہار کیا۔ مگر تیمور شاہ نے اعتماد اور حوصلے کے ساتھ کہا جاؤ، جا

کر سو جاؤ۔ عبدالخالق نے یہ معاملہ درانیوں کو سونپا ہے ہم خدا کے سپرد کر
ہیں۔

اگلے دن تیمور شاہ نے دس بارہ ہزار کا لشکر مع توپ خانہ کابل
عبدالخالق خان کی جانب روانہ کیا۔ نہایت خون ریز لڑائی ہوئی۔ عبدالخالق خا
شکست کھا کر بھاگا۔ اس جنگ میں عبدالخالق خان ہاتھی پر سوار تھا۔ جب اس
لشکر نے راہِ فرار اختیار کی، وہ ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ جب گھ
بھگاتے بھگاتے تھک گیا اور ایک جگہ رکا۔ ایک درانی نے ٹٹو حاضر کیا اور طنزاً
خان! تم ہاتھی گھوڑے کے قابل نہیں، ٹٹو کے لائق ہو اور اسے پکڑ کر تیمور
کے آدمیوں کے حوالے کیا۔ جب تیمور شاہ کے روبرو پیش ہوا تو اس نے
سے ایسی ضرب لگائی کہ وہ گھوڑے سے نیچے آن گرا۔ اسے قید کر دیا
دوسرے دن اس کی آنکھیں نکلوا دیں اور جسم کی کھال اتروا دی۔ اس اذیت نا
طریقے پر وہ قتل ہوا، لاولد مرا۔ اس کا برادر عبدالسلام خان قندھار میں گر
ہوا اور کابل میں قید کر دیا گیا۔ اس کی پیرانہ سالی کے پیش نظر شاہ زمان نے ا
اپنے عہد حکومت میں رہائی بخشی۔ اس نے کچھ مدت بعد وفات پائی۔ وہ صا
اولاد تھا۔ اس کی اولاد قندھار میں سکونت پذیر ہے۔

خان جمعہ خان وغیرہ کے خاندان کا ذکر:

سلطان خداداد سدوزئی نے اپنے عہد حکومت میں کامران خیل
لئے سفاح شہر کے قریب علاقہ دیوبوتہ اور قرب و جوار کی زمینداری مخصوص
دی۔ جب ۱۷۱۲ء میں سلطان عبداللہ خان کی حکومت نے ہرات میں
جڑیں جمالیں تو انہوں نے نہایت وفاداری سے وقت بسر کیا۔ کامران خیل

ن علم خان تھا۔ اس نے اور اس کی اولاد اسی جگہ قائم رہے مگر کامران خیل کے
ر افراد متفرق ہو گئے۔ غلزیوں کے غلبے کے وقت علم خان کا والد قریہ بوتہ
ں کاشتکاری کرتا تھا۔ وہ عبداللہ خان حاکم ہرات کے عہد میں فوت ہوا۔ علم
ن نے احمد شاہ درددران کے عہد سے قبل وفات پائی۔ اس کا بیٹا شکور خان عہد
ور شاہ تک بقید حیات رہا۔ اس کی بیٹی کی شادی محمد خان ولد ہارون خان سے
ئی تھی جس کے بطن سے عطا محمد خان پیدا ہوا۔ شکور خان کا بیٹا جمعہ خان تھا
ں نے بڑی تگ و دو سے بڑا نام پیدا کیا۔ عہد تیمور شاہ میں اس کے گہرے
تعلقات وزیر اعظم وفادار خان سے تھے۔ دیوبوتہ میں بودوباش رکھنے والے
مران خیل سدوزئی، بارک زئیوں کے غلبے کے وقت اسی قریے میں رہے
ب کہ دیگر سدوزئی کابل اور قندھار سے نکل کر ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔ اب
ک جمعہ خان کی اولاد پیشہ زراعت سے وابستہ ہے۔

باب سیز دہم

نواب حاجی محمد مظفر خان مودود خیل سدوزئی

صفدر جنگ بہادر، رکن الدّولہ صوبہ دار (ناظم) ملتان

۱۷ر فروری ۱۷۸۰ء تا ۲ر جون ۱۸۱۸ء

نواب محمد شجاع خان مرضِ استسقا میں مبتلا ہوا اور اس نے رجب ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۷۷۶ء قلعہ شجاع آباد میں وفات پائی، وہیں دفن کیا گیا۔ اس کے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ تمام اولاد غیر کفو ہندی عورتوں کے بطن سے تھی۔ اس کی شادی اس کے کفو حاجی محمود خان سدوزئی بہادر خیل کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی لیکن اس کے بطن سے کوئی اولاد نہ تھی۔ نواب مرحوم کا سب سے بڑا بیٹا محمد مظفر خان، سب سے چھوٹا بیٹا محمد سکندر خان اور ایک بیٹی خان بی بی، ایک ماں سے تھے جب کہ دو حقیقی بھائی محمد غضنفر خان اور محمد سنجر خان دوسری خاتون سے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد دستور کے مطابق جاگیر تقسیم ہوئی۔

سکندر خان سدوزئی:

سکندر خان سادہ لوح تھا اور عقل و دانش سے معرّا تھا۔ ڈھائی ہزار ایکڑ رقبہ سکندر آباد کا، اس کے حصے میں آیا۔ اس نے وہاں قلعہ تعمیر کیا۔ بستی آباد کی اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ جب وہ بڑا ہو گیا تو عیش و عشرت میں پڑ گیا اور باپ کے جمع شدہ مال و دولت کو بے دریغ خرچ کرنا شروع کر دیا۔ عہد شاہ زمان میں اسے ڈیرہ غازی خان کا ناظم بھی مقرر کیا گیا۔ وہ ملتان سے ڈیرہ غازی

ی پہنچا۔ آٹھ دن قیام کیا اور واپس ملتان آ گیا۔ بعد میں سکندر آباد سے بھی اس کا
اچاٹ ہو گیا اور ملتان میں مستقلاً سکونت اختیار کر لی۔ وہ ایک بار نواب
خان صوبہ دار ڈیرہ اسماعیل خان وکچھی کے پاس بھی گیا تھا۔ روپیہ گنواتا رہا۔
یداد فروخت ہوتی رہی۔ اس نے نواب حافظ احمد خان ناظم کچھی کی بہن سے
ی کی۔ جب عسرت و تنگ دستی حد سے بڑھ گئی تو سکھوں کے حملے ۱۸۱۸ء
، قبل احمد خان کے پاس برائے حصولِ امداد گیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔
ملتان تک وہیں قیام پذیر رہا۔ نواب نے اس کا پندرہ روپیہ ماہانہ کے حساب
، وظیفہ مقرر کر دیا۔ اس نے تا وفات نہایت ناداری و بے وقاری سے زندگی
اری۔ اس نے ڈیرہ اسماعیل خان میں وفات پائی۔ اس کی میت کو شجاع آباد اس
ے والد کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔ سکندر خان کی اولاد ایک لڑکا اور تین
کیاں تھیں۔ یہ ایک ماں کے بطن سے تھے جو قاسم خان سدوزئی بہادر خیل کی
تر تھی۔ سکندر خان کی دوسری بیوی کے بطن سے، جو حافظ احمد خان ناظم کچھی
یرہ اسماعیل خان کی بہن تھی، کوئی اولاد نہ تھی۔ سکندر خان کے بیٹے کا نام
ادر خان تھا، وہ بھی لاابالی، اوباش وضع اور کم فہم تھا۔ اگرچہ تنہا گزارتا تھا لیکن
باشی کے سبب گزر بسر مشکل کرتا تھا۔ چناں چہ اس نے ملتان چھوڑ کر لاہور کا
خ کیا۔ جہاں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ایک روپیہ روزینہ مقرر کر دیا۔ لیکن
سراف کے سبب عسرت اور تنگی ترشی میں وقت گزارتا تھا۔ اس کی زندگی بھی
ے وقار گزری۔

محمد غضنفر خان سدوزئی :

یہ صاحب فہم و دانش تھا۔ جب جوان ہوا تو باپ کے ترکے
مظفر نگر (مظفر گڑھ) اور دیگر مواضعات پر مالک و متصرف ہوا۔ جس سے ا
سات آٹھ ہزار روپیہ سالانہ پیداوار ہوتی تھی۔ بیس سال کی عمر کو پہنچتے پہ
خوب قد کاٹھ نکالا۔ بڑا حسین جوان تھا۔ لیکن عیش و عشرت میں پڑ گیا۔ دین و
کے امور سے بے خبر ہو گیا۔ نشۂ خمر میں بدمست رہنے لگا۔ حتیٰ کہ سال سال
غسل نہ کرتا۔ جہاں بیٹھ گیا، گھنٹوں اٹھنے کا نام نہ لیتا۔ سکھوں کے حملے ۱۸۱۸
میں حافظ احمد خان سدوزئی کے پاس پہنچا۔ اس نے کچھ وجہ معاش مقرر کر د
کیوں کہ آہستہ آہستہ وہ اپنی جائیداد ٹھکانے لگا چکا تھا۔ جب سکھ کچھی پر قابض
گئے تو اس نے دیگر لوگوں کے ساتھ سندھ کا رخ کیا۔ والیانِ سندھ نے اس
اس دگرگوں حالت میں دیکھا تو خاطر مدارات کر کے وہاں سے رخصت کیا۔
بے سر و سامانی کے عالم میں ملتان پہنچا۔ پھر اس نے لاہور کا رخ کیا اور وہیں وفا
پائی۔ ایک بیٹا عبداللہ خان، ایک کسبی سے تھا۔ دو لڑکیاں بھی تھیں، ایک لڑکی
ماں، یارن خان بہادر خیل کی دختر تھی۔ دوسری لڑکی کی والدہ علیزئی افغا
تھی۔ نواب سرفراز خان سدوزئی نے اپنے بیٹے فیروز الدین سدوزئی سے دونو
لڑکیوں کا یکے بعد دیگرے نکاح کر دیا۔ لڑکا عبداللہ خان اپنے باپ کے سا
سندھ گیا تھا۔ اس کا باپ اور دیگر امرا سندھ سے واپس آ گئے تھے مگر اس نے و
سکونت اختیار کر لی۔ لوگ ان کا احترام ان کے بزرگوں کے نام و نسبت
کرتے تھے۔ عبداللہ خان نے دختر اصغر خان سے شادی کی اور اسے اپنے سا
رکھا۔

محمد سنجر خان سدوزئی :

جب نواب محمد شجاع خان سدوزئی کا انتقال ہوا تو سنجر خان شکم مادر میں تھا۔ بعد از وفات پدر پیدا ہوا اس لئے تقسیم جائداد کے وقت اس کا حصہ مختص نہیں ہوا۔ بعد میں یہ امر وجہ تنازعہ ہوا۔ جب وہ عالم جوانی کو پہنچا تو نواب مظفر خان اور دوسرے بھائیوں نے نواب کے حکم پر تین چار ہزار روپے اس کی وجہ معاش مقرر کر دی۔ جب بھرپور جوان ہوا تو عقل و تمیز سے عاری ثابت ہوا اور تکیہ نشینی اختیار کر لی۔ ملتان پر سکھوں کے آخری حملے کے بعد نہایت بے وقاری کے عالم میں زندگی گزارنے لگا۔ کسی ایک جگہ جم کر نہیں رہتا تھا۔ آخر ملتان میں وفات پائی۔ اولاد نرینہ سے محروم تھا۔ البتہ پانچ لڑکیاں تھیں۔ تین لڑکیاں صدیق خان بہادر خیل سدوزئی کی دختر کے بطن سے تھیں۔ ان میں سے دو لڑکیاں نواب مظفر خان کے دو بیٹوں ممتاز خان اور میرباز خان کے حبالۂ عقد میں تھیں۔ اس کی دیگر دو لڑکیاں ایک ہندی نژاد خاتون سے تھیں۔ ان میں سے ایک کی شادی ملتان پر سکھوں کے قبضے کے بعد خانوادۂ سادات اہلِ گردیز کے ایک فرد سے کر دی تھی۔

نواب مظفر خان اور سکندر خان کی ہمشیرہ خان بی بی نواب مظفر خان کے ساتھ بودوباش رکھتی تھی۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔

نواب مظفر خان صوبہ دار ملتان :

نواب مظفر خان سدوزئی، نواب محمد شجاع خان سدوزئی کی اولاد میں سب سے زیادہ صاحبِ لیاقت و تمیز اور صاحبِ فہم و دانش تھا۔ صفات عالیہ کے

اعتبار سے اپنے باپ کا تلمیذ رشید تھا۔ نہایت زیرک، معاملہ فہم، اعلیٰ درجے کا منتظم، دلیر، جوہر شجاعت سے آراستہ، متشرع، متدّین، صوم وصلوٰۃ کا پابند، پیکر غیرت، خاندانی وقار کا مظہر، عوام کا ہمدرد، سخی وعادل، حکومت کے امور میں گہری دلچسپی کا خوگر، عملی طور پر فلاح وبہبود کے کاموں میں سرگرم۔ چنانچہ اس نے زراعت و تجارت کو بہت فروغ دیا۔ عوام کے لئے نئے نئے شہر آباد کئے۔ نہروں کا جال بچھا دیا تاکہ زراعت کی ترقی کے سبب لوگ خوشحال اور شاد آباد رہیں۔ جابجا حفاظتی قلعے تعمیر کرائے۔ الغرض اس نے ملتان کی ہمہ جہت ترقی و خوشحالی پر نظر رکھی۔ نواب کا بڑا لڑکا سرفراز خان زمینداری کے معاملے میں حریص تھا۔ اس نے حیلے بہانے سے لوگوں کے رقبے ہتھیانے شروع کر دیئے۔ نواب نے اس کے ان اقدامات سے چشم پوشی اختیار کی۔ جب نواب شجاع خان ۱۸ر رجب ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۶ر ستمبر ۱۷۷۵ء کو شجاع آباد میں فوت ہوا تو اس کی وفات کے ایک ماہ بعد سدوزئی تمن کے تمام افراد شجاع آباد میں یکجا ہوئے اور پیر محمد خان خدکہ سدوزئی نے اجتماعی اتفاق رائے کے ساتھ ۲۰ر شعبان ۱۱۸۹ھ مطابق ۱۸ر اکتوبر ۱۷۷۵ء محمد مظفر خان کے سر پر سرداری کی دستار باندھی۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ نواب محمد مظفر خان بعمر ۲۳ر سال ۱۱۹۴ھ مطابق جنوری ۱۷۸۰ء میں صوبہ دار ملتان مقرر کیا گیا۔ اس وقت افغانستان میں تیمور شاہ حکمران تھا۔ اس نے اپنے وزیر وفادار خان کی وساطت سے نواب مظفر خان کے لئے کابل سے خلعت بھجوائی۔ وفادار خان کی ہمشیرہ نواب شجاع خان کی والدہ تھی، اس لئے وزیر سلطنت ہمیشہ نواب کا خاص خیال رکھتا تھا اور اس کی وفات کے بعد اس نے نواب مظفر خان سے

لئے بھی اپنے دل میں نرم گوشہ رکھا۔ چوں کہ سکھوں کے حملہ ۱۷۶۴ء کڑی سلطان حیات خان کے دوران خانوادۂ سلطان حیات خان کو بہت نقصان پہنچا تھا، اس لئے تلافی کے طور پر احمد شاہ درردران کے فرمان پر نواب شجاع خان نے اپنی منصب داری کے دوران خدکہ خاندان کی کفالت کے لئے بارہ ہزار روپے سالانہ مقرر کر دیئے تھے۔ باپ کی وفات کے بعد نواب مظفر خان نے بھی ہر دو خاندانوں کے مابین ایک خوشگوار فضا قائم رکھنے کی خاطر اس رقم کے دوبارہ اجرا کا حکم دیا۔ لیکن جب وہ ۱۸۰۷ء میں سفر حج پر گیا تو اپنے بیٹے سرفراز خان کو منصب داری کے اختیارات سونپ گیا۔ جس نے اس رقم کی ادائیگی روک دی۔ حج سے مراجعت پر اس واقعے کا علم ہونے پر نواب مظفر خان نے بیٹے سے کوئی تعرض نہیں کیا اور خاموشی اختیار کر لی۔ اس صورت حال کا یہ اثر ہوا کہ مودود خیل اور سلطان خیل خاندانوں کے درمیان خاصی رنجش پیدا ہوئی۔

جب نواب مظفر خان ملتان کا منصب دار مقرر ہوا تو اس نے اپنے پدرِ مرحوم کے وفادار مصاحب وکیل یار محمد خان ترین کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ نواب نے شہر اور قلعے کی فصیل کی مرمت کرائی۔ قلعے میں بودوباش کے لئے عالی شان عمارات تعمیر کرائیں۔ سپاہ کے بارکیں، گھوڑوں کے لئے اصطبل، اسلحہ کے ذخیرے کی خاطر قلعے میں زمین دوز سٹور بنوائے۔ قلعے کے دمدمے کی مرمت کرائی۔ وہ وقتاً فوقتاً دمدمے پر بیٹھ کر شہر کا نظارہ کرتا تھا، اس نے نظامِ عدل کو عمدہ بنیادوں پر استوار کیا اور ترتیب دیا۔ وہ خود عدالت لگاتا۔ مقدمات اور قضیات کے فیصلے کرتا۔ عوام کی شکایات سن پر ان کی دادرسی کرتا تھا۔ شہر کے علاقے اور قرب وجوار کو چوروں اور ڈاکوؤں سے محفوظ کرنے کے لئے اس نے

فوج کو ان کی سر کوبی کے لئے متعین کیا اور سخت سزاؤں کا اجرا کیا۔ نواب شجاع خان اور نواب مظفر خان کے برسر اقتدار رہنے میں فتح اللہ وفادار خان وزیر سلطنتِ تیمور شاہ کے التفاتِ خصوصی کا بڑا دخل تھا۔ فتح اللہ خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رحمت اللہ خان وزیر اعظم مقرر ہوا۔ اس نے بھی اس خانوادے کا ہمیشہ خاص خیال رکھا اور یہ سلسلہ التفات شاہ زمان کے عہد تک جاری رہا۔

تیمور شاہ نے ربیع الآخر ۱۲۰۳ھ مطابق ۱۷۸۸ء میں ہندوستان کا رخ کیا۔ اسے خبر ملی تھی کہ ۱۷۸۷ء میں سکھوں نے ملتان کی جانب پیش قدمی کی ہے۔ لیکن مظفر خان قلعے سے مع لشکر بغرضِ جنگ نکلا۔ سکھ جنگ کے بغیر الٹے پاؤں لوٹ گئے۔ تیمور شاہ نے اپنا لشکر بہاول پور روانہ کیا تاکہ خراج وصول کیا جائے۔ وہ خود ڈیرہ غازی خان میں سندھ کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ نواب مظفر خان اور سدوزئی خاندان کے اکابرین وافراد سلام سے شرف یاب ہوئے۔ تیمور شاہ کے محصلین نے نواب مظفر خان سے سالانہ خراج کی ادائی کا، جو تین لاکھ روپیہ مقرر تھا اور جس کے واجبات باقی تھی، مطالبہ کیا۔ نواب آمدنی کی کمی کے سبب ادا کرنے سے قاصر رہا۔ جب اس صورت احوال کی اطلاع تیمور شاہ کو ملی تو اس نے حکم دیا کہ نواب کے کارپردازوں کو کشک خانے میں بند کر دیا جائے۔ چنانچہ محصلین گئے اور نواب کے اہل کاروں کو پکڑ کر بٹھالیا۔ نواب اطلاع پا کر حالتِ برہمی میں خیمے سے نکلا۔ تیمور شاہ کے روبرو آیا اور عرض کی ''زندہ آقا کے خدام کو کوئی قید نہیں کرتا۔ آپ مجھے قید میں ڈال دیں۔'' تیمور شاہ نے فی الفور سب کی رہائی کا حکم دے دیا اور کہا کہ ایسا نہ ہو کہ ہندوستان میں میری بدنامی ہو کہ میں نے رقم کے لئے سدوزئیوں کے افراد کو بند کیا ہے۔ یہ مرحلہ گزرا تو

ب نے کچھ نہ کچھ رقم اکٹھی کر کے شاہ کے پیش کر دی۔ تیمور شاہ خوش ہوا۔
نے خلعت اور صوبیداری کا پٹہ دے کر نواب کو صوبیداری پر پکا کر دیا۔ ازاں
نواب ملتان پہنچا اور اس نے آئندہ کے مالیے کی وصولی اور دیگر ٹیکسوں کے
ول کے لئے رعیت پر سختی اختیار کی۔ نواب مظفر خان نے ایک تخت نما
پائی (سریر) بنوائی اور اس پر نشست کرنے لگا۔ تیمور شاہ نے یہ خبر سنی تو
دار سے اس کی تصدیق چاہی اور اسے ہدایت کی کہ نواب کو تنبیہ کا خط لکھا
ئے۔ وفادار خان نے بادشاہ کی ناراضی کا اظہار نامہ لکھ دیا۔ نواب نے آئندہ
، لئے سریر پر بیٹھنا ترک کر دیا اور فرشی قالین پر مسند آرا ہونے لگا۔ اس کے
نواب کو پالکی میں سوار ہونے کا شوق چرایا، جو بادشاہوں اور شاہزادوں سے
موص ہوتی تھی۔ وہ اس پر سوار ہو کر آنے جانے لگا۔ تیمور شاہ نے اس پر بھی
ب کا اظہار کیا۔ سو نواب نے اسے ترک کر دیا۔ کچھی شمالی میں بدامنی ہوئی تو
ان تاجدار نے ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۷۹۱ء کو نواب کو ہدایت کی کہ وہاں لشکر کشی
جائے۔ نواب نے اپنا لشکر بھیج دیا مگر خود نہ گیا۔ افغان بادشاہ مطلع ہوا تو اس
نے ازراہِ سرزنش پانچ سو روپے روزانہ جرمانہ ادا کرنے کا حکم نامہ جاری کیا۔
اب فی الفور محمد خان ابن یارن خان سدوزئی بہادر خیل کو ملتان میں اپنا نائب
رر کر کے کچھی شمالی پہنچا اور ایک ہی دن میں قلعہ منکیرہ پہنچ گیا۔ وہ قلعہ جس کا
صرہ نو ماہ سے جاری تھا، نواب کے پہنچتے ہی فتح ہو گیا۔ افغان تاجدار پشاور میں
نہایت خوش ہوا۔ اس نے نواب کا سابقہ قصور معاف کر دیا اور اسے بطور
ام کے پچاس ہزار روپے روانہ کئے۔

میاں شاہ نواز خان سابق والیٔ سندھ کو کچھی شمالی کا منصب دار مقرر کر دیا

گیا۔ نواب مظفر خان خوشگوار اور سازگار حالات کے سبب بہت خوش اور مط
تھا۔ اس نے طے کیا کہ پشاور جا کر سابقہ مالیے کی ادائیگی کے سلسلے میں کوئی ا
مفاہمت ہو جائے کہ مالیے کی رقم میں تخفیف ہو جائے۔ اس کے مصاحبوں
بھی اس رائے کو پسند کیا۔ چنانچہ نواب پشاور میں حضور شاہ میں حاضر ہوا اور ا
امر کی درخواست پیش کی ۔ تیمور شاہ نے دفتر شاہی کے اہل کاروں کو سا
حساب کی فہمید کا حکم دیا۔ مالیات کے محکمے کا وزیر امین الملک نور محمد خان تھا۔
نواب سے پرخاش اور آزردگی رکھتا تھا۔ اس کا پس منظر یہ تھا کہ ایک دفعہ خاند
بابر کے ایک شخص نے ایک دہقان کو قتل کر دیا۔ اس کے لواحقین جاں بخشی
لئے نور محمد خان کے پاس پہنچے۔ نور محمد خان نے ایک سفارشی خط مظفر خان کو
دیا لیکن نواب نے دہقان کے قتل کے قصاص کے بدلے قتل کا حکم صادر
دیا۔ اس پر محمد خان نے کہا تھا کہ نواب مظفر خان کی ہڈی بہت سخت ہے۔ ہم ا
کو توڑ نہیں سکتے البتہ اس کا گوشت پوست سارا اتار لیں گے۔ اب بدلہ لینے
مناسب وقت تھا۔ چنانچہ نور محمد خان حائل ہو گیا اور حساب کے معاملے کی فہم
مفاہمت نہ ہو سکی۔ مصاحبوں نے نواب سے عرض کی کہ جب تک امین الم
سیدھا نہیں ہو گا، حساب کا کھاتہ درست نہ ہو سکے گا۔ نواب مظفر خان
سرپرست اور خیر خواہ وزیر، رحمت اللہ خان سدوزئی ولد وزیر فتح اللہ خان وفا
خان سدوزئی تھا جو تیمور شاہ کے آخری ایامِ حیات میں بہ سببِ رنجش بیمار
بہانہ بنا کر بیٹھ گیا تھا اور پشاور میں شاہ کے ہمراہ نہ تھا۔ نواب مظفر خان بہ حا
مجبوری نور محمد خان امین الملک کے خیمے میں چلا گیا اور فہمید حساب کے
ملتمس ہوا۔ نواب کی اس دانشمندانہ روش کے نتیجے میں حالات کی گتھی سل

ر حسبِ خواہش حساب طے پا گیا۔ تیمور شاہ کو جب اس روداد کی خبر ملی تو اس
نے برا مانا اور کہا نواب کے لئے مناسب تھا کہ براہ راست میرے پاس چلا آتا۔
د شاہ بیمار تھا۔ اس نے پشاور سے کابل سفر اختیار کیا اور کابل پہنچنے کے چند دن
عد وفات پا گیا۔ اس کے بعد شاہ زمان تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ اس نے
حمت اللہ خان سدوزئی کو اس کے گھر سے طلب کیا اور منصب وزارت اسے
سونپ دیا۔ اس طرح رحمت اللہ خان کا تقربِ شاہی اس کے اپنے اجداد سے بھی
ڑھ گیا۔ اس خبر پر نواب مظفر خان جو سفر واپسی پر تھا، پلٹا اور براستہ پشاور کابل جا
پہنچا۔ رحمت اللہ خان نے نواب کو چالیس ہزار روپے مزید سالانہ مالیہ سے کم کر
یا اور واجبات میں سے ایک لاکھ دس ہزار روپے کی تخفیف کر دی۔ افغان بادشاہ
کی جانب سے پروانۂ صوبہ داری، نیز خلعت عطا کر کے نواب کو روانہ کر دیا۔ اس
سفر میں نواب کو دو سال کا عرصہ صرف ہوا اور اسے ذاتی تجربہ بھی ہاتھ آیا۔ یعنی
شاہِ افغانستان کا جو خوف و تردّد اس کے دل میں تھا، وہ بھی رفع ہو گیا۔

نواب محمد مظفر خان سدوزئی کے عہد کے واقعات:

نواب مظفر خان نے منصب پر فائز ہونے کے بعد شروع شروع میں
نواب ریاست بہاول پور سے معرکہ آرائی کی لیکن ناکامی کی صورت میں معاہدۂ
امن قائم ہو گیا۔

۱۷۸۸ء میں دہلی میں یہ سانحہ گزرا کہ غلام قادر روہیلہ ۱۷۸۸ء
میں دہلی پر قابض ہونے کے بعد مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی کو اندھا کرا دیا۔ دریں
حالات مرزا احسن بخت نے جو بادشاہ کا دوسرا بیٹا تھا برائے حصولِ امداد کابل کا
سفر اختیار کیا۔ وہ ۱۷۹۲ء میں ملتان پہنچا۔ نواب مظفر خان نے گرم جوشی سے

اس کا خیر مقدم کیا۔ اسے باغ مرزا جان میں ٹھہرایا اور سفر کابل کے لئے زادِ سفر اور مناسب رسد مہیا کی۔ وہ کابل پہنچا اور بادشاہ سے طالب امداد ہوا۔ تیمور شاہ نے اسے تسلی دی اور ملتان کے خراج میں سے ایک لاکھ روپے کی ادائی کا حکم نامہ دے کر روانہ کیا۔ مرزا احسن بخت مئی ۱۷۹۲ء کو ملتان پہنچا اور رقم کا مطالبہ کیا۔ جب مرزا احسن بخت کابل میں تھا تو غازی الدین، وزیر سلطنت دہلی نے بھی کابل جانے کا منصوبہ باندھا، تاکہ وہ امور دہلی سے متعلق حقائق نیز اپنی پوزیشن واضح کرے۔ اس طرح وہ بھی براہ بہاول پور ملتان پہنچا۔ مظفر خان نے اس کا استقبال کیا اور ڈیرہ جات کی جانب روانگی کے لئے رسد فراہم کی۔ غازی الدین نے کابل میں تیمور شاہ کے دربار میں حاضری دی۔ اپنی صفائی پیش کی کہ اس کی موجودگی میں شاہ عالم کا قتل ہوا۔ وہ معافی کا طلب گار ہوا۔ اسی اثناً میں امیر اودھ نے ایک سفارت کابل روانہ کی جو براہ بہاول پور ملتان پہنچی اور ملتان سے براستہ ڈیرہ جات کابل روانہ ہوئی۔ اس سفارت کو بھی نواب نے مناسب رسد فراہم کی اور قیام کا بندوبست کیا۔ انہی کے پیچھے پیچھے نواب وزیر اودھ کے وکیل کی حیثیت سے غلام محمد خان ولد فیض اللہ خان ولد نواب علی محمد خان روہیلہ نے حج سے واپسی پر براستہ ملتان و ڈیرہ جات کابل کا سفر اختیار کیا۔ چنانچہ غلام محمد خان رجب ۱۲۱۲ھ مطابق دسمبر ۱۷۹۷ء میں ملتان پہنچا تو نواب نے اس کا بھی استقبال کیا۔ قیام کا اہتمام کیا اور رسد مہیا کی۔ اس طرح وہ بھی کابل روانہ ہوا۔ دربار شاہی میں حاضری دی۔ شاہ نے خلعت و انعام سے نوازا۔ الغرض نواب مظفر خان نے نہایت فہم و فراست کے ساتھ ہندوستان کے تمام حکمرانوں اور امرا کے ساتھ یکساں تعلقات نہایت عمدگی و شائستگی کے ساتھ

کھے۔ البتہ سکھوں کے ساتھ اس کی کبھی نہ بن سکی۔

تیمور شاہ نے ۸۹-۱۷۸۸ء کے بعد پھر کبھی ہندوستان کا رخ نہ کیا۔ اس کے گماشتے اور محصلین ہندوستان کے مختلف علاقہ جات سے ہر سال صول کرتے رہتے تھے۔

شاہ زمان ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء میں کابل سے پشاور پہنچا۔ اس نے ن قیام پشاور، نواب مظفر خان کو طلب کیا۔ نواب ملتان سے براستہ ڈیرہ پشاور روانہ ہوا۔ جب ڈیرہ اسماعیل خان پہنچا تو منصب دار نواب محمد خان ر خان سدوزئی نے اس کا استقبال کیا۔ اپنے قیام ڈیرہ اسماعیل خان میں ، مظفر خان نے نواب محمد خان قدیمانہ انداز میں سلوک کیا جیسے وہ اس کا رہ چکا تھا حالانکہ اب وہ ایک علیحدہ علاقے کا منصب دار تھا اور برابری کے ب کا حق دار تھا۔ اس طرز سلوک پر محمد خان رنجیدہ ہوا اور تعلقات د لات میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ یہیں دوران قیام میں نواب مظفر خان کو شاہ کے خلاف شاہ محمود کی بغاوت کی اطلاع ملی جس کے نتیجے میں شاہ زمان کو ر کیا گیا، اندھا کر دیا گیا اور قلعہ بالا حصار میں قید میں ڈال دیا گیا۔ شاہ محمود میں تخت نشین ہوا۔ یہ خبر سن کر نواب مظفر خان ملتان واپس آگیا۔

ب عبدالصمد خان بادوزئی:

نواب عبدالصمد خان بادوزئی، شاہ محمد خان بادوزئی کا لڑکا تھا، شاہ محمد لی محمد خان کا بیٹا تھا اور ولی محمد کے باپ کا نام محمد حیات خان تھا۔ محمد حیات والد اونٹوں کا گلہ رکھتا تھا اور وہ بادشاہ افغانستان، نیز مختلف صوبیداروں کا کا سامان حفاظت ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں شہرت رکھتا

تھا۔باپ کی وفات پر محمد حیات خان اور اس کے بھائیوں کے درمیان جا
تنازعہ ہوا۔ بھائیوں نے باپ کے حصے میں سے کم اونٹ دیئے۔وہ بھی
عرصہ بعد نابود ہو گئے چنانچہ وہ افلاس اور غربت کا شکار ہونے لگا۔
محمد حیات خان نے اپنا آبائی پیشہ ترک کر کے نواب عبدالعزیز خان
سدوزئی کی ملازمت اختیار کر لی۔جب محمد حیات خان فوت ہوا تو اس کا بیٹا
خان جو کہ رمل میں مہارت رکھتا تھا بغل میں کتاب دبائے اور گرہ ہاتھ میں
گلی گلی پھرتا رہتا اور اسے بیوزی کا ذریعہ بنایا۔اس کی بہن کی شادی یار بیگ
احمد شاہ درران کے عہد میں کچھ عرصہ نائب ناظم ملتان ہوا تھا سے بیاہ
جس کے بطن سے غلام نبی خان پیدا ہوا۔بہن کی وساطت سے اس کی معاش
وسعت ہوئی۔یار بیگ خان نے اسے کچھ رقم مہیا کر دی تو اس نے کچھ ا
خرید کر کے اپنا آبائی پیشہ دوبارہ اختیار کر لیا۔جب ولی محمد خان فوت ہوا تو اس
بیٹے شاہ محمد خان نے پیشہ سپاہ گری اختیار کیا اور وہ احمد شاہ درران کے لشکر
شامل ہو گیا۔پندرہ روپے ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی چوں کہ جوان، شائستہ اور
تھا، ہر کوئی اس کو چاہتا تھا۔حاجی محمد شریف خان سدوزئی کے عہد نظامت
ملازمت چھوڑ کر اپنی ایک جمعیت بنالی اس کی بنا پر فوج میں جمعدار مقرر کیا
شریف بیگ تکلو کے عہد میں اس کے لشکر کا جمعدار تھا، اس دور میں محمد
سدوزئی بھی شریف بیگ کی فوج میں ملازم تھا۔دونوں کے درمیان کسی با
جھگڑا ہوا جس کے نتیجے میں دونوں اپنی اپنی جمعیت کے ساتھ ایک دوسرے
معرکہ آرا ہوئے۔ جن میں کئی جوان مارے گئے اور کئی مجروح ہوئے،
شریف بیگ تکلو نے دونوں کو قید کر دیا۔اس واقعے کا جب شہزادہ محمد شریف

زئی سلطان خیل کو علم ہوا تو وہ محمد خان کو چھڑانے کے واسطے شریف بیگ
پاس گیا۔ اس پر ناظم مذکور نے دونوں کو رہا کر دیا۔ اب شاہ محمد خان بادوزئی
ملتان کی ملازمت چھوڑ کر شجاع آباد نواب شجاع خان کے پاس ملازمت کی
ا سے چلا گیا۔ اس نے بیس سوار کے منصب پر جمعدار مقرر کر دیا۔ نواب
خان کی وفات کے بعد نواب مظفر خان سدوزئی نے بھی اسے ملازمت پر
رر کھا۔ عہد نواب مظفر خان میں کرم سنگھ نے ایک لشکر کے ساتھ ملتان
جاع آباد پر حملہ کیا اور مضافات میں تباہی مچا دی۔ جب کرم سنگھ
فِ شجاع آباد میں سکھ گردی میں مصروف تھا تو نواب مظفر خان نے ایک
ت اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کی جس میں شاہ محمد خان بادوزئی بھی شامل
اس میں شاہ محمد خان بادوزئی نے بہادری کے بڑے جوہر دکھائے اور کرم
کو مار بھگایا۔ لاتعداد سکھ قتل ہوئے اور ان سب کے سر اونٹوں پر لاد کر
شاہ کے پاس بھجوائے گئے۔ تیمور شاہ اس وقت سکھوں کی سرکوبی کے لیے
کی جانب رخ کیے ہوئے تھا۔ شاہ محمد خان کی بہادری پر خوش ہو کر اس نے
رار روپے کی جاگیر دائرہ دین پناہ میں عطا کی۔ جنوری ۱۷۸۰ء میں تیمور شاہ
ملتان کا محاصرہ کیا تو شاہ محمد خان بادوزئی اس کے لشکر میں شامل ہو گیا۔ بوجہ
ت اس نے شہرت پائی۔ سکھوں سے ملتان کی بازیافت کے بعد تیمور شاہ نے
اللہ خان خدکہ سدوزئی جو کہ پوپلزئی امرا کے ساتھ مل کر باغیانہ
یوں میں مصروف تھا اور میرپور (سندھ) کی طرف بھاگ گیا تھا کی جانب
یشہ رکھتا تھا لہٰذا اس کی گرفتاری کے لیے لشکر ترتیب دے رہا تھا تو اس
محمد خان بادوزئی نے اس مہم کو سر کرنے کی ذمہ داری لے لی۔ اب شاہ

محمد خان نے نواب مظفر خان کی ملازمت چھوڑ کر تیمور شاہ کی ملازمت اخ
لی۔ سیف اللہ خان کی مہم میں کامیابی کے بعد تیمور شاہ نے اسے چار ہزار
سالانہ آمدن کی جاگیر ملتان میں مزید دینے کا اعلان کیا اور جب بادشاہ کے
حاضر ہوا، انعام و اکرام علیحدہ پایا۔ اب یہ یک صد گھڑ سوار جمعیت کا سردار
قلعہ دراوڑ کے محاصرے کے دوران بھی اس نے دادِ شجاعت پائی اور ا
اکرام کا حق دار ٹھہرا۔ اب شاہ محمد خان بادوزئی نے دائرہ دین پناہ میں اپنی
کے لیے قلعہ تعمیر کرایا اور اس میں اپنے خانوادہ کے ساتھ مستقل قیام ا
کیا۔ پیشۂ سپاہ گری کے ساتھ ساتھ اس نے زراعت میں بھی دلچسپی لی او
سالانہ آمدنی کو پچاس ساٹھ ہزار تک جا پہنچایا۔ ملتان میں بھی اس نے اتنی جا
بنالی تھی کہ اس سے بھی دس ہزار سالانہ تک کی آمدنی ہوتی تھی۔ لہذا اس
نواب محمد مظفر خان کی ہمسری کرنا شروع کی۔ جب بھی موقع ملتا تو وہ امر
تیمور شاہ کے سامنے نواب محمد مظفر خان کی غیبت اور چغل خوری کرتا
وفادار خان سدوزئی وزیر سلطنت نے نواب محمد مظفر خان کو اس کی طرف
چوکنا رہنے کے لیے لکھا۔

شاہ محمد خان بادوزئی نے ۱۷۸۱ء میں انتقال کیا۔ اس کے تین ل
سرفراز خان، عبدالصمد خان اور سربلند خان تھے۔ سرفراز خان قلعہ لیہ
محاصرے کے دوران ۱۷۹۴ء میں مارا گیا۔ عبدالصمد خان اور سربلند خان
درمیان باپ اور بھائی کی جائیداد پر جھگڑا ہو گیا۔ عبدالصمد خان باپ اور
سرفراز خان کی جائیداد پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مزید سربلند خ
جائیداد پر بھی قابض ہو گیا۔ اس کے بعد سربلند خان شاہ زمان خان کے پا

ر اس سے مداخلت کی استدعا کی۔ شاہ زمان نے چھ ہزار پانچ سو روپے سالانہ
ظیفہ مقرر کر دیا اور حکم نامہ جاری کیا کہ اس مجموعی رقم میں چار ہزار پانچ سو
ِوپے نواب مظفر خان مالیہ ملتان سے ادا کرے گا۔ مزید مظفر خان کے نام حکم
ری ہوا کہ وہ عبدالصمد خان بادوزئی اور سربلند خان بادوزئی کے والد کی تمام تر
ئیداد ان دونوں میں برابر تقسیم کر دے کیونکہ یہ ساری جاگیر ملتان سرکار کی
رود میں واقع تھی اور اس پر عبدالصمد خان کا قبضہ تھا۔ جب نواب مظفر خان نے
نوں بھائیوں میں یکساں جائداد کی تقسیم کا فیصلہ کیا تو عبدالصمد خان نے اس
یصلے کو ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ اس دوران میں شاہ زمان کی حکومت نہ رہی
ر شاہ محمود مسندِ اقتدار پر بیٹھا۔ عبدالصمد خان کسی تاخیر کے بعد کابل پہنچا اور
زیر فتح خان بارکزئی کی وساطت سے نہ صرف ساری جائداد کے حصول کا پروانہ
معہ صوبیداریٔ ملتان کا پروانہ بھی حاصل کر لیا اور اسے نواب کے خطاب سے بھی
ازا گیا۔ پروانہ حاصل کرتے ہی وہ پہلے میر عالم خان نورزئی حاکم ڈیرہ غازی
ان اور پھر نواب بہاول پور کے پاس پہنچا اور دونوں سے طالب امداد ہوا۔ نواب
ہاول پور نے امداد سے معذرت کر لی اور ساتھ ہی نواب بہاول خان ثانی نے اپنا
کیل گوسئیں بہار رائے نواب مظفر خان کے پاس ملتان روانہ کیا اور اس کو تسلی
ی کہ لڑائی کی صورت میں وہ نواب مظفر خان کی پوری پوری حمایت و امداد
رے گا۔ پھر اس نے بلا تاخیر پانچ ہزار گھڑ سوار اور پیادہ لشکر بہ ہمراہیٔ منشی
ولن رام، دین محمد خان، عبداللہ خان و دیگر سرداران کو نواب کی کمک کے لئے
انہ کر دیا۔ دوسری جانب عبدالصمد خان بادوزئی نے اپنا لشکر ترتیب دیا اور
لان پر حملے کا فیصلہ کیا۔ اس نے حفظِ ماتقدم کے طور پر اپنے افراد خاندان کو قلعہ

دائرہ دین پناہ میں بھجوادیا اور خود مع لشکر، قلعہ داؤد جہانیاں میں مستحکم ہو کر بیٹھ گیا۔ اندریں حالات ملتانی لشکر داؤد جہانیاں کی جانب، جو مظفر گڑھ سے بفاصلہ ... میل واقع ہے، بڑھا۔ عبدالصمد خان ملتانی لشکر کی آمد کی اطلاع پاتے ہی قلعے سے دین پور پہنچا اور ملتانی لشکر کے سامنے صف آرا ہو گیا۔ دونوں لشکروں کے مابین جنگ ہوئی۔ عبدالصمد خان نے شکست کھائی اور وہ قلعہ داؤد جہانیاں میں قلعہ بند ہو گیا۔ ملتانی لشکر نے قلعہ داؤد جہانیاں کا محاصرہ کر لیا جس نے ڈیڑھ ماہ تک طول کھینچا۔ بالآخر قلعہ مفتوح ہو گیا۔ عبدالصمد خان جان بچا کر بھاگا اور قلعہ دائرہ دین پناہ میں مستحکم ہوا۔ نواب مظفر خان کے حکم سے قلعہ داؤد جہانیاں کو مسمار کر دیا گیا۔ اب ملتانی فوج نواب کے بیٹے شاہ نواز خان کی سرکردگی میں قلعہ دائرہ دین پناہ پہنچی۔ اس دوران میں عبدالصمد خان نے ڈیرہ غازی خان کے منصب دار عالم خان نورزئی سے مداخلت اور امداد کی درخواست کی۔ عالم خان نے اپنے وکیل کریم خان کو نواب مظفر خان کے پاس ملتان بھیجا کہ معاملات شاہی پروانہ کے مطابق طے کئے جائیں۔ وکیل غصیلی طبیعت کا تھا۔ اس نے پہلی ہی ملاقات میں نواب کو ناراض کر دیا۔ نواب نے اس شاہی پروانے کو جو عبدالصمد خان کے حق میں تھا، تسلیم کرنے ہی سے انکار کر دیا۔ سفارت کی ناکامی کی خبر میر عالم خان کو ہوئی تو اس نے ایک ہزار گھڑ سوار عبدالصمد خان کی کمک کے لئے دائرہ دین پناہ روانہ کرائے۔ اس لشکر نے وہاں پہنچتے ہی ملتانی فوج پر حملہ کر دیا۔ دوسری جانب عبدالصمد خان قلعے سے باہر نکل آیا اور ایک خوں ریز معرکہ واقع ہوا جس میں ملتانی فوج پسپا ہوئی اور اس کے دو سو بیس جوان لڑائی میں مارے گئے۔ اسی عرصے میں بہاول پوری فوج ملتانی فوج کی اعانت کو آ پہنچی۔ اس

ح اس مشترکہ لشکر نے عبدالصمد خان کو قلعہ بند ہونے پر مجبور کر دیا۔ اب
اب مظفر خان اور نواب بہاول خان ثانی کی متحدہ فوج نے قلعہ دائرہ دین پناہ کا
صرہ کر لیا۔ ان حالات میں نواب مظفر خان کو مجبور کیا کہ وہ دربار کابل سے
نے حق میں شاہی پروانہ حاصل کرے۔ چنانچہ ملتان اور کابل کے سدوزئیوں
، توسط سے شاہ محمود کو باور کرایا گیا کہ کسی غیر سدوزئی کا حاکم ملتان بننا قطعاً
ناسب اور بلاجواز ہے۔ وزیر فتح خان بارکزئی علاقہ دامان اور ڈیرہ اسماعیل خان
جانب مالیے کی وصولی کے لیے گیا ہوا تھا۔ شاہ محمود نے اس کی غیر موجودگی
سابقہ جاری کردہ پروانہ منسوخ کر کے ملتان کی منصب داری کا پروانہ نواب
فرخان کے حق میں جاری کر دیا۔ چنانچہ نواب اپنے ہاتھ مضبوط کرنے کے
۱۲۱۷ھ مطابق ۱۸۰۲ء ایک لشکر کے ساتھ قلعہ دائرہ دین پناہ پر خود حملہ
ہوا اور آسانی سے قلعہ فتح کر لیا۔ عبدالصمد خان نے بھاگ کر میر عالم خان
پاس پناہ ڈھونڈی۔ نواب نے قلعہ دائرہ دین پناہ کو منہدم کرا دیا۔ اس
رمندی کے بعد نواب مظفر خان اور نواب بہاول خان ثانی نے مل کر یہ طے
کہ وہ مشترکہ طور پر ڈیرہ غازی خان پر لشکر کشی کریں اور میر عالم کو اس کے
کی سزا دیں۔ چنانچہ نواب مظفر خان نے اپنے بیٹے ذوالفقار خان کی ماتحتی میں
روانہ کیا۔ ادھر بہاول خان ثانی نے اپنے بیٹے عبداللہ خان (صادق محمد خان)
سرکردگی میں فوج روانہ کی۔ جب نواب سربلند خان، محمد خاں سدوزئی حاکم
اسماعیل خان کچھی کو علم ہوا تو اس نے بھی ایک دستہ اپنے بھائی خدایار کی
ہی میں ان کی جانب روانہ کر دیا۔ چنانچہ یہ مشترکہ فوج ڈیرہ غازی خان کی
بڑھی۔ عجب والا کے مقام سے دریائے سندھ کو عبور کیا اور ڈیرہ غازی

خان پر حملہ آور ہوئی۔ میر عالم خان مقابلے کی تاب نہ لاتے ہوئے ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء جام پور بھاگ گیا اور وہاں سے اس نے قندھار کا رخ کیا۔ نواب عبدالصمد خان کو جب کوئی راستہ نظر نہ آیا تو اس نے لاہور کا رخ کیا۔ وہاں اس نے راجہ رنجیت سنگھ سے ملاقات کی اور اسے ملتان پر حملے کی ترغیب دی۔ اس کشمکش حالات میں یہ واقعہ رونما ہوا کہ ملتان، بہاول پور اور ڈیرہ اسماعیل خان کی مشترکہ فوج نے ڈیرہ غازی خان کو فتح کر لیا اور فاتحانہ شان سے اپنے اپنے علاقے کی جانب روانہ ہوئی۔ اس دوران میں شاہ محمود کو ایک سازش کے تحت ہٹادیا گیا اور شاہ شجاع الملک تختِ کابل پر رونق افروز ہوا۔

عبدالصمد خان بادوزئی مسلسل راجہ رنجیت سنگھ کو ملتان کی تسخیر کے لیے اکساتا رہا۔ بالآخر ۲/ جون ۱۸۱۸ء کو سکھوں کے لشکر نے ملتان کو فتح کر ڈالا اور نواب محمد مظفر خان کی شہادت کے بعد عبدالصمد خان اپنی غرض لے کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس پہنچا کہ وہ اسے کچھی شمالی، منکیرہ اور دائرہ دین پناہ کا علاقہ بطور جاگیر دے دے اور نواب شیر محمد خان سدوزئی کو نظامت ڈیرہ اسماعیل خان پر مامور رکھا جائے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ دس سال تک ٹال مٹول سے کام لیتا رہا لیکن یہ بھی مسلسل اصرار کرتا رہا۔ بالآخر ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء میں رنجیت سنگھ نے اسے دائرہ دین پناہ کے ساتھ ساتھ کچھی کے علاقے کی زمینداری بھی دے دی۔ عبدالصمد خان بادوزئی بحیثیت جاگیر دار انتہائی ظالم ثابت ہوا۔ اس کے علاقے میں بلوچ قبائل آباد تھے۔ یہ ان پر مظالم ڈھانے لگا۔ ظلم سے تنگ آکر ان بلوچ قبائل نے آہستہ آہستہ سانگھڑ (سندھ) کی جانب ہجرت کرنا شروع کر دی۔

عبدالصمد خان بادوزئی اپنی بدانتظامی کی بنا پر دو سال کا مالیہ لاہور دربار میں نہ بھجوا سکا۔ رنجیت سنگھ کے کاردار برائے حصول سابقہ مالیہ مالیتی دو لاکھ روپے اس کے پاس آئے اور مالیہ کی طلبی کی۔ وہ مطلوبہ مالیہ دینے سے قاصر رہا لہٰذا اسے عدم ادائیگی کی بنا پر قلعہ دائر دین پناہ میں مقید کر دیا گیا۔ قلعہ کے باہر چوکی بٹھادی گئی۔ گھربار، جاگیر اور قلعہ بحق سرکار ضبط قرار پائے اور سکھ جمعیت جس چیز پر قبضہ کر سکتی تھی قبضہ کر لیا۔ اس کی شہرت بربنائے امارت تھی اس لیے مختلف جگہوں سے جس میں رہائش کی حویلی بھی شامل تھی۔ دفینے کی تلاش کے لیے زمین کھودی گئی مگر خزانے کے حصول میں کوئی کامیابی نہ ہوئی اور یہ شخص سکھوں کے ہاتھوں سخت بے عزت اور ذلیل ہوا۔ سکھ اسے گرفتار کر کے رنجیت سنگھ کے پاس لاہور لے گئے۔ جس نے اسے قید میں ڈال دیا۔ دو سال تک رنجیت سنگھ کی قید میں گزارے اس کے بعد معافی نامہ ملا۔ اس کی ساری جاگیر ضبط کر لی گئی تاہم گزر اوقات کیلئے کچھ جاگیر کوٹ مٹھن (ڈیرہ غازی خان) میں دی گئی۔ چوں کہ اس نے بلوچوں پر سخت مظالم کئے تھے اس لیے یہ اپنی جاگیر پر بلوچوں کے خوف کی بنا پر نہیں جاتا تھا۔ اس لیے اس نے ملتان میں رہائش اختیار کی۔ جاگیر سے دو تین ہزار روپے سالانہ مل جاتا تھا جس پر گزر اوقات ہوتی رہی۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ملتان پر حملہ:

افغان تاجدار شاہ محمود سدوزئی کے عہد میں مہاراجہ رنجیت سنگھ لاہور اطرافِ لاہور میں اپنی جڑیں جما چکا تھا۔ اس نے نواب نظام الدین خان، قصور کی جاگیر پر جو لاہور اور قصور کے درمیان تھی قبضہ کر لیا۔ ادھر یہ

واقعہ رونما ہوا کہ عبدالصمد خان بادوزئی، دائرہ دین پناہ سے شکست کھا کر لاہور بھاگ گیا۔ یہ شخص، نواب مظفر خان سے اپنے دل میں کینہ رکھتا تھا۔ اس نے مہاراجہ کو ملتان پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور سدوزئی خاندان کی خوشحالی کے قصے سنا کر اسے تحریص دی کہ حملے کی صورت میں بے انتہا مال وزر ہاتھ لگے گا۔ چنانچہ ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء کو رنجیت سنگھ نے ملتان کی جانب پیش قدمی کی عبدالصمد خان بادوزئی بھی ہمراہ تھا۔ سکھ لشکر ملتان سے شمال مشرق کی جانب کبیر والہ پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا، نواب مظفر خان نے اپنا لشکر ترتیب دیا اور کبیر والہ کی جانب روانہ ہوا اور سکھ لشکر کے روبرو خیمے نصب کر دیئے۔ چند روز بعد طرفین میں سلسلہ گفت و شنید جاری ہوا۔ بالآخر دونوں کی ملاقات ہوئی۔ تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا۔ اس وقت رنجیت سنگھ بائیس سال کا نوجوان تھا۔ نواب نے اسے پہلی بار دیکھا اور اس کی گفتگو سے متاثر ہوا۔ المختصر رنجیت سنگھ کچھ رقم اور تحائف وہدیہ جات لے کر لاہور لوٹ گیا۔

احمد خان سیال، ناظمِ جھنگ کی امداد :

افغانستان میں بغاوت ہوئی، شاہ محمود معزول ہوا اور اس کا سوتیلا بھائی شاہ شجاع الملک سدوزئی تختِ کابل پر متمکن ہوا۔ اس نے حیثیت بادشاہ پہلی مرتبہ ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۸۰۴ء میں براستہ درہ بولان ہندوستان کا دورہ کیا۔ بلوچستان، سندھ سے ہوتا ہوا ڈیرہ غازی خان خیمہ زن ہوا۔ پھر کچھی شمالی، ڈیرہ اسماعیل خان سے ہوتا ہوا پشاور اور پھر وہاں سے کابل چلا گیا۔ شاہ شجاع الملک کے اس دورے کا مقصد مالیات کی وصولی تھا۔ اس کی واپسی پر ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۸۰۴ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ جھنگ پر حملہ آور ہوا اور احمد خان سیال

جھنگ کو شکست دے کر جھنگ پر قابض ہو گیا۔ احمد خان سیال مع اپنے خانوادے کے ملتان نواب مظفر الدین خان کے پاس پہنچا اور طالب امداد ہوا۔ ادھر مہاراجہ نے فتح سنگھ کلیانوالہ کو جھنگ کا فوج دار مقرر کیا اور ایک فوجی دستہ اس کی تحویل میں دے کر لاہور چلا گیا۔ اس کی روانگی کے بعد نواب مظفر خان نے ایک فوجی دستہ جو افغانوں پر مشتمل تھا، احمد خان سیال کے حوالے کیا۔ جب ملتانی لشکر جھنگ پہنچا تو فتح سنگھ تاب مقابلہ نہ لا کر قلعہ بند ہو گیا۔ ملتانی لشکر نے سکھ دستے کو شکست دی، جھنگ شہر پر قبضہ کر لیا اور قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اب فتح سنگھ نے احمد خان سیال سے گفت و شنید کا آغاز کیا۔ بالآخر طے پایا کہ احمد خان سیال فتح سنگھ کو ساٹھ ہزار روپے بطور تاوان جنگ، رنجیت سنگھ کے لئے ادا کرے گا اور سے پابند کیا گیا کہ وہ سالانہ خراج رنجیت سنگھ کو لگاتار ادا کرتا رہے گا۔ معاملات طے پانے کے بعد فتح سنگھ رقم لے کر لاہور چلا گیا اور اس نے قلعہ احمد خان سیال کے حوالے کر دیا۔ اس فوجی مہم کی فتح مندی اور کامیابی کے نتیجے میں نواب مظفر خان کی دھاک اطراف میں بیٹھ گئی اور اس کی ناموری میں اضافہ ہوا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ملتان پر دوسر حملہ :

نواب مظفر خان نے احمد خان سیال کی فوجی امداد کی تھی، اس کے عمل کے طور پر نیز عبد الصمد خان بادوزئی کے جو نواب مظفر خان کا مخالف تھا، ...انے پر مہاراجہ نے دوسری مرتبہ ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۸۰۴ء کو ملتان پر لشکر کشی ...ی۔ وہ جلد ملتان پہنچ گیا۔ ملتان شہر سے شمال مشرق کی جانب دس میل کے ...ے پر گاؤں حاتم میں پہنچ کر اس نے خیمے نصب کر دیئے۔ اس کے بعد طرفین ...ت و شنید کا سلسلہ جاری ہوا۔ رنجیت سنگھ نے فقیر عزیز الدین کو اپنا وکیل

مقرر کیا وہ نواب مظفر خان کے یہاں باریاب ہوا۔ تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا اور ستّر ہزار روپے پیش کئے گئے۔ رنجیت سنگھ ادائے معاملات کے بعد فوراً لوٹ گیا کیوں کہ اسے اطلاع ملی تھی کہ مرہٹہ لشکر پنجاب کی جانب بڑھ رہا ہے۔ اس لئے کہ ان کے برطانوی فوج کے ساتھ لڑائی کے آثار نمایاں تھے۔ اس کی راج دھانی غیر محفوظ تھی اس لئے اس نے مصلحتِ وقت دیکھ کر فی الفور مراجعت کی۔ اس کا وکیل نواب بہاول پور کی خدمت میں گیا وہاں بھی تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا۔

صوبہ دار ڈیرہ غازی خان کا ملتان پر حملہ :

شاہ شجاع الملک کا وزیر مملکت شیر محمد خان بامے زئی، نواب مظفر خان سے کدورت رکھتا تھا۔ سکھوں کے مقابلے میں نواب کی فتح مندی کے واقعے نے اس کی آتش حسد بھڑکا دی تھی۔ اس نے شاہ شجاع الملک کو انگیخت کیا کہ نواب مظفر خان کئی سال سے ادائے خراج میں پہلو تہی برت رہا ہے اور فہمید حساب میں بھی متامل ہے۔ اس لئے اس پر حملہ عین قرینِ مصلحت ہے۔ شیر محمد خان کا بیٹا عطا محمد خان ناظم ڈیرہ غازی خان تھا۔ شاہ شجاع الملک کے حکم سے ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۸۰۵ء کو بارہ ہزار گھڑ سواروں پر مشتمل لشکر کابل سے ڈیرہ غازی خان روانہ کیا گیا تاکہ عطا محمد خان اس شاہی لشکر کی مدد سے نواب مظفر خان سے مالیات کا حساب طلب کرے۔ یہ لشکر ڈیرہ غازی خان سے چلا اور ملتان سے د میل کی مسافت پر بستی شاہ علی پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔ ادھر نواب مظفر خان کی عام اپیل پر جو اس نے افاغنہ اور اہل ملتان سے کی، ہزاروں افراد پر مشتمل لشکر تیار ہو گیا جو گھڑ سواروں اور پیادہ جوانوں پر مشتمل تھا۔ نواب نے پسر کلاں سر فراز خان کو سالار لشکر مقرر کیا۔ یہ لشکر جا کر بالمقابل خیمہ زن

لیا۔ نواب نے حاکم بہاول پور، نواب بہاول خان ثانی سے بھی اعانت چاہی۔ اس نے اپنے ایک سردار، عظیم خان کو طرفین کے درمیان معاملات طے کرنے کے لیے بھیج دیا۔ ادھر نواب مظفر خان کا تیسرا بیٹا، شاہ نواز خان اس گفت وشنید میں شرکت کے لئے جا پہنچا۔ آخر کار تبادلہ خیالات کے نتیجے میں معاہدۂ صلح پر دستخط ہو گئے۔ تحائف کا تبادلہ ہوا۔ نواب صاحب نے مالیات کے حساب میں ایک مناسب رقم ادا کر دی اور باقیات کی ادائی کا وعدہ کیا۔ اس طرح معاملہ نبٹنے پر عطا محمد خان شاہی لشکر کے ساتھ ڈیرہ غازی خان لوٹ گیا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ملتان پر تیسرا حملہ :

(۱۶/ ذی الحج ۱۲۲۱ھ مطابق ۲۶/ فروری ۱۸۰۷ء)

مہاراجہ رنجیت سنگھ کو خبر ملی کہ شاہ محمود کے عہد حکومت سے کابل سرکار لگان کی عدم ادائی کے سبب نواب مظفر خان سے ناراض چلی آرہی ہے۔ دوسری جانب عبدالصمد خان جو نواب سے کینہ رکھتا تھا، مہاراجہ کو مسلسل حملے پر اکسا رہا تھا۔ تیسرا اہم امر یہ تھا کہ مہاراجہ نے اپنے معاملات مرہٹوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی سے حسن و خوبی طے کر لئے تھے۔ یہ شخص اس قدر محسن کش، احسان فراموش، بدطینت اور بدمعاملہ تھا کہ اگرچہ اسے لاہور کی حکومت افغان بادشاہ کے احسان اور خوئے کریمانہ کے سبب عطا ہوئی تھی لیکن وہ پنجاب میں مسلمانوں اور خصوصاً افغانوں کے استیصال پر آمادہ تھا۔ لاہور کے قریب مسلم ریاست قصور اس کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی تھی۔ جسے اس نے ۱۸۰۷ء میں حملہ کر کے مفتوح کر لیا اور اب ایک لشکر جرار کی معیت میں اس نے ملتان کا عزم کیا۔ وہ براہ دیپال پور، ملتان آپہنچا۔ خبر پاتے ہی نواب مظفر خان

نے جنگی تیاریاں مکمل کر لیں اور اپنا وکیل نواب بہاول خان ثانی کے پاس برائے
کمک طلبی روانہ کیا۔ وہ سکھوں کی کامیابیوں سے خوف زدہ تھا۔ اس لئے اس نے
زبانی تسلی پر اکتفا کیا۔

رنجیت سنگھ ۱۶ر ذی الحج مطابق ۲۶ر فروری ۱۸۰۷ء ملتان پہنچ گیا
اور اس نے حاتم کے مقام پر خیمے نصب کر دیئے۔ حاتم کی زمینداری سرمست
خان ملیزئی سے متعلق تھی۔ خدایار خان ولد تاج محمد خان ترین اس کا کاردار تھا
وہی جاگیر کی دیکھ بھال کرتا تھا کیوں کہ سرمست خان ملتان میں بود و باش رکھتا
تھا۔ خدایار خان جواں عمر اور بہادر و شجاعت پیشہ شخص تھا۔ اس نے قرب و جوار
کے زمینداروں پر مشتمل ایک وفد تشکیل دیا اور وفاداری کا اعلان کرتے ہوئے
مہاراجہ کے پاس برائے ملاقات پہنچ گیا۔ مہاراجہ نے اسے باریابی کی اجازت دی
کی۔ اسی دوران مہاراجہ کے کانوں تک یہ بات پہنچی کہ سرمست خان ملیزئی
ایک امیر و کبیر شخص ہے اور اس نے خدایار خان اور دوسرے امرا کو اپنی حفاظت
میں لے رکھا ہے۔ رنجیت سنگھ ایک حریص اور خسیس شخص تھا۔ چنانچہ اس نے
خدایار خان کو گرفتار کرنے کی نیت کر لی۔ جب خدایار خان گھوڑے پر سوار
رفتار نجیت سنگھ کی خیمہ گاہ میں پہنچا تو اس نے مہاراجہ کو ہاتھی کے ہودے پر
بیٹھا دیکھا۔ اس کے درباری دورویہ قطار اندر قطار ایستادہ تھے۔ جب وہ
پہنچا تو ایک سکھ سردار نے زور دیا کہ وہ اپنی تلوار حوالے کر دے۔ اس بہادر
نے انکار کر دیا۔ اس پر جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ سکھ چاہتے تھے اسے گرفتار کر
اس نے چار سکھوں کو مہاراجہ کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا اور گھوڑے
لگا کر تیزی سے براہ راست مہاراجہ پر حملہ آور ہوا اور تلوار کی ایسی کار

لگائی کہ ہودج کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ رنجیت سنگھ ڈر کر پیچھے ہٹا، اس طرح اس کی جان بچ گئی۔ خدایار خان ترین کی تلوار اس ضرب کی شدت سے ٹوٹ گئی۔ چار جانب سے سکھوں نے اس پر حملہ بول دیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ رنجیت سنگھ اس بہادر شخص کی شجاعت و دلاوری سے نہایت متاثر ہوا۔ رنجیت سنگھ نے اسی دن کوچ کیا اور ملتان کے شہر اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ نواب مظفر خان قلعہ بند ہو گیا۔ جنگ شروع ہوئی۔ نواب کی فوج نے حق شجاعت ادا کر دیا۔ اس جنگ میں اہل شہر نے بھی بہادری کے جوہر دکھائے۔ شروع میں آٹھ دن نواب شہر کے دفاع میں مصروف رہا۔ نویں دین قلعے میں منتقل ہو گیا۔ سکھوں نے اطراف ملتان میں وہ قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا کہ خدا کی پناہ۔ فتح سنگھ کلیانوالہ نے دسویں دن شہر فتح کر لیا اور تباہ کاری کی حد کر دی۔ اکیس دن قلعے کا محاصرہ جاری رہا لیکن سکھ لشکر قلعے کو فتح کرنے میں ناکام رہا۔ بالآخر بائیسویں دن فریقین میں معاہدہ طے پا گیا۔ جس کی رو سے نواب مظفر خان نے کچھ رقم ادا کر دی اور مہاراجہ لوٹ گیا۔ اس جنگ کا اہم پہلو یہ ہے کہ نواب مظفر خان نے رنجیت سنگھ کی بالادستی تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ جب یہ محاصرہ جاری تھا تو اس کے دوران میں نواب بہاول خان ثانی نے منشی دھنپت رائے کو مع تحائف و ہدایا رنجیت سنگھ کے پاس بھیجا۔ دھنپت رائے نے نواب اور مہاراجہ کے درمیان صلح میں کلیدی کردار ادا کیا۔ مہاراجہ نے ملتان سے بہاول پور کا رخ کیا۔ دریائے گھارا کے کنارے پہنچ کر فقیر عزیزالدین نواب بہاول پور کی خدمت میں بھیجا۔ یہاں بھی تحائف کا تبادلہ ہوا۔ ازاں بعد مہاراجہ نے لاہور کی سمت مراجعت کی۔ عبدالصمد خان بادوزئی حسب سابق اس

مہم میں بھی رنجیت سنگھ کے ہمراہ رہا۔ سکھوں کے اس حملے کے نتیجے میں نواب کی ریاست میں بدامنی کا سلسلہ جاری ہوا۔ چور، ڈاکو اور راہزن دندناتے پھرتے تھے اور امن میں خلل انداز ہوتے تھے۔ ان کی سرکوبی کے لئے نواب نے اپنے بڑے بیٹے سرفراز خان کی سرکردگی میں ایک گھڑ سوار لشکر اطراف میں بھیجا۔ سرفراز خان نے رجب سیال کے خلاف کارروائی کی اور اسے سردارپور کے مقام پر، جو ملتان کی شمال شرقی جانب تیس میل کی مسافت پر واقع ہے، شکست دی۔ وہ احمد سیال بھاگ گیا۔ ملتانی لشکر نے اس کا تعاقب کیا تو وہ گڑھ مہاراجہ چلا گیا۔ ملتانی لشکر نے تعاقب جاری رکھا اور گڑھ مہاراجہ پہنچ کر اسے گرفتار کرلیا۔ اس مہم کا یہ نتیجہ نکلا کہ ملتان دوبارہ گہوارۂ امن بن گیا۔ رجب سیال اور اس کے حمایتیوں کی رہائی کے لئے یہ شرط طے پائی کہ وہ نواب مظفر خان کو اسی ہزار روپے تاوان دیا کریں گے اور نواب کے علاقہ محروسہ کے امن میں خلل انداز نہ ہوں گے۔ جب سرفراز خان ملتان سے ستر میل دور تریموں کے مقام پر پہنچا تو رجب سیال سلام کے لئے حاضر ہوا۔ اس طرح سرفراز خان نے نہایت فراست، حکمت عملی اور تدبر کے ساتھ ملتان میں امن وامان کو مستحکم کردیا۔

نواب سرفراز خان کی بحیثیت صوبہ دار ملتان تقرری کا فرمان:

سرفراز خان سدوزئی نواب مظفر خان کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ باپ بیٹے سے بہت پیار کرتا تھا۔ وہ کئی مہمات میں اپنی بہادری کے جوہر دکھا چکا تھا اور انتظاماتِ حکومت میں بھی باپ کی بھرپور اعانت کرتا تھا۔ وہ اپنی دانائی اور تدبر کے ساتھ مختلف امور و مسائل میں نہایت دلچسپی لیتا تھا۔ باپ اکثر اس سے مشاورت سے اہم امور انجام دیتا تھا۔ اس استعداد و صلاحیت کے پیش نظر باپ

اسے اپنا ولی عہد نامزد کر دیا۔

نواب مظفر خان کی آرزو تھی کہ اس سلسلے میں اسے کابل سرکار سے
ان شاہی دستیاب ہو جائے۔ چنانچہ نواب نے ایک وفد اپنے دیوان
محمد خان کی سربراہی میں تشکیل دیا۔ یہ وفد کابل پہنچ کر شروع میں شاہ شجاع
لک کی ملکہ وفا بیگم کی خدمت میں حاضر ہوا اور التماس کی کہ نواب مظفر خان حج
ادہ رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے لائق فرزند سرفراز خان سدوزئی کو
ب کا خطاب مرحمت فرما کر ملتان کی صوبیداری اسے سونپ دی جائے۔ دیرینہ
قات کا لحاظ کرتے ہوئے ملکہ وفا بیگم نے ہامی بھر لی اور شاہ شجاع الملک سے
رش کر دی۔ یہاں سے فارغ ہو کر یہ وفد دربار شاہی میں پیش ہوا جو کہ نواب
ظفر خان سے سخت کینہ رکھتا تھا، سخت مخالفت اور مزاحمت کی۔ لیکن شاہ شجاع
لک نے حسب استدعا پروانہ جاری کر دیا۔ چنانچہ سرفراز خان کو نواب کے
ب سے نوازا گیا اور ملتان کی صوبہ داری اس کے نام کر دی۔ یہ واقعہ ۱۲۲۲ھ
ابق ۱۸۰۷ء میں رونما ہوا۔

ب مظفر خان سدوزئی کی حج پر روانگی:

نواب مظفر خان نے نواب سرفراز خان کے لئے افغان تاج دار سے
ان منصب حاصل کیا اور اپنے ہاتھوں اسے مسندِ نظامت پر بٹھایا اور اس کی
مت کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔ اعلانِ عام ہوا کہ جو شخص بھی نواب کے قافلے
ساتھ حج کے لئے جانا چاہتا ہے، تیاری کرے۔ قافلہ شوال ۱۲۲۲ھ مطابق
ر ۱۸۰۷ء کو روانہ ہوگا۔ نواب نے سفر حج سے قبل یہ ارادہ کیا کہ اپنی جاگیر
کی آمدنی تین لاکھ بنتی تھی، اپنی اولاد میں تقسیم کر دی۔ نواب کی تین

بیگمات تھیں، جن سے آٹھ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ سر فراز خان، ذوالفقار
خان، شاہ نواز خان اور ممتاز خان ایک ماں کے بطن سے تھے۔ ان کی والدہ
ابو بکر خان خان خیل سدوزئی کی خواہر حقیقی تھی۔ نواب کے دوسرے بیٹے جن
میں شہباز خان اور اعزاز خان اور ایک بیٹی ایک ہندی نژاد خاتون کے بطن سے
تھے۔ حقنواز خان اور ایک لڑکی تیسری بیوی سے تھے جو غیر پٹھان تھی۔ یعنی وہ
بھی ہندی الاصل تھی۔ اتفاق دیکھئے کہ نواب کی تقسیم کے بعد ۱۸۰۷ء سے
۲/ جون ۱۸۱۸ء اس کے یہاں کوئی بچہ پیدا نہ ہوا۔ مگر سکھوں کے حملے کے
وقت نواب کی دو ہندی نژاد بیویاں امید سے تھیں۔ جب ملتان سکھوں کے ہاتھ
۲/ جون ۱۸۱۸ء کو فتح ہو گیا تو سدوزئی اور دوسرے افغان لوگ ریاست بہاول
پور نقل مکانی کر گئے۔ یہ دونوں بیگمات بھی ملازمین کے ہمراہ بہاول پور پہنچنے
میں کامیاب ہو گئیں۔ نواب کی شہادت کے بعد ایک کے یہاں لڑکا، میرباز خان
پیدا ہوا اور دوسری کے یہاں لڑکی، جو چند سال زندہ رہ کر وفات پا گئی۔ لہذا
دونوں اولادیں جاگیر سے حصہ نہ لے سکیں۔ نواب مظفر خان نے سفر حج سے
قبل تقسیم جاگیر کرتے ہوئے سر فراز خان کو باقی اولاد سے تین گنا زیادہ حصہ
کیا۔ کیوں کہ اسے ملتان کا منصب دار مقرر کیا گیا تھا اور اس کے مصارف مقابلتاً
زیادہ تھے۔ باقی تمام اولاد اور ہر سہ بیگمات کو مطابق شرع جاگیر تقسیم کی گئی۔

سفر حج کا آغاز شوال ۱۲۲۲ھ مطابق دسمبر ۱۸۰۷ء میں ہوا۔ ملتان
سے چل کر دریائے چناب کے بائیں کنارے، راج گھاٹ کے مقام پر یہ قافلہ
کشتیوں میں سوار ہوا۔ قافلے میں بہت سے افاغنہ اور غیر افاغنہ شامل تھے۔
نواب کی اولاد اور مصاحبین وداع کہنے کے لئے راج گھاٹ تک پہنچے ہوئے

ک و آہ اور دعاؤں کے ساتھ خدا حافظ کہا۔ یہ قافلہ جلد پنجند پہنچ گیا۔ مقامی
داروں نے استقبال کیا۔ قافلہ دریا کے کنارِ غربی پر بستی جانجی والا میں، جو
ج کے قریب ہے، خیمہ زن ہوا۔ نواب بہاول پور، بہاول خان ثانی نے
قبال کیا اور نواب مظفر خان کے اعزاز میں بڑے پیمانے پر طعام کا اہتمام کیا
۔چند خوبصورت اور پختہ کشتیاں برائے سفر فراہم کر دیں۔ نواب بہاول پور پر
ب مظفر خان کے دینی جذبات کا گہرا اثر ہوا۔ اس کے بعد یہ قافلہ دریائے
ہ کے راستے اپنے سفر پر گامزن ہوا اور آہستہ آہستہ ٹھٹھہ کی بندرگاہ پر جا
۔اس سفر میں پندرہ ماہ سے زیادہ مدت صرف ہوئی۔ اثنائے سفر میں اس
لے کو مقامی باشندوں کے ہاتھوں بہت مصائب اٹھانا پڑیں۔ نواب کی امارت کا
ر جابجا بدوؤں نے حملے کئے تاہم وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ تاہم اثنائے سفر میں
ب کا جہاد جاری رہا۔ سفر حج سے مراجعت پر نواب مختلف اقسام کی اعلیٰ
وں کے پودے ملتان لے آیا۔ کچھ نواب بہاول پور کو ہدیہ کئے باقی شجاع آباد
گڑھ اور ملتان میں باغ کی صورت میں لگائے گئے۔ الحمد اللہ اس طرح یہ
حج حسن و خوبی ادا ہوا۔

ب سرفراز خان بحیثیت صوبہ دار ملتان :

نواب سرفراز خان نے سنِ بلوغت ہی سے دینی و دنیاوی علوم اور فن
کی تعلیم حاصل کرنے کا آغاز کر دیا تھا۔ جب وہ منزلِ جوانی میں پہنچا تو اس
پ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی لیاقت و ذکاوت کا سکہ بٹھا دیا۔ امور
میں باپ کا ہاتھ بٹاتا۔ باپ کی عدم موجودگی میں نہایت کامیابی سے
مور چلاتا۔ وہ ایک نہایت لائق منتظم ثابت ہوا۔ باپ کے ساتھ شرکتِ

امور میں اگر اس سے کوئی لغزش ہو جاتی تو باپ از راہ شفقت اس کی راہنمائی
کرتا۔ نواب مظفر خان کے دوران سفر حج میں، نواب سر فراز خان کی اصلاح
احوال اور فہمائش کے لئے کوئی نہ تھا۔ چنانچہ موقع شناس، خوشامدی ارد گرد
اکٹھے ہو گئے۔ چھوٹے بھائی ادب و احترام کے خیال سے خاموش رہتے
وفاداری کا دم بھرتے۔ مالیات کی وصولی میں نواب سر فراز خان کی حکمت
درست ثابت نہ ہوئی۔ رجب سیال جو ہر سال باقاعدگی سے مقررہ رقم ادا
تھا، نواب مظفر خان کے حج پر چلے جانے کے بعد وہ ادائی سے انکاری ہو
نواب سر فراز خان نے ایک فوجی دستہ اس کے خلاف بھیجا۔ اس کے علاقے
محاربہ ہوا، اسے شکست ہوئی۔ اسے گرفتار کر کے ملتان لایا گیا اور بیرون شہر
مکان میں نظر بند کر دیا گیا۔ اس کا ایک رشتہ دار مہر سلطان حاضر ہوا اور نو
سے اس کی رہائی کی درخواست کی۔ نواب نے درخواست مسترد کر دی۔ اس
لاہور مہاراجہ رنجیت سنگھ تک رسائی کی اور طالبِ امداد ہوا۔ مہاراجہ نے
گھڑ سوار دستہ ملتان بھیج دیا۔ جس نے شہر سے باہر حملہ کر کے رجب سیال
زندان سے رہا کرالیا۔ اس طرح نواب سر فراز خان سے جو سیاسی اور ا
لغزش ہوئی وہ رسوائی اور جگ ہنسائی کا موجب بنی۔

سکھوں کا ملتان پر چوتھا حملہ :

نواب مظفر خان کو ملتان سے باہر دیکھ کر مہاراجہ رنجیت سنگھ نے
جیسہ سنگھ بھنگی کی ماتحتی میں پانچ ہزار گھڑ سوار پر مشتمل ایک دستہ ملتان
تاکہ کچھ رقم کی وصولی کی جائے۔ ۱۲۲۳ھ مطابق ۱۸۰۸ء کو یہ دستہ
گیا۔ نواب سر فراز خان مضطرب ہوا اور اس نے نواب بہاول پور سے ا

اس موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نواب بہاول پور نے امداد کو اس شرط کے ساتھ مشروط کر دیا کہ خان پور کا علاقہ جو مظفر گڑھ کے جنوب میں واقع ہے، مستاجری پر اسے دے دیا جائے۔ نواب سر فراز خان نے ایک طرف تو کچھ رقم دے دلا کر جیسہ سنگھ کو بغیر جنگ کے واپس کیا اور دوسری طرف خان پور کا علاقہ سالانہ پٹے پر نواب بہاول پور کے حوالے کر دیا۔ نواب کی یہ سیاسی بے تدبیری بھی اس کی مزید سبکساری کا موجب بنی۔

شاہ شجاع الملک کی ہندوستان آمد:

افغان تاج دار شاہ شجاع الملک ۱۲۲۳ھ مطابق ۱۸۰۸ء کے موسم سرما میں درہ بولان کے راستے سے بلوچستان ہوتا ہوا سندھ پہنچا۔ وزیر مملکت شیر محمد خان بامے زئی نے شاہ شجاع الملک کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور ایک خط نواب سر فراز خان کو لکھا جو بادشاہ اور نواب کے درمیان غلط فہمی اور بدگمانی کا موجب بنا۔ جب شجاع الملک ڈیرہ غازی خان پہنچا تو نواب نے حکم جاری کر دیا کہ ملتان اور قرب و جوار کے علاقے کے افاغنہ خصوصاً سدوزئی افراد شاہ سے ملاقات کے لئے ہر گز نہ جائیں اور خود بھی جانے سے گریز کیا۔ نہ اس نے اپنا کوئی وکیل بھیجا نہ اپنے والد کی محسنہ ملکہ وفا بیگم کے پاس کوئی قاصد یا تحائف ارسال کئے۔ اس نے وفا بیگم کے احسانات کو طاقِ نسیاں پر رکھ دیا اور دشمن کی تحریر کے زیر اثر غلط تدبیر اختیار کی۔ شاہ شجاع اور ملکہ آزردہ خاطر ہوئے۔ بادشاہ نے اس کے خلاف تادیبی کارروائی کا ارادہ کیا لیکن شیر محمد خان بامے زئی کی بغاوت کی اطلاع پا کر اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا اور واپسی کا اختیار کیا۔ وہ جلد پشاور پہنچ گیا۔ بادشاہ کی مراجعت کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کا

ایک وقائع نویس عزت اللہ ملتان پہنچا۔ نواب کے وکیل نے اس کا استقبال کیا۔ خود نواب نے اس کی بہت عزت وتکریم کی۔ خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ اسے حضوری باغ میں ٹھہرایا گیا۔ اس نے ماؤنٹ سٹورٹ الفنسٹن کی ملتان آمد کی اطلاع دی اور کہا کہ وہ کابل جاتے ہوئے یہاں کچھ دن قیام کرے گا۔

۵ر دسمبر ۱۸۰۸ء کو الفنسٹن نے دریائے ستلج عبور کر کے حدود ملتان میں قدم رکھا اور ۱۱ر دسمبر کو بیرون شہر پہنچ گیا۔ اس کی آمد سے نواب کے دل میں شکوک پیدا ہوئے کیوں کہ انگریز بنگال اور میسور جیسی بڑی ریاستوں کو ہڑپ کر چکے تھے۔ نواب نے اس کی آمد پر شہر اور قلعے کے دروازے بند کرا دیئے اور حکم جاری کیا کہ مشن کا کوئی فرد شہر میں داخل نہ ہو گا۔ ان کے قیام کا بندوبست حضوری باغ میں کر دیا گیا۔ نواب مظفر خان کا برادر خورد سکندر خان سدوزئی شکار کا بے حد شوقین تھا، اس نے الفنسٹن کو جنگلی سور کا شکار کھیلنے کی دعوت دی۔ الفنسٹن نے نواب کی اجازت کے بغیر اس دعوت کو قبول نہ کیا اور سفارتی آداب کے خلاف سمجھا۔ تاہم سکندر خان نے کچھ سور شکار کر کے مع تحائف اسے بھجوائے۔ اس نے بھی جواباً چند تحائف سکندر خان کو ارسال کئے۔ جب سکندر خان ملتان آیا اور اسے علم ہوا کہ اس کی اس روش کو شک کی نظر سے دیکھا گیا ہے، تو اس نے الفنسٹن کے تحائف واپس کر دیئے اور اپنے تحائف واپس مانگ لئے۔ اس کے بعد نواب سر فراز خان نے الفنسٹن سے باقاعدہ ملاقات کے لئے رضامندی کا اظہار کیا۔ بیرون شہر ایک خیمہ کلاں نصب کیا گیا۔ جس میں دربار آراستہ کیا گیا۔ نواب نے انگریز مشن کے مسٹر سٹرچے (Strachey) ۱۵ر دسمبر ۱۸۰۸ء کو استقبال کیا۔ گفت وشنید ہوئی، اس کے بعد اک

نواب، الفنسٹن کی خیمہ گاہ میں برائے ملاقات پہنچا اور ملتان آمد پر اسے خوش آمدید کہا، انگریزی مشن نے ملتان میں چند روز قیام کیا اور ۲۱ر دسمبر ۱۸۰۸ء کو دریائے چناب عبور کر کے براستہ پشاور کابل روانہ ہو گیا۔ جہاں شاہ افغانستان سے سفارتی تعلقات استوار کرنا مشن کا مقصود تھا۔

شاہ شجاع الملک کی حکومت موسم گرما ۱۸۰۹ء تک قائم رہی۔ بعد میں شاہ محمود نے اس کے لشکر کو شکست دی اور کابل پر قبضہ کر کے دوبارہ اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اس صورت حال میں ملکہ وفا بیگم اپنے تمام خزانے سمیت، اپنے وفادار عملے کے ہمراہ شاہ شجاع الملک کے حکم سے براستہ پشاور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی نگری میں راولپنڈی پہنچ گئی اور وہیں اقامت اختیار کر لی۔ شاہ شجاع الملک شکست کھا کر قندھار چلا گیا اور وہاں سے درہ گومل کی راہ ہندوستان وارد ہوا اور جلد ہی اپنی بیگم کے پاس راولپنڈی پہنچ گیا۔ وہاں کے سردار جیون سنگھ نے اس کا استقبال کیا۔

نواب مظفر خان کی ملتان حج سے واپسی :

جب نواب مظفر خان اور اس کا قافلہ فریضہ حج ادا کر کے واپس آ رہا تھا مقامی حکمرانوں کے اشارے پر بعض بد قبائل نے اس کا راستہ روکا اور بارہ ہزار ...ل کی وصولی کے بعد واپس جانے دیا۔ جب یہ قافلہ سندھ پہنچا تو تالپور کے ...ان نے استقبال کیا اور جب بہاول پور پہنچا تو نواب بہاول پور نے خیر مقدم کیا شان دار طعام کا اہتمام کیا۔ ملتان سے سدوزئی افاغنہ اور نواب کے تمام ...کے وہیں پہنچ گئے اور شریک طعام ہوئے۔ اس کے بعد دریائے ستلج عبور کر ذی الحج ۱۲۲۳ھ مطابق جنوری ۱۸۰۹ء شجاع آباد پہنچ گئے۔ شجاع آباد میں

ایک مہینے قیام کیا۔ تمام گزشتہ امور و معاملات پیش کیے گئے۔ نواب نے چند معاملات کے بارے میں سرفراز خان سے سخت برہمی کا اظہار کیا جس میں خانپور کے علاقے کو نواب بہاول پور کے حوالے کرنے کا معاملہ بھی شامل تھا۔ تاہم سرفراز خان کی یہ بلند اخلاقی ہے کہ اس نے اپنے والد سے اس کی موجودگی یا غیر موجودگی میں کبھی حسد نہیں کیا اور ہمیشہ اطاعت اور وفاشعاری کیے رکھی۔

شاہ شجاع الملک کی مہاراجہ رنجیت سنگھ سے ملاقات :

جب رنجیت سنگھ مطلع ہوا کہ شاہ شجاع راولپنڈی میں مقیم ہے تو اس نے سردار جیون سنگھ کو حکم دیا کہ شاہ شجاع سے اس کی ملاقات طے کرے۔ چنانچہ پنڈ دادن کے قریب دونوں کی ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔ مہاراجہ نے اسے بھرپور عزت دی اور اس سے التماس کی کہ وہ اس کے ہمراہ ملتان چلے اور یہ وعدہ کیا کہ فتح ملتان کے بعد وہاں کی صوبہ داری اس کی تحویل میں دے دی جائے گی۔ لیکن شاہ شجاع نے معذرت کر لی کیوں کہ وہ مہاراجہ پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا نیز سدوزئیوں میں وہ یہ بدنامی مول نہیں لینا چاہتا تھا کہ سکھوں کی امداد سے حکومت پر قبضہ کرے اور سکھ سردار کا باج گزار بن کر زندگی گزارے۔ لیکن رنجیت سنگھ مصر رہا کہ کم از کم ایک نمائندہ اس کے ہمراہ کر دے۔ بالآخر بہ امر مجبوری شاہ شجاع الملک نے وفا بیگم کے بھائی حبیب اللہ سدوزئی کو ہمراہ کر دیا۔ شاہ شجاع الملک اس ملاقات کے خاتمے پر فوراً راولپنڈی لوٹ گیا۔ بعد میں اپنے افراد خاندان کی مستقل رہائش کا بندوبست کرنے کے بعد پشاور روانہ ہو گیا۔

سکھوں کا ملتان پر پانچواں حملہ :

نواب مظفر خان کے علم میں یہ بات آچکی تھی کہ شاہ شجاع الملک اور رنجیت سنگھ کے مابین ملاقات ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور اپنے بیٹے ذوالفقار خان کو نواب محمد خان مصبدار ڈیرہ اسماعیل خان و کچھی والی کے پاس امداد طلبی کے لئے روانہ کیا۔ ایک وکیل اسی مقصد کے لئے نواب بہاول پور کے پاس روانہ کیا۔ لیکن رنجیت سنگھ کے خوف سے کوئی آمادۂ اعانت نہ ہوا۔

محرم ۱۲۲۵ھ مطابق ۲۴ر فروری ۱۸۱۰ء کو مہاراجہ رنجیت سنگھ بہ لشکر گراں کے ساتھ ملتان پہنچ گیا۔ اس مرتبہ اس کے ساتھ توپ خانہ بھی تھا۔ اس نے آتے ہی شہر اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ نواب مظفر خان نے دفاع کے لئے تمام افاغنہ اور غیر افاغنہ کو جمع کر کے مقابلے کا تہیہ کیا۔ مہاراجہ نے حملہ سے قبل ایک دستہ نواب محمد خان کے پاس لگان کی وصولی کے لئے بھیجا، وہاں سے ایک لاکھ بیس ہزار روپے وصول کر کے لایا۔ ایک اور دستہ نواب بہاول پور کی جانب بھیجا۔ سکھوں کے خوف سے اس نے ایک لاکھ روپیہ ادا کیا اور وعدہ کیا وہ نواب مظفر خان کے خلاف گھڑ سواروں کا ایک دستہ بھی دے گا۔

مہاراجہ نے اسی مقصد کے لیے ایک دستہ اوچ کے حاکم سید حامد گیلانی اور ٹانگ سلطان کے پاس بھیجا۔ وہاں سے دس ہزار روپے بطور نذرانہ وصول کئے گئے۔ رجب سیال جھنگ سے پہلے ہی سکھوں سے مل چکا تھا۔ اس طرح ملتان کے چاروں اطراف کے حکام نے رنجیت سنگھ کی بالادستی تسلیم کر لی۔ اس صورت حال سے سکھ فوج کی ہمت بڑھی اور اس نے سکھ گردی کرتے ہوئے

ملتان اور اس کے حوالی میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ ۲۴ر فروری ۱۸۱۰
کو سکھ فوج ملتان پہنچی۔ نواب قلعہ بند ہو گیا۔ سکھوں نے بڑی توپیں داغیں
نواب نے بھی توپوں سے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ ڈھائی ماہ تک رنجیت سنگھ کی
فوجیں ملتان سے باہر فتح ملتان کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتی رہیں لیکن قلعے کو
تسخیر نہ کر سکیں اور یہ فتح رنجیت سنگھ کی طاقت سے باہر ہو گئی۔ آخر صلح کے لئے
سلسلہ گفتگو شروع ہوا۔ یہ عجا، کہ شہر ۲۷ر فروری کو مفتوح ہو گیا تھا۔ شہر
سکھوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ سکھوں نے ایسی وحشت کا مظاہرہ کیا اور
وہ قیامت توڑی کہ الامان۔ اس متوقع قتل و غارت سے پہلے ہی بہت سے
شہریوں کو مع ساز و سامان کے قلعہ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ جو لوگ داخل قلعہ
ہو سکے انہوں نے بہاول پور کا رخ کیا۔ قلعے کے دفاع میں پٹھانوں نے شجاعت
کے خوب خوب جوہر دکھائے۔ اس جنگ میں ملتان کے ایک ولی اللہ حافظ جمال
اللہ ملتانی نے عملی شرکت کی اور اپنے خطبوں اور تقاریر میں اس جنگ کو سکھوں
کے خلاف جہاد سے تعبیر کیا۔ باوجود پیرانہ سالی حافظ جمال اللہ ملتانی خود تیر
برساتے اور دشمنوں کو کیفر کردار تک پہنچاتے تھے۔ کئی مرتبہ سکھوں کی توپوں
سے قلعے کی دیوار شکستہ ہوئی مگر فوراً ہی اس کی مرمت کر دی جاتی۔ قلعے کی دیواروں
کو اڑانے کے لئے سکھوں نے سرنگیں کھودیں تاکہ ان میں بارود بھر کر
دیواروں کو اڑا دیں۔ ان لوگوں میں سردار عطر سنگھ دھاری اور اس کے ساتھی
جن میں سردار نہال سنگھ اٹاری والا اور سردار ہری سنگھ نلوہ بھی شامل تھے۔
انہوں نے دھماکہ خیز مواد ڈال دیا تو نواب کے آدمیوں کو خبر ہو گئی۔ عین
وقت جب سکھ سرداران اس کو آگ دکھانے کے لئے معائنہ کر رہے

اب کے آدمیوں نے انہیں اڑا دیا۔ سردار عطر سنگھ اپنے بارہ ساتھیوں کے
اتھ ہلاک ہوا۔ سردار ہری سنگھ نلوہ اور سردار نہال سنگھ اور ان کے دیگر
اتھی شدید زخمی ہوئے اس طرح سکھوں کو زخم ناکامی چاٹنا پڑا۔ دیوار کی
رمت کے وقت ان ہلاک شدگان کی لاشیں نکالی گئیں۔ عطر سنگھ کی لاش پر
ال ڈال کر اسے احترام کے ساتھ مہاراجہ کے پاس بھجوا دیا گیا۔ اس دوران میں
نجیت سنگھ زمزمہ توپ لے آیا۔ وہ مشہور توپ تھی جسے احمد شاہ ابدالی نے پانی
ت کے میدان میں مرہٹوں کے خلاف استعمال کیا تھا۔ اب وہ رنجیت سنگھ کی
ویل میں تھی۔ بہت کوشش کی لیکن کوئی اسے نہ چلا سکا کیونکہ کوئی ماہر شخص
ا یہ کام کر سکتا تھا۔ اس کے بعد مارچ کے آخری ہفتے میں قلعے پر عام حملہ کیا گیا
ن یہ حملہ ناکام بنا دیا گیا اور مسلمانوں نے جوہر شجاعت دکھا کر دشمن کے عزائم
ناکام بنا دیا۔ رنجیت سنگھ نے بھاری جانی نقصان اٹھا کر بالآخر پسپائی کا فیصلہ کیا۔
نوں کے اتنے زبردست زیاں، نیز ناکامی اور بدنامی سے غضب ناک ہو کر
نجیت سنگھ نے ایک فوجی دستہ دیوان محکم چند کی ماتحتی میں شجاع آباد روانہ کر
ب نواب سرفراز خان نے جو قلعہ شجاع آباد میں قلعہ بند تھا، سکھوں کے حملے کو
پا کر دیا۔ دیوان محکم چند مایوس ہو کر ملتان لوٹ آیا۔ بعد میں وہ بیمار پڑ گیا۔ اس
ے بعد مہاراجہ نے ایک آخری کوشش قلعہ ملتان کو مفتوح کرنے کے لئے کی۔
نچہ ۲۵/ مارچ ۱۸۱۰ء کو اس نے حملہ عام کا اعلان کیا اور ملتان کے مغربی
ت کے دروازے پر اس نے سارا زور لگا دیا۔ ساتھ کے ساتھ قلعے کی فصیل
ودی سرنگ لگا دی۔ لیکن ہر طرف ناکامی، پسپائی، ذلت اس کا مقدر بن گئی۔
/ مارچ کو ایک بارودی سرنگ پھٹی جس سے چند مسلمانوں نے جامِ شہادت

نوش کیا اور قلعے کی دیوار کا ایک حصہ بھی منہدم ہو گیا۔ لیکن مسلمانوں نے حکمت عملی اختیار کی کہ ایک طرف تو سکھ فوج کا دفاع کیا اور دوسری طرف دیوار کی مرمت جاری رہی۔ اس مقام پر نواب ذوالفقار خان متعین تھا جو سکھ ادھر کا رخ کرتا، قتل کر دیا جاتا۔

مہاراجہ نے آخری بار حکم دیا کہ بارودی سرنگیں فصیل کے نیچے بچھا دی جائیں۔ طے پایا کہ یہ فوجی کارروائی سردار ہری سنگھ نلوہ، سردار مچ سنگھ اور سردار تیج سنگھ کی نگرانی میں ہو۔ یہ سب سرنگوں میں بارود کے معائنے میں مصروف تھے کہ مسلمانوں نے سرنگ کھود کر آگ لگا دی۔ جس کے نتیجے میں ... سنگھ اور دوسرے چالیس سکھ بارودی سرنگوں کے پھٹنے سے ہلاک ہو گئے۔ ... سنگھ اور مچ سنگھ زخمی ہوئے۔ اس طرح مسلمانوں نے بے جگری اور شجاعت کے سبب ہر فوجی مہم ناکام ہوئی۔ اس دوران میں خوراک کی شدید قلت پیدا ہو گئی۔ آٹا یا گندم ایک روپیہ کے دو سیر کے حساب سے فروخت ہونے لگی تھی۔

آخر مسلسل ناکامیوں کے بعد رنجیت سنگھ نے نواب مظفر خان سے گفت و شنید کا سلسلہ آغاز کیا۔ جنگ روک دی گئی۔ مہاراجہ کے وکیل نے یہ ... پیش کیا کہ ہم اپنے لئے نہیں، شاہ شجاع الملک، سابق تاجدار افغانستان کے ... محو جنگ ہیں اور بطور ثبوت کہا کہ تیمور ابن شاہ شجاع الملک و حبیب اللہ خان سدوزئی برادر وفا بیگم ہمارے ہمراہ ہیں۔ بالآخر باہمی تبادلہ خیالات کے نتیجے میں نواب نے قرآن پر لکھ کر دے دیا کہ شجاع الملک خود ملتان آئے تو حکومت اس کے حوالے کر دی جائے گی۔ مگر وہ مہاراجہ یا حبیب اللہ خان کے حوالے ہرگز نہ کرے گا اور ان کو ملتان کے قلعے میں بھی داخل نہ ہونے دیا جائے گا۔ اس

نواب نے تحریراً یہ واضح کر دیا کہ وہ شاہِ افغانستان کا منصب دار اور باج گزار ہے اور مہاراجہ کی بالادستی کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد نواب نے وعدہ کیا کہ وہ مہاراجہ کو ایک لاکھ روپیہ بطور تاوان ادا کرے گا۔ مزید دو لاکھ روپے سابقہ لگان کے حساب سے شاہ شجاع الملک کو ادا کرنے کا بھی وعدہ کر لیا گیا۔ مہاراجہ نے اصرار کیا کہ کچھ تو مزید بطور تاوان دیجئے تاکہ خالی ہاتھ نہ جاؤں نیز مزید تاوان جنگ کی ادائی کی ضمانت بھی درکار ہے۔ چنانچہ حسب معاہدہ مہاراجہ کو تیس ہزار روپے نقد ادا کیے گئے اور ضمانت کے طور پر اپنے برادر نسبتی ابو بکر خان سدوزئی کو سکھوں کی تحویل میں دے دیا گیا۔ بہ ایں شرط کہ بقایا رقم کی ادائی پر اس کی رہائی عمل میں لائی جائے گی۔ اس فوجی مہم میں جو بری طرح ناکام اور لاحاصل رہی، رنجیت سنگھ کو ڈھائی ماہ لگ گئے۔ دوسری طرف نواب مظفر خان اور اہل ملتان کا بھی جانی اور مالی نقصان ہوا۔ رنجیت سنگھ نے ۱۹؍ اپریل ۱۸۱۰ء کو محاصرہ اٹھا لیا اور ۲۵؍ اپریل کو واپس لاہور پہنچ گیا۔

چنانچہ ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ء فصل ربیع کے موقع پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف سے سردار دل سنگھ ایک دستہ سکھ لشکر لے کر ملتان پہنچا ابو بکر خان سدوزئی کو ساتھ لے آیا اور گذشتہ رقم کی ادائیگی کا اصرار کیا۔ ملتان کے چند دیہات پر حملہ کر کے لوٹ مار بھی کی بالآخر نواب محمد مظفر خان نے ۸۰؍ ہزار روپے دل سنگھ کو ادا کیے اور اس طرح ابو بکر خان کو رہائی ملی اور بعد ازاں سکھ واپس چلے گئے۔ اب سکھوں کا یہ ایک معمول بن چکا تھا کہ وہ ہر سال ملتان کا رخ کرتے اور کچھ نہ کچھ رقم وصول کر کے جاتے اگر وصولی نہ ہوتی تو اطراف کے دیہات کی کھڑی فصلوں کو لوٹ کر چلے جاتے۔

شاہ شجاع الملک اور ملکہ وفا بیگم کی ملتان آمد :

رنجیت سنگھ کے حملے کے بعد حبیب اللہ سدوزئی وہ قرآن راولپنڈی لے کر پہنچا جس پر نواب مظفر خان نے بدست خود شاہ شجاع الملک کی بالادستی کو تسلیم کیا تھا اور اپنے دستخطوں سے لکھ دیا تھا کہ اگر وہ بذات خود ملتان آئے تو ملتان اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ وفا بیگم اور شاہ شجاع الملک نے وہ تحریر ملاحظہ کی۔ اس معاہدے کی رو سے شاہ شجاع الملک نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے آٹھ سالہ بیٹے شہزادہ تیمور اور اس کی والدہ وفا بیگم کو حبیب اللہ سدوزئی کی ہمراہی میں مع حفاظتی دستے کے ملتان بھیج دے۔ اس نے خود پشاور کی راہ لی۔ ۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء کو یہ معززین ملتان پہنچے تو نواب مظفر خان اور نواب سرفراز خان نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اور انھیں بصد عزت و احترام قلعے میں لے آئے۔ دو ماہ تک ان کو مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا اور خوب تواضع کی گئی۔ وفا بیگم نے اسے خط لکھا کہ نواب مظفر خان وفا کیش شخص ہے، مناسب ہے آپ ملتان آ جائیں۔ چنانچہ شاہ شجاع الملک ملتان روانہ ہوا تاکہ ملتان کو اپنی تحویل میں لے لے۔ نواب نے قلعہ و شہر کے دروازے بند کر دیئے اور اس کے استقبال کو نہیں گیا۔ شاہ شجاع الملک حضوری باغ میں قیام پذیر ہو گیا۔ نواب نے وفا بیگم سے درخواست کی کہ وہ قلعے سے باہر تشریف لے جائیں۔ وفا بیگم اپنے لڑکے اور حفاظتی دستے سمیت حضوری باغ میں منتقل ہو گئی۔ حالات کی نزاکت دیکھ کر شاہ شجاع الملک نے نواب کو مطلع کیا کہ میرا ارادہ ملتان پر قبضے کا نہیں ہے بلکہ میں اپنے بھائی شاہ محمود کے خلاف تیاری جنگ کے لئے ملتان اور اس کے قرب جوار میں اپنا فوجی مستقر قائم کرنا چاہتا ہوں تاکہ یہاں پٹھانوں پر مشتمل لشکر

تیب دے سکوں۔ جس کی کمک سے کابل کو فتح کرنا پیش نظر ہے۔ شاہ شجاع
لملک نے حضوری باغ میں ایک ماہ قیام کیا۔ اسی اثنائیں نواب نے ایک سفارت
تیب دی جس میں ملتان کی خانقاہوں کے مخادیم اور سید شامل تھے۔ اپنے بیٹے
ہ نواز خان کی سربراہی میں یہ سفارت شاہ شجاع الملک کے پاس حضوری باغ
ئی جس کے ذریعے یہ پیغام منتقل کیا گیا کہ آپ اپنا فوجی مستقر قلعہ تلنبہ میں،
کہ ایک محفوظ مقام ہے، قائم کریں۔ یہ قلعہ ملتان سے پچاس میل شرقی
نب ہے۔ نواب نے شاہ شجاع کے خاندان کی کفالت کے لئے ۱۶ ہزار روپے
الانہ آمدنی کی جاگیر رنگ پور اور سردار پور بھی دینے کا فیصلہ کیا۔ شاہ شجاع نے
رازہ کر لیا کہ نواب اس کے قلعہ ملتان میں آنے سے مانع ہے چنانچہ اس نے
پنے افراد خانوادہ کو قلعہ تلنبہ بھجوا دیا اور خود سلار واہن میں (یہ مسافت انیس
یل شمال مشرق) خیمہ زن ہو گیا۔ کچھ عرصے قیام کے بعد قلعہ تلنبہ میں منتقل
و گیا۔ اپنے قیام تلنبہ کے دوران اس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے کمک طلب
ا۔ مہاراجہ نے ایک ہزار مسلح گھڑ سوار پر مشتمل فوجی دستہ تلنبہ بھجوا دیا تاکہ
س دستے کے بل پر وہ نواب سے اپنے معاملات طے کرے۔ مزید لکھا کہ
ضرورت پڑنے پر حسب طلب وہ ایک لشکر اپنے بیٹے کھڑک سنگھ کی سرکردگی
یں روانہ کر سکتا ہے۔ شجاع الملک نے یہ نامہ بعینہ نواب کو بھیج دیا اور خود فوجی
ستہ کے حضوری باغ پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔ نواب کو پہلے ہی اس سازش کا
یشہ تھا۔ چنانچہ نواب نے اپنا لشکر مرتب کیا۔ ملتان کے قلعے کے بعد شجاع آباد
ے قلعے کو بھی ہر لحاظ سے مستحکم کیا۔ افراد خاندان کو شجاع آباد منتقل کر کے
یں نصب کرا دیں۔ طے پایا کہ اگر شاہ شجاع نے سکھوں کی مدد سے حملہ کیا تو

نواب مظفر خان شجاع آباد میں اور نواب سر فراز خان ملتان میں دفاع کریں گے۔ اس بار نواب مظفر خان نے تمام سدوزئی افراد اور دیگر افاغنہ و تمن افراد سے قرآن پر وفاداری اور حمایت کا حلف لیا۔ سب نے قرآن پر حلف اٹھایا مگر علی محمد خان خدکہ سدوزئی نے ذاتی وجوہ کی بنا پر حلف برداری سے انکار کر دیا۔ ذاتی وجوہ درج ذیل ہیں :-

۱۔ نواب جب سفر حج پر تھا تو اس کی غیر موجودگی میں نواب سر فراز خان نے اس کی بیشتر زرخیز زرعی اراضی پر قبضہ کر کے حق سرکار ضبط کر لیا تھا۔

۲۔ شاہ شجاع کی افغانستان پر بادشاہی کے موقع پر اس نے علی محمد خان کو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار میں سفیر مقرر کیا ہوا تھا جس کے عوض چھ ہزار روپے سالانہ تنخواہ مقرر تھی۔ جو ملتان کے مالیے سے وضع ہونی قرار پائی تھی۔ نواب سر فراز خان نے ادائے رقم سے انکار کر دیا۔ جب نواب مظفر خان کی حج سے واپسی پر علی محمد خان نے شکایت کی تو کوئی ازالہ یا تلافی نہیں کی گئی بلکہ سکوت اختیار کر کے باپ نے بیٹے کے اقدامات کا جواز فراہم کیا۔

ان وجوہات سے علی محمد خان کے تعلقات نواب مظفر خان اور نواب سر فراز خان سے سخت کشیدہ ہو گئے۔ چنانچہ موقع ہاتھ آتے ہی وہ مع خانوادہ شہر سے نکلا اور شاہ شجاع کے پاس حضوری باغ قیام پذیر ہو گیا اور بعد میں شاہ شجاع الملک نے حویلی علی محمد خان خدکہ جو کہ لوہاری دروازہ کے نزدیک تھی میں رہائش اختیار کر لی۔ شاہ شجاع الملک نے مزید ایک ماہ قیام کیا مگر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طرف کوئی امداد نہ پہنچی چنانچہ شجاع الملک مایوس ہو کر تلمبہ چلا گیا اور اپنے خانوادہ کو تلمبہ سے لے کر راولپنڈی ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ء گامزن

اور علی محمد خان کو رنجیت سنگھ کے دربار میں وکیل کی حیثیت سے بھجوادیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد نواب مظفر خان نے وہ تمام جاگیر جو شجاع الملک کے حوالے کی تھی دوبارہ اپنے تصرف میں لے آیا اور اپنا ارادہ شجاع آباد منتقل ہونے کا بدل لیا۔ اس دوران میں افغانستان میں طوائف الملوکی پھیل گئی۔ اس اندرونی انتشار اور عدم استحکام کے باعث کسی نے بھی ملتان اور پنجاب کے معاملات پر دھیان نہ دیا۔ رنجیت سنگھ نے نواب مظفر خان سے تاوانِ جنگ کی بقایا واجب الادا رقم آہستہ آہستہ دو سال میں وصول کر لی کیوں کہ نواب یہ رقم یکمشت ادا نہ کر سکا تھا۔ نواب کو رقم کی ادائیگی کے لیے زیورات دہلی میں بھجوا کر فروخت کرنے پڑے۔

شاہ محمود کی ہندوستان آمد :

۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ء شاہ محمود اپنے وزیر فتح خان بارک زئی کے ہمراہ پشاور پہنچا اور دریائے سندھ عبور کر کے کالاباغ کے مقام پر خیمہ زن ہو گیا۔ جب رنجیت سنگھ کو اس کے ہندوستان پہنچنے کی اطلاع ملی تو وہ فوراً راولپنڈی پہنچا اور اس نے کالاباغ کا رخ کیا۔ راولپنڈی اور کالاباغ کے درمیانی علاقے میں فریقین کی ملاقات واقع ہوئی۔ ہر دو جانب سے تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا اور دونوں میں یہ عہد استوار ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کی مملکت پر حملہ نہیں کریں گے۔ یہ بھی طے پایا کہ مہاراجہ کسی قسم کی امداد شاہ شجاع کو نہیں دے گا۔ اور طے پا جانے کے بعد دونوں اپنے اپنے علاقوں میں چلے گئے۔

یہ حالات تھے جن کے تحت شاہ شجاع الملک نے علی محمد خان خدکہ روزئی کو رنجیت سنگھ کے پاس برائے امداد و طلبی بھیجا تھا۔ علی محمد خان کی

مہاراجہ سے ملاقات راولپنڈی میں ہوئی اور اسے رنجیت سنگھ کی بدنیتی کا اندازہ ہی نہیں بلکہ یقین ہو گیا۔ اس نے ہرکارے کے ذریعے شاہ شجاع الملک کو مطلع کر دیا۔ مہاراجہ نے علی محمد خان کو شاہ شجاع کے پاس جانے کی اجازت نہ دی اور جھوٹے دلاسوں اور طفل تسلیوں پر اپنے ہی پاس روکے رکھا۔ وہ اسے لاہور لے آیا اور اس کی خاطر مدارات بھی کی۔

شاہ شجاع الملک نے اپنے سابق وزیر شیر محمد خان بامے زئی اور اس کے لڑکوں عطا محمد خان بامے زئی اور جہان دار خان بامے زئی کے اشتراک سے ایک لشکر ترتیب دیا اور موسم سرما میں پشاور پر حملہ کر دیا۔ ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۲ء میں عطا محمد خان بارک زئی برادر فتح خان بارک زئی صوبہ دار پشاور سے معرکہ ہوا اس کے لشکر کو شکست دے کر شاہ شجاع نے پشاور پر قبضہ کر لیا۔ عطا محمد بارکزئی لڑائی میں مارا گیا اور اس کا بھائی عظیم خان بارک زئی نے کابل کی سمت راہِ فرار اختیار کی۔

پشاور پر قبضے کے بعد شیر محمد خان بامے زئی نے عملاً تمام نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ شجاع الملک کے احکام سے بے اعتنائی برتتا تھا۔ اسی دوران میں علی محمد خان خدکہ سدوزئی سولہ ماہ تک شاہ شجاع کی جانب سے رنجیت سنگھ کے دربار میں سفارت کا فریضہ انجام دیتا رہا۔ پشاور کے دگرگوں حالات کے سبب شاہ شجاع الملک مجبور ہوا کہ وہ علی محمد خان سدوزئی کو طلب کرے۔ مہاراجہ نے بصد مشکل اسے جانے کی اجازت دی۔ پشاور پہنچ کر علی محمد خان سدوزئی نے اصل حقیقت واشگاف الفاظ میں بیان کر دی کہ مہاراجہ مکروفریب سے کام لے رہا ہے اور وہ اس کی ذرہ بھر امداد نہیں کرے گا۔

ڈیرہ غازی خان پر حملہ :

شاہ شجاع الملک نے شہزادہ حیدر سدوزئی فرزند شاہ زمان کی ماتحتی میں یک لشکر ڈیرہ غازی خان بعزمِ فتح روانہ کیا۔ عبدالجبار خان برادر فتح محمد خان رک زئی وہاں کا منصب دار تھا۔ عبدالجبار خان نے شہزادہ حیدر کو شکست سے وچار کیا اور بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس واقعے کا یہ اثر ہوا کہ شجاع الملک کا وقار ہان دار بامے زئی کی نظروں میں گر گیا۔ جہان دار خان بامے زئی نے عطا محمد خان بامے زئی سے سازش گانٹھی اور شعبان ۱۲۲۷ھ مطابق اگست ۱۸۱۲ء کو پشاور کے قلعہ بالا حصار پر حملہ کر کے شاہ شجاع الملک کو قیدی بنالیا اور اسے کشمیر بجوادیا۔ علی محمد خان خدکہ سدوزئی، وفا بیگم کے پاس راولپنڈی آگیا۔ اب علی محمد خان خدکہ حالات سے مایوس ہو کر راولپنڈی سے بہاول پور پہنچا۔ نواب صادق محمد خان نے ان کا دل سے استقبال کیا اور خاطر مدارات سے پیش آیا۔ اس کے بعد علی محمد خان دریائے ستلج کو عبور کر کے شجاع آباد کے قریب جلال پور پہنچا۔

علی محمد خان کا عقد ثانی :

شہزادہ علی محمد خان خدکہ سدوزئی کی صفر ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۸۱۳ء کو لال پور میں دین محمد خان بابر کی بیٹی سے شادی ہوئی۔ یہاں چند روز قیام کے اس نے لاہور جانے کا فیصلہ کیا مگر جب نواب محمد مظفر خان کو علم ہوا تو اس نے قاصد کے ذریعے اسے ملتان آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ علی محمد خان نے ہور کی روانگی ترک کی اور ملتان کا رخ کیا۔ نواب صاحب نے اپنے بیٹے حق نواز

خان کو علی محمد خان کے استقبال کے لیے ملتان سے باہر بھیجا۔ وہ ملتان پہنچا تو نواب مظفر خان اور نواب سر فراز خان نے اس کی نہایت عزت افزائی کی۔ اس طرح دو سدوزئی خاندانوں، سلطان خیل خدکہ اور موددد خیل کے درمیان مدتوں سے جو رنجش چلی آتی تھی، وقتی طور پر دوستی اور یگانگت میں بدل گئی۔

رجب سیال کی سرکوبی:

نواب محمد مظفر خان نے استحکامِ سلطنت پر توجہ کی اور مختلف امور و مسائل کو طے کرنے اور حالات کو درست و بہتر بنانے کے عمل کا آغاز کیا۔ رجب سیال جھنگ سے گڑھ مہاراجہ تک ہر قسم کی راہ زنی اور ہر نوع کی بدامنی و غارت گری کا ذمہ دار تھا اور اسے رنجیت سنگھ کی سرپرستی حاصل تھی۔ چنانچہ ملتان کے شمال شرقی علاقے کے تحفظ کی خاطر نواب نے اس کی سرکوبی کا فیصلہ کیا۔ رجب سیال نے ایک قلعہ احمد پور سیال کے قریب اپنے لئے تعمیر کرایا تھا جہاں وہ پیشہ ور راہ زنوں کی سرپرستی اور اعانت کرتا اور ان کو تحفظ دیتا تھا۔ نواب نے اس کی طاقت کو کچلنے کے لئے ایک لشکر روانہ کیا جس نے رجب سیال کے قلعے پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ وہ شکست کھا کر بھاگ گیا۔ نواب کے حکم سے اس کے قلعے کو مسمار کر دیا گیا اور احمد پور کے قرب میں فیروز گڑھ کے مقام پر ایک نیا قلعہ تعمیر کیا گیا جس میں نواب نے ایک فوجی دستہ تعینات کیا تاکہ راہ زنوں کے فتنے کو دبایا اور کچلا جا سکے۔ ان انتظامات کے سبب نیز سرکشوں کے استیصال کے سبب نواب مظفر خان کا دبدبہ اور ہیبت بڑھ گئی اور اس کی دھاک بیٹھ گئی۔

ر فراز خان کی بہاول پور کے باغیوں کو امداد :

آغاز سال ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۸۱۳ء کو فتح محمد خان غوری جمعدار، احمد
ن ترین اور چند دوسرے سرداران بہاول پور نے نواب صادق محمد خان کے
ف سازش کی کہ اسے احمد پور شرقیہ میں قتل کر دیا جائے۔ یہ کام سنجی خان کے
رد کیا گیا۔ نواب کو اس سازش کی اطلاع پیشگی مل گئی۔ وہ راستے ہی سے اپنے
ہ دراوڑ کی جانب لوٹ گیا، اس طرح قتل کی یہ سازش پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ
۔ اس کے بعد دوسری بار ایک سازشی ٹولے نے ملاہاشم، اللہ داد کہری،
ر خان کہری اور چند دیگر افراد کے ساتھ مل کر سازش کی کہ نواب کی غیر
جودگی میں جب کہ وہ شکار پر گیا ہوا تھا، صاحبزادہ احمد بخش پسر مبارک خان
حکمرانی کا اعلان کر دیا جائے۔ چنانچہ دراوڑ کے قلعے کے دروازے بند کر کے
یں چلا کر اس کی تخت نشینی کا اظہار کیا گیا۔ نواب توپوں کی گھن گرج سن کر
ر دیکھ کر فتح محمد خان غوری، جمعدار احمد خان ترین اور ڈوھمن شاہ نے اپنے
یوں اور پانچ سو گھڑ سواروں کے ہمراہ قلعے کے دوسرے دروازے سے راہِ
ار اختیار کی اور بہاول پور جا پہنچے۔ نواب کے لشکر کا پیچھا کیا۔ دریائے گھارا کو
ور کر کے لشکر شجاع آباد کے علاقے میں پہنچ گیا۔ اس وقت سر فراز خان شجاع
میں موجود تھا۔ اس سے امداد طلب کی۔ نواب سر فراز خان نے ایک سیاسی
ی کا ارتکاب کیا اور امداد دینے پر رضامند ہو گیا۔ اس صورت حال پر نواب
ق محمد خان برہم ہو گیا اور اپنا وکیل بھیجا۔ وکیل ناکام رہا۔ اس پر نواب صادق
ان نے باغیوں کو کچلنے کے لئے محمد یعقوب خان کی ماتحتی میں ایک لشکر روانہ
ادھر نواب سر فراز خان نے اپنے دیوان، صاحب داد خان کو ایک جمعیت

کے ساتھ احمد خان کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ شجاع آباد کے قرب وجوار میں بہاولپوری لشکر نے احمد خان ترین کو شکست دی۔ اس محاربے میں کافی پٹھان مارے گئے۔احمد خان ترین بھی قتل ہوا۔ ملتانی جمعیت قلعہ شجاع آباد میں قلعہ بند ہو گئی۔ نواب سرفراز خان کی بہت جگ ہنسائی ہوئی۔ محمد خان غوری جو بغاوت میں شامل تھا، ڈیرہ غازی خان بھاگ گیا۔ ان حالات میں نواب مظفر خان کی مداخلت سے صلح نامے پر دستخط ہو گئے اور فریقین میں یہ معاملہ طے پایا کہ آئندہ ایک دوسرے کے علاقوں کے معاملات میں دخل نہ دیں گے۔

شاہ محمود کی ہندوستان آمد :

(محرم ۱۲۳۰ھ مطابق دسمبر ۱۸۱۴ء)

شاہ محمود محرم ۱۲۳۰ھ مطابق دسمبر ۱۸۱۴ء کو ڈیرہ غازی خان پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔ اس موقع پر ملتان اور ڈیرہ اسماعیل خان کے اربابِ منصب کے نمائندے اس کی خدمت میں حاضر ہوئے، نذرانے اور لگان کی کچھ رقم پیش کی اور بقایا کی ادائی سے معذرت کرتے ہوئے یہ سبب بیان کیا کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ہر سال ان کی فصل تباہ کر رہا ہے۔ علاقے کے افغانوں کی جان، مال اور آبرو معرضِ خطر میں ہے۔ اس کے خلاف فوجی کارروائی کی اشد ضرورت ہے۔

شاہ محمود کو اپنی کمزوری کا اندازہ تھا اس لیے سکوت اختیار کیا اور ان کو زبانی کلامی تسلی دے کر رخصت کر دیا اور خود کابل لوٹ گیا۔ نواب مظفر خان خاصے نازک حالات سے گزر رہا تھا۔ ایک طرف مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بارے میں خدشات، کہ وہ اس چھوٹی سی مسلمان ریاست کو فتح کر کے الحاق کا خواہاں تھا۔ دوسری طرف افغان ہر سال مالیہ اور لگان کی وصولی کے لئے آدھمکتے

یہ نواب کی سیاسی حکمت عملی اور تدبر تھا کہ اس نے اس دو طرفہ فشار سے ملتان کو بچائے رکھا۔ ادھر جب بھی اسے موقع ہاتھ آتا وہ اپنی ریاست میں امن کے استحکام اور زراعت کی ترقی پر توجہ دیتا تاکہ یہ علاقہ خوشحالی سے ہمکنار ہو۔

رنجیت سنگھ کی ملتان آمد:

۱۲۳۱ھ مطابق فروری ۱۸۱۶ء مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ملتان کی جانب روانگی اختیار کی تاکہ تاوان کا بقیہ اسّی ہزار روپے وصول کیا جائے۔ وہ مارچ کے آخری ہفتے میں تلمبہ پہنچ گیا۔ نواب مظفر خان نے سید محسن شاہ کو تحفے تحائف اور چند گھوڑے دے کر پیشکش کے لئے روانہ کیا اور تاوان کی رقم کی ادائی کے لئے جون ۱۸۱۶ء فصل ربیع کے بعد کا وقت مقرر کیا۔ رنجیت سنگھ نے پیش قدمی کر کے قلعہ احمد آباد کو فتح کر لیا۔ مصر دیوان چند احمد آباد پر توپ خانے سے حملہ آور ہوا تھا۔ اس کے بعد مہاراجہ، موضع کھوکھراں میں جو ملتان سے تقریباً بیس میل کی مسافت پر ہے، خیمہ زن ہو گیا۔ اسی دوران میں نواب مظفر خان نے شہر اور قلعے کے دروازے بند کر دیئے اور جنگ کے لئے کمربستہ ہو گیا۔ اس کے دل میں سکھوں سے کوئی خوف و ہراس پیدا نہ ہوا۔ اسی دوران میں ایک سکھ سردار پھول سنگھ نے اپنے دستے کے ساتھ اطرافِ ملتان میں لوٹ مار بازار گرم کر دیا۔ جب یہ دستہ عیدگاہ کے قرب میں پہنچا تو پٹھانوں کے لشکر نے ان کو جا لیا اور شکست سے دوچار کر کے مار بھگایا۔ اس معرکے میں بے شمار سکھ ہلاک ہوئے۔ جب رنجیت سنگھ اس واقعے سے مطلع ہوا تو اس نے اپنے وزیر فقیر عزیز الدین کی معرفت نواب مظفر خان سے پھولا سنگھ کی اس حرکت پر افسوس و ندامت کا اظہار کیا۔ فقیر عزیز الدین سے گفت و شنید کے نتیجے میں نواب نے

چالیس ہزار روپے تاوان ادا کر دئے اور بقیہ رقم یعنی نصف، بعد از فصلِ ربیع یعنی جون ۱۸۱۶ء میں ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ مہاراجہ نے واپسی کا سفر اختیار کیا۔ وہ وہاں سے گھاگھرا اور پھر منکیرہ پہنچا اور سربلند خان معین الدولہ حاکم ڈیرہ اسماعیل خان و کچھی شمالی سے لگان طلب کیا۔ نواب محمد خان نے جو ساٹھ سال سے زیادہ کی عمر کا تھا، ادائے لگان سے صاف انکار کر دیا۔ چند روز بعد، ۱۲۳۱ھ مطابق ۱۸۱۶ء نواب محمد خان نے وفات پائی اور اس کا داماد حافظ احمد خان ناظم مقرر ہوا۔ رنجیت سنگھ نے ایک لشکر حافظ احمد خان کے خلاف روانہ کیا۔ حافظ احمد خان نے معرکہ آرائی میں نہایت شجاعت کا مظاہرہ کیا تاہم آخرکار تاوانِ جنگ کی ادائی پر آمادہ ہو گیا۔ ان امور کے تصفیے کے بعد مہاراجہ نے جھنگ کا عزم کیا۔ وہاں لشکر کشی کی اور احمد خان سیال کو قید کر لیا کیونکہ وہ نواب مظفر خان کے حلقۂ احباب میں تھا، مہاراجہ نے احمد خان سیال اور اس کے دیوان جیوایارام کو سکھ دستے کے ساتھ لاہور روانہ کر دیا۔ مہاراجہ نے رجب سیال پر بھی حملہ کیا اور اسے بھی گرفتار کر کے لاہور بھجوادیا۔ ان واقعات کے بعد رنجیت سنگھ نے جھنگ اور قرب وجوار کے تمام علاقے کا الحاق اپنی سلطنت کے ساتھ کر دیا اور خود لاہور روانہ ہو گیا۔

نواب محمد خان ملقّب بہ سربلند خان معین الدولہ ناظم ڈیرہ اسماعیل خان و کچھی شمالی :

نواب محمد خان نہایت تزک و احتشام سے اپنے محروسہ صوبے، ڈیرہ اسماعیل خان اور کچھی شمالی پر حکمرانی کرتا رہا۔ سکھوں کا برابر یہ شیوہ رہا کہ وہ

فوقتاً اس کے علاقے پر یلغار کرتے۔ دیہی آبادی اور فصلوں کو نقصان پہنچاتے اور
لوٹ جاتے۔ لیکن نواب ہمیشہ سکھوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا رہا اور اس نے کبھی
ہتھیار نہیں ڈالے۔ دوسری طرف شاہ محمود کے محصلین لگان کی وصولی کے لئے
پہنچ جاتے تھے۔ نواب نہایت مدبر اور اعلیٰ درجے کا منتظم تھا۔ گوناگوں مشکلات
کے باوجود وہ ہمیشہ اپنے علاقے کی خوشحالی کے لیے کوشاں رہا۔ غنڈہ گردی کی
سختی سے سرکوبی کرتا۔ وہ اپنے زیر نگیں علاقے میں امن وامان قائم کئے ہوئے
تھا۔ اس کا علاقہ پٹھانوں کی آماجگاہ تھا۔ نواب مظفر خان کے دیرینہ مخالف
عبدالصمد خان بادوزئی کا قلعہ دائرہ دین پناہ اسی کے علاقے میں واقع تھا۔
محمد خان نے اسے پناہ دے رکھی تھی بلکہ پچاس روپے روزینہ اس کی گزراوقات
کے لئے مقرر تھا۔ نواب مظفر خان، محمد خان کی اس روش سے متفق نہ تھا۔ اس کا
خیال تھا کہ عبدالصمد خان مارِ آستین ہے۔ جب بھی اسے موقع ملے گا، وہ محمد خان
پر وار ضرور کرے گا۔ چنانچہ رجب ۱۲۳۱ھ مطابق جون ۱۸۱۶ء کو جب محمد خان
نے انتقال کیا تو عبدالصمد خان نے ایک گروہ تیار کر کے قلعہ دائرہ دین پناہ سے
باہر نکل کر مرحوم نواب کے علاقے کو تاخت و تاراج کرنا شروع کیا۔ محمد خان
کے اولاد نرینہ نہ تھی۔ صرف ایک لڑکی جو حافظ احمد خان سدوزئی ولد
عبدالرحمٰن خان پسر مومن خان سدوزئی سے بیاہی ہوئی تھی۔ اس تعلق سے
حافظ احمد خان، ڈیرہ اسماعیل خان و کچھی شمالی کا نواب مقرر ہوا۔ پانچ سال بعد اس
کی وفات پر اس کا بیٹا شیر محمد خان سدوزئی اس منصب پر فائز ہوا۔ اس نے
عبدالصمد خان کے خلاف لشکرکشی کی اور دائرہ دین پناہ کا محاصرہ کر لیا۔ آخر عبدالصمد
خان نے شکست کھائی اور دائرہ دین پناہ سے ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۱۷ء لاہور

بھاگ گیا۔ وہاں جاکر مہاراجہ رنجیت سنگھ کو حملہ کرنے کے لئے اکساتا رہا۔

سکھوں کا ملتان پر چھٹا حملہ :

مہاراجہ رنجیت سنگھ کے لئے تاوانِ جنگ کی وصولی ایک مستقل بہانہ تھا جسے سببِ جنگ بناتا رہتا تھا۔ ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۱۷ء میں اس نے دیوان بھوانی داس، لالہ رام دیال اور سردار ہری سنگھ نلوا کی سرکردگی میں ایک سکھ لشکر ملتان روانہ کیا اور اس کے عقب میں مصر دیوان چند کو توپ خانے کے ہمراہ بھیجا۔ اس لشکر نے سورج میانی میں خیمے نصب کئے اور اطراف میں لوٹ مار اور غارت گری شروع کر دی۔ نواب مظفر خان نے حفظِ ماتقدم کے طور پر تمام احتیاطی تدابیر اختیار کر لی تھیں۔ اس نے قلعہ شجاع آباد اور قلعہ ملتان میں مناسب دفاع کا اہتمام کر لیا تھا اور دونوں مقامات پر توپیں نصب کر رکھی تھیں نیز قلعہ ملتان کی محافظت کے لئے پٹھانوں کا لشکر بھی موجود تھا۔ نواب نے ملتان شہر اور قلعے کے دروازے بھی بند کر رکھے تھے۔ اس لئے سکھ لشکر کو شہر اور قلعے پر حملے کی جرأت نہ ہو سکی۔ سکھوں نے اشتعال میں لا کر باہر کے دیہات کی فصلیں اجاڑ ڈالیں اور قاصد بھیج کر لگان کا مطالبہ کیا۔ لیکن نواب مظفر خان نے نہایت شجاعت و پامردی کا اظہار کرتے ہوئے رقم کی ادائی سے انکار کر دیا۔ سکھ لشکر نے دریائے چناب عبور کیا اور ڈیرہ اسماعیل خان اور کچھی شمالی کی حدود میں داخل ہو گیا۔ راستے میں محمود کوٹ کو جو مظفر گڑھ سے سترہ میل کی مسافت پر ہے، حملہ کر کے فتح کر لیا۔ جب حافظ احمد خان کو اطلاع ملی تو اس نے کچھ رقم دے دلا کر انہیں ادھر آنے سے روک دیا۔ تب اس لشکر نے مظفر گڑھ کا رخ کیا۔ یہاں پٹھانوں کے ساتھ ان کی مٹھ بھیڑ ہوئی۔ پٹھانوں نے شجاعت کا حق

دیااور سکھ لشکر قلعہ مظفر گڑھ کو فتح نہ کر سکا۔ آخر یہ لشکر ناکامی کے زخم
ٹتے ہوئے لاہور واپس چلا گیا۔ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اس ناکامی کی
لاع ملی تو اس نے غضب ناک ہو کر سردار دیوان بھوانی داس کو قید میں ڈال دیا
داس ناکامی کی پاداش میں دس ہزار روپے جرمانہ کر دیا۔ عبدالصمد خان بادوزئی
ہور میں موجود تھا جو مہاراجہ کو برابر اکسارہا تھا کہ وہ خود ملتان پر لشکر کشی
ے۔

ہاراجہ رنجیت سنگھ کا ملتان پر ساتواں حملہ اور تسخیر ملتان:

مہاراجہ رنجیت سنگھ سارے پنجاب پر متصرف ہو کر نہایت کامیابی
ے ساتھ حکمرانی کر رہا تھا۔ اب تک ملتان اس کے پنجۂ اقتدار سے باہر تھا۔ اس
توسیع پسندانہ طبیعت کے لئے یہ غیر مسخر علاقہ اس کی آنکھ میں کانٹے کی طرح
ک رہا تھا۔ چنانچہ اب اس نے زبردست فوجی تیاریاں شروع کر دیں۔ احمد شاہ
ردان کی زمزمہ توپ، جو اس کی تحویل میں تھی، ماہرین کو ایک جماعت کے
یلے سے وہ اسے مہم ملتان میں قلعے پر داغنے کے لئے تیار کر چکا تھا۔ اس توپ کو
ان تک لے جانے کے لئے لاتعداد خصوصی بیل منگوائے گئے۔ اس کے لئے
ے شمار چھوٹی توپیں بھی شاملِ توپ خانہ کر لی گئیں۔ دس سال تک سعی
ام کے بعد اب فتحِ ملتان اس کی غیرت کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت اختیار کر
تھی۔ اس نے ہر چہار اطراف سے سکھ سردار جمع کئے اور پچاس ہزار کا لشکر
کر لیا۔ اپنے بیٹے کھڑک سنگھ کو سپہ سالار قرار دیا اور عملاً مصر دیوان چند کو
کا کماندار مقرر کیا۔ ایک فوجی کونسل ترتیب دی گئی جس میں دیوان رام
، ہری سنگھ نلوا، فتح سنگھ اہلوالیا، دل سنگھ، کرم سنگھ، دیوان موتی رام اور

دیوان بھوانی داس شامل تھے۔ ان غیر مسلم جتھوں کے ساتھ ساتھ ایک د
دستہ مسلمانوں پر مشتمل تیار کیا گیا۔ عبدالصمد خان بادوزئی کو کھڑک سنگھ کا
متعین کیا گیا۔ جنوری ۱۸۱۸ء کو لشکر جرار ملتان کی جانب روانہ ہوا۔

ملتان کا دفاع :

نواب محمد مظفر خان نے دفاعِ ملتان کے لئے اعلانِ عام کر دیا۔ چنانچہ
تمام پٹھانوں اور اہلِ ملتان نے اپنی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے ایک چھوٹی
سی جمعیت تیار کر لی اور ایک توپ خانے کا بھی بندوبست کر لیا۔ شجاع آباد کے
قلعہ و شہر کی مدافعت کے لئے پانچ توپیں قلعہ شجاع آباد میں نصب کر دی گئیں
اور ایک ہزار کا لشکر بھی وہاں مقرر کر دیا گیا۔ باقی تمام لشکر اور توپ خانہ قلعہ
ملتان میں رکھا گیا۔ ہمہ قسم کا سامانِ رسد بھی ہر دو قلعوں میں فراہم کر دیا گیا۔
نواب محمد مظفر خان نے مظفر گڑھ اور خان گڑھ کے قلعوں کو کوئی اہمیت نہ دی۔
نواب کے بہترین منتخب گھڑ سوار بعداد دو ہزار تھے اور توپوں کی تعداد بیس تھی
جو قلعے میں نصب تھیں۔ جذبہ جہاد کے تحت کوئی تین ہزار افراد رضاکارانہ طور
پر سکھوں کے مقابلے کے لیے سر بکف تھے۔ ان سب کو عید گاہ کے بیرونی جانب
صف آرا کر دیا گیا تاکہ سکھ ہراول دستے کا مقابلہ بیرونِ شہر کیا جا سکے۔ اس دستے
کی راہنمائی کے لئے نواب نے اپنے بیٹوں اور خاندان کے بعض افراد کو قلعے سے
باہر متعین کر دیا۔ نواب نے حصولِ امداد کے لئے نواب بہاول پور کو لکھا لیکن
اس نے سکھوں کے خوف سے سکوت اختیار کیا۔ نواب محمد مظفر خان نے نواب
شیر محمد خان سدوزئی حاکم ڈیرہ اسماعیل خان و کچھی شمالی نیز حاکم ڈیرہ غازی خان کو
بھی حصولِ اعانت کے لیے تحریر کیا لیکن سکھوں کی دہشت ان پر اس قدر غالب

تھی کہ انہوں نے اپنے اپنے علاقوں ہی کے تحفظ پر اکتفا کیا اور قلعہ بند ہو ہو کر بیٹھ گئے۔ اس طرح نواب مظفر خان، حریف سے مقابلے کے لیے تنہا رہ گیا۔ جو اپنے جذبہ جہاد و سر فروشی کے تحت مسلمانوں کے تحفظِ ناموس کی خاطر میدانِ جنگ میں ڈٹ گیا۔

سکھوں کی حکمت عملی:

سکھ لشکر نے متی تل میں ڈیرے لگائے۔ دیوان مصر چند نے عبدالصمد خان بادوزئی کے مشورے پر ایک لشکر مظفر گڑھ کی جانب روانہ کیا۔ اس نے پہلے قلعہ مظفر گڑھ کو فتح کیا پھر وہ خان گڑھ کی جانب چلا۔ مسلمان اس قلعے کو پہلے ہی خالی کر چکے تھے، سو یہ قلعہ بہ آسانی مفتوح ہو گیا۔ ہر دو قلعوں میں سکھوں نے انتظامی دستے متعین کر دیئے پھر سکھوں نے تسخیر شجاع آباد کے لئے ایک دستہ ادھر روانہ کیا۔ وہاں اطراف سے خوب گولہ باری ہوئی۔ بہت سا جانی نقصان ہوا۔ بے شمار لوگ قتل اور زخمی ہوئے لیکن سکھ قلعہ شجاع آباد پر قابض ہونے میں ناکام رہے۔ سکھوں کی جنگی حکمت عملی یہ تھی کہ پہلے اطرافِ ملتان پر قبضہ کر لیا جائے چنانچہ اب ان کا ایک ہراول دستہ عید گاہ کے قریب متعین ملتانی لشکر سے متصادم ہوا۔ نہایت خوں ریز جنگ ہوئی۔ طرفین کے بے شمار لوگ مارے گئے۔ یہاں سکھوں کو پسپا ہونا پڑا۔ ان کی اس ذلت آمیز پسپائی کے بعد نواب مظفر خان نے حکم دیا کہ فوج کا ایک حصہ دفاعِ شہر کے لئے فصیلِ شہر کے اندر موجود رہے۔ دوسرا منتخب گھڑ سواروں کا دستہ دفاعِ قلعہ کے لئے قلعے کے اندر اپنے پاس متعین کر دیا۔ اس اہتمام کے بعد مسلمانوں نے دروازے بند کر کے دفاع کی تیاریاں شروع کر دیں۔

سکھوں کا شہر پر قبضہ :

جمادی الاوّل ۱۲۳۳ھ مطابق مارچ ۱۸۱۸ء کو دیوان موتی رام نے ایک بڑے لشکر کے ہمراہ ملتان پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ شہر پر بہت گولہ باری کی گئی۔ جنگ کی خونریزی کا یہ عالم تھا کہ پہلے دن، اطراف سے ایک ہزار آدمی مارے گئے۔ اہلِ شہر نے نہایت بے جگری سے شہر کا دفاع کیا۔ مسلسل گولہ باری سے شہر کی فصیل کئی اطراف سے گر گئی لیکن ساتھ کے ساتھ مرمت ہوتی رہی تاہم سکھوں کے حملے اتنے زور شور سے اور اس قدر مسلسل تھے کہ چند روز بعد سکھ شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے اپنی قبیح اور وحشیانہ عادت کے مطابق شہر میں قتلِ عام اور لوٹ مار شروع کر دی۔ کئی عورتوں نے اپنی حفاظتِ ناموس کے لئے خودکشی کر لی۔ ہر شخص اپنی جان بچانے کی فکر میں بہاول پور کی جانب بھاگ نکلا۔ دیوان مصر چند نے اس خون خرابے اور غارت گری کو چند دنوں بعد بمشکل روکا۔

قلعہ ملتان کا محاصرہ :

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس صورتِ حالات میں پیغام بھیجا کہ قلعہ ملتان کا محاصرہ کر لیا جائے اور تمام توپیں گولے برسائیں۔ زمزمہ توپ نے بھی عیدگاہ کے قرب و جوار میں مختلف اوقات میں چار مرتبہ گولے برسائے۔ قلعے کی دیوار گرتی لیکن فوراً مرمت کر دی جاتی۔ قلعے کے خضری دروازے کی طرف جس کا رخ شمال مشرق جانب عیدگاہ تھا، قیامت کی گولہ باری کی گئی۔ پھر عام حملہ کر دیا گیا۔ نواب مظفر خان اور اس کے لشکر نے اتنا زبردست دفاع کیا کہ

کوئی اٹھارہ سو لاشیں چھوڑ کر ہزیمت پر مجبور ہوئے۔ لیکن زمزمہ توپ کی
نہ اندازی کے وقت دو گولے اتنے شدید ثابت ہوئے کہ خضری دروازے
ے قریب قلعے کی فصیل اور دیو دروازے کے قریب کی دیوار زمین بوس ہو گئی۔
بل سے ملحقہ خندق میں پانی نہ تھا، اس لئے سکھوں کا ایک گروہ وہاں سے عبور
کے داخلِ قلعہ ہو گیا۔ قلعے میں دست بہ دست تلواروں کی لڑائی شروع ہو
۔افغانوں نے شجاعت کا حق ادا کر دیا۔ نواب اپنے بیٹوں سمیت بے جگری سے
۔اسی اثنا میں قلعے کی فصیل کی مرمت کر دی گئی اور جو سکھ قلعے میں داخل ہو
ے تھے انہیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ دیوان مصر چند نے ایک دستہ دوبارہ
ع آباد کی جانب بھیجا لیکن فتح نہ پا سکا۔ دورانِ جنگ وہاں کا قلعہ ناقابلِ تسخیر
۔ مہاراجہ نے تسخیر ملتان کے لئے اپنی ساری فوجی طاقت جھونک دی تھی۔ دو
گزر گئے اور قلعہ فتح نہ ہو سکا اور قدم قدم پر زبردست جانی نقصان بھی ہوتا
اس لئے مہاراجہ نے جنگ روک کر حکم دیا کہ دیوان مصر چند نواب سے صلح
ئی کی بات کرے۔ نواب بھی اس خون خرابے کے پیش نظر صلح جوئی پر آمادہ
۔لیکن اس نے قلعہ ملتان کی فتح سے پندرہ روز قبل حضرت بہاء الدین زکریا
انی ؒ کے مزارِ اقدس کے احاطے میں ایک جرگہ برائے مشاورت طلب کیا۔
میں اس نے اپنے بیٹوں، رشتہ داروں، سدوزئی کے خاندان کے تمام افراد
یگر افاغنہ و ملتان کے افراد کو شرکت کی دعوت دی اور ان کے سامنے مسئلہ
یش کیا۔ کچھ لوگوں کی رائے تھی کہ ہمارے بہت سے اعزا و اقارب شہادت
ہیں۔ اب ہمارے جینے کا کیا فائدہ۔ یہ نواب اپنی اولاد کے تحفظ کے لئے
خواہاں ہے۔ لیکن بعض معاملہ فہم اور ہوش مند افراد مزید خون خرابے کے

خلاف اور باقی ماندہ لوگوں کی جان اور ناموس کا تحفظ چاہتے تھے۔ اسی دوران میں مصر دیوان چند کے فرستادہ دیوان بھوانی داس اور چوہدری قادر بخش قلعے میں آئے اور صلح کے عوض جان، مال، آبرو کے تحفظ کا وعدہ کیا۔ نیز یہ کہ نواب اور اس کے خانوادے کو مہاراجہ کے جاگیر دار کے طور پر ملتان میں باعزت رہنے دیا جائے گا۔ اس موقع پر پٹھان جذبات میں آگئے اور کہا ہم جان دے دیں گے، صلح نہیں کریں گے۔ ادھر عبدالصمد خان بادوزئی جو نواب کا ازلی دشمن اور کینہ توز شخص تھا، درپردہ بدخواہی میں مصروف تھا اور ملتان کے پٹھانوں کی تباہ کاری کا آرزومند تھا۔ جنگ کے اس مرحلے کے آغاز میں توپ سے گولہ اندازی اور نقب لگا کر قلعے کی فصیل اڑانے میں اس نے بڑی راہنمائی کی۔ دیو دروازے کا نگران نواب سرفراز خان مقرر تھا۔ اس نے اڑتالیس دن کے اس محاصرے میں شجاعت کے اعلیٰ جوہر دکھلائے۔ نواب خود خضری دروازے کے پاس تھا اس لیے سکھوں کی فوجی طاقت کا تمام تر زور اسی جانب تھا۔ بالآخر خضری دروازے پر اس شدت اور کثرت سے گولہ باری کی گئی کہ وہ منہدم ہو گیا اور ۲۲ر رجب ۱۲۳۳ھ مطابق یکم جون ۱۸۱۸ء بروز جمعہ، سکھ، فصیل کے انہدام کے بعد قلعے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن نواب اپنے پانچ بیٹوں، ایک بیٹی اور دیگر افرادِ خانوادہ کے ساتھ سینہ سپر ہو کر ثابت قدمی کے ساتھ اس طرح ڈٹ گیا کہ جو سکھ قلعے میں داخل ہوتے، انہیں مار مار کر فصیل سے ملبے باہر کی جانب پھینکا جاتا رہا۔ شب کی تاریکی تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ رات کو لڑائی رک گئی۔ منہدم فصیل کی مرمت عملی نہ ہو سکی کیونکہ مسلسل لڑائی سے لوگ تھک چکے تھے۔ ۲۳ر رجب ۱۲۳۳ھ مطابق ۲ر جون ۱۸۱۸ء کو طلوع

فتاب کے ساتھ ہی مخالفین نے ایک نہایت زبردست حملہ کیا اور خون ریز
ڑائی کے بعد قلعے میں داخل ہو گئے۔ اب بندوق کی بجائے تلواریں اور خنجر
تھوں میں آگئے اور دست بدست محاربہ شروع ہو گیا۔ نواب خضری دروازے
پہ تھا۔ ایک جوان سکھ سادھو سنگھ سوڈھی تلوار کھینچ کر نواب پر حملہ آور ہوا۔
لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ نواب نے ایک ہی وار میں اسے ڈھیر کر دیا۔ اسی لمحے
شمن کی جانب سے ایک گولی آئی اور نواب کے سینے میں لگی۔ نواب نے گر کر
ہادت حاصل کی۔ یہ صورت دیکھی تو نواب کے بیٹوں اور اعزا نے لڑائی تیز کر
ی لیکن سکھ تعداد میں زیادہ تھے۔ نواب کے پانچ بیٹے، ایک بیٹی، سدوزئی
ندان کے اٹھارہ افراد اور افاغنہ تمن سے تعلق رکھنے والے ایک ہزار افراد
نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اہلِ ملتان نے بھی ہزاروں کی تعداد میں اپنی جانیں
س جہادِ حق میں نثار کر دیں۔ نواب اور اس کے خانوادے کے جائے شہادت
ضری دروازے کی جانب حضرت بہاء الدین زکریا کا احاطۂ مزار تھا۔ اعزازِ
ہادت پانے والوں میں، نواب کے بیٹوں میں شاہ نواز خان، حق نواز خان،
ناز خان، اعزاز خان، شہباز خان، نواب کا بھتیجا نصر اللہ اور دیگر افاغنہ تمن سے
لق رکھنے والے افراد، وفاداروں اور جاں نثاروں میں جان محمد خان بادوزئی،
یار خان علیزئی، دیوان صاحب داد خان، محمد خان ترین، سرمست خان
ئی، فتح خان اور دیگر شجاع افراد شامل ہیں۔ نواب سرفراز خان دیو دروازے
مین تھا، اسے خاندان کے دیگر افراد کی شہادت کی خبر نہیں ہوئی۔ دیوان
یال، سرفراز خان کے پاس گیا اور اس نے مختصراً یہ اطلاع دی کہ رنجیت
ا قلعے پر قبضہ ہو چکا ہے۔ آپ ہتھیار ڈال دیں۔ آپ کو جان کی امان دی جاتی

ہے۔ وہ نواب سر فراز خان کو بصد عزت و احترام مصر دیوان چند کے پاس لے گیا۔ جب بعد میں صورتِ احوال نواب پر واضح ہوئی تو اسے دلی صدمہ ہوا کہ اس نے لڑ کر جان کیوں قربان نہ کر دی۔ ازاں بعد نواب کو نہایت عزت و تکریم کے ساتھ کھڑک سنگھ کے روبرو لایا گیا۔ ادھر مہاراجہ کی جانب سے یہ حکم نامہ موصول ہوا کہ سدوزئی کے بقیۃ السیف افراد کی حفاظت کی جائے اور ان کی عزت و حرمت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے اور شہدا کی باقاعدہ تجہیز و تکفین کی جائے۔ چنانچہ نواب اور اس کے شہید افرادِ خانوادہ کو حضرت بہاء الدین زکریا کے مزار کے دروازے کے سامنے، برآمدے اور مسجد کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد نواب سر فراز خان سے استدعا کی گئی کہ وہ ہاتھی پر سوار ہو کر سکھ لشکر کی معیت میں شجاع آباد چلیں اور خود ان کو کہیں کہ وہ ہتھیار ڈال دیں کیونکہ وہاں فوج مورچہ بند تھی۔ نواب نے ان سے کہا تو انہوں نے ہتھیار ڈالنے کی یہ شرط پیش کی کہ انہیں ان کے خاندانوں کے ساتھ بہاول پور چلے جانے کی اجازت دلا دی جائے۔ یہ شرط مان لی گئی اور نواب کی موجودگی میں انہیں یہ اجازت مل گئی۔ اخلاً کے بعد سکھوں نے قلعہ شجاع آباد پر قبضہ کر لیا۔ نواب سر فراز خان نے مصر دیوان چند سے یہ بات بھی منوالی کہ اب شہر اور قلعے میں مزید خون خرابہ نہ کیا جائے اور جو لوگ ملتان میں رہنا چاہیں ان کے امور میں مداخلت نہ کی جائے۔ چنانچہ شہزادہ علی محمد خان خدکہ کو لوہاری دروازے میں قلعہ ملتان سے ملحقہ حویلی میں رہنے کی اجازت مل گئی۔ مصر دیوان چند مہاراجہ نواب سر فراز خان کو مع ان کے افرادِ خانوادہ کے لاہور لے گیا۔ لاہور پہنچنے پر نواب کا مہاراجہ نے بذاتِ خود استقبال کیا۔ پہلے اپنی حویلی میں

مہمان نواب کو رکھا پھر ایک دوسری حویلی میں منتقل کر دیا۔ یہ حویلی ماڈل ٹاؤن
لاہور میں واقع تھی۔ وہاں نواب نے بطور پنشن گزار زندگی بسر کی۔ نواب کی
اولاد اس حویلی میں کوئی سو سال سے زائد مدت تک مقیم رہی۔ سکھوں کے
خاتمہ اقتدار کے بعد جب انگریزوں کی حکومت ہوئی تو انہوں نے بھی وظیفہ
مقرر کر دیا۔

فتحِ ملتان کے بعد سدوزئی خانوادوں کے اکثر افراد بہاول پور ہجرت کر
گئے جہاں نواب بہاول پور نے ان کی نہایت تکریم کی اور بود و باش کا انتظام کیا اور
مناسب وظائف بھی مقرر کر دیے۔ ملتان کی فتح کے بعد عبدالصمد خان بادوزئی
مہاراجہ رنجیت سنگھ کے پاس لاہور چلا گیا۔ مہاراجہ نے اس کی خدمات کے عوض
اس کا روزینہ مقرر کر دیا۔

آخر کار اس طرح ملتان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور مہاراجہ رنجیت
سنگھ نے ملتان کی مسلم ریاست کا، اپنی سکھ ریاست میں الحاق کر لیا۔

باب چہار دہم

نواب مظفر خان شہید کا خانوادہ

شاہ نواز خان شہید کا ایک بیٹا زندہ رہ گیا۔اس کی والدہ عبدالکریم خان بامے زئی کی دختر تھی۔وہ احمد شاہ درردران کے عہدِ حکومت میں ملتان اور ڈیرہ غازی خان کا نائب ناظم رہ چکا تھا۔ شہباز خان شہید کی ایک لڑکی تھی جو یار محمد خان بابر کی دختر کے بطن سے تھی۔ذوالفقار خان کے لڑکے سے اس کی شادی ہوئی تھی۔

ممتاز خان شہید کے لڑکے کی شادی سنجر خان کی دختر سے ہوئی تھی جس سے باپ کی شہادت کے بعد ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی جو چند سال زندہ رہنے کے بعد وفات پا گئی۔اعزاز خان شہید کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی جو ولی محمد خان بابر کی دختر کے بطن سے تھے۔اعزاز خان کی لڑکی کی شادی نواب سرفراز خان کے بیٹے سے کر دی گئی۔ حق نواز خان شہید کے بیٹے کا نام رب نواز خان تھا۔رب نوار خان کی ایک لڑکی بھی تھی۔ ان دونوں کی ماں عبدالرحمٰن خان سدوزئی زعفران خیل کی دختر تھی۔ حق نواز شہید کے بیٹے رب نواز خان نے ذوالفقار خان شہید کی لڑکی کے ساتھ شادی کی اور اپنی ہمشیرہ کو ذوالفقار خان کے بیٹے کے عقد میں دے دیا۔ مگر وہ شادی کے بعد جلد وفات پا گیا۔

نواب مظفر خان کی شہادت کے بعد مصر دیوان چند نے نواب سرفراز خان کو دیو دروازے پہنچ کر لشکر سے گھیر لیا اور صورتِ حال سے مطلع کیا چنانچہ اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ذوالفقار خان لڑتا ہوا زخمی ہوا،زخموں کی

لا کر غش کھا کر گر گیا تھا۔ اس کو لاشوں کے انبار میں سے ڈھونڈ نکالا گیا۔ زندہ
ج جانے والے دیگر افغان بھی سب کے ساتھ سکھوں کی قید میں چلے گئے۔ اس
شت و خون کے دوران میں میر باز خان کو، جو نواب مظفر خان کا سب سے چھوٹا
ا تھا، جب باپ کی شہادت کی اطلاع ملی، تو وہ اپنی بیوی سمیت، جو کہ سنجر خان
لڑکی تھی، قلعہ ملتان سے بہاول پور کی جانب بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

نواب صادق محمد خان نواب بہاول پور نے اس کو پوری عزت دی اور
ں کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ اسی طرح حق نواز خان کی بیوی اپنے خورد سال بیٹے کے
تھ بہاول پور جا پہنچی۔ اس کا روزینہ بھی نواب نے مقرر کر دیا۔ جب شکست
ے بعد نواب سر فراز خان سدوزئی اور اس کا بھائی ذوالفقار خان سدوزئی اپنے
ٹے ہوئے خانوادے سمیت کھڑک سنگھ اور مصر دیوان چند کے ساتھ لاہور
چے تو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ان کو تسلی دی۔ اپنے برابر کرسی پر بٹھایا۔ ان کی
ش کے لئے ان کی حیثیت کے مطابق مکان دیا۔ اسی طرح تمام افرادِ خانوادہ
ے لئے تیس ہزار روپے سالانہ مقرر کیا گیا۔ اس کے علاوہ سر فراز خان کو بارہ
روپے ماہانہ اور ذوالفقار خان کو چھ سو روپے ماہانہ دیا گیا۔ باقی رقم نواب شہید
حرم، اس کی لڑکیوں، پوتوں، نواسوں اور دیگر پسماندگان میں حسبِ قدر و
ت تقسیم کی گئی۔ مگر جس مکان میں نواب سر فراز خان کو رکھا گیا اس کے
نے آٹھ سال تک چوکی پہرہ بٹھا دیا گیا۔ بعد میں اٹھا لیا گیا۔ اب نواب شہید کا
دہ آزاد ہو گیا۔ گذشتہ غم بھلا دئے گئے۔ عیش و عشرت میں مشغول ہو

نواب سر فراز خان کی اولاد :

نواب سر فراز خان کے چار لڑکے اور چار لڑکیاں تھیں۔ترتیب یہ تھی، بڑا فیروزالدین خان، پھر شاہ ولی خان، پھر احمد علی خاں، پھر اکبر علی خان، سر فراز خان نے اپنی ایک بیٹی کی شادی اپنے بھائی ذوالفقار خان کے بیٹے سے کر دی تھی۔ شاہ ولی خان جو کہ غیر پٹھان عورت کے بطن سے تھا، اس کی شادی اعزاز خان شہید کی لڑکی سے کی گئی۔ سر فراز خان کی تین بیویاں تھیں۔ پہلی شادی حاجی مرتضٰی خان سدوزئی بہادر خیل کی لڑکی سے ہوئی۔ اس کے بطن سے تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ دوسری شادی غیر پٹھان عورت سے ہوئی جس کے بطن سے تین بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ بیٹوں کے نام فیروزالدین خان، احمد علی خان اور اکبر علی خان ہیں۔ تیسری بیوی سے شاہ ولی خان پیدا ہوا، اس کی ماں بھی غیر پٹھان تھی۔ فیروزالدین خان کی دو لڑکیاں غضنفر خان ولد شجاع خان کے بیٹوں کے ساتھ منسوب کر دی گئیں۔ ذوالفقار خان کی شادی محمد خان بامیزئی کی دختر سے ہوئی تھی جس کے بطن سے تین لڑکے عبدالخالق خان جہانگیر خان اور محمد خان پیدا ہوئے۔ نیز دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ عبدالخالق خان کی شادی شاہ نواز خان شہید کی لڑکی کے ساتھ کی گئی۔ جہانگیر خان کی شادی حق نواز خان شہید کی لڑکی کے ساتھ ہوئی جو ایک سال بعد فوت ہو گئی۔ ذوالفقار خان کی دونوں بیٹیاں علی الترتیب عبدالمجید پسر شاہ نواز خان شہید رب نواز خان پسر حق نواز خان کے عقد میں آئیں۔

خانوادہ لشکر خان سدوزئی مودود خیل

پسر اللہ داد خان برادر خورد شاہ حسین:

شاہ حسین خان ابدالی مودود خیل جس نے سدوزئی تمن میں سب سے پہلے ملتان ہجرت کی، لاولد تھا۔ اس کے حقیقی برادر خورد اللہ داد خان نے جس کی وفات بڑے بھائی کی زندگی ہی میں ہو گئی تھی، کا تیسرا لڑکا لشکر خان سدوزئی مودود خیل جو دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں نجیب الطرفین اور نہایت حسین و جمیل تھا، عہدِ اورنگ زیب میں مغل دربار دہلی میں جاگیر و خلعت کے حصول کے لئے پہنچا۔ اس موقع پر سفیر ایران بھی حاضر دربار تھا۔ سب نے اس کے حسن و جمال اور قدو قامت کو دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے۔ اتفاق دیکھئے کہ ایرانی سفیر بھی پیکر حسن و جمال تھا اور لشکر خان کے پہنچنے سے قبل یہ ذکر جاری تھا کہ اس جیسا کوئی حسین و جمیل نظر سے نہیں گزرا لیکن جب لشکر خان نے دربار میں ظہور کیا تو لوگ اسے دیدۂ حیرت سے دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ دونوں ہی خوبصورتی میں بڑھ چڑھ کر تھے۔ باتوں باتوں میں اورنگ زیب نے کہا کوئی اور نوجوان ان دونوں کی مثل پیدا کیا جائے تو ایک مغل نوجوان کو روبرو لایا گیا۔ اس صورتِ حال پر درباری حیران تھے کہ صانعِ حقیقی نے اپنے کمالِ صفت سے کیسے کیسے حسین و دل نشیں پیکر تراشے ہیں۔ ایک ہندو راجہ بھی دربار میں موجود تھا۔ اس نے تفننِ طبع کے طور پر کہا کاش میں غبار ہوتا اور اڑ کر اس کے چہرے پر بیٹھ جاتا اور اس کے حسن کا حصہ بن جاتا۔ اورنگ زیب نے عالمِ خوشدلی میں لشکر خان کو چار صد کا منصب دار مقرر کیا۔ ملتان واپس آکر وہ ہمہ وقت سلطان

حیات خان خدکہ کے ڈیرے پر اس کی تکریم کے لئے حاضر رہتا اور دوستی بر قرار رکھتا تھا۔ اس نے اپنے بڑے بھائی عابد خان کی وفات کے بعد اپنے تمن کی سرداری کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے اور تین ہی بیٹیاں۔ بڑا اشرف خان سدوزئی تھا۔ اشرف خان اور اس کی تین بہنیں افغان عورت کے بطن سے تھیں۔ باقی دو لڑکے غلام مصطفیٰ خان اور محمد افضل خان غیر افغان عورت کے بطن سے تھے، لشکر خان کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے یعنی ایک کی وفات کے بعد دوسری، محمد باقر خان خدکہ سدوزئی پسر سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی کے عقد میں آئیں۔ اس کی تیسری بیٹی کا نکاح سابو خان ولد عظمت خان سدوزئی بہادر خیل سے ہوا۔ جس کے بطن سے اشرف خان تولد ہوا جو کہ دو صد منصب رکھتا تھا۔ اشرف خان کے دو بیٹے تھے۔ اسد خان اور صلابت خان، ان کی ماں غیر افغان عورت تھی۔ اسد خان شکار کا شوقین تھا، اس کے چار لڑکے پیدا ہوئے۔ علی الترتیب احمد خان، عیسیٰ خان، حسین خان اور عظیم خان۔ احمد خان لاولد تھا اور ایک جنگ واقع ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۹ء میں قتل ہوا۔ عیسیٰ خان کچھ عرصے بعد طبعی موت مرا۔ عیسیٰ خان نے اپنے بھائی احمد خان کے قتل کے بعد اس کی بیوہ سے نکاح کر لیا۔ جس سے محمد خان پیدا ہوا۔ حسین خان سکھوں کے قتلِ عام ۱۸۱۸ء میں شہید ہوا۔ حسین خان نے ایک ملاح عورت سے شادی کی تھی جس کے بطن سے دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ حسین خان کی لڑکی کا نکاح محمود خان کے ساتھ ہوا۔ اس کے دو لڑکے محمد خان اور عبد الرحمٰن خان تھے اور یہ نواب سر فراز خان کے ہمراہ ہجرت کر گئے تھے۔ یہ دونوں لاولد تھے۔
اسد خان کا چوتھا لڑکا عظیم خان سکھوں کے سانحہ ملتان کے بعد فوت

ہوا۔ اس کا ایک لڑکا صلابت خان پسر اشرف خان اولادِ نرینہ سے محروم تھا۔ جب سکھوں نے ۱۷۶۴ء میں کڑی سلطان حیات خان پر حملہ کیا تھا کہ یہ اس وقت شہزادہ محمد شریف خان کے ساتھ تھا اور سکھوں کے مقابل لڑتا ہوا شہید ہوا۔ صلابت خان کی شادی محمد خان پسر اصغر خان کی دختر سے ہوئی۔ اس سے دو لڑکیاں تھیں ایک کا نکاح محسن خان پسر غلام مصطفیٰ خان سے اور دوسری کا عقد منعم خان پسر عظیم خان سدوزئی سے ہوا۔ غلام مصطفیٰ خان ولد لشکر خان نے ایک ہندی عورت سے شادی کی جس کے بطن سے چار لڑکے تھے، محسن خان، نجیب خان، اللہ یار خان اور علی خان۔ محسن خان لائق و فائق شخص تھا۔ اس کی شادی صلابت خان کی دختر سے ہوئی۔ وہ لاولد مرا۔ نجیب خان نے عظیم خان کی دختر سے عقد کیا جس سے تین بیٹے ہوئے۔ ایک نے ملتان کے حادثہ سکھاں واقع ۱۸۱۸ء میں شہادت پائی۔ دو، دوست محمد خان اور غلام محمد خان زندہ بچ گئے۔ اللہ یار خان پسر غلام مصطفیٰ خان نے شادی نہیں کی اور فارغ البالی کی زندگی گزارتا رہا۔ علی خان نے حادثہ سکھاں ملتان میں وفات پائی۔ وہ صاحبِ اولاد تھا لیکن اس حادثہ مذکورہ کے بعد معلوم نہیں وہ لوگ کہاں چلے گئے۔ افضل خان ولد لشکر خان نے ایک ہندوستانی نژاد عورت سے شادی کی جس سے ایک لڑکا امیر خان تھا جو اس حادثہ مذکورہ سے قبل وفات پا گیا تھا۔ اس کا ایک لڑکا تھا، خدا جانے اس "حادثے" کے بعد اس نے کہاں کا رخ کیا۔

محمد باقر خان سدوزئی

پسر اللہ داد خان مودود خیل کی اولاد کا تذکرہ :

اللہ داد خان مودود خیل کے چار بیٹے تھے۔ چوتھے بیٹے کا نام محمد باقر خان تھا اس کی ماں غیر افغان تمن یعنی ہندوستانی عورت تھی۔ یہ مغل دربار کا منصب دار تھا۔ سات بیٹے اور چند لڑکیاں تھیں۔ پانچ لڑکے اس کے جیتے جی مر گئے جب اس نے وفات پائی تو اس کے دو بیٹے زندہ تھے۔ ایک عبدالقادر خان، دو عظیم خان لنگ۔ باقر خان نے ایک لڑکی کا نکاح ابدالی خان ولد مقرب خان خد سدوزئی پسر سلطان حیات خان کے ساتھ کر دیا۔ دوسری لڑکی کا عقد سابو خا بہادر خیل کے ساتھ ہوا۔ اس کا لڑکا عبدالقادر مجنون ہو گیا تھا۔ اسے قید کر گیا۔ اسی عالم جنون میں اس نے وفات پائی۔ دوسرے لڑکے سعادت خان ایک غیر کفو سے شادی کی جس کے بطن سے ایک لڑکا صادق خان پیدا ہوا۔ حادثہ سکھاں کے بعد کچھی شمالی میں مر گیا۔ اس نے اپنے بعد ایک لڑکا اور لڑکیاں چھوڑیں جن کی ماں نو مسلم تھی۔ صادق خان کا لڑکا راہزنوں کے گر میں شامل تھا اس نے ایک سید زادے کو بے گناہ شہید کر دیا۔ ایک مرتبہ راہزنی کی مہم پر گیا ہوا تھا وہیں کہیں مارا گیا۔ اس کے پیچھے کوئی نہ رہا۔ صا خان کی دختر کا نکاح میر باز خان ولد نواب محمد مظفر خان سے ہوا۔ حادثہ سکھ کے بعد یہ ملتان سے لدھیانہ چلے گئے۔ جب شاہ شجاع الملک کو ان کی آمد کی ملی تو اس نے ان کی گزر اوقات کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کر دیا۔ عظیم خا لنگڑا ہونے کی بنا پر لنگ بھی کہتے تھے۔ وہ باقر خان مودود خیل کا بیٹا تھا

بھائیوں کے مقابلے میں آسودہ حال تھا۔ سدوزئیوں میں اس نے طویل عمر پائی۔ اس کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ عظیم خان کی پہلی شادی افاغنہ بادزوئی میں ہوئی جس سے ایک بیٹا مستقیم خان اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ اس نے بیٹی کی شادی حامد خان ولد سابو خان بہادر خیل سدوزئی سے کر دی لیکن وہ عین عالمِ شباب میں لاولد مر گیا۔ عظیم خان کی دوسری بیوی سے جو غیر کفو سے تھی، تین بیٹے اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ لڑکوں کے نام نعیم خان، منعم خان اور حیدر خان تھے۔ باپ کی وفات پر ان تینوں کا جھگڑا جائیداد کے معاملے پر اپنے سوتیلے بھائی مستقیم خان سے ہو گیا۔ نواب مظفر خان کے یہاں مقدمہ پیش ہوا۔ نواب نے ازروئے شرع حق بات فرمائی کہ شرعاً جائیداد پر سب کا برابر حق ہے۔ اس پر نعیم خان نواب پر جھپٹا اور حملے کا ارادہ کیا۔ خادموں اور محافظوں نے روکا لیکن وہ نہ رکا اور دست و گریبان ہو گیا۔ وہ تین بھائی تھے اور نواب کے آدمی پچاس سے زیادہ تھے۔ لیکن منعم خان غضب کا شہ زور تھا۔ ایک ایک مکے میں دس دس آدمیوں کو گرا دیتا تھا۔ نواب اس دوران میں سیڑھیوں سے بالاخانے تک جا پہنچا تھا۔ اس نے دریچے سے یہ صورتِ حال دیکھی تو منعم خان کی گرفتاری کا حکم صادر کر دیا۔ اس پر منعم خان نے بلند آواز سے نواب کو للکارا کہ نیچے آؤ تاکہ ہم تمہاری خبر لیں۔ نواب کے آدمیوں نے ان تینوں کو گرفتار کر کے ان کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی۔ اس کے بعد سدوزئی خاندان کے کچھ معاملہ فہم افراد درمیان آ گئے اور انھوں نے نواب سے عرض کی کہ معاملہ خاندان کی عزت کا ہے۔ بات کابل تک جائے گی کہ نواب نے سدوزئی افراد کو قید خانے میں ڈال رکھا ہے۔ بادشاہ کیا خیال کرے گا۔ ان کی برائی تو سب کے سامنے ہے آپ اچھائی سے کام لیں۔

چنانچہ نواب نے تحمل اور بردباری سے کام لیتے ہوئے تیسرے دن ان کو رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد یہ سب بھائی ڈیرہ اسماعیل خان جاکر رہائش پذیر ہو گئے۔ نعیم خان ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ء میں ڈیرہ اسماعیل خان میں فوت ہوا۔ اس کی اولاد میں بڑے بیٹے کا نام حیات اللہ تھا۔ نعیم خان کا ایک اور بیٹا سکھوں کے حملہ ڈیرہ اسماعیل خان میں حالتِ جنگ میں شہید ہوا۔ البتہ منعم خان نے نواب محمد مظفر خان سے معافی طلب کی اور اس نے ۱۸۰۷ء میں نواب کے ہمراہ فریضۂ حج ادا کیا۔ حادثہ سکھاں ۱۸۱۸ء میں عسرت و تنگدستی کے عالم میں ملتان میں فوت ہوا۔ منعم خان نے صلابت خان کی دختر سے نکاح کیا۔ جس کے بطن سے دو تین بیٹے پیدا ہوئے۔ بڑے کا نام منتقم خان تھا۔ وہ ڈیرہ اسماعیل خان ہجرت کر گیا۔ دوسرا بیٹا حادثہ سکھاں ۱۸۱۸ء میں ملتان میں وفات پا گیا۔ حیدر خان نے دو شادیاں کیں۔ ایک افغان عورت سے، دوسری ایک غیر کفو سے۔ دونوں ہی سے کچھ اولاد تھی۔ وہ روزی کی تلاش میں خاک چھانتا رہا۔ عظیم خان کی دختر اور نعیم خان کی بہن کی شادی نجیب خان ولد مصطفیٰ خان کے ساتھ ہوئی۔

بہادر خان (بہادر خیل) ولد امیر سدو کے خانوادہ کا ذکر:

بہادر خان کی اولاد بہادر خیل کہلاتی ہے۔ اس کے دو لڑکے تھے بڑے کا نام اسماعیل خان، چھوٹے کا علی خان۔ جب سلطان حیات خان نے ۱۰۹۳ھ مطابق ۱۶۸۲ء میں صفا سے ہندوستان ہجرت کی تو اس سال اسماعیل خان نے وفات پائی۔ اس کے چند بیٹے تھے۔ بڑے کا نام محبت خان تھا۔ وہ والد کی وفات کے بعد ملتان چلا گیا اور کڑی شاہ حسین خان کے قریب اس نے اپنی بستی بسا لی۔ دربارِ دہلی میں اورنگ زیب بادشاہ سے یک صد کا منصب حاصل کیا۔ فارغ

لاابالی میں بسر کرنے لگا۔ اس کے سات لڑکے تھے۔ تین لڑکے افاغنہ بی بی سے اور چار ہندوستانی نژاد غیر کفو کے بطن سے تھے۔ سب سے بڑا لڑکا عظمت خان تھا۔ وہ نجیب الطرفین تھا۔ اس نے ہندوستان کے دربار سے اپنے لئے جاگیر حاصل کی۔ جب فوت ہوا تو اپنے پیچھے تین بیٹے چھوڑے۔ افاغنہ بیوی کا نام رضیہ تھا وہ سلطان خان ولد عنایت خان کی دختر تھی۔ بیٹوں کے نام علی الترتیب عبدالرحیم خان، عبدالحلیم خان، زکریا خان المعروف سابو خان تھے۔ عبدالرحیم خان نے اپنی وفات پر دو لڑکے رضا خان اور حکیم خان چھوڑے۔ ان کی ماں کا سدوزئی خاندان سے تعلق تھا۔ حکیم خان اولاد سے محروم رہا۔ رضا خان کی شادی عبدالعزیز خان خدکہ کی دختر سے ہوئی۔ اس کے تین بیٹے امین خان، قاسم خان اور موسیٰ خان تھے۔ موسیٰ خان سب سے چھوٹا تھا۔ اس نے رہتاس میں ایک معرکے میں شہادت پائی۔ قاسم خان نے علی یار خان خدکہ کی دختر سے شادی کی۔ اس کے دو بیٹے سردار خان اور خدایار خان اور تین بیٹیاں تھیں۔ دونوں بھائی آپس میں لڑ پڑے۔ جس میں سردار خان کا ایک ہاتھ کٹ گیا۔ دونوں لاولد مرے۔ لیکن خدایار خان کی ایک لڑکی تھی جس کی پہلی شادی عبداللہ خان ولد مرتضٰی خان بہادر خیل سے ہوئی اور اس کی وفات پر وہ محمد خان ولد امین خان کے عقد میں آئی۔ قاسم خان کی لڑکیاں، ایک عبداللہ خان سدوزئی زعفران خیل، دوسری مستقیم خان، تیسری سکندر خان (خان خیل) کے عقد میں تھیں۔ رضا خان ولد عبدالرحیم خان کا بڑا لڑکا امین خان عشرت پسند تھا۔ دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں متمول تھا اور صاحبِ خلق تھا۔ شاہ شجاع الملک کے عہدِ حکومت میں کابل میں وقائع نگار کے منصب پر فائز تھا۔ پھر ملتان آگیا اور

حادثہ سکھاں کے بعد ڈیرہ اسماعیل خان چلا گیا، وہیں انتقال کیا۔ اپنے پیچھے چار بیٹے چھوڑے۔ ان سب کی مائیں ہندوستانی غیر کفو عورتیں تھیں۔ غلام رسول خان، ناصر خان، محمد خان ایک ماں کے بطن سے تھے اور چوتھا لڑکا نصر اللہ خان دوسری ماں سے تھا۔ ناصر خان باپ کی حیات میں جنگ دادپوترہ میں مارا گیا۔ غلام رسول خان صاحبِ اولاد تھا۔ اس کی بیٹی کی شادی حبیب اللہ خان ولد رحمت اللہ خان سدوزئی وزیر سے ہوئی تھی۔ بہادر خیل تمن میں سے حلیم خان ولد عظمت خان ولد محبت خان نے نواب شجاع خان سدوزئی کے عہدِ مصبداری میں طویل عمر پائی۔ تمام سدوزئی تمن میں سب سے عمر رسیدہ تھا۔ لوگوں میں بہت معزز و محترم تھا۔ جب احمد شاہ دُرّانی نے نواب شجاع خان کو معزول کر کے حاجی شریف خان سدوزئی کو ملتان کا منصب دار مقرر کیا اور وہ شاہی پروانہ لے کر ملتان پہنچا تو اس نے بہادر خیل سدوزئیوں خصوصاً حلیم خان کو جو سفید ریش بزرگ تھا، جمع کر کے شاہی پروانہ دے کر نواب شجاع خان کے پاس بھیجا۔ نواب شجاع خان خاموش ہو گیا اور کہا جس طرح حکم مبارک ہے اس پر عمل کرو۔ اس پر نواب حاجی شریف خان نے عام منادی کرا دی کہ پروانۂ منصب داری اسے حاصل ہو گیا ہے۔ اس پر نواب شجاع خان سدوزئی کے مصاحبین نے نواب کو یہ مشورہ دیا کہ آپ کی موجودگی میں یہ امر نامناسب ہوا ہے۔ شجاع خان کو اپنے کیے پر ندامت ہوئی اور اس نے حالتِ غضب میں منادی کرنے والے کا پیٹ چاک کرا دیا۔ اس پر دیوان خانۂ حاجی شریف خان، حلیم خان اور دوسرے بہادر خیل سدوزئیوں سے بھر گیا اس نے نہایت تدبر کے ساتھ یہ کوشش کی کہ ان کو اپنے سے متفق کر لے لیکن وہ نہ مانے۔ آخر نواب شجاع خان خود شجاع

لا گیا اور ملتان پر بہادر خیلوں کا قبضہ ہو گیا۔

حلیم خان کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی، لڑکے کا نام محمد خان تھا۔ لڑکی
ا عقد عظیم یار خان ولد عظیم خان خدکہ سے ہوا تھا۔ جب ۱۷۶۷ء میں احمد شاہ
ردران کے حکم سے علی محمد خان خوگانی اور اس کے بیٹے کا پیٹ چاک کر دیا گیا اور
ں کا تمام متاع اور ساز و سامان اور اونٹ وغیرہ حقِ سرکار ضبط کر لئے گئے تو
تان میں اونٹوں کی داروغگی محمد خان ولد حلیم خان کی تحویل میں دے دی گئی۔
رخان کی اولاد نرینہ نہیں تھی تاہم اس کی دو لڑکیاں تھیں، جو لڑکی پہلی بیوی
کے بطن سے تھی اس کا عقد امین خان ولد رضا خان سے ہوا۔ دوسری بیوی جو
نور خان کی ہمشیرہ تھی، اس کے بطن سے پیدا ہونے والی لڑکی کی شادی عبد اللہ
د حبیب اللہ خان کامران خیل سے ہوئی۔ عظمت خان ولد محبت خان کا تیسرا بیٹا
ریا خان تھا۔ بچپن ہی سے نہایت موٹا تھا۔ ملتان میں صابو نامی ایک موٹا دہقان
تا تھا، اس کی مناسبت سے اسے بھی صابو خان کہنے لگے۔ صابو خان کی صحبت
ادہ تر محمد باقر خان المعروف سردار خان ولد سلطان حیات خان کے ساتھ قائم
ی۔ جب باقر خان کا سوتیلا بھائی عبد العزیز خان ملتان کا صوبہ دار بنا تو اس نے
جواز، صابو خان پر چار ہزار روپے جرمانہ عائد کر دیا۔ جب احمد خان درران کی
ومت قائم ہوئی تو اس امر کی شکایت بادشاہ تک پہنچی۔ اس نے اس کا بہت برا
ور عبد العزیز کی حرکت کو نامناسب اور ناجائز قرار دیا۔ صابو خان کی شادی
خان ولد اللہ داد خان مودود خیل کی دختر سے ہوئی۔ اس کے چار لڑکے اور
لڑکی تھی۔ لڑکی سب سے بڑی تھی۔ لڑکی کی شادی شہزادہ محمد شریف خان
ی ولد محمد باقر خان خدکہ کے ساتھ ہوئی۔ صابو خان کا ایک بیٹا محمد خان

مغل دربار سے پانچ صد کا منصب دار تھا۔ محمد خان کی شادی بادوزئی تمن میں
ہوئی تھی۔ جس سے چار لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں اس نے ایک دختر کا
نکاح حسین خان ولد شاکر خان سے، دوسری کا اپنے بھتیجے سلیمان خان سے اور
تیسری کا نصر اللہ خان ولد حسین خان سے کر دیا۔ بیٹوں میں ایک کا نام احمد خان تھا
اس کی شادی اس کے خالو کی دختر سے ہوئی۔ احمد خان کے لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔
حادثہ سکھاں ۱۸۱۸ء کے بعد یہ سب لاہور ہجرت کر گئے۔ دوسرا لڑکا خدایار خان تھا
نواب سربلند خان کے عہدِ حکومت میں مکیرہ میں ایک کافر پورلی کے ہاتھوں شہید ہوا
لیکن بعد میں پورلی کو بھی جہنم رسید کر دیا گیا۔ خدایار خان شادی شدہ نہ تھا۔ تیسرا لڑکا
سردار خان تھا اس کی شادی ایک خوگانی خانوادے میں ہوئی تھی۔ اس کے لڑکے اور
لڑکیاں تھیں۔ جب سکھوں نے ضلع کچھی حافظ احمد خان سے بزورِ شمشیر ہتھیالیا تو اس
وقت سدوزئی افراد ادھر ادھر مارے مارے پھرنے لگے۔ سردار خان بہادر خیل سے
حیدر آباد دکن ہجرت کی۔ وہاں قدرے مال مویشی رکھ کر گزر بسر کرتا تھا۔

شاخ سدوزئی بہادر خیل حیدر آباد (دکن):

سردار خان ولد محمد خان ولد صابو خان (زکریا خان) نے حیدر آباد دکن
میں مستقل سکونت اختیار کی اور وہاں کے ماحول میں اس طرح رچ بس گیا کہ اس
کی اولاد نظامِ دکن کے دربار سے وابستہ ہو گئی۔ اس طرح سدوزئی خانوادے کی
یہ شاخ وہاں خوشحالی اور آسودگی کی زندگی گزارنے لگی۔ سردار خان کی اولاد نے
بہت عزت اور نیک نامی پائی۔ ☆

صابو خان کا دوسرا لڑکا حامد خان تھا جو دو صد کا منصب دار تھا، ش

☆ نوٹ: نواب بہادر یار جنگ سدوزئی اسی شاخ کے چشم و چراغ تھے۔

مت شوقین تھا۔ اس کی شادی عبدالاحد خان بہادر خیل کی ہمشیرہ سے ہوئی۔
س کے بطن سے سلیمان خان پیدا ہوا۔ حامد خان کی بیوی کی وفات پر سلیمان خان
جو کم عمر تھا، اس کی پھپھی کی نگہداشت میں دے دیا گیا۔ یہ خاتون دین محمد خان
رکہ کی والدہ اور محمد شریف خان خدکہ کی بیوی تھی۔ وہ وہاں پرورش پاتا رہا۔
ان ہوا تو اس کی شادی اس کے چچا محمد خان کی لڑکی سے ہوئی جس کے بطن سے
ب لڑکا تاج محمد خان اور ایک لڑکی تھی۔ سلیمان خان نے صوفیانہ زندگی اختیار
لی اور لباسِ فقر پہننے لگا۔ اس نے اپنی لڑکی کو احمد خان ولد عبدالرحیم خان
در خیل کے عقد میں دے دیا۔ تاج محمد خان کی شادی دختر عبدالکریم خان
در خیل پسر حاجی خلیل خان سے ہوئی۔ سلیمان خان حادثہ سکھاں (۱۸۱۸ء)
، قبل وفات پا گیا۔ لیکن اس کے والد حامد خان نے طویل عمر پائی اور دیر بعد
ت ہوا۔ حامد خان نے دوسری شادی دختر عظیم خان لنگ مودود خیل سے کی۔
کے بطن سے ایک لڑکا رحمت اللہ خان اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس نے لڑکی
ادی اپنے بھتیجے حسن خان سے کر دی۔ رحمت اللہ خان کا عقد دختر عبدالکریم
سے ہوا۔ رحمت اللہ خان سکھوں کے قبضہ ملتان کے بعد ڈیرہ غازی خان جا
کونت پذیر ہو گیا۔ وہ صاحبِ اولاد تھا۔ صابو خان کا تیسرا بیٹا محمود خان تھا۔ وہ
د کا منصب دار تھا۔ محمود خان کے چار لڑکے تھے احمد خان، حسن خان، شاہ
ن، عاشق محمد خان اور ایک لڑکی تھی۔ احمد خان نے عین حادثہ سکھاں
ون لڑ کر شہادت پائی۔ احمد خان کی شادی دختر عبدالکریم خان سے ہوئی
ں کے بطن سے چند بیٹے اور ایک بیٹی تھی، وہ حادثہ سکھاں کے بعد ڈیرہ
ان ہجرت کر گیا اور وہاں تنگ دستی میں زندگی گزار دی۔ حسن خان کی

شادی اس کے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ بعد میں اس نے دو مزید شادیاں آکو
افاغنہ کی دو خواتین سے کیں جن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس نے بھی ڈیرہ غازی
خان میں سکونت اختیار کی اور وہاں وفات پائی۔ عاشق محمد خان نے دختر حاجی
محمد خان بہادر خیل سے شادی کی، اس کے بطن سے ایک لڑکا میر ہزار خان تولد
ہوا۔ میر ہزار خان کی شادی دختر محمود خان زعفران خیل سے ہوئی اس سے ایک
لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس نے بھی ڈیرہ غازیخان ہجرت کی۔ شاہ محمد خان
کی شادی دختر حاجی سعادت خان بہادر خیل سے ہوئی۔ حاجی سعادت خان
بہادر خیل کی بیوی غیر کفو تھی۔ عاشق محمد خان اپنی اولاد کے ساتھ ڈیرہ غازی
خان چلا گیا۔

نواب سربلند خان بزرگ کا ذکر :

سربلند خان محبت خان کا پوتا تھا۔ اس کی ماں غیر کفو تھی۔ احمد شاہ
درران کے عہدِ حکومت کے آغاز میں اس نے افغانستان سے ملتان کا رخ کیا
عبدالعزیز خان خدکہ سدوزئی کے یہاں ملازمت سے وابستہ ہو گیا۔ اس کے
جب احمد شاہ درران جانبِ پنجاب آیا تو اس کے ساتھ ملاقات کی اور اس
ملازمت میں چلا گیا۔ جب ۱۷۴۹ء میں احمد شاہ درران اور مغل بادشاہ احمد
کے مابین مصالحت کا معاہدہ طے پایا تو سربلند خان نے اس سے عرض کی
مغل بادشاہ سے سفارش کرے تا کہ اسے کوئی منصب عطا ہو اور وہ باقی ز
عزت کے ساتھ ہندوستان میں بسر کر دے۔ احمد شاہ درران کی سفار
اسے پانچ صد کا منصب عطا ہوا اور بنگال روانہ کر دیا گیا۔ اسے دہلی میں جا
علاوہ دو لاکھ نقد انعام بھی مرحمت ہوا۔ بہت سی ترقی کے ساتھ اس

سال بڑی عظمت و شان سے بسر کیے۔ جب اپریل ۱۷۶۰ء میں احمد شاہ درران
نے تمام پنجاب اور دلّی تک کا علاقہ تسخیر کر لیا اور سربلند خان حاضر خدمت ہوا تو
اس کی لیاقت اور حسنِ تدبر کے پیش نظر اسے نواب کا خطاب عطا کیا گیا اور
جالندھر دوآب کا مصبدار مقرر کیا گیا۔ یہ حکم بھی صادر ہوا کہ بعوض اس نظامت
کے وہ تیس لاکھ روپے سالانہ لگان ہر سال قندھار بادشاہ کی خدمت میں بھجوایا
کرے گا۔ نواب سربلند خان بہت فیاض طبع شخص تھا۔ اس نے بر سر اقتدار آتے
ہی مستحق سدوزئیوں اور دیگر غرباً کے لئے ماہانہ وظائف مقرر کیے۔ بہادر خیل
سدوزئیوں کو خاص طور پر نوازا گیا۔ نہایت سخاوت اور سیر چشمی سے روپیہ
لوگوں پر برسانے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مقرر کردہ لگان قندھار کے خزانے میں جمع
نہ کرا سکا۔ چنانچہ اس بنا پر حکومت سے موقوف کر دیا گیا۔ احمد شاہ درران کے
کار پردازوں نے بادشاہ پر زور دیا کہ نواب بقایا رقم جو چند لاکھ بنتی تھی، ہر
حالت میں خزانے میں جمع کرائے ورنہ اسے سزا دی جائے۔ احمد شاہ درران
نے کہا کہ سدوزئی کو پیسے کے معاملے میں سزا نہیں مل سکتی۔ عہدے سے
معزولی ہی کافی ہے۔ اس کے بعد نواب سربلند خان بہادر خیل جالندھر سے ملتان
آگیا۔ یہاں ایک عالیشان عمارت تعمیر کی اور سکونت پذیر ہو گیا۔ اس نے اپنی
عالی ظرفی سے لوگوں کے روزینے اور وظیفے حسبِ سابق جاری رکھے۔
سدوزئیوں سے ہمیشہ احترام اور محبت کے جذبات سے پیش آیا۔ ان لوگوں کی
دعاؤں کی برکت سے دوبارہ اس کے شجر اقبال میں پھل پھول لگے اور احمد شاہ
درران نے اسے کشمیر کا مصبدار مقرر کیا۔ کشمیر میں بھی نواب کی وہی روش
رہی۔ مالیات کی جو رقم جمع ہوتی، غرباً اور مساکین میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔

جب قندھار کے خزانے میں رقم نہ پہنچی تو احمد شاہ درددران نے نواب کو قندھار
طلب کر لیا۔ جب نواب حاضر دربار ہوا تو احمد شاہ درددران نے پشتو زبان میں
نواب سے دریافت کیا، ہمارے لئے کیا لائے ہو؟ نواب نے برجستہ کہا ”غریبوں
کی دعائیں لایا ہوں۔“ اس جواب پر بادشاہ خاموش ہو گیا۔ جب نواب نے کچھ
عرصے قندھار میں قیام کیا تو احمد شاہ نے اسے ڈیرہ غازی خان کی منصب داری پر
مامور کر دیا۔ نواب کا دریائے جود و کرم جوش پر تھا وہاں بھی عنایات کا سلسلہ
جاری ہو گیا اور حاجب مندوں کی حاجت روائی کی جانے لگی۔ جو آمدنی ہوتی
ضرورت مندوں کی نذر ہو جاتی۔ قندھار کے خزانے میں رقم بھجوائی نہ جا سکی
ڈیرہ غازی خان کے دورانِ قیام میں نواب کی بینائی کمزور ہو گئی۔ ایک خادم گل
محمد ہمہ وقت ساتھ رہتا اور ہر ملاقاتی کی ملاقات سے قبل اس کا خاندان اور حلیہ
بیان کر دیتا۔ نواب اس کی حیثیت کے مطابق اس سے پرسشِ احوال کرتا۔ اس
طرح بینائی کا راز فاش نہ ہوا۔ نواب کو یہاں کی مصبداری سے بھی معزول کر
دیا گیا اس نے ملتان میں سکونت اختیار کر لی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ نواب شجاع
خان سدوزئی دوسری بار ملتان کی منصب داری پر فائز تھا۔ کچھ عرصے قیام کے
بعد نواب سربلند خان احمد شاہ درددران کی خدمت میں باریاب ہوا۔ یہ پنجاب پر
لشکر کشی کے ایام تھے۔ بادشاہ نے نواب کو روہتاس کا مصبدار مقرر کر دیا۔
احمد شاہ کی قندھار واپسی کے بعد سکھوں نے روہتاس پر حملہ کر دیا۔ نواب
سربلند خان قلعہ بند ہو گیا۔ اس نے قاصد کو قندھار دوڑایا اور شاہی لشکر کا طالب
ہوا۔ شاہ ولی اللہ خان بامے زئی وزیر شاہ، نواب سے عناد رکھتا تھا چنانچہ اس
لشکر کی روانگی میں تاخیر ہو گئی۔ اس عرصے میں سکھوں نے حملہ کر کے رو

کرلیا اور نواب سربلند خان کو گرفتار کر لیا گیا اور پالکی میں بٹھا کر ہمراہ لے
لئے۔ دورانِ اسیری ایک دن سکھوں نے نواب سے پوچھا۔ اے نواب! اگر ہم
ہمارے ہاتھ لگتے تو تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتے۔ نواب نے نہایت
اَت اور حق گوئی کے ساتھ جواب دیا، تمہیں مسلمان کر لیتا اور اگر تم انکار
تے تو تم کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے تیل میں بھونتا۔ سکھ سردار چڑھت سنگھ نے
اب جبکہ تم ہماری قید میں ہو، ہم تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کریں۔ نواب نے
"جو تمہاری مرضی۔" سکھ سردار بولا، تم احمد شاہ کے چچا ہو، ہماری مجال
ں کہ ہم تمہارے ساتھ بدسلوکی روا رکھیں، البتہ روپے کے عوض تمہیں
وڑ سکتے ہیں، آخر ایک لاکھ روپیہ طے کیا۔ احمد شاہ درددران نے حکم دیا کہ یہ
م ڈیرہ غازی خان کے محصولات سے ادا کر دی جائے۔ حاجی خلیل خان
ر خیل کے بدست یہ رقم سکھوں کے پاس بھیجی گئی کہ اس کے عوض نواب کو
ی دلائی جائے لیکن افسوس اس عرصے میں نواب رحلت پا چکا تھا۔ وہ لاولد
اس لئے سکھوں نے تابوت ملتان روانہ کر دیا اور وہ سدوزئیوں کے خاندانی
ستان میں دفن کیا گیا۔ نواب سربلند خان کا نام اس کی سخاوت، غربا پروری اور
ی کے سبب عرصے تک زبانِ زدِ خواص و عوام رہا۔ ایک واقعے پر ہم نواب کا
کر ختم کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ نواب کی حقیقی بہن کو علم ہوا کہ اسے رقم کی
ت ہے۔ بہن نے اپنی جمع پونجی امداد کے لئے اس کے حوالے کر دی۔ اسی
ایک سائل نے صدا دی۔ نواب نے وہ رقم سائل کے حوالے کر دی۔

خان پسر محبت خان سدوزئی کا ذکر:

غازی خان مغل دربار کی جانب سے صاحبِ منصب تھانہ صاحبِ جاگیر،

اس لیے غربت میں بسر کرتا تھا۔ سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی اس کی مالی
امداد کیا کرتا تھا۔خان کی وفات کے بعد اس کا لڑکا محمد باقر خان اس کنبے کی کفالت
کرتا۔جب غازی خان خدا کو پیارا ہوا تو محمد باقر خان اس کے لڑکوں کی کفالت کا
فرض بھی ادا کرتا۔ غازی خان کے چار بیٹے تھے۔ مومن خان، جانو خان، یارا
خان، دلبر خان۔

مومن خان کی شادی سدوزئی خاتون سے ہوئی جس کے بطن سے دو
لڑکے حاجی سعادت خان اور عبدالرحمٰن خان پیدا ہوئے۔ سعادت خان
جوانمرد، دیندار، پرہیزگار، سخی اور نیک دل تھا۔پانچ صد کا منصب دار تھا۔اسے
بہادر خیل خاندان کا سردار مقرر کیا گیا۔ عید کے دن جو سدوزئی خوانین اس کے
گھر مبارکباد دینے جاتے ان کے لئے فرش پر دری تکیہ کا اہتمام ہوتا اور مہمانوں
کو عزت، احترام سے وہاں بٹھایا جاتا۔ مگر خود ان کے ساتھ نہیں بلکہ مسند پر بیٹھ
تو بعض سدوزئی اس پر برا بھی مانتے تھے۔ سعادت خان نے اپنے چچا کی لڑکی سے
شادی کی لیکن اس کے بطن سے اولاد نہ ہوئی۔ دوسری شادی ایک غیر کفو سے کی
جس سے ایک لڑکا محمود خان اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اپنی ایک لڑکی کا عقد
اکبر خان پسر ذاکر خان بہادر خیل سے کیا اور دوسری کی شادی الف خان
بہادر خیل سے کی۔ محمود خان کی شادی دختر صالح محمد خان لنگ ولد یارا خان سے
کی۔اس سے ایک لڑکا عبدالرحمٰن خان پیدا ہوا۔ وہ باپ کے برعکس دانشمند تھا
ہوا۔جب جوان ہوا تو بسلسلہ کاروبار امیر سندھ کے پاس بھی گیا۔اس نے ملت
افغان قبیلے کی عورت سے شادی کی۔وہ پانچ صد کا منصب دار تھا۔اس کا مقولہ
کہ سمجھدار آدمی وہ ہوتا ہے جو کسی بڑے آدمی سے ملنے جائے تو اپنی حیثیت

مطابق مسند پر بیٹھے تاکہ اسے کوئی وہاں سے اٹھا نہ سکے۔

عبدالرحمٰن خان کے دو لڑکے اور چار لڑکیاں ملیزئی عورت کے بطن سے تھیں۔ ایک لڑکی کی شادی نواب محمد مظفر خان سدوزئی کے بھائی قلندر خان سدوزئی سے کر دی تھی۔ دوسری کی خدایار خان پسر یارا خان سے، تیسری کی محمود خان ولد محمد خان پسر عظیم یار خان سدوزئی خواجہ خضر خیل سے۔ عبدالرحمٰن خان سدوزئی کے بڑے بیٹے کا نام حافظ احمد خان تھا۔

جانو خان پسر غازی خان سدوزئی:

جانو خان کے دو بیٹے تھے۔ بڑے لڑکے اسماعیل خان کی آنکھیں بچپن میں چیچک کے سبب ضائع ہو گئی تھیں۔ یہ لاولد تھا۔ جانو خان کا دوسرا لڑکا غازی خان تھا۔ یہ بہت مالدار تھا، شاہی دربار سے سات سو روپے آمدنی کی جاگیر اپنے نام کرائی ہوئی تھی۔ اس کی شادی عظیم یار خان لنگ مودود خیل کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی۔ جس کے بطن سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکی کا عقد حاجی سعادت خان سے کر دیا۔ لڑکے کا نام مرتضٰی خان تھا۔ وہ باپ کا بہت فرمان بردار اور اطاعت گزار تھا۔ اس کی شادی ابدالی خان خدکہ کی لڑکی سے ہوئی۔ وہ ایک سوار کا منصب دار تھا۔ مرتضٰی خان کی ایک لڑکی کی شادی نواب سرفراز خان پسر نواب محمد مظفر خان سدوزئی منصب دار ملتان سے ہوئی تھی۔ نواب مظفر خان نے اس رشتے کی خوشی میں اس کا دو روپیہ روزینہ مقرر کیا اور اسے خان گڑھ کی حکومت عطا کر دی تھی۔ اس کی وفات پر اس کی ایک لڑکی جلال خان پسر محمد خان کے عقد میں آئی۔ دوسری لڑکی سرفراز خان ولد قاسم خان بہادر خیل کے عقد میں آئی۔ کچھ عرصے بعد سرفراز خان دیوانہ ہو گیا اور حالتِ دیوانگی میں اپنی

بیوی اور لڑکی کو زخمی کر دیا۔ چنانچہ اسے قید میں ڈال دیا گیا۔ سکھوں کے حادثہ
ملتان ۱۸۱۸ء میں اسے قید سے رہائی ملی اور وہ ڈیرہ غازی خان چلا گیا، لاولد تھا،
وہیں وفات پائی۔ غازی خان کا تیسرا لڑکا دلبر خان تھا۔ اس کی شادی علیزئی
خاتون سے ہوئی۔ اس کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اللہ یار خان اس کا نام
رکھا گیا۔ بڑا مست دار شخص تھا۔ اس کے چار لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ ایک بیٹے
گل محمد خان کی شادی یارا خان کی بیٹی سے کر دی تھی۔ اس کے بطن سے ایک
لڑکا پیدا ہوا اس کا نام سرفراز خان تھا۔ گل محمد خان نے ایک بیوہ خاتون سے بھی
شادی کی تھی۔ سرفراز خان کی شادی دختر حاجی مرتضیٰ خان سے ہوئی۔ ملتان
کے قتلِ عام میں شہادت پائی۔ اپنے پیچھے ایک عورت کے بطن سے ایک لڑکا
چھوڑا۔

غازی خان کا چوتھا لڑکا یارا خان (یار محمد خان) تھا۔ اس نے ترین
خانوادے کی ایک خاتون سے شادی کی۔ لیکن جلد ہی دیوانہ ہو گیا اور حالتِ جنوں
میں بیوی کو قتل کر دیا۔ اس عورت کے بطن سے ایک لڑکا محمد خان پیدا ہوا۔
ننھیال والوں نے اس کی پرورش کی۔ یار محمد خان جب صحت مند ہوا اور ہوش
حواس میں آیا تو اس نے دوسری شادی افاغنہ کی ایک عورت سے کی جس کے
بطن میں ایک لڑکا صالح محمد خان اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ یار محمد خان تین صدی
منصب دار تھا۔ اس نے اپنا تیسرا عقد علیزئی خاندان کی ایک عورت سے کیا جس
سے ایک لڑکا خدایار خان اور دو لڑکیاں تولد ہوئیں۔ ایک لڑکی کی شادی
غضنفر خان پسر نواب شجاع خان سے کی۔ دوسری کا عقد لشکر خان ولد عبدالکریم
خان سے ہوا۔ صالح محمد چیچک میں مبتلا ہوا اور اس کے پاؤں ناکارہ ہو گئے۔

صد مواجب شاہی رکھتا تھا۔اس نے ایک نو مسلم عورت سے شادی کی۔اس کے بطن سے جو اولاد ہوئی وہ ملتان سے ڈیرہ غازی خان ہجرت کر گئی۔جب نواب محمد خان ڈیرہ اسماعیل خان کا حکمران تھا تو اس کا بھائی خدایار خان لیہ کا ناظم مقرر کر دیا گیا۔اس نے کافی روپیہ جمع کر لیا۔مگر سادہ لوح تھا اور اس میں جرأت کی کمی بھی تھی۔نواب محمد خان کی وفات کے بعد اس کا داماد حافظ احمد خان ڈیرہ اسماعیل خان کا منصب دار بنا تو اس نے خدایار خان کو قید میں ڈال دیا۔اس نے بمشکل رہائی پائی اور وہ ملتان چلا آیا۔جب ملتان میں سکھوں کا حادثہ ۱۸۱۸ء پیش آیا تو خدایار خان حافظ احمد خان کے پاس ڈیرہ اسماعیل خان چلا گیا اور باقی عمر وہیں بسر کر دی۔خدایار خان کی شادی حافظ احمد خان کی ہمشیرہ سے ہوئی۔اس کے بطن سے ایک لڑکا، حیات اللہ خان پیدا ہوا۔حیات اللہ خان کی شادی حافظ احمد خان کی لڑکی سے ہوئی جو نواب شیر محمد خان منصب دار ڈیرہ اسماعیل خان کی ہمشیرہ تھی۔حیات اللہ خان کی بہن کا عقد نواب شیر محمد خان سے ہوا تھا۔

حاجی خلیل خان سدوزئی اور اس کے خانوادے کا ذکر :

صحبت خان سدوزئی برادرِ حقیقی غازی خان سدوزئی کے دو لڑکے حاجی خلیل خان اور عبدالرؤف خان تھے۔حاجی خلیل خان متمول اور آسودہ حال تھا۔جب نواب محمد سربلند خان کو فتح روہتاس کے بعد سکھوں نے قید کیا تو احمد شاہ درران نے سکھوں کے مطالبے پر اس کی رہائی کی قیمت ایک لاکھ روپیہ ڈیرہ غازی خان کے مالیے سے ادا کرنے کا حکم دیا اور خلیل خان کو اس کام کی انجام دہی پر مامور کیا۔حاجی خلیل خان ناظم سے پوری رقم وصول نہ کر سکا اور کچھ رقم لے ملتان واپس پہنچا ہی تھا کہ نواب سربلند خان کی حالتِ قید میں وفات کی اطلاع

ملی۔ اس کا تابوت سکھوں نے ملتان بھجوادیا اور وہ سدوزئیوں کے قبرستان میں سپردِ خاک ہوا جب کہ وصول شدہ رقم حاجی خلیل خان ہی کی تحویل میں رہ گئی۔ حاجی خلیل خان کی بیوی سدوزئی خاندان سے تھی اس کے بطن سے ایک لڑکا عبدالکریم خان پیدا ہوا، جوان ہو کر عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ وہ دو صد روپیہ کا منصب شاہی رکھتا تھا۔ اس نے شجاع آباد میں اپنے رقبے میں کاشتکاری پر بھی توجہ کی لیکن تعیش پسندی کے سبب باپ کی عطا کردہ جاگیر میں سے تیس ہزار روپے عیش و عشرت میں گنوا دیئے۔ عبدالکریم خان کے ایک بادوزئی عورت کے بطن سے سات لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں۔ بڑے لڑکے عبدالرسول خان کی شادی عبدالرحیم خان زعفران خیل کی دختر سے ہوئی۔ اس عورت کے بطن سے کئی بیٹے بیٹیاں تھیں۔ عبدالرحیم خان اوائل عمر میں اوباش طبع تھا لیکن بعد میں اس کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہو گیا۔ وہ ملتان میں حادثہ سکھاں سے قبل بغرض حج حرمین شریفین چلا گیا اور واپس نہ آیا۔ عبدالکریم خان کا دوسرا لڑکا لشکر خان تھا۔ اس کی شادی خدایار خان برادر نواب سربلند خان کی ہمشیرہ سے ہوئی۔ وہ صاحبِ اولاد تھا۔ عبدالکریم خان کا تیسرا لڑکا حاجی انور خان تھا جو نواب محمد مظفر خان کے ساتھ حج بیت اللہ شریف سے مشرف ہوا۔ اس کی شادی دختر محمد خان برادر یٰسین خان سے ہوئی۔ عبدالکریم خان کے دو اور لڑکے محمد حیات خان اور محمد خان ہیں یہ ڈیرہ اسماعیل خان میں سکونت پذیر ہیں۔

حاجی خلیل خان کے بھائی عبدالرؤف خان کی شادی علیزئی خانوادے میں ہوئی جس کے بطن سے یٰسین خان پیدا ہوا۔ حاجی خلیل خان کی دوسری بیوی ایک ہندوستانی عورت تھی جس سے محمد خان پیدا ہوا۔ وہ نہایت جواں

جری اور سپاہی آدمی تھا لیکن تنگدستی میں مبتلا تھا۔ جس کے سبب طبیعت میں چڑچڑاپن اور غضب ناکی پیدا ہو گئی تھی۔ ایک روز ملتان میں گھوڑی پر سوار تھا کہ حاجی محمد مظفر خان نے اسے دیکھ کر کچھ کہا جس پر اس نے تیز لہجہ میں جواب دیا۔ نواب صاحب نے ضبط سے کام لیا اور خموشی اختیار کی۔ یٰسین خان منصب شاہی رکھتا تھا لیکن اس قلیل رقم میں گزارہ محال تھا چنانچہ فوج میں ملازمت ہونے کی آرزو میں جھنگ چلا گیا۔ اثنائے راہ میں پیاس لگی کنویں پر پہنچا۔ وہاں ایک کافر کھیتی باڑی میں مصروف تھا۔ اسے قریب بلا کر کہا میری گھوڑی کی باگ تھام لو تاکہ میں پانی پی لوں۔ اس کافر نے انکار کیا تو چابک سے اسے بہت مارا۔ آخر اس نے گھوڑی کی باگ تھام لی لیکن اس بے عزتی سے اس کے دل میں کینہ پیدا ہو گیا۔ یٰسین خان پانی پینے کے بعد وہیں قریب کی جھاڑیوں میں پیشاب کرنے بیٹھ گیا۔ واپسی پر جب وہ کنویں کی نالی (چاہ) پر بیٹھا ہاتھ دھو رہا تھا تو اس کافر نے گھوڑی کی باگ چھوڑ کر اپنے سے ایک بڑی سی لکڑی اٹھائی اور اس زور سے یٰسین خان کی پیٹھ پر ماری کہ وہ اٹھ نہ سکا، وہیں گر پڑا، کافر بھاگ گیا۔ یٰسین خان لاولد تھا۔ اس کے سوتیلے بھائی محمد خان نے دو عورتوں سے نکاح کیا۔ ایک تو یٰسین خان کی بیوہ سے اور دوسری ایک افغان خاتون سے۔ مگر اس کے اولاد نرینہ نہ تھی۔ دونوں بیویوں سے لڑکیاں تھیں۔ جن کی شادیاں عبدالکریم خان کے بیٹوں سے ہوئیں۔ جب نواب محمد خان کو سربلند خان کا خطاب ملا اور حکومت بھی شمالی ان کی تحویل میں آئی اور میاں شاہ نواز کے ساتھ معرکہ ہوا تو اس معرکے میں محمد خان پسر عبدالرؤف خان بندوق کی گولی لگنے سے جاں بحق ہو گیا تھا۔

ذاکر خان سدوزئی اور اس کی اولاد کا ذکر :

ذاکر خان جو صحبت خان کا پوتا تھا، حصولِ منصب کی خاطر عبدالرحیم خان پسر خدایار خان سلطان خیل خدکہ سدوزئی کے ہمراہ دہلی روانہ ہوا۔ وہاں منصبِ شاہی کے حصول کے بعد ایک ہندوستانی عورت سے شادی کر لی۔ ذاکر خان کی بہن کی شادی عبدالرحیم خان سے ہوئی۔ ذاکر خان کی ہندوستانی بیوی کے بطن سے دو لڑکے اکبر خان اور سرور خان پیدا ہوئے۔ انہوں نے یعنی عبدالرحیم خان اور ذاکر خان نے دہلی میں اپنا قیام طویل کر لیا اور وہ دہلی ہی میں وفات پا گئے۔ اکبر خان اور سرور خان نے ملتان واپس رخ کیا۔ ملتان پہنچ کر دوسرے بہادر خیل سدوزئیوں کی مانند حکومت سے مواجب وصول کئے۔ کچھ مدت بعد اکبر خان ڈیرہ اسماعیل خان چلا گیا۔ وہاں نواب حافظ احمد خان کے چچا حاجی سعادت خان کی بیٹی سے جو کہ غیر کفو عورت کے بطن سے تھی، شادی کر لی۔ اکبر علی خان کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ اکبر خان کا بھائی سرور خان بھی ڈیرہ اسماعیل خان ہجرت کر گیا۔ اس نے ایک نو مسلم عورت سے عقد کیا۔ اس کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جب نواب شیر محمد خان سدوزئی نے پاوندوں کے خلاف لشکر کشی کی تو یہ اس جنگ میں مارا گیا۔

یار محمد خان المعروف یارن خان سدوزئی و صدیق خان کے خانوادے کا ذکر :

عظمت خان پسر صحبت خان کے بھتیجے کا نام عیسیٰ خان تھا۔ عیسیٰ خان کے

ن لڑکے یارن خان، صدیق خان اور اللہ یار خان تھے اور ایک لڑکی تھی۔ ان کی
اں عظمت خان کی بیٹی تھی۔ صدیق خان ولد عیسیٰ خان کی شادی فتح خان
امران خیل کی دختر سے ہوئی۔ جس کے بطن سے ایک بیٹا محمد خان اور ایک
بیٹی پیدا ہوئی۔ لڑکی کی شادی سنجر خان سے جو نواب مظفر خان کا بھائی تھا کر
ی۔ محمد خان ولد صدیق خان اوباش طبع تھا۔ اس نے دو تین عورتوں سے عقد
لیا اور مع اولاد ڈیرہ اسماعیل خان میں رہائش اختیار کرلی۔ اللہ یار خان پسر عیسیٰ
خان کی محض ایک لڑکی تھی جس کی شادی محمد خان ولد عظیم یار خان خدکہ سے کر
دی گئی۔ یار محمد خان (یارن خان) کا ایک لڑکا دوست محمد خان تھا اس کی شادی
محسن خان کی دختر کے ساتھ ہوئی۔ اس نے ڈیرہ اسماعیل خان میں سکونت اختیار
کرلی۔ وہ دیگر تمام بہادر خیلوں کی طرح مواجبِ شاہی ملتان میں رکھتا تھا۔
تھوڑی سی زرعی زمین ڈیرہ اسماعیل خان میں بھی تھی، آسودگی سے گزر بسر کرتا
تھا۔ دوست محمد خان کا لڑکا حسن خان تھا اس نے اپنے ماموں کی لڑکی سے شادی
کی۔ وہ عالمِ جوانی ہی میں فوت ہو گیا۔ اپنے پیچھے اپنی دوسری بیوی سے جو
ہندوستانی نژاد تھی، ایک لڑکا چھوڑا۔ عیسیٰ خان کی لڑکی اور یار محمد خان، صدیق
خان اور اللہ یار خان کی بہن کی شادی محمد سعید خان خدکہ سے ہوئی جس کے بطن
سے انور خان خدکہ پیدا ہوا۔

عبداللہ خان اور اس کے خانوادے کا ذکر:

عبداللہ خان پسر اسماعیل خان ولد بہادر خان ابن ملک سدو امیر افاغنہ
ی شادی اپنے خاندان ہی میں مرزا خان کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ عبداللہ خان کے
دو لڑکے سعداللہ خان اور احمد خان اور ایک لڑکی تھی۔ سعداللہ خان جوانی میں

کنوارا فوت ہوا۔ البتہ احمد خان نے غلزئی خانوادے کی لڑکی سے عقد کیا۔ عقد کے چالیس دن بعد جب ۱۷۴۶ء میں سکھوں نے ملتان پہنچ کر بستی سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی پر حملہ کیا تو احمد خان خدکہ سدوزئی کی رفاقت میں سکھوں کے خلاف لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ احمد خان کا ایک ہندوستانی عورت سے وفات کے بعد لڑکا محمد پناہ پیدا ہوا، جسے اس کی بہن نے اپنے پاس رکھ لیا کیونکہ اس کے بھائیوں کا کوئی وارث نہ تھا۔ جب یہ خبر پھیلی تو دیگر بہادر خیل سدوزئی حاجی محمود خان کی سرداری میں متفق ہوئے اور انہوں نے محمد پناہ کو سعداللہ خان کا بیٹا تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا اور مرنے مارنے پر تل گئے۔ جب دیکھا کہ دیگر بہادر خیل اس کو قتل کرنے پر آمادہ ہیں تو محمد پناہ سے کہا گیا کہ وہ دیوار پھاند کر بھاگ جائے اور اپنی جان بچائے۔ چنانچہ وہ رنگ پور چلا گیا اور وہاں اپنے ننھیال کے یہاں شرفا کی طرح زندگی گزارنے لگا۔

محمد پناہ کی اولاد میں عبدالرحمٰن خان بہت سجیلا اور خوبصورت تھا۔ اس نے کاشتکاری ترک کی اور پیشہ سپاہ گری اختیار کر لیا۔ وہ ناصر خان ولد امین خان سدوزئی بہادر خیل کے توسط سے ملتان آیا اور نواب سرفراز خان کی ملازمت سے وابستہ ہو گیا۔ وہ اپنے آپ کو بہادر خیل سدوزئی کہلوانے لگا۔ جب حافظ احمد خان سدوزئی ڈیرہ اسماعیل خان کا نواب مقرر ہوا تو وہ عبدالرحمٰن کے سدوزئی ہونے پر معترض ہوا۔ اس موقع پر ناصر خان ولد امین الدین سدوزئی نے ازراہِ حمایت حافظ احمد خان کو جواب دیا کہ جب اکبر خان اور سرور خان اپنے باپ کی وفات پر دہلی سے ملتان اور پھر ڈیرہ اسماعیل خان آئے اور انہوں نے سدوزئی ہونے کا دعویٰ کیا تو کسی سدوزئی نے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ ان کے ساتھ رشتہ

یاں قائم کیں۔

عبدالرحمٰن خان کے گھر کوئی وفات ہوئی حسن خان ولد محمود خان نے
مین خان کے پاس خاطر کے لئے سدوزئیوں کی ایک جماعت جو کہ اس کے
پھی زاد لڑکے کے پاس تھی، امین خان کے گھر گئی اور التجا کی کہ عبدالرحمٰن
مذکہ کے یہاں برائے فاتحہ خوانی جائیں۔ خان مذکور نے جواب دیا کہ پہلے
شیرانِ بہادر خیل جائیں تب میں جاؤں گا کیونکہ جب تک دیگر افاغنہ سدوزئی
ں کو سدوزئی تسلیم نہ کرلیں، میں انہیں ناراض نہیں کر سکتا۔ نواب سرفراز
ان نے جو کہ دوسرے بہادر خیلوں کی طرح عبدالرحمٰن خان سے ملا جلا کرتا
ا، اس کے بعد اس سے معانقہ ختم کر دیا۔ پہلے اس کو سدوزئی تمن میں بٹھاتا تھا
مر اس کو سپاہیوں کی جماعت کے ساتھ بٹھانے لگا۔ عبدالرحمٰن نے از راہِ
رامت ملازمت ترک کر دی اور رنگ پور میں باپ دادا کی طرح کھیتی باڑی
رنے لگا۔ اس نے اپنی لڑکی کو عیسیٰ خان خدکہ کے، جو نہایت مفلس تھا، عقد
ں دے دی۔ دوسری زمان خان ولد نور خان جو کہ خانوادہ اسماعیل ابن بہادر
ان ابن ملک سدو میں تھا، دی۔ زمان خان کی شادی زکریا خان ولد الف خان
مران خیل کی ہمشیرہ سے ہوئی۔ وہ لاولد فوت ہوا۔ نور خان نے اپنے چچا کی
ات کے بعد خلیل خان کی لڑکی سے شادی کی۔ وہ پاؤں سے معذور تھا۔ حرکت
کر سکتا تھا۔ وہ بھی لاولد فوت ہوا۔ اس کی ایک ہمشیرہ ابو بکر خان ابن افضل خان
کہ کی ماں تھی۔ خلیل خان بھی لاولد فوت ہوا۔ اسماعیل خان پسر بہادر خان کی
سری اولاد دوست محمد خان اور معزالدین خان لاولد فوت ہوئے۔ مرزا خان
سہ اسماعیل خان سے تھا، اولاد نرینہ سے محروم تھا اس کے صرف تین لڑکیاں

تھیں۔ ایک لڑکی کے بطن سے سعد اللہ خان اور احمد خان پیدا ہوئے۔ دوسری لڑکی کے بطن سے حاجی شریف خان پیدا ہوا۔

علی خان ولد بہادر خان پسر ملک سدو کا ذکر:

بہادر خان کی اولاد بہادر خیل کہلاتی ہے۔ بہادر خان کا دوسرا بیٹا علی خان تھا۔ یہ اپنے بڑے بھائی اسماعیل خان کے ہمراہ ہرات سے ملتان آیا۔ اس کو مغل دربار سے اس کی حیثیت اور لیاقت کے مطابق منصب اور جاگیر عطا ہوئی۔ صحبت خان کے مسکن کے قریب اس نے اپنا مکان اور ڈیرہ تعمیر کرایا اور فارغ البالی سے دن گزارنے لگا۔ علی خان کا بیٹا یوسف خان تھا وہ سدوزئی تمن میں معزز خیال کیا جاتا تھا۔ یوسف خان سلطان خان خدکہ سدوزئی کے معاصرین میں تھا۔ یوسف خان کے دو بیٹے صادق خان اور عبدالشکور خان تھے۔ صادق خان نے بھی مغل دربار سے جاگیر پائی۔ صادق خان نواب زاہد خان کا ہم عصر تھا۔ صادق خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محسن خان بہادر خیل کا سردار قرار پایا۔ محسن خان کے بیٹے کا نام دوست محمد خان تھا۔ دو لڑکیاں بھی تھیں، یہ تینوں اولاد خوگانی تمن کی عورت کے بطن سے تھے۔ ایک بیٹی کی شادی حبیب خان کامران خیل سے کی اور دوسری کی دوست محمد خان بہادر خیل سے۔ دوست محمد خان بھی دوسرے بہادر خیلوں کی مانند مواجب شاہی کا حامل تھا۔ اس کی شادی عبدالاحد خان کی بیٹی سے ہوئی۔ دوست محمد خان بہادر شخص تھا۔ نواب مظفر خان کے عہد میں حسین خان ولد شاکر خان پسر زاہد خان سدوزئی کا تنازعہ ملیزئی افغانوں کے ساتھ ہو گیا۔ جنگ کی نوبت آ پہنچی۔ نواب مظفر خان نے ملیزئی افغانوں کی حمایت کی اور حسین

محاصرہ کر لیا۔ اس نازک موقع پر دوست محمد خان بہادر خیل اپنے ساتھیوں
کے ہمراہ ''ننگِ سدوزیت'' کا نعرہ لگاتے ہوئے حسین خان کی امداد کو آ پہنچا۔
آخر بزرگوں نے درمیان پڑ کر فریقین میں مصالحت کرا دی۔ مگر اس نے صوبہ
ر نواب محمد مظفر خان کا لحاظ نہیں کیا۔ اولاد نرینہ سے محروم تھا۔ صرف دو
کیاں تھیں۔ ایک لڑکی کی شادی اپنے بھانجے عبدالرحمٰن خان ولد حبیب خان
سے کی اور دوسری لڑکی بہادر خیلوں میں بیاہ دی۔

بدالشکور خان (شکرو خان):

یوسف خان کا دوسرا لڑکا عبدالشکور خان کسی خاص جاگیر کا مالک نہ تھا۔
عبدالعزیز خان پسر سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی کی ملازمت سے وابستہ ہو
تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کی شادی مرزا خان سدوزئی سے کی۔ لڑکی کے بطن
حبیب خان کامران خیل پیدا ہوا۔ عبدالشکور کے بیٹے کا نام شریف خان تھا۔
حج بیت اللہ کی زیارت کا شرف نصیب ہوا۔ اس کی طبیعت میں شوخی اور
لی تھی۔ وہ شکار دوست تھا۔ پرندے کو زیر دام لانے میں ماہر تھا۔ زیرک اور
ل مند تھا اور اپنے علم و فہم میں شہرت رکھتا تھا۔ اس نے زندگی کے بہت سے
ب و فراز دیکھے۔ علی محمد خان خوگانی ناظم ملتان نے قیافہ شناسی کی اور کہا اگر
نوجوان کی قسمت یاور ہوئی تو یہ سدوزئیوں میں بڑا نامور ہوگا۔ وہ دیگر
خیلوں کی طرح تین چار صد روپیہ مواجب شاہی رکھتا تھا۔ اس قندھار
ت کی جانب سے شجاع آباد میں جاگیر عطا ہوئی۔ اس وقت ملتان میں نواب
خان منصب دار تھا۔ چنانچہ اس نے قبضہ نہ دیا اس نے آزردہ خاطر ہو کر
جانے کا ارادہ باندھا۔ جب نواب شجاع خان کو خبر ہوئی تو اس نے طلب

کیا اور جاگیر کے قبضے میں دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے علاوہ بعض تحائف احمد شاہ
درران کے لئے ساتھ کر دیئے اور منت سماجت کی کہ وہاں جا کر میری توصیف
و تحسین کرنا۔ جب حاجی شریف خان احمد شاہ درران کے دربار میں حاضر ہوا تو
اس نے تمام تحائف اپنی جانب سے بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے اور اس طرح
احمد شاہ درران سے ملتان کی صوبیداری کا پٹہ نواب کا خطاب حاصل کر کے
ملتان پہنچا۔ شجاع خان کو فرمانِ شاہی دکھلایا۔ چنانچہ وہ ملتان سے شجاع آباد منتقل
ہو گیا اور اس طرح نواب حاجی شریف خادر بہادر خیل مصبدار ملتان قرار
پایا۔ اس کے عہدِ نظامت میں ملتان کا نظم و نسق ڈھیلا پڑ گیا اور چور اچکے، لٹیرے
اور راہزن حد سے زیادہ پیدا ہو گئے۔ دیہات ویران ہوتے چلے گئے۔ حاجی
شریف خان ایک کمزور اور بے دست و پا ناظم ثابت ہوا۔ اس کے بڑے بیٹے
عبدالرحیم خان کی کی شادی حاجی محمود خان سدوزئی بہادر خیل کی بیٹی کے
ہمراہ ہوئی۔ شادی کے دن جب تمام اقرباً اور احباب جمع تھے تو درمیان میں
مسندیں ایوان میں بچھائی گئیں۔ ایک پر خود بیٹھا اور دوسری پر محمد شریف خان
پسر محمد باقر خان ولد سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی کو بٹھایا۔ دیگر تمام سدوزئی
بہادر خیل وغیرہ اور حکام و ملازمین دائیں بائیں بیٹھے۔ یہ شادی اس کی نظامت
دوران منعقد ہوئی تھی۔ اس شادی میں مودود خیل تمن کے افراد نواب
خان کی آزردہ خاطری کے باعث شریک نہیں ہوئے۔ شریف خان تقریباً
ملتان کا صوبیدار رہا۔ ایک روز وہ اتفاقاً قلعے کے برج میں سر اور ڈاڑھی پر خضاب
لگا کر بیٹھا ہوا تھا اور اب خضاب کے خشک ہونے پر حجام نے آدھا سر مونڈا
ملازم نے شریف بیگ تغلو کے، قلعے کے دروازے پر آنے کی خبر سنائی

ریف خان کو گمان گزرا کہ شاید وہ افغان بادشاہ کی جانب سے محصل کے طور پر
لیے کی وصولی کے لئے آیا ہوگا۔ اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے فوراً باہر نکال دو
راس سے کہہ دو کہ میں ابھی مصروف ہوں۔ خدمت گاروں نے عرض کی کہ
محصل کے طور پر نہیں آیا بلکہ ملتان کی منصب داری کا پروانہ لے کر پہنچا ہے۔
اب شریف خان حیران رہ گیا اور اضطراب و پریشانی کے عالم میں نیم تراشیدہ
پر ٹوپی رکھ لی۔ خضاب دھویا اور پریشان ہو کر سپاہیوں میں غلّہ تقسیم کرنے
۔ سپاہی غلّہ سمیٹنے میں مصروف ہو گئے۔ نواب شریف خان اس اثنا میں سخت
مواسی کے عالم میں اپنے خانوادہ کو ہمراہ لے کر اور جو کچھ مالیات، نقد وغیرہ
ری میں ہاتھ لگا، اسے سمیٹ سماٹ کر قلعے کے دوسرے دروازے سے بھاگ
۔ اس افراتفری کے باوجود اس کے بیٹے اور بعض سدوزئیوں نے مستحکم ہونے
کوشش کی اور شریف بیگ کو قلعے میں داخل نہیں ہونے دیا۔ لیکن انہیں
یابی نہ ہو سکی۔ آخر انہوں نے بھی راہِ فرار اختیار کی۔ اس طرح بہادر خیل
وزئیوں نے ڈیرہ غازی خان کی راہ لی اور وہیں قیام اختیار کر لیا اور وہاں سے
ھار، دربارِ شاہی کا رخ کیا۔ اس قافلے میں دیگر سدوزئی بھی شامل ہو گئے۔
وں نے احمد شاہ درّان سے ملاقات کا شرف حاصل کیا اور مالیے کی عدم
کا یہ عذر پیش کیا کہ فصل ربیع نواب شجاع خان نے اٹھائی تھی اور فصل
ف بھی ہنوز مکمل حاصل نہ ہو سکی تھی کہ شریف بیگ آن پہنچا۔ احمد شاہ
ران نے نہایت عالی ظرفی کے ساتھ نواب شریف خان کا یہ عذر قبول کیا اور
معاف کر دیا۔ کچھ عرصے بعد اسے ڈیرہ غازی خان کی حکومت عطا کر دی۔
ں تین سال حاکم رہا اور اس نے بہت سا روپیہ جمع کر لیا۔ اتفاقاً احمد شاہ

دردران ڈیرہ غازی خان میں خیمہ زن ہوا۔ اس سے سابقہ مالیات کی ادائی کے
بارے میں بات چیت ہوئی کیونکہ وہ باقاعدگی سے رقوم ادا نہیں کرتا تھا۔ جب وہ
خاطر خواہ جواب نہ دے سکا تو اسے معزول کر دیا گیا۔ مالیہ کی وصولی کے لئے
محصل مقرر کئے گئے جب انہوں نے سخت گیری اختیار کی تو شریف خان ڈیرہ
غازی خان سے نواب بہاول پور کے علاقے خیر پور چلا گیا۔ عمالِ شاہی نے تین
لاکھ روپیہ اس کے ذمے واجب الادا قرار دیا۔ اس نے اپنا وکیل شاہ دردران کی
خدمت میں بھیجا لیکن اس کا عذر قبول نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد خود حاجی شریف
خان قندھار دربار شاہی میں حاضر ہوا اور بادشاہ کے روبرو عرضِ حال کی اور کہا
میرے پاس ادا کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ بادشاہ ہیں، مالک و مختار
ہیں اور آلوس سدوزئی کے سردار ہیں۔ جو مرضی ہو، سزا دیجے میں تیار ہوں
اس نے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا کر کہا مجھے زنجیر سے باندھ دیں۔ اس پر احمد شاہ
دردران نے عالی ہمتی سے جواب دیا کہ کیونکہ تم سدوزئی ہو میں رقم کی خاطر
تمہیں زنجیر پہناؤں تو تمام سلطنت میں میری سبک سری ہو گی۔ بس تمہارے
لیے یہی سزا کافی ہے کہ آئندہ ہمارے دربار کا رخ نہ کرنا۔ اس کے بعد شاہ نے
وزیر کو حکم دیا کہ اسے کسی علاقے کی نظامت نہ دی جائے۔ اس طرح حاجی
شریف خان نہایت بے آبروئی کے ساتھ ڈیرہ غازی خان لوٹا اور وہیں
سکونت اختیار کر لی کیونکہ ادائے واجبات کے سلسلے میں اسے معافی مل گئی
چند سال بعد جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچا اور تیمور شاہ حکمران ہوا تو یہ دربار
پہنچا۔ بینائی میں بھی فرق آ گیا تھا لیکن دل میں حکومت کی آرزو تھی
تیمور شاہ نے اسے منصب نہیں دیا۔ وہ واپس ڈیرہ غازی خان آ گیا اور

سکونت پذیر ہو گیا۔ شکار کا نہایت شوقین تھا، بینائی کی کمزوری کے باوجود شکار کھیلنے سے باز نہ آتا۔ نواب شریف خان کا مقولہ تھا "دنیا میں تین اشخاص احمق ہیں، پہلا وہ شخص جو کسی سے کتاب عاریتاً مانگے، دوسرا وہ شخص جو کتاب دے دے اور تیسرا وہ شخص احمق ہے جو کتاب لے کر واپس کر دے۔"

وہ سات ہزار روپے سالانہ مواجبِ شاہی کا حامل تھا۔ تیمور شاہ کے عہدِ حکومت کے آخری برسوں تک زندہ رہا۔ سدوزئی عورت کے بطن سے دو لڑکے چھوڑے۔ بڑا لڑکا عبدالرحیم خان اور دوسرا حاجی محمد خان۔

عبدالرحیم خان اور قاضی حاجی محمد خان اور ان کی اولاد کا ذکر :

عبدالرحمٰن خان نہایت دانش مندر، زیرک، فہیم، منتظم اور آئین شناس تھا۔ جب اس کا باپ ملتان کا صوبہ دار تھا تو یہ نائب تھا۔ باپ فوت ہوا تو لاکھوں کی جائیداد کو دونوں بھائیوں کو نہایت رواداری اور خوش اسلوبی سے تقسیم کیا یہ گویا نہایت سمجھ داری کی بات تھی۔ عبدالرحیم خان فارغ البال شخص تھا اور باپ کی دی ہوئی جائیداد پر خوش اوقاتی سے بسر کرتا تھا۔ دین محمد خان سے دوستی تھی اور ایک دوسرے سے میل جول تھا۔ جب عبدالرحیم خان دین محمد خان کے ڈیرے پر جاتا تو از راہِ ادب مسند پر نہ بیٹھتا بلکہ دو زانو بیٹھا جسے دین محمد خان پسند نہ کرتا تھا کیونکہ عبدالرحیم خان کہتا تھا کہ خضر خیل کے ناطے سے دین محمد خان کی سرداری تمام سدوزئیوں پر واجب الاحترام ہے۔ وہ شاہ زمان کے عہدِ حکومت میں ڈیرہ غازی خان کا ناظم مقرر ہوا اور نظامت کے دو تین سال کے عرصے میں اس نے وفات پائی۔ اس کے عہد نظامت میں ایک اہم واقعہ رونما ہوا۔ عموماً یہ بات پھیل گئی کہ وہ اس واقعے کے صدمے سے فوت ہوا

ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک درویش حافظ محمد خان نامی ملتان میں قیام پذ
تھا۔ وہ مادر زاد برہنہ رہتا تھا۔ ہر وقت اس کے ارد گرد پچاس ساٹھ مرید جمع رہتے
تھے۔ ایک روز اس کے سر میں ملک گیری کی ہوس سمائی اور اس نے ڈیرہ غازی
خان کی فتح کا منصوبہ بنایا۔ وہ خاموشی کے ساتھ مریدوں کے
ہمراہ ڈیرہ غازی خان پہنچا۔ اتفاق دیکھئے کہ نواب عبدالرحیم خان ناظم ڈیرہ غازی
خان کا لشکر بارہ کوس دوری چوٹی کی جانب کسی مہم کو سر کرنے گیا ہوا تھا۔ قلعے
میں گنتی کے سپاہی موجود تھے۔ حافظ محمد خان درویش درِ قلعہ پر پہنچا۔ محافظین
نے اندر جانے سے روکا۔ انہوں نے فوراً تلواریں نکال لیں اور محافظوں کو قتل
کر دیا۔ قلعے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔
اس کے بعد یہ لوگ نواب عبدالرحیم خان کے دیوان خانے کی جانب دوڑے۔
ایک شور و غوغا برپا ہو گیا۔ نواب چند مصاحبین کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے
دوڑ کر قلعے کے برج میں پناہ لی اور برج کا دروازہ بند کر لیا۔ چند بندوقچی اس کے
ہمراہ تھے۔ اس نے برج میں بیٹھ کر مخالفین کو مارنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف
جب قلعے کے بیرونی سپاہیوں کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو وہ اس طرف برائے امداد
لپکے لیکن قلعے کا دروازہ اندر سے بند پایا۔ حافظ محمد خان کے مرید جو قلعے کی
حفاظت پر مامور کر دیئے گئے تھے وہ عبدالرحیم خان کے حامیوں پر تیر برسانے
لگے۔ اس صورت حال سے نواب اور اس کے ساتھی پریشان ہو گئے۔ اس
دوران میں رحیم داد خان بادوزئی کوتوال شہر گھوڑے پر سوار گشت کے لئے گزرا
اور بہ آوازِ بلند پکارنے لگا کہ اے نواب اگر تو زندہ ہے تو جہاں بھی ہے ہمیں آ
دے۔ اس پکار پر نواب نے اس برج سے جہاں وہ محفوظ تھا ایک سپاہی کو اشارہ

وہ ہماری خیریت کی اطلاع دے۔ اس طرح سب کو نواب کی برج میں موجودگی کا پتہ چل گیا۔ برج کے نیچے نواب کے وفادار جمع ہو گئے اور تیز رفتار گھوڑے چوٹی کی جانب روانہ ہوئے کہ نواب کے لشکر کو واپسی کا حکم سنایا جائے۔ نواب کے بھتیجے بھی برج کے نیچے کوتوالِ شہر کے ساتھ اکٹھے ہو گئے۔ ایک بہت بڑے صندوق کو رسیوں سے باندھا اوپر پہنچایا اور نواب کو اس میں بٹھا کر نیچے اتارا گیا۔ اسی دوران میں صبح ہو گئی۔ نواب کا لشکر بھی واپس آ گیا۔ اب نواب کے سپاہیوں نے درویش اور اس کے مریدوں پر حملہ کر دیا اور باری باری سب کو قتل کر دیا۔ نہ پیر رہا نہ مرید رہے۔ مگر نواب کا صندوق کے ذریعے نیچے اترنا خواص و عوام کی زبان زد ہو گیا۔ نواب دو تین ماہ اسی صدمے میں مبتلا رہ کر ۱۲۱۵ھ مطابق ۱۸۰۰ء میں وفات پا گیا۔ وہ تین ہزار روپیہ مواجب کا حامل تھا اور اتنا ہی روپیہ اسے باپ کی جانب سے ملا تھا۔ نواب عبدالرحیم خان نہایت فخر سے کہا کرتا تھا کہ وہ اور دین محمد خان خدکہ تمام سدوزئیوں میں سب سے نجیب الطرفین ہیں کیونکہ دونوں پشت در پشت سدوزئی تھے۔ اس کا ایک لڑکا اور دو لڑکیاں تھیں لڑکے کا نام احمد خان تھا۔ باپ کی وفات پر وہ تین چار ماہ ڈیرہ غازی خان کا ناظم رہا۔ جب نواب محمد مظفر خان کے بھائی سکندر خان کو ناظم ڈیرہ غازی خان مقرر کیا گیا تو احمد خان صوبہ داری سے کنارہ کش ہو گیا۔ سکندر خان کی صوبیداری کو کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ شاہ زمان کی حکومت جاتی رہی اور شاہ محمود تخت نشین ہوا۔ تو محمد رضا خان پوپلزئی فرمانِ شاہی کی رو سے ڈیرہ غازی خان کی نظامت پر مقرر ہوا چونکہ سکندر خان معزول ہو گیا تھا اور ملتان واپس چلا گیا تھا۔ رضا خان پوپلزئی نے نظامت سنبھالتے ہی احمد خان بہادر خیل کو قید کر دیا اور اس

کے مال واسباب پر بھی قابض ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد احمد خان بارک زئی کے بھتیجے میر عالم خان کو ناظم ڈیرہ غازی خان مقرر کر دیا گیا۔ اب میر عالم خان نے بھی احمد خان کو خوب تنگ کیا اور جو کچھ نقد و جنس اس کی تحویل میں رہ گیا تھا، اسے ضبط کر لیا۔ بالآخر مایوس ہو کر اس نے احمد خان کو قید سے رہا کر دیا۔ احمد خان نے رہائی پانے کے بعد شاہ محمود کے کارندوں سے استدعا کی کہ گزر اوقات کے لئے کچھ مواجب مقرر کیے جائیں چنانچہ پروانہ شاہی کی رو سے ڈیرہ غازی خان میں اس کے مواجب مقرر ہوئے لیکن ڈیرہ غازی خان کے حکام کبھی مواجب ادا کرتے کبھی نہ کرتے۔ یہ حالات ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۲۰ء تک یوں ہی چلتے رہے۔ یہاں تک کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ ڈیرہ غازی خان پر قابض ہو گیا اس کے نتیجے میں اس کی تمام جاگیر پر سکھوں ہی کا قبضہ ہو گیا۔ تمام مواجب موقوف کر دیے گئے۔

احمد خان نے ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء سفر حج کی خاطر سفر حجاز اختیار کیا لیکن وہ مکہ معظمہ میں میدانِ عرفات میں رحلت پا گیا اور وہیں دفن ہوا، وہ لاولد تھا۔ اس کی دو بیویاں تھیں۔ ایک بیوی سلیمان خان ولد حامد خان سدوزئی بہادر خیل کی دختر تھی۔ اس کی وفات کے بعد اس نے حسن خان ولد محمود خان برادر حامد خان کی ہمشیرہ سے عقد کیا۔ اس کے بطن سے بھی وہ اولاد سے محروم ہی رہا اور عجب اتفاق یہ کہ احمد خان کی ہمشیرائیں بھی کنواری ہی رہیں اور کسی کے عقد سے وابستہ نہ ہوئیں۔

قاضی حاجی محمد خان پسر حاجی محمد شریف خان بہادر خیل:

حاجی محمد شریف خان کا دوسرا بیٹا قاضی حاجی محمد خان اوائلِ عمر

آزاد مزاج اور عیش پسند تھا زوجہ ظریف خان مودود خیل نے اپنی بیٹی کی منگنی خفیہ خفیہ حاجی محمد خان سے کر دی۔ ظریف خان نواب شجاع خان کا چچازاد بھائی اور حاجی محمد شریف خان کا بھانجا تھا۔ جب یہ خبر نواب مظفر خان ولد نواب شجاع خان اور حسین خان ولد نواب شاکر خان تک پہنچی کہ یہ منگنی زوجہ ظریف خان نے مردوں سے اجازت لئے بغیر اپنے طور پر کر دی ہے تو وہ نہایت برہم ہوئے۔ چنانچہ رشتہ نہ دینے کا اعلان کر دیا گیا۔ جواز یہ تھا کہ خواتین اس قسم کے رشتے از خود طے نہیں کیا کرتیں۔ اس پر حاجی محمد خان بہت دل برداشتہ ہوا اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ سدوزئیوں میں رشتہ قائم نہیں کرے گا۔ کچھ عرصے کے بعد اسے کابل حکومت کی جانب سے ڈیرہ غازی خان کا شاہی قاضی مقرر کیا گیا۔ اس صورت حال نے اس کے مزاج اور کردار میں تبدیلی پیدا کر دی۔ اوباشی جاتی رہی، نیکی کی طرف میلانِ طبع ہو گیا۔ اس کی عزت بھی بہت بڑھ گئی۔ خدا نے اسے توفیق دی اور وہ حج بیت اللہ شریف سے بھی مشرف ہوا۔ اس کا ایک ہم عصر حاجی محمد اکرم خان تھا اس کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لی۔ علماؑ کی صحبت میں رہنے لگا۔ اس کی نیک دلی، راست کرداری اور سخاوت کا چرچا پھیلنے لگا۔ ڈیرہ غازی خان میں ایک مسجد اور ایک مہمان سرائے تعمیر کرائی۔ اپنے باپ کی حیات ہی میں بہت شہرت کمائی۔ وہ دو ہزار مواجب شاہی کا حامل تھا۔ قاضی کی حیثیت سے بارہ ہزار روپیہ اس کے علاوہ ملتا تھا۔ باپ کی وفات پر جائیداد سے بھی حصہ [illegible]۔ وہ اپنے بڑے بھائی عبدالرحیم خان کے عہدِ نظامت میں فوت ہوا اور ڈیرہ [illegible]زی خان میں اپنے باغیچے میں دفن ہوا۔ اس کی شادی ایک بلوچ خاتون سے [illegible]ئی تھی جس کے بطن سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کی وفات پر

اس کا بڑا لڑکا عبدالغفور خان ڈیرہ غازی خان کا قاضی مقرر کیا گیا۔ وہ بہت جرأت مند شخص نکلا۔ اس نے کئی بار کابل اور قندھار کا سفر بھی اختیار کیا۔ اس نے ایک اچھا کام یہ کیا کہ سابقہ خاندانی رنجشوں کو ختم کرنے کے لئے نواب محمد مظفر خان کے ساتھ مصالحت اور مفاہمت کرلی۔ ملتان میں اس کی آمدورفت شروع ہوگئی اور نواب سرفراز خان کے ساتھ دوستی استوار ہوگئی۔

حادثہ سکھاں ملتان واقعہ ۱۸۱۸ء کے بعد جب مہاراجہ رنجیت سنگھ منکیرہ آیا تو اس سے بھی ملاقات کی۔ مہاراجہ نے ایک ہزار روپیہ مواجب مقرر کردیا۔ ہر سال لاہور جاتا تھا اور مہاراجہ سے ملاقات کرتا تھا اور مہاراجہ سے کچھ نہ کچھ جاگیر ملتان کچھی کے علاقے میں لے آتا تھا۔ دو تین بار سندھ کے حکمران میروں کے پاس بھی گیا اور ان سے نقد و جنس حاصل کر کے لوٹا۔ یہ ایک پاؤں سے معذور تھا پھر بھی بہت مستعد اور متحرک تھا۔ گھوڑے پر بیٹھنے کے لئے ہاتھی کی مانند ہودج بنا کر سواری کرتا تھا۔ دوڑ دھوپ میں بہت جرأت کا اظہار کرتا تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے، بڑے بیٹے غلام قادر خان کی ماں عبدالاحد خان سدوزئی بہادر خیل کی دختر تھی۔ دوسری شادی بامے زئی خاندان میں کی اور تیسری شادی علیزئی خاندان میں کی۔ اس کے بطن سے بھی خدا نے دو لڑکے دیئے۔ چوتھی شادی ایک کنجنی سے کی اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ دوسرے بیٹوں کے نام مصطفیٰ خان اور مرتضیٰ خان تھے۔ وفات سے قبل اپنا تمام ترکہ ان دو لڑکوں کے نام کردیا۔ باقی لڑکوں کو عاق کردیا۔ چوتھا بیٹا سعد اللہ خان تھا۔ بہت آزاد منش تھا، سعد اللہ خان کی شادی محمد خان ولد صابو خان کی لڑکی سے ہوئی۔ صابو خان نے دوسرا نکاح آلوس افاغنہ کی ایک خاتون سے کیا جس سے ایک لڑکی تو

ہوئی۔ عبدالغفور خان کے چھوٹے لڑکے سے اس کی نسبت طے کر دی۔ قاضی حاجی محمد خان کا تیسرا لڑکا عبداللہ خان، چوتھا عبدالشکور خان اور پانچواں عبدالکریم خان تھا۔

محمد خان، احمد خان، حاجی محمود خاں اور عبدالاحد خان بہادر خیل سدوزئی کا ذکر

محمد خان اور احمد خان نے جن کا دادا علی خان ولد بہادر خان بن ملک امیر سدو تھا افغانستان سے ہجرت کی اور بستی دو کوٹ رنگ پور میں تھی۔ آسودگی سے زندگی گزارتے تھے۔ محمد خان کا ایک لڑکا اور دو لڑکیاں مرزا خان سدوزئی کی دختر کے بطن سے تھے۔ لڑکے کا نام محمود خان تھا۔ محمد خان کی ایک لڑکی کی شادی نواب شجاع خان کے ساتھ ہوئی۔ دوسری حسین خان ولد شوکت خان کے عقد میں تھی جس کے بطن سے نصر اللہ خان شہید پیدا ہوا۔ محمد خان کی تیسری لڑکی حامد خان ولد صابو خان بہادر خیل سے بیاہی ہوئی تھی جو سلیمان خان کی والدہ تھی۔ محمد خان کا بیٹا محمود خان بہت خوش طبع اور سنجیدہ شخص تھا۔ حج بیت اللہ سے سعادت اندوز ہوا۔ علمأ کی صحبت میں بیٹھتا تھا۔ حج سے واپسی پر بہت سی دینی کتب کا مطالعہ کرنے لگا۔ اس کی بہن جو نواب شجاع خان کی بیوی تھی جب بے اولاد فوت ہوئی تو مرحومہ نے ہزارہا کی جائداد چھوڑی۔ شرع کی رو سے وہ اس کا مالک تھا لیکن اس نے نہایت بے نفسی سے انکار کرتے ہوئے شجاع خان کے بیٹے نواب مظفر خان کے نام لکھ دی۔ جوانی میں پیشۂ سپاہ گری بھی اختیار کیا۔ [شر]یف خان کی فوج کا صوبیدار مقرر ہوا۔ دو مرتبہ کابل اور قندھار کا سفر بھی

اختیار کیا۔ ہزار ہا روپیہ مواجب شاہی کا حامل تھا۔ حج سے مشرف ہونے کے بعد ڈیرہ غازی خان کا قاضی بھی مقرر ہوا۔ اس طرح خدا نے اسے بلندی کمال اور عزت سے سرفراز کیا۔ اس کا چچازاد بھائی عبدالاحد خان پسر احمد خان مزاجاً مراقی تھا۔ اکثر کہتا تھا کہ حاجی محمود خان کو مار ڈالوں گا۔ کوئی باور نہیں کرتا تھا پھر یوں ہوا کہ بروز جمعہ بوقت فجر دونوں جامع مسجد شجاع آباد میں نماز میں مشغول تھے سلام پھیرنے کے بعد ایک کٹار حاجی محمود خان کے پہلو میں اتار دی۔ اس نے شہادت پائی۔ شور برپا ہو گیا۔ دوسرے سدوزئیوں نے عبدالاحد کو گرفتار کر لیا۔ یہ واقعہ تیمور شاہ کی تسخیر ملتان ۱۷۸۰ء سے چند ماہ قبل کا ہے۔ جب محمود خان کے داماد عبدالرحیم خان ولد حاجی شریف خان نے یہ مقدمہ تیمور شاہ کے پیش کیا اور قصاص کے بدلے قصاص کی درخواست کی۔ تیمور شاہ نے شاہی حکم نامہ عطا کیا۔ چنانچہ عبدالرحیم خان سیدھا شجاع آباد پہنچا اور عبدالاحد خان کا کام تمام کر دیا۔ حاجی محمود خان اولاد نرینہ سے محروم تھا۔ تین لڑکیاں عبدالاحد خان کی ہمشیرہ کے بطن سے تھیں۔ عبدالرحیم خان نے محمود خان کی بڑی لڑکی سے شادی کی تھی۔ اس کی وفات پر محمود خان کی دوسری لڑکی سے عقد کیا۔ دونوں لڑکیوں کے بطن سے اولاد ہوئی۔ محمود خان کی تیسری بیٹی کی شادی عاشق محمد خان ولد محمود خان پسر صابو خان بہادر خیل سے ہوئی۔ جو میر ہزار خان کی والدہ تھی۔ عبدالاحد خان کی دو لڑکیاں بادوزئی خاندان کی عورت سے تھیں۔ ایک کی شادی دوست محمد خان ولد محسن خان بہادر خیل کے ساتھ ہوئی اور دوسری کا عقد قاضی عبدالغفور خان ولد قاضی حاجی محمد خان کے ساتھ ہوا۔

باب پانزدہم

کامران خان پسر ملک امیر سدو میر افاغنہ کے خاندان کاذکر

امیر سدو کا تیسرا بیٹا کامران خان تھا۔ جس کی اولاد کامران خیل کہلاتی ہے۔ کامران خان کی اولاد میں سے ابراہیم خان اور بہادر خان پسر ملک سدو ملطان حیات خان خدکہ سدوزئی کے عہدِ حکومت میں افغانستان سے ہجرت کر کے ملتان آگئے تھے اور کڑی کلاں شاہ حسین خان میں صحبت خان کی بستی کے زیب اپنے لئے رہائشی مکانات تعمیر کر کے تلاشِ معاش میں سرگرداں ہو گئے۔ ابراہیم خان کا والد، سلطان حیات خان کی ملازمت سے وابستہ ہو گیا۔ باپ ا وفات پر ابراہیم خان کو عسرت اور تنگدستی نے آگھیرا۔ جب اللہ یار خان لد عبداللہ خان پسر سلطان حیات خان نے ملتان سے ہرات کی جانب روانگی کا لان کیا تو ابراہیم خان کو بھی ہمراہ لے گیا اور اس طرح ابراہیم خان اللہ یار خان ا ملازمت میں رہا۔ جب اللہ یار خان نے نادر شاہ سے شکست کھا کر ہرات سے ان مراجعت کی تو ابراہیم خان نے نادر شاہ کی فوج میں ملازمت اختیار کر لی۔ ر سال بعد ملازمت ترک کر کے بار دیگر ملتان آگیا اور اپنی ہمشیرہ کی شادی ب محمد زاہد خان کے بڑے بیٹے نواب شاکر خان کے ساتھ کر دی اور اپنی لڑکی قد عارف خان سدوزئی کے بیٹے ظریف خان کے ساتھ کر دیا۔ احمد شاہ وران کے عہد حکومت میں پانچ صد روپیہ سالانہ مواجب مقرر کئے گئے۔

ابراہیم خان صاحب علم تھا۔ مثنوی مولانا روم اسے ازبر تھی۔ ایک بار مشہد میں حضرت امام علی بن موسیٰ رضاؑ کے مزار پر حاضری بھی دی۔ وہ دل میں حضرت علیؑ کی حب رکھتا تھا اس لئے شیعہ علماٗ اس کی قدر کرتے تھے۔ تیمور شاہ کے عہد کے آخر تک زندہ رہا۔ حاجی شریف خان بہادر خیل کی ہمشیرہ سے شادی کی۔ اس کے دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکوں کے نام حامد خان اور حبیب خان ہیں۔ حامد خان سے حج بیت اللہ کا شرف بھی حاصل کیا۔ وہ ایک مرد صالح اور پارسا سخی اور مہمان نواز تھا۔ پشاور میں سکونت رکھتا تھا۔ حاجی حامد خان نے اپنے قیام ملتان کے دوران حاجی محمود خان کی ہمشیرہ سے شادی کی لیکن اس کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ قیام پشاور کے دوران افغان تمن کی دو عورتوں سے شادیاں کیں۔ ایک بیوی کے بطن سے ایک لڑکا اسماعیل خان پیدا ہوا اور دوسری کے بطن سے ایک لڑکی۔ حرمین شریفین کی زیارت کا غلبہ جب حد سے بڑھ گیا تو وہاں کا مبارک سفر اختیار کیا اور وہیں وفات پائی۔ ایک ہزار روپیہ مواجب شاہی کا حامل تھا۔ جاگیر سے دو تین ہزار سالانہ کی آمدن اس کے علاوہ تھی، اس کا بیٹا اسماعیل خان ابتدا ئیں پشاور میں مقیم رہا۔ بعد میں ملتان چلا آیا اور اس کے بعد ڈیرہ غازی خان میں سکونت پذیر ہوا۔ بعد حادثہ سکھاں ۱۸۱۸ء ملتان، مکہ معظمہ چلا گیا اس کے بعد اس کی کوئی خیر خبر معلوم نہ ہو سکی۔ حاجی اسماعیل خان کی بہن کی شادی حبیب خان کے بیٹے سے ہوئی۔

حبیب خان پسر ابراہیم خان کامران خیل:

حبیب خان پسر ابراہیم خان نے اوائل عمر میں اپنے باپ سے استدعا کی کہ اسے رقم فراہم کی جائے تاکہ وہ دو گھوڑے خریدے کیونکہ کشمیر جا

وق اس پر سوار تھا جہاں نواب سربلند خان بزرگ حاکم کشمیر تھا۔ باپ نے اسے
واری خرید کر نہ دی۔ وہ آزردۂ خاطر ہو کر پاپیادہ ہی جانبِ کشمیر چل پڑا۔ کشمیر
یں نواب سربلند خان سے ملاقات کی۔ جب اسے واقعات کا علم ہوا تو اس نے
بیب خان کو گھوڑا فراہم کر دیا اور اس کی شایانِ شان مواجب بھی مقرر کر دیا۔
بیب خان کا بخت روز افزوں ترقی پر تھا حتیٰ کہ وہ ساڑھے سات ہزار روپے
سالانہ مواجب تک جا پہنچا اور بستی کزری واقع ڈیرہ غازی خان میں اس نے
جاگیر حاصل کر لی جس کی سالانہ آمدنی بارہ ہزار روپے تھی۔ اس جاگیر پر ملکیت
حاصل کرنے کے بعد وہ کچھ رقم بطور مالیہ حکام کو ادا کرتا تھا اور باقی چار پانچ ہزار
کی پیداوار خود اٹھاتا تھا۔ کچھ عرصے بعد اس نے جاگیر میں مزید اضافہ کر لیا اور
اس طرح سترہ اٹھارہ ہزار روپیہ سالانہ آمدن کی جاگیر کا مالک ہو گیا۔ ڈیرہ غازی
خان کے حکام سے اس کی بڑی مصاحبت پیدا ہو گئی۔ ڈیرہ غازی خان میں اس نے
سکونت کے لیے عمدہ عمارات تعمیر کرائیں اور مختلف پھلوں کا باغ لگوایا۔ نفیس
پوشاک پہنتا تھا۔ ملتان کے تمام سدوزئیوں سے ممتاز اور فائق ہوتا چلا گیا۔ ایک
روز کابل کا سفر اختیار کیا اور نہایت دیدہ زیب اور عمدہ پوشاک پہن کر تیمور شاہ
کے دربار میں حاضر ہوا۔ وزیر سلطنت فتح اللہ خان سدوزئی کی نظر پڑی تو اس نے
حبیب اللہ خان کے لئے تعریفی کلمات ادا کئے۔ کابل میں اس نے امرا، وزرا کے
لئے خوانِ نعمت آراستہ کرنے شروع کر دیئے۔ بڑی شہرت کمائی۔ گھوڑے کی
زین شاہوں کی مانند کلغی دار رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے سفر ملتان اختیار کیا۔
ملتان میں خیمہ نصب کیا۔ اس کا خیمہ اس قدر خوبصورت، دلکش اور لائقِ دید تھا
اور خیمے کے اندر قالین اتنے عمدہ اور مکلف تھے کہ دور دور سے لوگ اسے دیکھنے

آتے رہے۔ نواب مظفر خان کا سازو سامان اس کے مقابلہ میں سادہ معلوم ہو
تھا۔ اس کی نفاست مزاجی کی شہرت اتنی دور تک پھیلی کہ لکھنو کے حاکم نواب
آصف الدولہ نے زیورات کا ایک زنانہ مرصع سیٹ اس کو ہدیۃً ارسال کیا۔
حبیب خان کی ہمشیرہ کی شادی تیمور شاہ، ولیٔ افغانستان کے ساتھ ہوئی۔ شادی
کے بعد نواب آصف الدولہ کا ارسال کردہ تحفہ اپنی ہمشیرہ کو جس کا نام خان شیر
تھا، بطور تحفہ دے دیا۔

جب اس نے وہ زیور زیب تن کیا اور شاہ کے روبرو گئی تو شاہ نے اس
سے دریافت کیا کہ یہ کہاں سے ہوا یا ہے۔ اس نے عرض کی کہ میرے بھائی
حبیب خان نے بھیجا ہے۔ شاہ نے بہت پسند کیا۔ نواب شجاع خان سدوزئی کہتا تھا
کہ میں حبیب خان کے ڈر سے کوئی چیز باہر نہیں لاتا کہ وہ جو چیز دیکھ لے گا اس
کی مثل تیار کر کے رہے گا۔ ایک روز نواب شجاع خان نے دستار مرصع جو بازی
اڑانے کے وقت استعمال میں لاتا تھا پہنی، حبیب خان کی نظر پڑ گئی۔ اس نے اس
کی مثل تیار کرا کے پہن کر دکھائی۔ اس کو یہ عادت ہو گئی تھی کہ کوئی پسندیدہ
شے کسی کے پاس دیکھتا تو مانگنے سے بھی گریز نہ کرتا۔ نواب محمد مظفر خان سے
اس کی گہری دوستی ہو گئی۔ جب کبھی وہ ملتان میں اقامت پذیر ہوتا تو صبح و شام
نواب کی اقامت گاہ پر حاضر ہوتا اور ہر وقت نت نئی پوشاک کے ساتھ جاتا۔
جب وہ نواب کے پاس حاضر ہوتا تو نواب اس کی تعظیم نیم ایستادہ ہو کر کرتا۔ کچھ
عرصے بعد یہ قیام موقوف کر دیا۔ لیکن حبیب خان نے اسے دلی طور پر ہرگز
محسوس نہیں کیا۔ حبیب خان، مرزا خان الکوزئی ناظم ڈیرہ غازی خان کے ساتھ
بھی مراسم رکھتا اور آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھتا تھا۔ ناظم حبیب خان

ت دیکھتے ہوئے اس کے مکان پر گیا اور استدعا کی کہ اسے دو لاکھ روپے
لوب ہیں اور کہا کہ ایک لاکھ روپیہ عبدالرحیم اور قاضی محمد خان سے لوں گا
ایک لاکھ روپیہ حبیب خان تجھ سے لوں گا۔ حبیب خان نے کہا کہ وہ جو دو
ن ہیں ان سے ایک لاکھ روپیہ اور مجھ اکیلے سے ایک لاکھ روپیہ۔ آخر یہ فرق
ں؟ ناظم نے کہا کہ ان دو کی امارت تم ایک کے برابر ہے۔ حبیب خان نے قسم
لر کہا کہ میرے پاس توشہ خانہ میں ایک سو روپیہ بھی نقد موجود نہیں اگر
ں اجناس مطلوب ہو تو ایک لاکھ روپے کے بقدر ہو جائیں گے۔ مرزا خان
ا پڑا کہ کمال ہے کہ تو سامان تو کروڑوں کا رکھتا ہے لیکن نقد کے سلسلے میں
لری کی طرح۔ المختصر سدوزئیوں میں حبیب خان کے مثل کوئی اور دوسرا نہ
۔ اگر نواب مظفر خان کو کسی شے کی ضرورت ہوتی تو وہ حبیب خان کے پاس
وکیل بھیجتا۔ اگر وہ شے حبیب خان کے پاس موجود ہوتی تو فی الفور بھیج دیتا۔
ب خان نجیب الطرفین تھا۔ اس نے ۱۲۰۱ھ مطابق ۱۷۸۶ء میں وفات پائی۔
نے پیچھے تین لڑکے چھوڑے ان کی ماں دوست محمد خان ولد محسن خان
ر خیل سدوزئی کی ہمشیرہ تھی۔ بڑا لڑکا عبداللہ خان، دوسرا صادق خان اور
را عبدالرحمٰن خان تھا۔ مگر لڑکے ایسے بدبخت اور عاقبت نا اندیش نکلے کہ
کے ترکے کو آپس میں نہایت بے دردی سے تقسیم کیا۔ اگر ایک قالین تھا تو
کے تین ٹکڑے کر دے۔ اگر ایک بندوق تھی تو کندھا ایک نے، نالی
رے نے اور پیٹی تیسرے نے ہتھیالی۔ اسی طرح سارے سامان کو متفرق
منتشر کر کے بانٹ لیا۔ عبداللہ خان اوباش نکلا۔ حادثہ سکھاں ۱۸۱۸ء ملتان
بعد عالم جوانی میں مر گیا۔ اس نے ایک لڑکا مصطفیٰ خان چھوڑا جس کی ماں

محمد خان ولد حلیم خان پسر عظمت خان بہادر خیل کی دختر تھی۔ مصطفٰی خا
صاحبِ لیاقت تھا۔ اس نے اپنی چچازاد بہن سے نکاح کیا۔ ڈیرہ غازی خان می
اپنے جد کی جگہ متمکن ہے۔ کھیتی باڑی میں مشغول اور آسودہ حال ہے۔ حبی
خان کے دوسرے بیٹے صادق خان نے اپنے چچا کی لڑکی کے ساتھ شادی کی اور
تین ماہ بعد ۱۲۰۲ھ مطابق ۱۷۸۷ء میں وفات پا گیا۔ اپنے پیچھے ایک لڑ
چھوڑی۔ اس لڑکی کی نسبت اپنے ماموں کے لڑکے سے ہوئی تھی۔ شادی
بعد لڑکا بہاول پور چلا گیا۔ وہاں داد پوترہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ رنجیت سنگھ
عہد میں ڈیرہ غازی خان واپس آ گیا اور کاشتکاری میں مصروف ہو گیا۔ تاح
اولاد نہیں رکھتا۔

فتح اللہ خان اور اس کے بیٹے کا ذکر :

فتح اللہ خان کامران خیل سدوزئی کے دادا نے شاہ حسین لبدالی کے
افغانستان سے ملتان ہجرت کی اور کڑی کلاں میں جو بہادر خیل سدوزئیو
سکونت گاہ تھی، سکونت اختیار کر لی۔ فتح اللہ خان کے باپ نے اپنی دختر کا
نواب زاہد خان پسر نواب عابد خان کے ساتھ کر دیا۔ باپ کی وفات کے بعد
دن فتح اللہ خان کسی بات پر رستم خان ملیزئی کے ساتھ الجھ بیٹھا اور ہاتھاپائی
نوبت آ پہنچی۔ رستم خان قوی ہیکل جوان تھا اس نے فتح اللہ کی ناک پر ایسا
کہ دانتوں کے اوپر ناک کے نیچے کا ٹکڑا اڑ گیا۔ اس پر تمام سدوزئی جمع ہو
فیصلہ کیا کہ ناک کا بدلہ ناک سے لیا جائے گا۔ لیکن کوئی خاص پیش رفت
کیونکہ اس وقت مغل حکومت کا زور تھا۔ آخر چار و ناچار سلطان حیات خ
پاس فریاد کی لیکن بات نہ بنی۔ فتح اللہ خان کا بیٹا عبدالرحمٰن خان تھا۔ خو

تھا۔ڈیرہ غازی خان میں لاولد مرا۔ فتح اللہ خان کی ایک لڑکی غیر کفو عورت کے
بطن سے جس کی شادی اس نے صدیق خان بہادر خیل سے کر دی تھی۔

زکریا خان اور الف خان اور ان کے خاندان کا ذکر:

زکریا خان اور الف خان کا دادا سلطان حیات خان خدکہ کے ہمراہ
افغانستان سے ہجرت کر کے ملتان آیا تھا۔ یہ موسیٰ خان کامران خیل سدوزئی کی
اولاد سے تھے۔جب بڑے خان نے ملتان میں سکونت اختیار کر لی تو زکریا خان اور
الف خان کے دادا نے کڑی کلاں میں اپنے چچازاد بھائیوں کی بستی کے اندر
رہائش کی استدعا کی جسے خان نے منظور کر لیا اور ان کے تاحیات معاش کے
بندوبست کے طور پر انہیں سرکار خان سدوزئی کے یہاں ملازمت سے وابستہ
کرادیا۔ زکریا خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا وہی تنخواہ وصول کرتا تھا۔ عہدِ
شاہ درران میں فتح اللہ خان نے جو کہ موسیٰ خان کامران خیل کا نواسا تھا،
اس سے عرض کر کے زکریا خان اور الف خان کے لئے دوسرے کامران خیلوں
کی مندوجہ معاش مقرر کرادی۔ زکریا خان اور الف خان کچھ سمجھدار ثابت نہ ہوئے۔
زکریا خان کی دو لڑکیاں تھیں۔ ایک کی شادی زمان خان برادر نور خان بہادر خیل کے
ساتھ اور دوسری کا عقد مودود خیل کے ایک فرد سے ہوا، دونوں اولاد سے محروم
رہیں۔البتہ زکریا خان کا ایک لڑکا تھا جو فوت ہو گیا تھا اس لئے سلسلہ نسل منقطع ہو
گیا۔لیکن الف خان کی شادی دختر حاجی خان بہادر خیل سے جو کہ حافظ احمد خان ناظم
شمالی کے چچا کی لڑکی بنتی تھی، ہوئی۔الف خان کا ایک لڑکا سرفراز خان تھا۔
جس نے کچھی شمالی میں حافظ احمد خان کے پاس رہائش اختیار کر لی اور وہیں وفات
سرفراز خان نے عیش و عشرت سے زندگی کے ایام بسر کئے۔

باب شانزدہم

زعفران خیل سدوزئی کا ذکر

جلال خان ولد ایدل خان پسر زعفران خانی بن امیر سدو امیر افاغنہ
جو کہ شاہ حسین خان مودود خیل سدوزئی کا بھانجا تھا، سلطان خدکہ المعروف
خداداد خان خضر خیل سدوزئی کے عہد حکومت میں افغانستان شہر صفاے ملتان
ہجرت کی اور اپنے ماموں شاہ حسین خان سدوزئی ابدالی کی اجازت سے کٹڑہ
کلاں میں اپنے لئے رہائشی گھر تعمیر کر لیا۔ جلال خان کی ہمشیرہ کی شادی دولت
خان ولد سر مست سلطان خدکہ سدوزئی پسر خواہ خضر خان بن ملک امیر سدو
ہوئی تھی۔ ہمشیرہ جلال خان کے بطن سے دولت خان کے یہاں بیٹا تولد ہوا جس
کا نام زمان خان رکھا گیا۔ اس کے بعد زمان خان کے یہاں زرغونہ الکوزئی
بطن سے احمد شاہ دردران پیدا ہوا۔ جس وقت زمان خان ہرات میں سلطان
عبداللہ خان کے ہاتھوں قتل ہوا زرغونہ حاملہ تھی۔ وہ ہرات سے ملتان آگئی
بستی شاہ حسین خان میں جلال خان کے گھر سکونت پذیر ہو گئی۔ ۱۷۲۲ء
اس کے بطن سے وہ شخصیت پیدا ہوئی جسے بابائے افغانستان بننا تھا اور جس
ہاتھوں افغانستان کو مستقل آزادی اور استحکام نصیب ہونا تھا۔ شاہ حسین خان
اورنگ زیب سے جلال خان کی سفارش کی اور اس کے لئے دو صد کا منصب
حاصل کیا۔ وفات کے بعد جلال خان کو مقبرہ شاہ حسین خان میں دفن کیا گیا۔

جلال خان کا بیٹا سید خان تھا۔ جلال خان کی بیٹی کی شادی
زاہد خان ولد نواب عابد خان سے ہوئی۔ سید خان بھی بعد از وفات مقبرہ

یین خان میں مدفون ہوا۔ سید خان کا بڑا لڑکا قاسم خان تھا۔ جب شاہ عبداللہ
ان ولد سلطان حیات خان ہرات میں قتل ہوا تو قاسم کامران خیل سدوزئی کو
رات کا حاکم منتخب کیا گیا۔ اس طرح قاسم خان، آلوس ابدالی کا حکمران قرار پایا۔
ں وقت اس کا والد سید خان ملتان میں زندہ تھا۔ وہ سلطان خان کے خوف سے
رات چلا گیا۔ جب مقرب خان ولد سلطان حیات خان ملتان سے ہرات، اپنے
ائی عبداللہ خان کے قتل کا بدلہ لینے پہنچا تو اس نے آلوس ابدالی کا لشکر ترتیب
یتے ہوئے قاسم خان کو جنگ کے دوران مار ڈالا۔ سید خان اپنے دوسرے
کے اشرف خان کے ساتھ ہرات میں چھپتا پھرتا تھا۔ سلطان حیات خان نے
پنے پوتے محمد خان ولد عبداللہ خان کو جو اس وقت مشہد مقدس کا محاصرہ کیے
ئے تھے، سید خان اور اس کے بیٹے اشرف خان کی طرف سے خطرے سے
طلع کیا۔ بالآخر گماشتوں نے ان دونوں کو تلاش کر کے محمد خان کے روبرو پیش
۔ محمد خان کے حکم سے باپ بیٹے دونوں کی آنکھیں نکلوا دی گئیں اور انہیں
ات سے ملتان روانہ کر دیا گیا۔ اس ماجرے کے بعد سید خان احمد شاہ درران
عہد تک زندہ رہا اور اس نے طویل عمر پائی۔ اپنے بعد قاسم خان کے علاوہ چھ
چھوڑے۔ یعنی کل سات ہوئے۔ قاسم خان لاولد تھا۔ اشرف خان صاحب
د تھا۔ اسی طرح ایک بیٹا محمد خان تھا۔ اس کی بھی اولاد تھی۔ باقی بیٹے لاولد
ے۔ اشرف خان کے بیٹے کا نام عطار خان تھا۔ ایک لڑکی بھی تھی جس کے
سے عیسیٰ خان خدکہ پسر محسن یار خان خدکہ تولد ہوا۔ عطار خان عالم جوانی
ہ سبب غربت ملتان سے دہلی چلا گیا۔ جب ۱۷۶۱ء میں احمد شاہ ابدالی نے
وں کو شکست دی اور خان عبدالرحیم خان بطرف دکن چلا گیا تو عطار خان جو

دہلی میں مقیم تھا، اس سے ترکِ تعلق کر کے احمد شاہ درران کے لشکر کے ہمراہ
قندھار آگیا۔ شاہ سے اس نے کچھ مواجبِ شاہی حاصل کیے اور دوبارہ ملتان آکر
یہیں مستقلاً سکونت پذیر ہو گیا اور یہیں فوت ہوا۔ اس نے ایک ہندوستانی
عورت سے شادی کی تھی جس کے بطن سے دو بیٹے ہوئے۔ ایک کا نام ابراہیم
خان تھا۔ اس کا پیشہ سپاہ گری تھا مگر وہ اوباش وضع شخص تھا۔ وہ حادثہ سکھاں
ملتان ۱۸۱۸ء کے بعد ڈیرہ اسماعیل خان چلا گیا۔ وہاں ناظم کچھی شمالی کی ملازمت
سے وابستہ ہو گیا۔ پھر وہاں سے ترکِ ملازمت کر کے بہاولپور چلا گیا اور نواب
کے دربار سے متعلق ہو گیا۔ سید خان کا دوسرا بیٹا محمد خان دو تین صد مواجب
شاہی کا حامل تھا اسی پر گزر اوقات کرتا۔ افیون خوری اس کی عادت بن گئی تھی۔
کسی دوسری شے پر مائل نہ ہوتا۔ اپنی وفات کے بعد اس نے ایک سدوزئی
عورت کے بطن سے دو بیٹے عبدالرحیم خان اور عبدالرحمٰن خان چھوڑے۔
عبدالرحیم خان بہت اکھڑ مزاج اور سرکش طبع شخص تھا۔ ایک دن نواب
مظفر خان نے طلب کر کے بازپرس کی کہ حکومت کا مالیہ کیوں ادا نہیں کرتے
نواب کا لہجہ درشت اور تلخ تھا۔ عبدالرحیم خان نے اسی تلخ لہجے میں جواب
جس پر نواب نے برہم ہو کر تلوار کھینچ لی۔ لیکن دوسرے سدوزئی درمیان آ
اور بیچ بچاؤ ہو گیا۔ عبدالرحیم خان کی شادی دختر قاسم خان پسر رضا خا
بہادر خیل سے ہوئی۔ مگر جوانی میں گردے میں پتھری پیدا ہونے کے سبب
وفات پایا۔ اس نے اپنے پیچھے ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑی۔ لڑکی کی شا
عبدالرسول خان ولد عبدالکریم خان بہادر خیل سے ہوئی۔ لڑکا محمد خان او
وضع، قلندر منش تھا۔ اس نے اللہ یار خان بہادر خیل کی لڑکی سے شادی

جس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے۔ حادثہ سکھاں ملتان کے بعد اس کی آوارگی میں اضافہ ہو گیا۔ ادھر غربت و افلاس دامن گیر ہو گیا۔ عیش و طرب میں غرق رہنے لگا۔ عسرت نے بھی زور پکڑا اور یہ حالت ہوئی کہ محمد خان کا لڑکا تاج محمد خان مزدوری کا پیشہ اختیار کر کے روزی کمانے لگا۔ ہر شخص اس زبوں عالی پر اس کو طعنے دیتا۔ آخر اس نے ترکِ ملتان کر کے ڈیرہ اسماعیل خان کا رخ کیا ور وہاں ملازمت اختیار کر لی۔ محمد خان کی لڑکی کی شادی میر ہزار خان ولد عاشق محمد خان بہادر خیل کے ساتھ ہوئی۔

عبدالرحمٰن خان ولد محمد خان عیش و طرب کی زندگی بسر کرنے لگ لیا۔ اس کی لڑکی کی شادی حق نواز خان سدوزئی ولد نواب مظفر محمد خان سدوزئی سے ہوئی۔ عبدالرحمٰن خان نہایت بخیل واقع ہوا تھا۔ خوشی کا موقع ہو یا غم کا، رواج کے مطابق کچھ دینا دلانا پسند نہیں کرتا تھا۔ ایک خوگانی عورت سے اس نے شادی کی تھی۔ حادثہ سکھاں ملتان ۱۸۱۸ء کے سال میں فوت ہوا۔ پیچھے اولاد چھوڑی۔ بڑے بیٹے کا نام صالح محمد خان تھا۔ اس نے علیزئی عورت سے شادی کی۔ بڑا جنونی شخص تھا، حالتِ جنوں میں اپنی بیوی کو ہلاک کر ڈالا۔ صالح محمد خان نے اپنے پیچھے ایک لڑکا چھوڑا۔ عبدالرحمٰن خان کا دوسرا بیٹا ذوالفقار خان تھا۔ اس نے ملتان سے ڈیرہ غازی خان ہجرت کی اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ذوالفقار خان نے اپنی لڑکی کی شادی رحمت اللہ خان ولد اعزاز خان کے ساتھ

باب ہفدہم

سلطان حیات خان ولد خداداد خان المعروف سلطان خدکہ سدوزئی خضر خیل کا تذکرہ

جب سلطان حیات خان نے براہ ڈیرہ غازی خان دریائے سندھ عبور کر کے دارالامان ملتان کی جانب سفر اختیار کیا تو اس نے اپنے وکیل کو نواب محمد باقر خان مغل مصبدار ملتان کی طرف روانہ کیا اور ملتان میں سکونت کی اجازت طلب کی۔ ساتھ کے ساتھ ایک وکیل اورنگ زیب شہنشاہِ ہند کے دربار میں بھیجا۔

سلطان حیات خان نے ۱۴ر شوال ۱۰۹۳ھ مطابق ۲۴ر اکتوبر ۱۶۸۲ء دریائے چناب عبور کر کے ملتان میں قدم رکھا۔ نواب اس کے امرأو حکام اور ملتان میں ساکن تمام سدوزئیوں نے دریائے چناب کے کنارے تک آکر مراسم استقبال ادا کئے اور وہ سرکاری اعزاز واکرام کے ساتھ ملتان میں ٹھہرایا گیا۔ ناظم ملتان نے ایک ہزار روپیہ بطریق ضیافت بھجوائے۔ سدوزئیوں نے بھی بار بار اس کی مہمان داری کا حق ادا کیا۔ اگلے روز سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی نواب محمد باقر خان کی قیام گاہ پر حاضری دی اور تحفے کے طور پر ایک عالی نسل گھوڑا مع زینِ سیمیں اور قیمتی کپڑوں کے تھان پیش کئے۔ اس سے اگلے دن نواب محمد باقر خان، سلطان حیات خان کی اقامت گاہ پر حاضر ہوا اور اس نے بھی چند بیش قیمت تحائف پیش کئے۔ جب یہ سارے واقعات شاہ حسین خان لبہ (وفادار خان سدوزئی مودود خیل) نے دیکھے تو وہ جو خاندانی عداوت، پد

جدی، دل میں رکھتا تھا، آتش حسد و رقابت کے سبب جل اٹھا اور سلطان کی یہ قدر و منزلت اسے ایک آنکھ نہ بھائی۔ مگر وہ حالات سے مجبور ہو گیا اور جب اس نے دیکھا کہ صوبیدار ملتان بھی سلطان حیات خان کے خیمے میں آیا ہے تو وہ بھی بحالتِ مجبوری سلطان حیات خان کے یہاں حاضر ہوا۔ اس کی آمد پر سلطان حیات خان نے مسرت کا اظہار کیا اور اس کی عزت و تکریم کی اس لئے کہ وہ خداداد خان کا سگا چچازاد بھائی تھا اور اس طرح رشتے میں سلطان حیات خان کا چچا ہوتا تھا۔ بہر حال ملاقات میں ایک دوسرے کی عزت کا اظہار کیا گیا اور تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا۔ تاہم شاہ حسین خان ابدالی کے دل میں اس قدر کینہ و حسد تھا کہ وہ دوبارہ سلطان کے ڈیرے پر نہ آیا۔ صرف شادی غمی کے مواقع پر رسماً آمدورفت رکھی۔ ورنہ اس کا دل عناد سے بھرا ہی رہا۔ شاہ حسین لاولد فوت ہوا۔ اس کا چھوٹا بھائی اللہ داد خان اس کی حیات ہی میں وفات پا گیا تھا۔ اللہ داد خان کے بیٹے نے جسے مغل حکومت سے وفادار خان ثانی کا خطاب عطا ہوا تھا، اپنے بڑوں کی وفات کے بعد بھی سلطان حیات خان سے گہرے مراسم قائم رکھے۔ ملتان میں آمد کے بعد سال ہجرت ہی کے دوران، ذوالحج ۱۰۹۳ھ مطابق دسمبر ۱۶۸۲ء سلطان حیات خان کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے خیر سگالی کے طور پر ناظم ملتان ہی کے نام اور خواہش پر محمد باقر خان رکھا۔ بیٹے کی ولادت مبارک ثابت ہوئی۔ شہنشاہ ہند اورنگ زیب کی ہدایت پر ناظم ملتان نے ایک لاکھ روپے کی مالیت کے انعامات جن میں خلعت، کلغی، سرپیچ مرصع تلوار مع ساز و سامان مرصع خنجر، تسبیح مروارید، دو اسپ مع زین مرصع، ایک ہاتھی مع ساز، دو عدد اشرفی (پانچ سو تولہ وزن فی اشرفی) اور تیس ہزار روپیہ نقد خزانہ، ملتان سے

ادائی کا حکم صادر کیا اور مالیہ ملتان میں سے دس ہزار روپیہ ماہانہ مقرر کیا گیا۔ مزید ایک ہزار بیگھہ زمین بخشی گئی۔ یہ نوازشات و اکرامات اس شجاعت کے اعتراف میں کی گئیں جو خان نے مغل بادشاہ اورنگ زیب کے ساتھ قلعہ قندھار کے محاصرے کے وقت دکھائی تھی اور قزلباشوں کو شکست فاش دی تھی۔ خان نے اپنا وکیل مغل بادشاہ کے دربار میں بھیجا اور آلوس ابدالی کی خدمات پیش کیں اور عرض کی کہ جو حکم ہو ہم مغلوں کے ساتھ وفاداری کے اظہار کے لئے ہمہ وقت آمادہ ہیں۔ چنانچہ مغل بادشاہ نے خان کی رہائش کے لئے ملتان شہر سے باہر ایک قطعہ زمین عطا کیا۔ جہاں خان نے اپنی کڑی قلعہ تعمیر کرایا۔ مکانات کے ملحق ایک خوبصورت اور عالی شان مسجد تعمیر کرائی۔ کڑی کی دوسری جانب ملازمین کے لئے رہائشی مکانات ہوائے۔ گھوڑوں کے لئے اصطبل تعمیر کرائے جہاں سپاہیوں کے لئے بھی رہائش کا بندوبست کیا گیا۔ کڑی کے اندر ایک دیدہ زیب باغیچہ بھی بنایا۔ ضروریات زندگی کے لیے کڑی میں بازار اور دکانات بھی تعمیر کی گئیں جہاں روزمرہ کی اشیاء مہیا کی گئیں۔ کڑی کے اندر ہر شے مغل حکومت کی جانب سے ''ٹیکس فری'' قرار دی گئی۔ بادشاہ کی جانب سے یہ فرمانِ شاہی جاری ہوا:

(۱) سلطان حیات خان کی کڑی میں کوئی مغل حاکم یا مغل عملہ داخل نہ ہوگا۔

(۲) کڑی کے اندر کے بازار کی دکانیں اور بکنے والے ساز و سامان پر ٹیکس معاف ہوگا۔

(۳) افغانستان کے علاقے صفا کی طرز پر کڑی کے اندر رہائش پذیر لوگوں پر سلطان حیات خان کا حکم، عدالت اور فیصلے جاری و نافذ ہوں گے۔

آلوس ابدالی سے متعلق قضیہ جات سلطان حیات خان طے کرے گا۔ اس کی اپیل ناظم ملتان کے پاس نہ ہو گی۔ یا پٹھانوں کے تنازعات و مقدمات ملتان کا منصب دار اپنی عدالت میں سماعت نہیں کر سکے گا۔

اس طرح سلطان حیات خان ہندوستان میں اقامت پذیر ہوا اور پوری زندگی آرام و اطمینان کی فضا میں بسر کی۔ فتح ہرات کی ہوس دماغ سے نکال دی۔ بعض اوقات احساس راحت کے سبب کہا کرتا تھا کہ افغانستان میں زندگی جنگ و جدل میں گزاری۔ اصل زندگی کا لطف ہندوستان میں حاصل ہوا۔

سلطان حیات کی کڑی کا حدود اربعہ آج کے حساب سے ڈپٹی کمشنر ہاؤس کے چاروں اطراف کا علاقہ جس میں ایس ایس پی اور دیگر پولیس افسران کے گھر بطرف مشرق محکمہ انہار کے دفاتر، افسروں کی رہائش گاہیں، سب شامل ہیں۔ حتیٰ کہ بطرف جنوب ریڈیو پاکستان کا علاقہ اس میں شامل تھا۔ ڈپٹی کمشنر کے گھر میں تعمیر شدہ مسجد اس کی یادگار کا ایک نمونہ ہے۔ بطرف شمال نشتر کالج تک کڑی کی حدود تھیں۔

سلطان حیات خان کے سب سے بڑے بیٹے کا نام عبداللہ خان تھا جو افغانستان میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی شادی زمان خان کی ہمشیرہ کے ساتھ یعنی احمد شاہ درددران کی حقیقی پھپھی کے ساتھ ہوئی۔ سلطان حیات خان کی ایک بیٹی رضیہ نامی تھی۔ اس کا رشتہ خان نے عظمت خان ولد صحبت خان سدوزئی بہادر خیل سے کیا لیکن اس کے بطن سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ خان کے دوسرے بیٹے باقر خان کے جوان ہونے پر اس کی نسبت لشکر خان سدوزئی ولد اللہ داد خان سدوزئی مودود خیل سے طے کی چنانچہ یہ شادی نہایت دھوم دھام سے منعقد

ہوئی۔ شادی کے کچھ عرصے بعد وہ فوت ہو گئی تو محمد باقر خان کی دوسری شادی لشکر خان کی دوسری بیٹی سے کر دی گئی۔ اس رشتے کے وسیلے سے مودود خیل اور خضر خیل خاندانوں کے درمیان خاندانی رنجشوں کو ختم کرنا مقصود تھا۔ چنانچہ ہر دو خانوادوں میں محبت و یگانگت کا رشتہ استوار ہو گیا اور آسودگی و اطمینان کی فضا قائم ہو گئی۔

قندھار پر حملہ اور آلوس ابدالی، خصوصاً سدوزئی تمن کا:

اورنگ زیب کے عہد حکومت میں جب کہ شہزادہ معظم شاہ عالم بہادر صوبہ کابل کا منصب دار تھا تو اس کے بیٹے شہزادہ معزالدین کو اورنگ زیب نے ملتان کا صوبیدار مقرر کیا اور مہم قندھار کا سپہ سالار متعین کر دیا۔ فرمانِ شاہی جاری ہوا کہ آلوس ابدالی کا سربراہ سلطان حیات خان سدوزئی اپنے لشکر افاغنہ کے ساتھ ہمراہی اختیار کرے۔ سلطان نے اپنے بڑے بیٹے عبداللہ خان کو منادی کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ ایک لشکر افاغنہ جمع کر کے شہزادہ معزالدین کے ہمراہ مہم قندھار پر روانہ ہو۔ چنانچہ شہزادہ ملتان سے مغل فوج کے ساتھ روانہ ہوا تو آلوس ابدالی کا لشکر بھی عبداللہ خان کی سربراہی میں ہمراہ تھا۔ جب یہ لشکر درہند ہند سے گزر کر علاقہ غیر کے افغانوں میں وارد ہوا تو مختیار خان افغان سرنی نے جو وہاں کا سردار تھا، بربنائے جہالت مغل لشکر کو روکا۔ شہزادہ معزالدین نے سلطان حیات خان کو ملتان سے طلب کیا کہ مختیار خان کو فہمائش کی جائے۔ چنانچہ طرفین میں ملاقات ہوئی۔ اسے لاکھ سمجھایا لیکن وہ نہ مانا۔ ان گفتگو کی ناکامی کے بعد معزالدین نے ایک فوجی دستہ مختیار خان کی سرکوبی کے خیال سے بھیجا۔ دونوں کے درمیان معرکہ ہوا۔ مختیار خان نے مغل لشکر کو مار

گیا۔ اس پر سلطان حیات خان نہایت برہم ہوا اور اپنے دو تین سو افغان
لشکریوں کے ساتھ مختیار خان پر حملہ آور ہوا اور جوہر شجاعت دکھاتے ہوئے
کمال دلیری سے مقابلہ کیا اور اسے شکست دی۔ مختیار خان لڑائی کے دوران مارا
گیا۔ مختیار خان کا سر کاٹ کر معزالدین کے روبرو پیش کیا گیا۔ جس پر شہزادہ
نہایت شادمان ہوا۔ شہزادے نے سلطان حیات خان کو بہت سے انعامات و
اکرامات سے نوازا۔ عمدہ قیمتی ملبوسات، ہتھیار، اسپ خاص مع زین، جس پر وہ
خود سواری کرتا تھا، ایسا لباس جو خود زیب تن کرتا تھا جس کی قیمت پچاس ہزار
روپے تھی۔ یہ سب کچھ عطا کیا۔ سلطان حیات خان کی شجاعت کی دھوم مچ گئی۔
اس کی شجاعت اور فن حرب پر ہر طرف قصیدے لکھے گئے۔ اس واقعے کے بعد
مغل لشکر وہاں سے ڈھاڈر کی سمت روانہ ہوا۔ اسی دوران میں اورنگ زیب کی
جانب سے حکم نامہ پہنچا کہ امسال قندھار پر حملہ موقوف کر کے واپس آجاؤ۔
شہزادہ مع سلطان حیات خان ملتان لوٹ آیا۔ ملتان میں شہزادے کے دور
منصب داری میں اس کے تعلقات سلطان حیات خان سے بہت گہرے ہوگئے
اور مراسم دوستی استوار ہوگئے۔ شہزادہ صاحب علم اور ادب ذوق تھا۔ اسے شاہ
نامہ فردوسی پڑھنے اور سننے کا بہت شوق تھا۔ دوسری جانب سلطان حیات خان
بھی ادبی ذوق سے بہرہ مند تھا چنانچہ دونوں کی محبت اور صحبت روز افزوں ہوتی
چلی گئی۔

۱۱۱۸ھ مطابق ۱۷۰۷ء جب کہ اورنگ زیب تسخیر دکن کی مہم میں
مصروف تھا اور رحلت کر گیا تو اس وقت اس کا بڑا بیٹا معظم شاہ عالم بہادر مصبدار
کابل تھا۔ باپ کی خبر کی رحلت سن کر وہ عازم دہلی ہوا اور اس نے اپنے بیٹے شہزادہ

معزالدین منصب دار ملتان کو ہدایت کی کہ مع لشکر لاہور پہنچو تاکہ باہم سفر دہلی اختیار کریں۔ شہزادہ معزالدین نے سلطان حیات خان سے اپنے ہمراہی کے لئے کہا۔ سلطان حیات خان نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ یہ اورنگ زیب کے خاندان کی جنگ تخت نشینی ہے جو بادشاہ بنے گا ہم اس کی اطاعت کریں گے۔ شہزادہ معزالدین آزردہ خاطر ہوکر لاہور روانہ ہوا اور لاہور میں اپنے باپ سے آلوس ابدالی کے روّیے کی شکایت کی۔ جب اس جنگ تخت نشینی کے نتیجے میں بالآخر محمد معظم شاہ عالم بہادر جیت گیا تو شہزادہ معزالدین نے ملتان سے آلوس ابدالیوں کی شکایت گزاری اور استدعا کی کہ ان سب کو منصب سے محروم کردیا جائے کیونکہ انہوں نے آزمائش کی گھڑی اور مشکل لمحات میں ہماری مدد نہیں کی۔ آلوس ابدالی یہ خطرہ بھانپ گئے، وہ مجتمع ہوئے اور انہوں نے دربار شاہی دہلی میں اپنے وکیل بھیجے۔ جب وکیلوں نے استدعا کی اور یقین دہانی کرائی کہ ہم سب آپ کے اطاعت گزار ہیں تو محمد معظم شاہ عالم بہادر نے آلوس ابدالی کو معاف کردیا اور حسبِ سابق ان کے مناصب اور جاگیریں بحال رکھیں۔

۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۱۲ء میں شاہ عالم بہادر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا معزالدین تخت نشین ہوا۔ اس نے جہاندار شاہ، لقب اختیار کیا۔ آلوس ابدالیوں کو تشویش ہوئی کہ کہیں وہ زیرِ عتاب نہ آجائیں اور ان کے وظائف اور جاگیریں ضبط نہ ہوجائیں۔ ان کی تشویش دیکھ کر سلطان حیات خان نے دلّی جانے کا عزم کیا مگر اس کے بیٹوں اور دیگر سرکردہ افراد تمن زئی نے اسے دلّی جانے سے روک دیا۔ مغلوں کے آثار زوال نظر آنے لگے تھے اور محلاتی سازشیں عروج پر تھیں۔ سادات بارہہ سے متعلق سید عبداللہ اور سید حسین علی سے بعض متعلقین

ھاگ کر حدودِ ملتان میں وارد ہوئے۔ انہوں نے خان کی خدمت میں اپنے وکیل بھیج اور چند اونٹوں کی درخواست کی۔ سلطان حیات خان نے فوراً اسبابِ سفر کے طور پر اونٹ، خیمہ جات، فرشی قالین، تانبے کے برتن، امیرانہ پوشاک و لبوسات، دیگر سامان مع کچھ نقد رقم بھجوادئے۔ خان کی اس عنایت پر وہ نہایت ممنونِ احسان ہوئے۔

جب سادات بارہہ کے یہ متعلقین الہ آباد اور عظیم آباد پہنچے تو انہوں نے خان کی بہت تعریف و توصیف کی۔ یہ لوگ شہزادہ فرخ سیر بن عظیم الشان بن بہادر شاہ کے پاس بنگال پہنچے اور ایک لشکر ترتیب دے کر معزالدین جہاندار شاہ کے سر پر آن پہنچے۔ جنگ برپا ہوئی جس میں فرخ سیر نے فتح پائی۔ وہ دلی میں فاتحانہ شان سے داخل ہوا اور اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا گیا۔ سادات بارہہ کے سید عبداللہ کو فیروز جنگ بہادر کا خطاب عطا ہوا۔ سید حسین علی کو سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ گویا ایک بھائی کے پاس وزارت، دوسرے کے پاس فوج کی کمان۔ اس خوشی میں اعلان کیا گیا کہ سلطان حیات خان کا کوئی وکیل ملتان سے دلی میں موجود ہو تو حاضر ہو۔ سلطان کا وکیل ڈر کے سبب پوشیدہ ہو گیا۔ اس کی بجائے ملا سعداللہ تاجر ملتانی پیش ہوا اور کہا بندہ سلطان حیات خان کا وکیل ہے۔ اس موقع پر سادات بارہہ نے سلطان حیات خان کے نام جاگیر کر دی۔ ایک ہزار ذات اور سوار کا منصب عطا کیا اور فرمانِ شاہی میں درج کر دیا گیا کہ یہ جاگیر اور منصب بطور وراثت چلے گی جیسے کہ مغل خاندان کے افراد میں رواج تھا، مزید ایک خط جاری کیا کہ جب سلطان حیات خان بذات خود دلی آئے گا تو اس کو پانچ ہزار ذات و سوار کا منصب دیا جائے گا۔ ملا سعداللہ اسی وقت تیار ہو کر

بادِ صبا کی رفتار سے داخل ملتان ہوا اور سلطان حیات خان کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے خوشخبری سنائی۔ خان کے تمام وابستگان نہایت خوش ہوئے سب نے متفق رائے دی کہ خان کو دار الخلافہ ضرور جانا چاہیئے۔ لیکن سلطان حیات خان نے کہا کہ اگر وزیر سلطنت مغلیہ یہ نہ کہتا کہ پانچ ہزار روپے منصب ذات و سوار سلطان حیات خان کی حاضری کی صورت میں دیا جانا مقصود ہے تو میں ضرور حاضری دیتا، مگر اب یہ لالچ پانچ ہزاری کا ہے۔ تمن آلوس لبدالی کہیں گے کہ سلطان روپے پیسے اور منصب کی ہوس میں دلّی گیا ہے۔ میں اس عمر میں جبکہ سفید ریش ہوں اپنے آپ کو حرصِ دنیاوی سے بے تعلق رکھنا چاہتا ہوں۔ جو جاگیر و منصب ملا ہے اس پر مطمئن اور قانع ہوں۔ جو قسمت میں ہے، تمہیں مل جائے گا۔ تب یہ مصرع پڑھا

ع　　مرد چوں پیر شود حرصِ جواں می گردد

نواب زاہد خان ولد نواب عابد خان :

نواب عابد خان کی وفات کے بعد اس کا لائق و فائق اور مدبر و منتظم بیٹا زاہد خان تمن مودود خیل سدوزئی کی سرداری کے لئے منتخب ہوا۔ چنانچہ تمام لوگ قلعۂ سلطان حیات خان میں اکٹھے ہوئے اور سلطان حیات خان اپنے دست مبارک سے اس کی دستار بندی کی۔ زاہد خان نے استدعا کی کہ اسے ایک سفارشی خط لکھ کر دیا جائے کہ وہ دلّی جا کر سادات بارہہ سے خصوصاً سید عبداللہ خان اور سید حسن خان سے ملاقات کر کے اپنے لئے منصب حاصل کرے۔ سلطان نے اسے نامہ لکھ دیا۔ زاہد خان دلّی پہنچا اور وہاں سے منصب چند ذات و سوار کی جاگیر حاصل کرنے میں کامیاب ہو کر ملتان واپس آگیا۔

فتح اللہ خان سدوزئی کامران خیل کا واقعہ :

فتح اللہ خان سدوزئی کامران خیل زاہد خان کا سالا تھا، کسی بات پر رستم
علیزئی سے اس کا جھگڑا ہو گیا۔ دونوں دست و گریبان ہو گئے۔ فتح اللہ خان
ضعیف تھا۔ رستم خان علیزئی نے اس کو نیچے گرا دیا اور اس کی ناک پر اس
مکا مارا کہ ناک کے نچلے حصے کا ٹکڑا اڑ گیا۔ تمام سدوزئی جمع ہو گئے زاہد خان
معاملے کو طے کرنے کی بے حد کوشش کی لیکن مضروب کے لواحقین راضی
۔اس دوران سلطان حیات خان شکار پر گیا ہوا تھا۔ واپسی پر مقدمہ اس کے
پیش ہوا۔ اس نے اپنے غلام بلال کو حکم دیا کہ رستم خان علیزئی کو گرفتار کر
یش کرے۔ غلام، رستم خان کے سر پر بندوق رکھ کر اسے خان کے پاس
یا۔ خان نے تمام سدوزئیوں کو جمع کر کے کہا کہ جس قدر ناک کا نچلا حصہ
رخان کا مکا مارنے سے اڑ گیا تھا، اسی قدر چھری سے کاٹ لو۔ سدوزئی اس
خوش ہو گئے اور انہوں نے اس کی تمام ناک کاٹ دی۔ جب خان کو خبر
وہ بہت خفا ہوا۔ اس واقعے کے بعد رستم علی خان ملتان چھوڑ کر چلا گیا۔

سین غلزئی حاکم قندھار کا ڈیرہ غازی خان پر حملہ :

شاہ حسین غلزئی حاکم قندھار نے ڈیرہ غازی خان پر حملہ کیا اور غاز
کست دے کر ڈیرے پر قبضہ کر لیا۔ غازی خان شکست کھا کر صوبیدا
ے پاس آیا اور طالبِ امداد ہوا۔ اسی دوران شاہ حسین غلزئی نے سلطان
ن کو خط لکھا اور افغانستان میں افغانوں کی حکومت کے قیام کا ذکر کیا۔
لطان حیات خان نے اپنا وکیل شاہ حسین غلزئی کی جانب بھیجا اور

افغانوں کی حکومت اور کامیابی پر مبارکباد دی۔ چند تھان ملبوسات کے بھی
سلطان حیات خان کی طرف سے ارسال کئے گئے۔

سلطان حیات خان نے ۲۷ رمضان المبارک ۱۱۴۱ھ مطابق
۱۵ اپریل ۱۷۲۹ء ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنے باغ میں دفن
ہوا۔ ☆ سلطان حیات خان کی سکونت وہاں تھی جہاں اب ڈپٹی کمشنر کا بنگلہ ہے
کڑی سلطان حیات خان یا قلعہ جو تعمیر کیا گیا تھا وہ اس سکونت گاہ کے چاروں
اطراف تقریباً ایک ایک میل تک پھیلا ہوا تھا۔ ڈپٹی کمشنر کے گھر میں جو
موجود ہے وہ سلطان حیات خان نے اپنی زندگی میں خود تعمیر کرائی تھی۔

اولاد سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی :

سلطان حیات خان کی وفات کی خبر کو اس کے چھوٹے بیٹے نواز
عبدالعزیز خان نے اس وقت تک پوشیدہ رکھا جب تک کہ رات کے اندھیرے
میں توشہ خانے کا سامان اٹھا کر اپنے گھر نہ لے گیا اور اگلے دن علی الصباح اس
وفات کو مشتہر کیا۔ خان کے تمام فرزند اور پوتے حاضر ہوئے۔ جنازہ اٹھایا
خان کو خان کے باغیچے میں دفن کر دیا گیا۔ قبر پر باقاعدہ چولی بنگلہ بنا
۱۱۷۸ھ مطابق ۱۷۶۴ء میں سکھوں نے کڑی سلطان حیات خان کو غارت
اور بنگلے کو آگ لگا دی۔ اس واقعے کے بعد خان کے مقبرے کی چاردیواری
تعمیر کر دی گئی۔ وفات کے وقت خان کی عمر ۸۲ سال تھی۔ اس کے

☆ ملتان کے سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس والے چوک کے قریب پٹرول پمپ سے ملحق
خدکہ سدوزئی میں سلطان حیات خان اور اس کے خاندان کے افراد مدفون ہیں۔ یہ قبرستان
خاندانِ خدکہ سدوزئی کی ملکیت ہے۔

ھے، سب سے بڑا بیٹا عبداللہ خان تھا اس کی والدہ مغل گھرانے سے تھی۔
بداللہ خان بچہ تھا کہ اس کی والدہ فوت ہوگئی۔ خان کا دوسرا بیٹا محمد باقر خان تھا،
رباقر خان کی والدہ نے عبداللہ خان کو اپنے فرزند کی طرح پالا۔ ہر کوئی یہی
ان کرتا تھا کہ عبداللہ خان اور محمد باقر خان حقیقی بھائی ہیں، عبداللہ خان کو اللہ
نے بہت عزت دی۔ وہ سلطان کی حیات ہی میں ملتان سے ہرات چلا گیا تھا اس
نے ایرانیوں کے ساتھ جنگیں لڑیں اور بالآخر ۱۷۱۲ء میں ہرات پر قبضہ کر کے
ی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ وہ دس سال تک ہرات، صفا، فرح اور اس کے
ب و جوار کے علاقوں کا حکمران رہا۔ ابدالیوں میں خانہ جنگی نے زور پکڑا جس
، نتیجے میں ۱۷۲۲ء میں دشمنوں نے سلطان عبداللہ خان خدکہ سدوزئی کو
ضہ باغ ہرات میں قتل کر دیا۔ اسے وہیں دفن کر دیا گیا۔ اس طرح سلطان
ت خان کو زندگی میں اپنے بیٹے کے عروج و زوال کے مناظر دیکھنے پڑے۔

محمد باقر خان کی پیدائش ۱۰۹۳ھ مطابق ۱۶۸۲ء ملتان میں ہوئی۔ یہ
ان حیات خان کا جانبِ ملتان سالِ ہجرت تھا۔ اس کی والدہ آلوس الکوزئی کے
۔ رئیس عبدالکریم خان الکوزئی کی دختر تھی۔ عبدالکریم خان کا پسر مرتضیٰ
ا عہدِ احمد شاہ میں عرض بیگی کے منصب پر فائز تھا۔ مرتضیٰ خان کا بیٹا دین محمد
بھی باپ کی طرح معزز سردار تھا۔ سلطان حیات خان نے ہندوستان میں
ہونے کے بعد ایک ہندوستانی عورت کو اپنے حرم میں شامل کر لیا۔ جس
ن سے ۱۱۰۱ھ مطابق ۱۶۸۹ء میں تیسرا بیٹا مقرب خان پیدا ہوا۔ خان اس
کے عشق میں اتنا مبتلا ہوا کہ اس نے محمد باقر خان اور اس کی ماں سے ... ی
کر لیا۔ جب باقر خان نے عہدِ جوانی میں قدم رکھا تو باپ سے اس کے

تعلقات کشیدہ رہنے لگے۔ جب باقر خان کی شادی لشکر خان مودود خیل کی د
سے ہوئی تو وہ لشکر خان سے قریب تر ہو گیا۔ کچھ سال بعد خان نے ایک اور
خاندان کی عورت سے شادی کرلی۔ اس کے بطن سے چوتھا بیٹا عبدالعزیز خا
۱۱۰۷ھ مطابق ۱۶۹۵ء میں پیدا ہوا۔ سلطان حیات خان کی یہ عالمِ پیری
شادی رنگ لائی وہ خان عبدالعزیز خان کی والدہ سے اس قدر وابستہ ہوا کہ ج
عبدالعزیز خان جوان ہوا تو والدہ کے سبب باپ کی دولت کے بیشتر حصے پر اس
حیات ہی میں قابض ہو گیا۔

محمد باقر خان المعروف سردار خان خدکہ سدوزئی :

سلطان حیات خان کی وفات کے بعد محمد باقر خان خدکہ سدوزئی
برادری کی اتفاقِ رائے کے ساتھ مسندِ سرداری پر رونق افروز ہوا۔ سلط
حیات خان نے جو عمارت عبدالعزیز خان کی والدہ کے لئے تعمیر کی تھی اس
قابض اور سکونت پذیر ہو گیا۔ تمام آلو سِ ابدالی سلطان حیات خان کی تعزیت
فاتحہ کے لئے پہلے باقر خان کے پاس بڑی رہائش گاہ میں آتے، اس کے
عبدالعزیز خان کے یہاں جاتے۔ تیسرے دن فاتحہ خوانی کی رسوم سے فارغ
کر محمد باقر خان کو سلطان حیات خان کی مسند پر باقاعدہ بٹھایا گیا اور سردار خ
لقب دیا گیا۔ اب ان دونوں کے درمیان جائیداد کا تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ہم
ذکر کر چکے ہیں کہ عبدالعزیز خان کی والدہ خان کی چوتھی بیوی تھی۔ بڑھا
شادی کے سبب عبدالعزیز خان نے اس کے لئے جو علیحدہ مکان تعمیر کرا
سارا وقت وہیں گزارتا تھا اور عبدالعزیز خان سے بہت پیار کرتا تھا۔ و
آہستہ جائیداد کا بیشتر حصہ اپنی مہر ثبت کر کے عبدالعزیز خان کے نام

کرنے لگا اور بیشتر روپیہ بھی اسے دینے لگا تھا۔ سلطان حیات خان کی وفات پر اسلام کے مطابق تینوں بیٹوں کے درمیان تقسیم کرنے کا مسئلہ پیدا ہوا۔ یہ مقدمہ مفتیٔ اسلام اور قاضی کے روبرو پیش ہوا۔ مقدمے نے طوالت اختیار کی۔ عبدالعزیز خان نے اس مقدمے پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا۔ ملتان کے مغل دور کے حکام نے سکوت اختیار کر لیا۔ آخر مقدمہ صوبہ دارِ وقت کی عدالت میں پہنچا۔ اس نے دونوں بھائیوں کو طلب کر کے کہا کہ میں آپ کا قضیہ دہلی بادشاہ کے پاس بھجوا رہا ہوں۔ وہاں سے رجوع کریں اور فیصلہ لیں۔ محمد باقر خان نے اس رائے سے اتفاق کیا لیکن عبدالعزیز خان نے کہا، میرے پاس پیسہ بھی ہے اور میں بیشتر جاگیر پر بھی متصرف ہوں۔ مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ دوسروں سے فیصلہ کراؤں۔ جسے ضرورت ہے وہ ایسا کرے۔ مجھے طلب کیا جائے گا تو میں حاضر ہوں۔ دریں حالات باقر خان نے دہلی کا رخ کیا۔ اس وقت مغل بادشاہ محمد شاہ کی حکومت تھی۔ اس تنازعے میں مقرب خان نے اپنے بڑے بھائی کا ساتھ دیا اور اپنے بیٹے محمد زمان خان کو دہلی روانہ کر دیا۔ حالات سے مجبور ہو کر عبدالعزیز خان نے اپنا وکیل دہلی روانہ کیا۔ باقر خان نے دہلی پہنچ کر شاہی عہدہ داروں سے تبادلۂ خیالات کیا اور انہیں بتایا کہ والد کی زندگی میں بڑا بیٹا عبداللہ خان ہرات میں حاکم تھا۔ وہ دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ والد کی وفات کے وقت تین بیٹے حیات ہیں اور جائیداد میں برابر کے حق دار ہیں۔ مگر چھوٹے بیٹے نے جائیداد کا بیشتر حصہ تملیک کرا رکھا ہے۔ جس پر کوئی گواہ نہیں ہے کیوں کہ باپ کا ربط و ضبط عبدالعزیز خان کے ساتھ تھا اور بہ سببِ پیری باپ کی مہر عبدالعزیز خان کی تحویل میں تھی۔ اس لئے ہمارا موقف اور دعویٰ یہ ہے کہ اس

نے دعوائے تملیک جھوٹا تیار کیا ہے اور باپ کی مہر فرضی لگائی ہے۔ عبدالعزیز خان کے وکیل نے تملیک کو درست اور برحق ثابت کرنے کے حق میں دلیل دی۔ تمام مقدمے کی سماعت کے بعد مغل بادشاہ نے شرعِ اسلام کے مطابق تمام جائیداد کی تقسیم کا حکم صادر کیا۔ ساتھ ہی محمد باقر خان کو خاندان خدکہ سدوزئی کا سردار تسلیم کرتے ہوئے سردار خان کا خطاب مرحمت کیا۔ اس کے علاوہ مقرب خان کے بیٹے زمان خان کو ابدالی خان کا خطاب عطا کیا۔ دونوں کو یک صد گھڑ سوار کا منصب بھی بخشا گیا۔ اس طرح یہ دربارِ شاہی سے کامیاب و سرفراز ہو کر واردِ ملتان ہوئے۔ تمام روداد شاہی فرمان کی صورت میں لکھ کر صوبہ دار ملتان کو بھجوادی گئی تاکہ اس پر عمل درآمد کیا جائے اور اس کی نقل محمد باقر خان اور عبدالعزیز خان کے حوالے کردی گئی۔ محمد باقر خان نے از راہِ شفقت اپنے بڑے بھائی عبداللہ خان مرحوم کی اولاد محمد خان اور اللہ یار خان وغیرہ کو بھی اپنی جاگیر میں سے کچھ نہ کچھ حصہ دے دیا لیکن عبدالعزیز خان نے ایسا نہ کیا۔ ایک دن محمد خان نے اچانک اپنے چچا عبدالعزیز خان پر خنجر سے حملہ کر دیا۔ مگر عبدالعزیز خان نے بھاگ کر حرم سرا میں پناہ لی۔ اس کا بھائی اللہ یار خان ساتھ تھا۔ اس نے محمد خان کو پکڑ لیا۔ محمد خان اس قدر غضب ناک تھا کہ اس نے اپنے پیٹ میں خنجر اتار لیا۔ بہر حال اسے زخمی حالت میں اٹھا کر لے گئے اور جراح سے اس کا علاج معالجہ کرایا۔ حالات کی نزاکت دیکھ کر کچھ بزرگ اور خاندان کی خواتین درمیان آئیں اور مفاہمت کے جذبے سے گفتگو کر کے عبدالعزیز خان اور اس کے بھتیجوں محمد یار خان اور اللہ یار خان کے مابین مصالحت کرادی اور انہیں سمجھایا کہ یہ ترکہ تو بزرگوں کا ہے۔ تم کیوں خون خرابہ کر

ہو۔ اس طرح تمام خانوادے کے افراد مجتمع ہوئے اور عبداللہ خان مرحوم کی اولاد کو حصہ ادا کرنے کے بعد سب سے باہم صلح کرلی کیونکہ اب معاملہ نہایت نازک صورت اختیار کر چکا تھا۔ اس کے باوجود عبدالعزیز خان کے حصے میں لاکھوں کی جائیداد کے علاوہ پچاس لاکھ نقدی اشرفیاں، سونا چاندی اور ہیرے جواہرات وغیرہ آئے۔ لوگ اسے عبدالعزیز کی بجائے ''دولت عزیز خان'' کہتے تھے۔

اس کے بعد محمد باقر خان، مقرب خان، محمد خان، اللہ یار خان وغیرہ راحت واطمینان سے زندگی گزارنے لگے۔ مگر عبدالعزیز خان جو جائیداد کے ساتھ ساتھ حکومت کا شیدائی بھی تھا۔ دہلی جا پہنچا اور وہاں مغل شاہی عہدہ داروں سے تعلقات گانٹھ کر مغل بادشاہ سے ہفت ہزاری منصب لینے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ منصب اس سے قبل یا بعد میں کسی سدوزئی کو نصیب نہیں ہوا۔

محمد باقر خان چوں کہ لشکر خان کی بیٹی کا شوہر تھا، اس لئے اس نے مودود خیل والوں سے بہت مراسم استوار کئے۔ اسی طرح اشرف خان اپنے سالے سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اسی طرح عظمت خان ولد صحبت خان بہادر خیل سے بھی گہری دوستی تھی۔ زاہد خان سے بھی جو بعد میں ناظم ملتان مقرر ہوا پائیدار تعلقات تھے اور بے حد محبت تھی۔ جب زاہد خان کو روپے پیسے کی احتیاج ہوتی تو وہ باقر خان سے حاصل کر لیتا تھا۔ ایک موقع پر زاہد خان سے باقر خان نے بارہ ہزار روپے کی رقم بطور قرض طلب کی اور ایک کاغذ پر رسید لکھ کر بھجوادی کہ یہ رقم واجب الادا ہے۔ اس پر باقر خان کو غصہ آگیا اس نے رسید چاک کردی اور ناراضی کا اظہار کیا۔ زاہد خان اس واقعہ کی اطلاع ملنے پر اس کے ڈیرے پر پہنچا اور معذرت چاہی۔

ولو مل:

ولو مل محمد باقر خان کا جائیداد کا منشی تھا۔ ساٹھ روپے ماہانہ پاتا تھا۔ اس کے بیٹے کوڑا مل نے خان کے ڈیرے پر پرورش پائی۔ اس کا بھی پندرہ روپیہ ماہانہ مقرر تھا۔ بعد میں کوڑا مل نے لاہور کا رخ کیا اور نواب عبدالصمد خان دلیر جنگ کی ملازمت اختیار کر لی۔ نواب کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں کا ملازم ہو گیا۔ لاہور کے احوال سے بخوبی شناسائی حاصل کر لی۔ جب احمد شاہ درددران نے لاہور پر حملہ کیا اور شاہ نواز خان کو شکست ہوئی تو یہ بھاگ کر وزیر قمر الدین سے جا ملا۔ جب افغان بادشاہ کو وزیر قمر الدین کے مقابلے میں ہزیمت اٹھانی پڑی اور اس کے بعد معین الملک کو پنجاب اور ملتان کا صوبہ دار مقرر کیا گیا تو کوڑا مل اس کے ہمراہ لاہور پہنچا۔ معین الملک نے کوڑا مل کو ملتان پر لشکر کشی کا حکم دیا۔ اسے دیوان اور مہاراجہ کا خطاب بھی حاصل ہو چکا تھا۔ اس نے ایک نامور سردار کے طور پر ملتان کا رخ کیا۔ نواب زاہد خان کا عالم پیری تھا، تاہم اس نے اپنا لشکر ترتیب دیا، معرکہ برپا ہوا۔ زاہد خان کو شکست ہوئی۔ وہ سیت پور بھاگ گیا۔ کوڑا مل کو فتح حاصل ہوئی۔ تمام خوانین، خصوصاً مودود خیل تمن کے افراد محمد باقر خان کی کڑی میں پناہ گزین ہو گئے۔ عبدالعزیز خان نے جو باقر خان اور زاہد خان سے مخالفت رکھتا تھا، کوڑا مل سے ملاقات کی اسے چند لاکھ روپے بطور رشوت پیش کئے اور عرض کی کہ وہ مغل صوبہ دار سے اسے ملتان کی نائب نظامت کا پروانہ دلائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور کوڑا مل کی کوشش سے اسے نظامت ملتان کے احکام مل گئے۔ دریں اثنا کوڑا مل نے مودود خیل تمن کے افراد گرفتاری کا حکم دے دیا اور ایک دستہ گھڑ سواروں کا، کڑی باقر خان بھجوا

محمد باقر خان نے بڑھاپے کے باوجود مودود خیل تمن کے افراد کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور خاندانِ سدوزئی کی خاطر خود اس کے پاس قلعہ کہنہ میں اس کی رہائش گاہ پر پہنچا۔ کوڑامل کو اس کی آمد کی اطلاع ملی تو اس کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا اس نے تمام آدابِ شاہی کو بالائے طاق رکھا اور خود نواب کے استقبال کے لئے بیرونی دروازے تک آیا اور نواب کو عزت واحترام کے ساتھ اندرون نشست گاہ تک لے گیا۔ اپنے پہلو میں بٹھایا اور پوری خاطر مدارات کی۔ جب نواب نے مودود خیل تمن کے افراد کا ذکر کیا تو اس نے کہا کہ آپ کی تشریف آوری میرے لیے مقامِ عزت ہے۔ میری جانب سے ان تمام افراد کو عام معافی ہے۔ اس نے عبدالعزیز خان کو تنبیہ کی کہ مجھے باقر خان کی جانب سے کوئی شکوہ شکایت نہ پہنچے۔ جب نواب واپس جانے لگا تو کوڑامل نے یک صد اشرفیاں بطور نذرانہ پیش کیں۔ ملتان کے خواص و عوام نواب کے اس رعب و دبدبہ سے حیران رہ گئے۔ یہ واقعہ ۱۱۶۱ھ مطابق ۱۷۴۸ء میں پیش آیا۔

جب ۱۱۶۲ھ مطابق ۱۷۴۹ء میں احمد شاہ دردران ہندوستان سے واپسی پر ملتان سے گزرا اور دریائے چناب کے کنارے خیمہ زن ہوا تو خوانین برائے ملاقات حاضر ہوئے اور اس اہم واقعے کا ذکر کیا۔ احمد شاہ نے استفسار کیا کہ کیا باقر خان کی اولاد میں سے کوئی موجود ہے۔ نواب کے دو بیٹے سعید خان اور لطف اللہ خان حاضر تھے، وہ پیش ہوئے۔ بادشاہ نے کمال شفقت کا اظہار کیا۔ انہیں اپنے ساتھ بٹھایا۔ دورانِ گفتگو بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ ملک امیر سدو کے سوغات میں آپ کی تحویل میں کیا کیا شے موجود ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ امیر سدو کی شمشیر خان مودود نے لے لی تھی جو اب اس کی اولاد کے

پاس ہے یعنی نواب زاہد خان کی تحویل میں ہے۔ امیر سدو کی دستار سلطان حیات
خان نے اپنی زندگی میں سلطان عبداللہ خان کو عطا کر دی تھی اور وہ حکومتِ
ہرات کے دوران اسے بڑے فخر سے زیبِ سر کیا کرتا تھا۔ البتہ ہرات میں اس
کی شہادت کے بعد وہ گم ہو گئی۔ احمد شاہ درددران نے ان کے بارہ ہزار روپیہ رقم
ضیافت اور آٹھ ہزار روپیہ سالانہ ڈیرہ غازی خان کے مالیے میں سے ادائی کا
پروانہ لکھ کر عزت سے انہیں رخصت کیا۔ محمد باقر خان کو سلام کہلوایا اور دیگر
سدوزئیوں کو بھی انعامات دے کر رخصت کیا۔ محمد باقر خان خدکہ سدوزئی کا
انتقال ۱۶/ ذی الحج ۱۱۷۳ھ مطابق ستمبر ۱۷۵۹ء میں ہوا۔ وہ اپنے والد کے
پہلو میں دفن ہوا۔ اس کی وفات بعمر اسّی سال ہوئی۔

اولاد محمد باقر خان :

محمد باقر خان نے لشکر خان مودود خیل کی دختر سے شادی کی۔ اس کے
بطن سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ محمد سعید خان، لطف اللہ خان،
دلیر خان، محمد شریف خان اور محمد شاہ خان لڑکوں کے نام ہیں۔ دلیر خان باپ ہی
کی زندگی میں دو سال اور چند ماہ قبل، ۱۹/ شعبان ۱۱۷۱ھ مطابق مئی ۱۷۵۷ء
میں وفات پا گیا۔ دلیر خان غیر شادی شدہ تھا۔ سب سے چھوٹا لڑکا محمد شاہ خان
باپ کی وفات سے چھ ماہ پہلے ۱۱/ جمادی الثانی ۱۱۷۳ھ مطابق مارچ ۱۷۵۹ء کو
فوت ہو گیا۔ یہ بھی غیر شادی شدہ تھا۔ دونوں سلطان حیات خان کے قبرستان
میں مدفون ہیں۔ محمد شاہ خان بڑا جوانمرد، حسین و جمیل اور سخی طبیعت تھا۔ لوگ
اسی بنا پر اسے ''بادشاہ'' کہتے تھے۔ اس کی بہادری کی ایک مثال یہ ہے کہ جب
دیوان کوڑامل عازمِ لاہور ہوا تو محمد باقر خان نے محمد شاہ خان کو اس کے ہمراہ

دیا۔ راستے میں کچھ لوگوں نے دیوان کوڑامل پر حملہ کر دیا۔اس نے نہایت دلاوری اور شجاعت کے ساتھ تن تنہا بے شمار لوگوں کو ڈھیر کر دیا۔ باقی پسپا ہو گئے۔ دیوان اس کی بہادری سے بہت متاثر ہوا اور اس کا منہ چوم لیا۔ محمد شاہ خان ماہر شکاری بھی تھا۔ ایک مرتبہ شکار کو گیا اور دورانِ شکار ہی فوت ہو گیا۔ خان کے دل پر اس کی مرگِ ناگہانی کا بہت صدمہ گزرا۔ ضعیفی اور ناتوانی، صدمہ جانکاہ ثابت ہوا، چھ ماہ بعد خود بھی چل بسا۔

محمد سعید خان :

محمد باقر خان سدوزئی کی وفات کے بعد اس کا بڑا لڑکا سعید خان آلوس ابدالی کی سدوزئی شاخ کے تمن خدکہ سدوزئی کی مسندِ سرداری پر حسبِ روایت متمکن ہوا۔ یہ نہایت کم گو اور حلیم الطبع شخص تھا۔ مگر افیون کا عادی ہو گیا تھا۔ محمد باقر خان کے مرنے کے بعد اس کی ساری جاگیر نہایت خاموشی کے ساتھ محمد سعید خان، لطف اللہ خان اور محمد شریف خان نے آپس میں بانٹ لی۔ کچھ جاگیر ایسی تھی جس پر داؤد پوترہ حکمرانوں کا قبضہ تھا اور کچھ کو عموماً سکھ برباد کر جایا کرتے تھے۔ باقی جاگیر میں سے ہر بھائی کو دس دس مواضع ملے۔ سرداری کے لئے تین مواضع الگ کر لئے گئے جو کہ اوّل بستی محمد زمان پور، دوم ملک پور المعروف پیر جمال اور سوم کشمور مچھلی المعروف امان کوٹ تھے۔ ۵ر شوال ۱۱۷۵ھ مطابق جولائی ۱۷۶۱ء میں محمد سعید خان نے وفات پائی اور آبائی قبرستان میں سپردِ خاک ہوا۔ ایک بیٹا انور خان اور ایک بیٹی چھوڑی۔ انور خان آزاد مشرب تھا اس لیے لطف اللہ خان کو خدکہ سدوزئی کی مسندِ سرداری پر بٹھایا گیا۔ جس دوران میں ملتان کا صوبہ دار علی محمد خان خوگانی شہر سے باہر گیا ہوا تھا،

انور خان نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ قلعے پر قبضہ کر لیا۔ علی محمد خان مسلح ہو کر واپس ہوا اور انور خان کو شکست دے کر قلعے پر متصرف ہو گیا۔ انور خان لڑائی میں مارا گیا اور آبائی قبرستان میں دفن ہوا۔ انور خان کا ایک بیٹا نصر اللہ ایک غیر کفو عورت کے بطن سے تھا۔ باپ کی وفات کے بعد اس نے عالم طفلی میں انتقال کیا۔

لطف اللہ خان :

محمد سعید خان فوت ہوا تو بزرگوں کی روایت و رواج کے مطابق اس کے چھوٹے بھائی لطف اللہ خان کو تمن خدکہ سدوزئی کی سرداری سونپی گئی۔ محمد سعید خان بیوہ کے پاس بزرگوں کے کچھ تبرکات تھے۔ لطف اللہ خان کی خواہش تھی کہ وہ مجھے حاصل ہوں۔ اس نے درخواست کی لیکن سعید خان کی بیوہ نے سختی سے انکار کر دیا۔ لطف اللہ خان آغازِ جوانی میں آزاد طبع تھا لیکن مسندِ سرداری پر بیٹھنے کے بعد اس نے سابقہ روش کو ترک کر دیا۔ ابھی مسند نشین ہوئے چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ ربیع الاوّل ۱۱۷۶ھ مطابق جولائی ۱۷۶۱ء کو وفات پائی۔ آبائی قبرستان میں دفن ہوا۔ اولادِ نرینہ سے محروم تھا۔ ایک لڑکی تھی جو جعفر خان ولد وفادار خان ثانی سدوزئی کی دختر کے بطن سے تھی۔

محمد شریف خان :

لطف اللہ خان کی وفات کے بعد اس کا چھوٹا بھائی محمد شریف خان تمن خدکہ سدوزئی مسندِ سرداری پر رونق افروز ہوا۔ اس نے اپنے بزرگوں کی ایسی بعض عادتوں کو جن سے شاہانہ رویہ جھلکتا تھا، ترک کر دیا اور سب سے یکساں

میل جول اور معاشرت کی روش اختیار کی۔ البتہ وہ ہندوؤں اور ہندوستان کے پرانے لوگوں سے فاصلہ رکھتا تھا۔ جاگیر کا بیشتر حصہ جو کہ اس کے بھائی کا تھا، اس کی وفات کے بعد اس کی بیوہ کے حوالے کر دیا۔ تاہم اس کی دیکھ بھال اپنے ذمے لے لی۔ اس نے اپنے بھائیوں کی جائیدادوں پر ناجائز تصرف کی کوشش نہیں کی۔ صرف سرداری کے مصارف کے سلسلے میں مختص کئے گئے تین مواضع زائد صورت میں اپنے پاس رکھے۔ لطف اللہ خان کی وفات ہوئی تو اس کے بھتیجے انور خان نے ایک عرضداشت احمد شاہ درران کی خدمت میں ارسال کی کہ چچا لطف اللہ خان نے لاولد حالات میں وفات پائی اس لئے اس کی تمام جاگیر میرے نام کر دی جائے۔ اس واقعے کی خبر ظریف خان ولد عارف خان ابن نواب عابد خان مودود خیل کو پہنچی۔ وہ لطف اللہ خان کی بیوی کا بھانجا تھا۔ اس نے یہ ماجرا اپنی خالہ کے گوش گزار کیا۔ اس نے یہ روداد محمد شریف خان کو بتادی چنانچہ محمد شریف خان نے بھی ایک عریضہ شاہِ افغانستان کی خدمت میں ارسال کیا کہ میرا بھائی فوت ہوا ہے۔ بھائی کی موجودگی میں، چچا کی جائیداد پر بھتیجے کا کوئی حقِ وراثت نہیں بنتا۔ مزید یہ کہ مرحوم کی بیوہ اور ایک لڑکی بھی موجود ہے اور یہ سب وارث ہیں۔ معاملات پر نظر ڈال کر احمد شاہ درران نے انور خان کی درخواست مسترد کر دی۔

محمد شریف خان نہایت آزاد مزاجی کے ساتھ وقت گزار رہا تھا کہ ۱۱۷۸ھ مطابق ۱۷۶۴ء میں سکھ ملتان پر حملہ آور ہوئے۔ اس وقت محمد علی خان خوگانی ملتان کا صوبہ دار تھا۔ اس نے شہر اور قلعے کے دروازے بند کروا دیئے۔ سکھ سیدھے کڑی سلطان حیات خان پر حملہ آور ہوئے اور سلطان کے

زمانے کی دولت، تقریباً پچاس لاکھ روپے لوٹ کر لے گئے۔ بہت سے خوانین مارے گئے، بہت سے زخمی ہوئے۔ خواتین نے بھاگ کر اپنی ناموس کی حفاظت کی۔ محمد شریف خان لڑتا ہوا سکھوں کی قید میں چلا گیا۔ وہ اسے قیدی بنا کر ہمراہ لے گئے۔ اس کے جسم پر اٹھارہ زخم آئے۔ یہ حملہ ماہِ رمضان میں ہوا تھا۔ اس میں عبدالعزیز خان خدکہ سدوزئی کے تین بیٹے بھی شہید ہوئے۔ ایک بیٹا علی یار خان مرحوم کا، بحالتِ معرکہ آرائی مارا گیا۔ صلابت خان ولد اشرف خان مودود خیل اور احمد خان ولد عبداللہ خان بہادر خیل نے دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔ اس تمام واقعے میں علی محمد خان خوگانی نے خدکہ سدوزئی کی کوئی امداد نہ کی۔

سکھوں کی لوٹ مار اور غارت گری کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اشرفیوں اور سیم وزر کی تجوریاں توڑ توڑ کر تمام دولت آپس میں بانٹ لی۔ موتی، یاقوت، سونے کی اینٹیں، بیش قیمت ایرانی قالین، ریشمی تھان اور قیمتی ظروف میں سے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ حتیٰ کہ عالیشان اسلحہ بھی لوٹ کر لے گئے۔ سلطان حیات خان کا خنجر جس پر فیروزہ جڑا ہوا تھا، اسی طرح ایک قلم تراش جس کے دستہ پر فیروزہ لگا ہوا تھا، جسے عبداللہ خان نے ہرات سے بطور تحفے کے بھیجا تھا، وحشی سکھ ان سب کو لوٹ کر لے گئے حتیٰ کہ سلطان حیات خان کے وضو کرنے کی طلائی چوکی بھی ان کی دست برد سے نہ بچی۔ عمارتوں کو آگ لگا دی۔ ماہِ رمضان میں تمام رات لوٹ مار اور لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ سکھوں کے دستے کا سردار ہری سنگھ تھا۔ شریف خان مجروح حالت میں اس کی قید میں تھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ شریف خان درّدران کا رشتے کا چچا ہے تو اس نے اس کا علاج

کرایا اور زخم مندمل ہو گئے۔ محمد شریف خان کے دو بیٹے بھی قید میں تھے۔ اسی طرح نواب عبدالعزیز خان کا بیٹا بھی حالتِ قید میں تھا۔ محمد شریف خان کی اہلیہ نے ہری سنگھ سے ان سب کی رہائی کی بات کی۔ بارہ ہزار روپے معاوضہ طے ہوا۔ سکھوں کی لوٹ مار سے کچھ نہ بچا تھا اس لئے یہ معاملہ لکھ کر احمد شاہ درداران کی خدمت میں بھیجا گیا اور بارہ ہزار روپے نیز خاندانِ خدکہ سدوزئی کی بحالی اور آبادکاری کے لئے بھی رقم کی درخواست کی گئی۔ احمد شاہ درّدران اس عرصے میں دوسرے مہماتِ ملکی میں مصروف رہا۔ جس کے سبب بروقت مدد نہ ہو سکی اور شریف خان تین سال تک ہری سنگھ کی قید میں رہا۔ بالآخر رقم کی ادائی کا بندوبست ہوا اور تمام لوگوں کو قید سے رہائی ملی۔ تمن خدکہ سدوزئی کے افراد اس زبردست لوٹ مار اور تباہی و بربادی کے بعد غربت اور تنگ دستی سے دوچار ہو گئے۔ ان سے مکانات مسمار ہو چکے تھے۔ کھڑی فصلیں لوٹ لی گئی تھیں۔ خوانین چوں کہ سکھوں کی قید میں تھے اس لئے بعد میں چوروں، اچکوں، ڈاکوؤں اور راہ زنوں کو کھل کھیلنے کا خوب موقع ملا۔ قصہ مختصر کڑی حیات خان ویرانے میں تبدیل ہو گئی۔ جب محمد شریف خان رہائی حاصل کر کے واپس آیا تو اس نے تمام افراد کو مجتمع کیا۔ باقر خان نے جو مکانات ولو مل کی رہائش کے لئے تعمیر کرائے تھے، ان میں ان سب کی رہائش کا بندوبست کیا گیا اور ۱۱۸۴ھ مطابق ۱۷۷۰ء میں محمد شریف خان ملتان سے قندھار روانہ ہو گیا اور تمام احوال و واقعات احمد شاہ درّدران کے گوش گزار کئے۔ فتح اللہ خان سدوزئی وزیر سلطنت کی وساطت سے احمد شاہ نے رات کو تخلیے میں ملاقات کی اور کچھ رقم تعمیر مکانات اور گزارے کے لئے عطا کی۔ مزید ان سے قرآن پر حلف اٹھوایا کہ وہ احمد شاہ

در دران کے خلاف خروج یا بادشاہت کا دعویٰ نہیں کریں گے۔ آٹھ ہزار روپیہ سالانہ مواجب ڈیرہ غازی خان، تین ہزار روپیہ سالانہ مواجب ملتان آمدن کی جاگیر عطا کی۔ بارہ ہزار روپے بطور انعام، خلعتِ فاخرہ، اسپِ مرصع، شمیر مرصع ازراہِ مراسمِ شاہانہ عطا کیے۔ ایک دستہ محافظوں کا ساتھ کر دیا کہ ملتان بہ حفاظت پہنچا آئے۔ اس دوران میں علاقہ اڑغسان، جہاں پر خداداد خان خدکہ نے ایک بند تعمیر کرایا تھا جس سے وہاں کی زمین سیراب ہونے لگی تھی اور وہ علاقہ سرسبز باغات اور ہرے بھرے کھیتوں کے باعث مشہور ہو گیا تھا، یہ سارا علاقہ اور اس کی آمدنی اولادِ خدکہ سے متعلق تصور کی جاتی تھی، مگر سلطان حیات خان کی ہجرت کے بعد آمدنی کی وصولی کا سلسلہ قائم نہ رہا، وہاں کے کاشتکاروں کو جب محمد شریف خان کا افغان تاجدار کے پاس جانا اور بادشاہ کی جانب سے عزت اور حسنِ سلوک کا علم ہوا تو وہ بھاگے بھاگے قندھار پہنچے اور اپنی طرف سے پانچ گھوڑے، دنبوں کا ریوڑ، میوۂ خشک و تر، توشک نمد اور دوسرے تحائف نذرانے کے طور پر پیش کیے۔ اس کے بعد محمد شریف خان قندھار سے ڈیرہ غازی خان شاہی محافظین کے ہمراہ پہنچا۔ صوبیدار کو پروانۂ شاہی دکھلا کر آٹھ ہزار روپے وصول کیے۔ پھر ملتان کا رخ کیا۔ یہاں سے شاہی حفاظتی دستہ واپس چلا گیا۔ اس وقت شریف بیگ تغلو صوبہ دار ملتان تھا۔ اس نے محمد خان ولد یار محمد خان سدوزئی بہادر خیل کو قید کیا ہوا تھا۔ تمام سدوزئی خان کے ڈیرے پر آئے اور محمد خان کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ اگلے دن محمد شریف خان، ناظم ملتان کے پاس گیا۔ ناظم نے خاطر مدارات کی اور پوچھا کس لئے قدم رنجہ فرمایا ہے۔ خان نے مقصد بیان کیا۔ ناظم نے کہا، آپ نے خود تشریف آوری کی زحمت کیوں اٹھائی

کسی ملازم کو بھیج دیتے۔ اسی وقت اسے رہا کر کے اس کا ہاتھ شریف خان کے ہاتھ میں تھما دیا اور عزت و تکریم کے ساتھ اسے رخصت کیا۔ محمد شریف خان کا کنبہ ولو مل کے مکان میں رہائش پذیر تھا۔ چنانچہ ڈیرے دوبارہ تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں خان نے چند مستعد افاغنہ کو کڑی کی حفاظت پر مامور کیا تاکہ سکھوں یا دوسرے تخریب کار عناصر کا دفاع کیا جا سکے۔ اس کے بعد سکھوں نے ملتان پر حملہ کیا۔ اس حملے کے دوران محمد شریف خان نواب شجاع خان کے ساتھ قلعہ شجاع آباد میں منتقل ہو گیا۔ وہاں اپنے بڑے بیٹے پیر محمد خان کی شادی اپنے مرحوم بھائی لطف اللہ خان کی دختر سے کر دی۔ اسی اثنا میں محمد شریف خان سخت بیمار ہو گیا اور چھ ماہ تک مرضِ اسہال میں مبتلا رہ کر آخر ۷/ ربیع الثانی منگل ۱۱۸۹ھ مطابق اپریل ۱۷۷۵ء وفات پا گیا۔ آخری عمر میں اس نے ایک تائب زندگی گزاری۔ اس کے دو فرزند پیر محمد خان اور دین محمد خان، محمد صابو خان ولد عظمت خان ابن صحبت خان کی دختر کے بطن سے تھے۔ محمد شریف خان کو قبرستان سلطان حیات خان میں اپنے والد محمد باقر خان کے پائیں دفن کیا گیا۔

پیر محمد خان :

محمد شریف خان کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا خاندانی رسم و روایت کے مطابق خدکہ سدوزئی کی سرداری کی مسند پر فائز ہوا۔ نوجوان شخص تھا۔ شکار سے دلی رغبت رکھتا تھا۔ اس کی مجلس میں ہمہ وقت جوان حاضر رہتے تھے۔ اسی دوران تین ماہ کے بعد نواب شجاع خان سدوزئی نے وفات پائی۔ اس کے بیٹے مظفر خان کی سرداری برائے تمن مودود خیل کے قضیے نے سر اٹھایا۔ نواب

شجاع خان کے بڑے بھائی نواب شاکر خان کا لڑکا حسین خان نواب مظفر خان کے مقابل دعویدار ہوا۔ ملک سدو کی اولاد میں سے بڑا خانوادہ خدکہ سدوزئی کا تھا۔ اس لیے یہ مقدمہ پیر محمد خان کے روبرو پیش ہوا۔ اس نے نواب مظفر خان کے حق میں فیصلہ دے دیا اور اس طرح وہ مودود خیل تمن کا سردار مقرر ہوا۔ اسی موقع پر نواب مظفر خان کا وکیل یار محمد خان ترین خان تھا۔ پیر محمد خان نے دستارِ سرداری مظفر خان کے سر پر اپنے ہاتھ سے باندھی۔

دین محمد خان کی شادی :

پیر محمد خان کے چھوٹے بھائی دین محمد خان کی شادی عبدالرسول خان خوگانی کی دختر کے ساتھ نہایت دھوم دھام اور تزک و احتشام سے قلعہ شجاع آباد میں ہوئی۔ اس میں آتش بازی کا دلچسپ تماشا بھی ہوا۔

نواب مظفر خان، پیر محمد خان اور دین محمد خان کے درمیان نہایت گہرے تعلقات و مراسم تھے۔ پیر محمد خان ۲۲/ذی الحج ۱۱۹۰ھ مطابق جنوری ۱۷۷۷ء بروز اتوار بعمر ۲۲/سال، چند روز بیمار رہ کر رحلت کر گیا۔ اس سے وفات سے چند روز قبل اپنے چھوٹے بھائی دین محمد خان کو تمن خدکہ سدوزئی کی سرداری تفویض کر دی۔ پیر محمد خان ایک وجیہہ و شکیل شخص تھا۔ نہایت خوش اخلاق، ہر ایک سے روابط رکھنے والا۔ اس لئے اس کی وفات کا صدمہ سبھی کو ہوا۔ سدوزئی اور غیر سدوزئی سب میں قیامت کا شور برپا ہوا، اس کا جنازہ شجاع آباد سے ملتان برائے تدفین قبرستان سلطان حیات خان میں لایا گیا۔ اس وقت ملتان میں سکھ حکمران تھے۔ وہ بھی جنازے میں خلقتِ خدا کا ہجوم دیکھ کر حیران رہ گئے۔ شہر کے بے شمار افراد جنازے میں شرکت کے لئے دوڑے آئے۔ وہ

قبرستان میں دفن ہوا۔ اس نے اپنے پیچھے ایک لڑکی چھوڑی۔

دین محمد خان :

اس کی وفات کے بیس روز بعد ۱۴/ محرم ۱۱۹۱ھ مطابق فروری ۱۷۷۷ء کو خاندانی رواج کے مطابق دین محمد خان کو تمن خدکہ سدوزئی کی مسندِ سرداری پر بٹھایا گیا۔ اس موقع پر پشین (بلوچستان) سے ایک مرد بزرگ میران یعقوب شاہ پیر محمد خان کے فاتحہ کے لئے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے س کی اور اس کی اولاد کے لئے درازئ عمر اور خوش اقبالی کے لئے دعا کی۔ ۲۸/ صفر ۱۱۹۳ھ مطابق مارچ ۱۷۷۹ء بروز بدھ دین محمد خان کے یہاں لڑکا تولد ہوا جس کا نام علی محمد خان رکھا گیا۔

۱۱۹۴ھ مطابق ۱۷۸۰ء کو تیمور شاہ، بادشاہِ افغانستان اپنے لشکر سمیت ملتان پہنچا تا کہ اس علاقے کو سکھوں کے قبضے سے نجات دلائی جائے۔ شجاع آباد سے تمام افاغنہ تیمور شاہ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ سکھوں نے بری طرح ہزیمت اٹھائی اور وہ شہر اور قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس موقع پر نواب مظفر خان اور سدوزئیوں نے خوب خوب دادِ شجاعت دی چنانچہ نواب مظفر خان و صوبہ دار ملتان مقرر کیا گیا اور دین محمد خان کو تین ہزار روپیہ بطور انعام عطا کیا یا۔ بزرگوں کی جاگیریں واگزار کرائی گئیں۔ کڑی ملتان میں از سر نو تعمیر مکانات حکم دیا گیا۔ نواب نے قلعہ ملتان میں اپنے لئے دوبارہ عمارات تعمیر کیں۔ دین خان نے کڑی سلطان حیات میں جو ویران ہو گئی تھی، رہائش عمارات، ٹیں، بازار از سر نو تعمیر کرائے۔ اپنے گھر کے اردگرد درخت لگوائے۔ شجاع سے اپنے اہل و عیال کو لا کر ملتان میں سکونت اختیار کر لی۔

سکھوں کے اس دور میں خاندان خدکہ کی آبائی جاگیر پر سکھ اور دوسرے افراد قابض ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ آٹھ ہزار روپے سالانہ مواجب ڈیرہ غازی خان سے مالیہ ملا کرتا تھا، وہ بھی بند ہو چکا تھا چنانچہ اس کی بحالی اور اجرا ممکن نظر نہ آیا۔ اس لئے ملتان ہی کی جاگیر اور مواجب پر اکتفا اور قناعت کی گئی۔ افغان بادشاہ نے ۱۲۰۳ھ مطابق ۱۷۸۸ء میں بہاول پور پر لشکر کشی کی۔ دین محمد خان بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور گزارش کی کہ اس کی موروثی جاگیر کو نواب مظفر خان کی امداد سے واگزار کرایا جائے۔ فتح اللہ خان سدوزئی وزیر سلطنت سے بھی سفارش کی۔ مگر اس سلسلے میں کوئی پیش رفت نہ ہوئی۔ نواب کو صرف اتنی ہدایت کی گئی کہ دین محمد خان کی خاطر داری اور عزت لازم ہے۔ اس کے بعد جب شاہ زمان ۱۲۰۸ھ مطابق ۱۷۹۳ء کو ڈیرہ غازی خان آیا اور تمام سدوزئیوں نے اس سے ملاقات کی تو دین محمد خان بھی جا پہنچا اور ملاقات کی لیکن موروثی جاگیر واگزار نہ کرا سکا۔ چوں کہ نواب مظفر خان نے بھی اس سلسلے میں کوئی خاص مدد نہ کی اس لئے دین محمد خان اس سے بھی کبیدۂ خاطر رہنے لگا۔ حتیٰ کہ عید پر بھی نواب کے ڈیرے پر نہ گیا اور ناراضی کا اظہار کیا۔ اس دوران میں نواب سرفراز خان کی منگنی کا وقت آیا تو نواب مظفر خان دین محمد خان کے پاس آیا اور اسے منا لیا چنانچہ منگنی اور اس کے بعد شادی میں دین محمد خان شریک ہوا اور پھر کبھی رنجش کا ذکر نہ آیا۔

۱۲۱۳ھ مطابق ۱۷۹۸ء میں دین محمد خان کی والدہ نے وفات پائی۔ اسی سال ملتان میں سیلاب کا زور تھا اور بغیر کشتی کے آمدورفت محال تھی۔ چنانچہ نمازِ جنازہ کڑی حیات خان میں ادا کرنا ممکن نہ رہا۔ میت کو شہر کے اندر لے

گیا کیونکہ ابھی سیلاب کا پانی اندرونِ شہر داخل نہ ہوا تھا۔ اس کے بعد جب میت کو قبرستان سلطان حیات خان میں لے جانا مقصود ہوا تو دیگر خوانین کو اجازت دے دی گئی۔ مگر نواب کشتی میں ہمراہ رہا اور آخری رسومِ تدفین تک شرکت کی۔

شادی علی محمد خان :

دین محمد خان نے اپنے لڑکے علی محمد خان کی پہلی شادی ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں اپنے مرحوم بھائی پیر محمد خان کی دختر سے نہایت شان و شوکت کے ساتھ کی (اس میں کوئی اولاد نہ ہوئی) نواب مظفر خان نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس دوران میں بعہدِ شاہ محمود تاجدار افغانستان، شاہ محمد خان بادوزئی کے بیٹے عبدالصمد خان بادوزئی نے ملتان کی صوبہ داری کا پٹہ اپنے نام کرالیا اور ملتان میں ہنگامہ برپا کرنے کی کوشش کی۔ مگر دین محمد خان نے اپنے حامیوں سمیت نواب مظفر خان کا ساتھ دیا اور عبدالصمد خان کے عزائم تشنۂ تکمیل رہے۔

جب افغان تاجدار شاہ شجاع الملک ۱۲۱۹ھ مطابق ۱۸۰۴ء میں ڈیرہ غازی خان آیا تو تمام سدوزئی افراد سلام اور ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ دین محمد خان بھی پہنچا۔ بادشاہ نے دین محمد خان کی بہت عزت و تکریم کی اور اسے علاقہ سنگھڑ واقعہ کچھی شمالی کی صوبہ داری پیش کی۔ چوں کہ محمد خان سدوزئی وہاں کا صوبہ دار تھا اس لئے دین محمد خان نے یہ پیش کش قبول نہ کی۔ بادشاہ نے روانگی سے قبل پانچ ہزار روپیہ مواجب سالانہ ملتان کے مالیے سے لکھ کر دیا اور عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

دین محمد خان ۲۹/ ذیقعد ۱۲۲۱ھ مطابق مارچ ۱۸۰۶ء بعمر باون سال

چند ماہ وفات پائی۔ سلطان حیات خان کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ اپنے پیچھے ایک لڑکا چھوڑا، جس کا نام علی محمد خان ہے۔

شہزادہ علی محمد خان خدکہ سدوزئی

مصنف ''تذکرۃ الملوک''

دین محمد خان کی وفات کے تیسرے دن یکم ذی الحج ۱۲۲۱ھ کو میران سید فاروق شاہ مراد نے بزرگانِ سلف کے رسم و روج کے مطابق تمام آلوس کی موجودگی میں علی محمد خان کو تمن خدکہ سدوزئی کی مسندِ سرداری پر فائز کیا اور اجداد کا گلابی دوشالہ بطور برکت اس کے دوش پر ڈالا۔ اس وقت علی محمد خان اٹھارہ سال کا تھا۔ خدا نے علی محمد خان کو اعلیٰ سیرت و اخلاق اور عمدہ کردار سے نوازا تھا۔ وہ خوش خلق، عالی طبع اور سنجیدہ مزاج تھا۔ صاحب علم و فضل تھا۔ علوم متفرقۂ متداولہ میں کمال رکھتا تھا۔ تواریخ میں صاحبِ ادراک تھا۔ انشاٗ خوب کرتا تھا۔ ہمہ وقت مطالعۂ کتب میں مصروف رہتا تھا۔ علماٗ کی صحبت گرم رکھتا تھا۔ اس کی مجلس میں ادب و حیا کی فضا ہوتی تھی۔ زبان سے کوئی نامناسب بات ادا نہ ہوتی۔ نہایت باوقار تھا۔ اس کا کردار، خیر الامور اوسطہا، کا مصداق تھا۔ اس کی متانت پسندی کے سبب بعض لوگ اسے متکبر کہتے تھے حالانکہ اس میں کبر پسندی کا شائبہ تک نہ تھا۔ نواب محمد مظفر خان اس کی دل سے عزت کرتا تھا۔ مگر نواب سرفراز خان اس کے بظاہر دوستی اور بباطن حسد رکھتا تھا۔ نواب محمد مظفر خان بارہا کہتا کہ ہم نے دین محمد خان کے ساتھ خوش اسلوبی سے تعلقات نبھائے ہیں۔ معلوم نہیں سرفراز خان اور علی محمد خان کا باہمی سلوک کیسا ہوگا

وہ اکثر اپنے لڑکے کو علی محمد خان کی تعظیم کی تلقین کرتا رہتا اور آرزو مند رہتا کہ دونوں گھرانوں میں بزرگوں جیسا تعلق استوار رہے گا۔

جب دین محمد خان نے وفات پائی تو نواب مظفر خان بہ سبب علالت جنازے میں شریک نہ ہو سکا۔ اس نے سرفراز خان اور ذوالفقار خان کو جنازے میں یہ شرکت کے لئے بھیجا۔ جب میت ڈیرے سے جنازہ گاہ اور وہاں سے قبرستان کو روانہ ہوئی تو دونوں بھائی گھوڑوں پر سوار تھے جملہ تمام شریک افراد پیادہ ہمراہ تھے۔ ہر شخص کو یہ بات معیوب لگتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چند ماہ بعد جب سرفراز خان کی والدہ نے انتقال کیا اور اس کی میت کو قلعہ کہنہ سے جہاں نواب مظفر خان کی رہائش گاہ تھی، حضرت بہاء الدین زکریا کی خانقاہ تک لے جایا گیا تو اس انتہائی کم فاصلے کے باوجود علی محمد خان گھوڑے پر سوار ہو کر خانقاہ تک گیا جب کہ تمام افراد مع محمد مظفر خان پیادہ چلے۔ اس امر کی شکایت جب سرفراز خان نے نواب محمد مظفر خان سے کی تو اس نے برملا کہا کہ اگر تم لوگ پہلے یہ حرکت نہ کرتے تو اس کا یہ رد عمل نہ ہوتا۔

والد کی وفات کے بعد علی محمد خان نے تمام پٹہ شاہی اور مواجب اپنے نام کرا لئے اور جو آٹھ ہزار روپیہ مواجب ڈیرہ غازی خان میں معطل و موقوف پڑا تھا، اس کی رقم اپنے نام کرالی۔ مزید پانچ ہزار روپیہ سالانہ کچھی شمالی میں بھی حاصل کیا ہوا تھا۔ علاوہ ازیں پانچ ہزار روپیہ مواجب ملتان کے مالیہ سے اپنے نام کرالیا۔ جب نواب مظفر خان عازمِ حج ہوا اور نواب سرفراز خان ملتان کا منصب دار قرار پایا تو اس نے پانچ ہزار روپے کی ادائیگی میں لیت و لعل سے کام لیا۔

حج سے مراجعت پر جب نواب نے اپنے بیٹے حق نواز خان کی شادی کی

تو اس موقع پر تمام آلوس ابدالی کے روبرو نواب علی محمد خان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آگے بڑھا اور طعام گاہ تک اسی طرح پہنچا۔ تمام سدوزئی اور خوانین عقب میں چلتے رہے۔ یہ ایک ثبوت ہے اس امر کا کہ نواب کس انداز میں علی محمد خان کی عزت کرتا تھا۔ علی محمد خان کی بے شمار جائیداد جو شجاع آباد میں تھی دریائے چناب کی نذر ہوگئی، مگر جب دریا نے رخ بدلا اور جائیداد دریا سے برآمد ہوئی تو نواب سرفراز خان نے اپنی منصب داری کے دوران اس پر قبضہ کر لیا۔ علی محمد خان نے بارہا یہ ذکر ازراہِ گلہ مندی و استحقاق، چھیڑا لیکن بے سود۔ اسی دوران میں سکھ ملتان پر حملہ آور ہوئے اور ہر طرف ویرانی کا سماں نظر آنے لگا۔ سکھوں کی واپسی کے بعد علی محمد خان ڈیرہ غازی خان گیا تاکہ وہاں کی مقرر کردہ رقم مالیہ میں سے وصولی کرے لیکن وہاں بھی ناکامی ہوئی۔ مصارف بہت زیادہ تھے چنانچہ تنگی پیدا ہوئی۔ نواب مظفر خان کو اس امر کا احساس ہوا۔ اس نے سرفراز خان سے کہا کہ علی محمد خان تمہاری روش پر تم سے آزردہ ہے اس کی خوشنودی حاصل کرو۔ لیکن سرفراز خان نے ٹال مٹول سے کام لیا اور بے نیازی اختیار کی۔

۱۲۲۵ھ مطابق ۱۸۱۰ء (آغازِ سال) میں جب شاہ شجاع الملک ملتان آیا تو علی محمد خان نے اس سے ملاقات کی۔ نواب محمد مظفر خان اور نواب سرفراز خان کو یہ بات گراں گزری۔ جب شاہ شجاع الملک تلمبہ میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھا تو اس نے علی محمد خان کو اپنا وکیل بنا کر مہاراجہ رنجیت سنگھ کی جانب بھیجا۔ ملاقات راولپنڈی میں ہوئی مہاراجہ نے اس کی مناسب عزت و تکریم کی، ا[illegible] پہلو میں کرسی پر بٹھایا اور آدابِ مہمان داری کے مطابق اپنے یہاں ٹھہرایا۔ بعد

میں اسے اپنی ہمراہی میں لاہور لے گیا اور رہائش و قیام کے لئے مکان مہیا کیا اور روزینہ مقرر کیا۔ رواجِ زمانہ کے مطابق اس کی عزت سفیر کے طور پر کی۔ علی محمد خان لاہور میں بحیثیت سفیر سولہ ماہ مقیم رہا۔ رنجیت سنگھ نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ ایک لشکر اس کی معیت میں شجاع الملک کے پاس، جو اس وقت پشاور میں تھا برائے تسخیر کابل روانہ کرے گا۔ جب علی محمد خان نے دیکھا کہ مہاراجہ تسخیر کابل کی مہم میں لیت و لعل سے کام لے رہا ہے تو رخصت لے کر پشاور جا پہنچا اور شجاع الملک کو صورتِ احوال سے آگاہ کیا۔ اس طرح شجاع الملک ہر طرف سے ناکام ہو گیا اور علی محمد خان ملتان لوٹ آیا۔ اسی اثنا میں سکھ ملتان پر حملہ آور ہوئے، اس وقت علی محمد خان اپنے خانوادے کے ہمراہ نواب مظفر خان کے ساتھ قلعے میں مقیم تھا، اس نے دیگر افغانوں کی طرح سکھوں کے خلاف اس معرکے میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائے۔

علی محمد خان کا عقد ثانی :

صفر ۱۲۲۸ھ مطابق فروری ۱۸۱۳ء میں علی محمد خان کی شادی دین محمد خان بابر کی دختر سے ہوئی۔ ایک سال بعد ۲۱/ صفر ۱۲۲۹ھ مطابق فروری ۱۸۱۴ء کو اس کے بطن سے لڑکا تولد ہوا جس کا نام محمد بہرام خان رکھا گیا۔ دوسرا لڑکا یکم جمادی الاوّل ۱۲۳۳ھ مطابق مارچ ۱۸۱۸ء بروز سوموار پیدا ہوا۔ جس کا نام محمد ضرغام خان رکھا گیا۔ اسی سال، ۲۴/ جمادی الاوّل ۱۲۳۳ھ مطابق مارچ ۱۸۱۸ء علی محمد خان کی والدہ نے وفات پائی۔

اس کے بعد کھڑک سنگھ اپنے لشکر جرار کے ساتھ ملتان پر حملہ آور ہوا جب سکھوں نے ملتان کو فتح کیا تو وہ نواب مظفر خان کی اولاد کو اپنے ہمراہ لاہور

لے گئے۔ علی محمد خان نے لاہور جانے سے معذرت کرلی۔ ۱۲۳۵ھ مطابق ۱۸۲۰ء میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ ملتان آیا تو اس نے علی محمد خان سے ملاقات کی خواہش کی مگر وہ بیمار تھا اور چلنے تک کی طاقت نہ تھی۔ اس نے اپنے بیٹے بہرام خان کو مہاراجہ کے پاس بھیج دیا۔ علی محمد خان کی ناسازی طبع کا حال سن کر اگلے دن خود مہاراجہ اس کے ڈیرے پر گیا، بہ سببِ نقاہت وہ بستر سے نہ اٹھ سکا۔ دو خادموں نے پکڑ کر اٹھایا۔ اس طرح علی محمد خان نے استقبال کیا اور ازراہِ تعظیم اشرفیاں نذر کیں۔ مہاراجہ نے صحت کی دعا کی۔ طبیب متعین کیا تسلی دی۔ خادموں کو کچھ روپیہ عطا کیا اور کچھ دیر بیٹھ کر رخصت ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد خدا نے علی محمد خان کو صحت بخشی۔

۲۷ر جمادی الثانی ۱۲۳۷ھ مطابق مئی ۱۸۲۱ء بروز جمعہ اس کے یہاں تیسرا بیٹا پیدا ہوا۔ حضرت داؤد جہانیاں کی خانقاہ پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھا۔ وہاں سے مہاراجہ کے پاس لاہور برائے ملاقات گیا۔ یہ ملاقات وزیر آباد میں ہوئی۔ مہاراجہ کے ساتھ لاہور واپسی ہوئی۔ اٹھارہ ماہ اس کے ساتھ لاہور میں مقیم رہا۔ بالآخر اجازت چاہی۔ مہاراجہ نے ایک ہزار روپیہ بطور مصارف سفر دیئے۔ علی محمد خان نے ملتان مراجعت کی۔ سکھ گردی کے دوران ملتان کی جاگیر پر قبضہ ہو چکا تھا اور خان کو پیداوار نہیں دیتے تھے۔ خان نے اس مقصد کے تحت مہاراجہ سے بھی ملاقات کی۔ مہاراجہ نے پروانہ لکھا لیکن ناظم ملتان نے جائیداد کا قبضہ نہ دیا۔ علی محمد خان کی یہ زرعی جائیداد جو بیس موضع جات ساڑھے پانچ ہزار ایکڑ پر مشتمل تھی، گزر اوقات کے لیے صرف موضع جات صدر پور، قادر پور، منگے ہٹی اور چاہ خدکہ تقریباً دو ہزار ایکڑ پر مشتمل رہنے دیا گیا۔ آخر

ناچار علی محمد خان ذیقعد ۱۲۳۹ھ مطابق جون ۱۸۲۴ء لاہور مہاراجہ کے پاس گیا اور استدعا کی کہ ناظمِ ملتان کو موروثی جاگیر واگزار کرنے کی ہدایت کی جائے۔ مہاراجہ نے ڈیڑھ ہزار روپیہ عطا کیا اور نواب علی محمد خان کی جاگیر کا پروانہ دے دیا۔اس مرتبہ وہ تین ماہ لاہور میں اقامت پذیر رہا۔

علی محمد خان نے شہر ملتان سے باہر لوہاری دروازے میں اپنا دیوان خانہ اور چند مکانات تعمیر کرا رکھے تھے۔ ان میں ایک مرتبہ شجاع الملک، افغان بادشاہ بھی قیام کر چکا تھا۔ مسلسل سکھ گردی کے باعث یہ عمارات ویران ہو چکی تھیں۔ لاہور سے واپسی پر ان تمام عمارات کی مرمت کرائی گئی اور ان میں بود و باش اختیار کی گئی۔ مگر موروثی جاگیر سے آمدن رکی ہوئی تھی چنانچہ صفر ۱۲۴۱ھ مطاق ستمبر ۱۸۲۵ء میں پھر لاہور کا سفر اختیار کیا اور بارِ دیگر درخواست کی گئی کہ ناظمِ ملتان کو واگزاری کے لئے ہدایت کی جائے۔ مہاراجہ لیت ولعل سے کام لیتا رہا۔اس طرح کوئی تین سال آٹھ ماہ لاہور کے چکر لگانے میں گزار دیئے حتیٰ کہ اسی مقصد کے لئے مہاراجہ سے ملاقات کی غرض سے سفر امرتسر بھی اختیار کیا اور ایک مرتبہ سفر لدھیانہ بھی۔ لدھیانے میں شاہ شجاع الملک سے ملاقات کی اور سات ماہ اس کے ساتھ گزارے کیونکہ شاہ شجاع الملک رخصت نہیں دیتا تھا۔ وہیں وید صاحب فرنگی (Wade) سے بھی ملاقات کی۔ پھر جالندھر سے امرتسر اور لاہور پہنچا۔اس طرح سفر مسلسل سے بخار ہو گیا اور چھ ماہ علالت میں بسر ہوئے۔ یہاں پھر مہاراجہ سے ملاقات کی اور بالآخر مایوس ہو کر رخصت لی۔ بوقتِ رخصت مہاراجہ نے ایک ہزار روپیہ برائے مصارف پیش کیا۔ رمضان ۱۲۴۴ھ مطابق فروری ۱۸۲۹ء ملتان واپس آیا اور اپنے دیوان خانہ واقعہ لوہاری

گیٹ میں سکونت اختیار کی۔ ہر چھ ماہ میں ۴۴۶ روپے کا غلہ سرکاری اہل کار کر دے جاتے باقی خود چٹ کر جاتے تھے۔ یہ وقت بہت عسرت و تنگ دستی میں گزرا لیکن غیرت مندی، خودداری اور عالی ظرفی کے سبب کسی جگہ پر نہ جاتا اور عزت کے ساتھ وقت گزارتا تھا۔ ناظم ملتان کے دل میں یہ حسرت ہی رہی کہ خان اس کے ڈیرے پر آئے۔ اس صورت میں وہ اس کی تمام جاگیر واگزار کر دے گا۔ جب یہ باتیں علی محمد خان کے کان میں پڑتیں تو وہ کہتا، کہ جب ناظم ملتان نے مہاراجہ کے فرمان کی ہی قدر نہ کی تو میرے جانے کو کیا وقعت دے گا۔ رجب ۱۲۴۵ھ مطابق فروری ۱۸۲۹ء چوتھا بیٹا تولد ہوا۔ اس کا نام اژدر علی خان رکھا گیا۔ چاروں فرزند ایک ہی ماں سے تھے۔

علی محمد خان نے دفات تک ایک باوقار، متین اور وضع دار زندگی گزاری۔ شب و روز عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ اس کا قول ہے کہ جس کسی کا ادب مطلوب ہو اس کے ساتھ ہنسی مذاق نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ادب بہ سبب دبدبہ ہوتا ہے اور ہنسی مذاق اس دبدبے کو توڑتا ہے۔ اس نے فرمایا کہ کسی کی غیبت نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ غیبت خور از روئے قرآن اپنے مرے ہوئی بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ خان کو تمام میوؤں میں سے آم سب سے زیادہ پسند تھا۔ آم کی صفات یہ ہوں کہ وہ شیریں ہو، بغیر ریشے کے ہو، گٹھلی چھوٹی ہو اور چھلکا باریک ہو، جس آم میں یہ خوبیاں نہ ہوں اس کا کھانا بیکار ہے۔

مقرب خان و عبدالعزیز خان فرزندان سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی:

مقرب خان سلطان حیات خان کی تیسری بیوی کے بطن سے تھا، وہ بہادری اور دلیری کے جوہر سے آراستہ تھا۔ جب اس نے اپنے بھائی عبداللہ خان کے قتل واقع ہرات کی روح فرسا خبر سنی تو فوراً ہرات پہنچا۔ وہاں آلوس ابدالی کو جمع کیا اور دشمنوں کو شکست فاش دے کر کامیاب ہوا اور مرحوم کے بیٹے کو ہرات کی حکومت پر فائز کر کے تزک واحتشام کے ساتھ ملتان لوٹا۔ سلطان حیات خان نے اس کی فاتحانہ آمد پر ملتان سے کئی کوس دور دریائے چناب کے کنارے دیگر افاغنہ سمیت اس کا شاندار استقبال کیا اور ملتان میں جشنِ مسرت منایا گیا۔ مقرب خان ہرات سے بہت سارو پیہ لایا اور اس نے اپنے والد کی کڑی سے متصل اپنی کڑی تعمیر کرائی جس میں حرم سرائے، دیوان خانہ، پائیں باغ، مسجد اور ڈیرہ و مہمان خانہ تعمیر کئے گئے۔ پھر وہ نہایت شان و شوکت سے زندگی گزارنے لگا۔

والد کی وفات کے بعد وہ اپنے بڑے سوتیلے بھائی محمد باقر خان کی وفاداری میں چلا گیا۔ چھوٹے بھائی عبدالعزیز خان سے جائیداد کا قضیہ تھا، جس کے تصفیے کے لیے اس نے اپنے بیٹے زمان خان کو باقر خان کے ہمراہ محمد شاہ مغل تاجدار کے پاس دہلی بھجوایا وہاں سے زمان خان نے یکصد کا منصب، خلعت، اسپ اور خطاب "ابدالی خان" لے کر مراجعت کی اور راحت سے وقت گزارا۔ مقرب خان نے اپنے بڑے بھائی باقر خان کی حیات میں وفات پائی اور قبرستان

سلطان حیات خان میں دفن ہوا۔ اس نے اپنے پیچھے اپنے لڑکے زمان خان کے علاوہ ایک لڑکی بھی چھوڑی، یہ غیر کفو یعنی ہندوستانی عورت کے بطن سے تھے، لڑکی کا عقد عمر خان ولد اصغر خان پسر وفادار خان ثانی سے ہوا۔ باپ کی وفات پر زمان خان جائیداد کا وارث و مالک ٹھہرا، زمان خان ۱۱۸۶ھ مطابق ۱۷۸۲ء میں فوت ہوا اور اپنے والد کے بائیں پہلو میں دفن ہوا۔ زمان خان نے اپنے پیچھے چار لڑکیاں چھوڑیں، دو لڑکیاں باقر خان ولد اللہ داد خان سدوزئی کی دختر کے بطن سے تھیں۔ ان کی شادیاں حاجی مرتضیٰ خان ولد جانوں خان سدوزئی بہادر خیل اور سیف اللہ خان پسر علی یار خان سے علی الترتیب ہوئیں۔ زمان خان کی دیگر دو لڑکیاں ایک غیر کف یعنی ہندوستانی عورت کے بطن سے تھیں ان میں سے ایک کی شادی اکبر خان ولد عمر خان پسر اصغر خان کے ساتھ ہوئی۔

عبدالعزیز خان :

عبدالعزیز خان سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا، جو ایک غیر کفو عورت کے بطن سے تھا۔ سلطان حیات خان کی شادی اس خاتون سے عالمِ پیری میں ہوئی تھی اس لئے آپس میں بہت وابستگی تھی، عبدالعزیز خان بھی باپ کو بہت پیارا تھا۔ اس نے باپ کی خاص نگرانی میں پرورش پائی، وہ صاحبِ علم ولیاقت تھا۔ باپ کے مزاج میں بہت دخیل تھا۔ باپ کی مہر شاہی اس کی تحویل میں تھی۔ وہ بہت سے امورِ ملکی اور فیصلوں پر اثر انداز ہوا کرتا تھا، وہ زیرکی اور دانش و فراست میں بھی کمال شہرت رکھتا تھا۔ اس نے شب و روز کے اوقات کو تقسیم کر رکھا تھا۔ دن کے پہلے پہر میں نماز صبح کے بعد علوم آشنائی، کتب بینی اور صحبتِ علماً میں گزارتا۔ دوسرا پہر دیوان خانے میں

بسر کرتا۔ ہمہ قسم کے لوگوں سے ملاقات کرتا۔ خدام کو ہدایت نامے جاری کرتا، الغرض یہ وقت امورِ دنیوی کی مشغولیت کا تھا، تیسرے پہر بعد از طعام آرام کرتا۔ چوتھے پہر بعد از نمازِ ظہر تیر اندازی تفنگ بازی میں مشغول ہوتا۔ ماہرینِ فنونِ حرب جمع رہتے، نماز مغرب کے بعد مجلسِ احباب جمتی۔ حتیٰ کہ ایک پہر رات گزر جاتی۔ تب حرم سرائے کا رخ کرتا، منگل کے روز شکار کو جاتا۔ شبِ جمعہ کو علماٗ و فضلاٗ کی مجلس منعقد ہوتی، ان کے لئے طعام کا انتظام ہوتا اور ان کی حیثیت کے مطابق بوقتِ رخصت ان کو رقم دیتا۔ سدوزئی تمن کے وہ تمام افراد، جن سے اس کی ذہنی یگانگت تھی، اس کی محافل میں شامل ہوتے، یہ تھے اس کے معمولاتِ حیات۔

عبدالعزیز خان بڑا سیاست دان اور زمانے کا نبض شناس تھا۔ کام پڑنے پر ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی سے خود ملنے چلا جاتا اور عار محسوس نہ کرتا۔ جب سلطان حیات خان کی وفات پر بھائیوں کے ساتھ جائیداد کا تنازعہ اٹھا تو ان کو جائیداد سے محروم رکھنے کے لئے ناظمِ ملتان سے لے کر دیگر حکام اور افسروں پر روپیہ پیسہ لٹاتا رہا۔ زاہد خان مودود خیل کے ساتھ نظامتِ ملتان پر اس کا اختلاف تھا۔ اس نے نظامت کے حصول کی خاطر مغل صوبہ دار نواب شاہ نواز خان کو پچاس ہزار روپیہ پیش کرنے کا وعدہ کیا کہ وہ صوبیداریٔ ملتان کا پروانہ اس کے نام لکھ دے۔ بالآخر کامیابی کے بعد دیوان کوڑامل اس کی امداد کے لئے ملتان پہنچا۔ اس نے نواب زاہد خان کی شکست کے بعد اسے باہر کیا اور اسے بحکم شاہ نواز خان، نظامتِ ملتان کے منصب پر فائز کر دیا۔ منصب سنبھالنے کے بعد عمدہ پوشاک پہن کر اور ہاتھی پر سوار ہو کر نہایت شان و شوکت کے ساتھ بڑے بھائی

محمد باقر خان کے ڈیرہ پر بغرضِ سلام پہنچا۔ اس کے بعد قلعہ کہنہ پر اپنا دربار آراستہ کیا اور تمام آلو سِ ابدالی کو سلام کے لئے طلب کیا۔ زاہد خان کے رشتہ داروں اور حامیوں کو قید کا حکم دے دیا۔ لیکن یہ حکومت چھ ماہ سے زائد نہ چل سکی۔ اسی دوران احمد شاہ درددران کی، پنجاب سے ملتان کی جانب رخ کرنے کی خبر پہنچی تو عبدالعزیز خان اس کے سلام کے لئے حاضر ہوا مگر نظامت کھو چکا تھا اور نظامت پر زاہد خان متصرف ہو چکا تھا۔ مختصر یہ کہ یہ بہت فعال اور متحرک شخص تھا اور حکمرانی کے شوق نے اس کا دل معمور تھا، جب احمد شاہ درددران نے ڈیرہ غازی خان میں ملاقات کی تو اس نے خلعت اور دس ہزار روپے انعام عطا کئے اور سات ہزار روپیہ مواجب ڈیرہ غازی خان سے لکھ کر دیا حصولِ حکومت کی خاطر مغل لشکر کے ہمراہ ملتان پر حملہ آور ہوا۔ شاہ نواز خان بھی ہمراہ تھا۔ زاہد خان اور مغل لشکر کے درمیان معرکہ ہوا جس میں عبدالعزیز خان مارا گیا اور اس کا بیٹا محسن یار خان بھی زخمی ہوا۔ اس معرکہ میں نواب شاہ نواز خان بھی قتل ہو گیا۔ نواب زاہد خان نے شکست کھائی۔ کوڑامل کامیاب ہوا۔ عبدالعزیز خان کو مقبرہ سلطان حیات میں باپ کے بائیں پہلو دفن کیا گیا۔ اس نے اپنے پیچھے سات لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑی۔ تین لڑکے عظیم یار خان، نعیم خان اور جعفر خان اور ایک لڑکی بہادر خیل سدوزئی عورت کے بطن سے تھے اور چار لڑکے محسن یار خان، افضل خان، غلام مرتضیٰ خان اور غلام مصطفیٰ خان ایک غیر کفو ہندوستانی عورت سے تھے۔ تمام نالائق اور کم عقل تھے، سوائے سب سے بڑے بیٹے عظیم یار خان کے جو لائق تھا مگر یہ بھی دنیاوی معاملات سے دور تھا۔

کوڑامل، عبدالعزیز خان کی تعزیت کے لیے عظیم یار خان اور دیگر فرزندوں کے پاس اور ان کے بعد محمد باقر خان کے پاس آیا۔ سدوزئیوں کے ساتھ جو زیادتیاں ہوئی تھیں ان پر معذرت چاہی۔ اب جائیداد کی تقسیم کا مرحلہ آیا۔ ساتوں بیٹے جائیداد باہم تقسیم کر کے اپنے اپنے حصے پر متصرف ہو گئے حتیٰ کہ ہاتھی کو بھی فروخت کر دیا اور سب مائل بہ عیش ہو گئے۔ باپ نے جائیداد کافی چھوڑی تھی، سو سلسلۂ عیش جاری رہا۔ ۱۷۶۴ء میں جب سکھوں نے کڑی سلطان حیات خان پر یلغار کی اور تمام سدوزئی دفاع کے لئے سینہ سپر ہو گئے تو اس معرکے میں بعض دیگر افاغنہ کے ساتھ ساتھ محسن یار خان، نعیم خان اور غلام مرتضیٰ خان نے بھی شہادت پائی۔ محمد شریف خان کے ساتھ ساتھ عظیم یار خان بھی سکھوں کا قیدی بنا۔ محسن یار خان کا ایک بیٹا عیسیٰ یار خان تھا جو اشرف خان ولد سید خان سدوزئی زعفران خیل کی دختر سے تھا۔ ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء میں ملتان پر سکھوں کے غلبے کے موقع پر وہ چولستان چلا گیا۔ اس نے وہیں وفات پائی۔ اپنے پیچھے تین لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔ لڑکے، غلام محی الدین، غلام محمد خان اور غلام نبی خان تھے۔ لڑکی کی شادی سید حامد گیلانی سے ہوئی۔ دوسری لڑکی ابو بکر خان ولد افضل خان کے عقد میں تھی۔ عبدالعزیز خان کا بیٹا غلام مصطفیٰ خان کابل گیا۔ آٹھ سو روپے کا مواجب حاصل کیا، وہیں وفات پائی۔ اپنے پیچھے دو لڑکے نور اللہ خان اور نصر اللہ خان چھوڑے۔ عبدالعزیز خان کے پوتوں میں سے ایک افضل خان تھا جو تاریخ نویسی سے شغف رکھتا تھا۔ وہ ملتان اور ڈیرہ غازی خان کا وقائع نگار تھا۔ چھ صد روپیہ سالانہ مواجب کا حامل تھا۔ فارغ البالی سے بسر اوقات کرتا تھا۔ بعہد زمان شاہ فوت

ہوا۔ اپنے پیچھے تین بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی۔ ایک بیٹا اللہ داد خان سدوزئی خاتون سے تھا۔ ایک لڑکی اور ایک لڑکا غیر کفو خاندان سے تھے۔ بیٹے کا نام سرفراز خان تھا جو حادثۂ سکھاں ۱۸۱۸ء میں لاولد فوت ہوا۔ لڑکی محمد شاہ ولد مخدوم عبدالقادر شاہ گیلانی کے حبالۂ عقد میں تھی۔ وہ عین جوانی میں وفات پا گئی۔ تیسرا بیٹا برخوردار خان تھا جو حادثۂ سکھاں کے بعد کچھی شمالی چلا گیا اور وہیں فوت ہوا۔ اس کے دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی، جو غیر کفو ہندوستانی عورت سے تھے، بڑا لڑکا محمد حیات خان تھا۔

عظیم یار خان ولد عبدالعزیز خان:

عظیم یار خان عبدالعزیز خان کا سب سے بڑا لڑکا تھا، نہایت فہیم لیکن باپ کی وفات کے بعد عیش و عشرت کی راہ پر چل پڑا اور بزرگوں کی عزت اور باپ کی سرداری و ناموری کو تلف کر دیا۔ جب ۱۷۶۴ء میں سکھوں نے کڑی سلطان حیات خان پر حملہ کیا تو سکھ اس کا تمام اثاثہ لوٹ کر لے گئے اور اسے گرفتار کر لیا۔ قید سے رہائی کے بعد وہ کشمیر چلا گیا۔ نورالدین ناظم کشمیر نے اس کی عزت کی اور اسے ایک خط دے کر احمد شاہ درّدران کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہاں سے اس نے سات ہزار روپیہ مواجب سالانہ ڈیرہ غازی خان سے ما[illegible] وصول کرنے کا پروانہ حاصل کیا۔ مزید برآن دس ہزار روپے نقد انعام بھی [illegible] ہوا۔ احمد شاہ درّدران نے اسے ملتان، ڈیرہ غازی خان اور جھنگ میں سے ایک مقام کی صوبہ داری پیش کی لیکن اس نے قبول کرنے سے معذرت کر لی۔ وصولی انعامات کے بعد ملتان مراجعت کی۔ اس وقت نواب شجاع خان حاکم تھا، اس نے اسے نظر انداز کر دیا۔ عہدِ تیمور شاہ میں وہ پھر کابل گیا وہاں سے

ہزار روپیہ مواجب سالانہ ملتان کے لگان سے وصولی کا فرمان لے آیا۔ جائیداد اپنے بیٹوں کے نام منتقل کر کے تارک الدنیا ہو گیا۔ بتوفیقِ الٰہی حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ مکہ معظّمہ کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوا اور بعد از حج ملتان مراجعت کی، واپس آکر بیٹوں کا حال دیکھا تو اسے اس امر سے بڑا دکھ ہوا کہ وہ دنیوی امور سے عاری ہیں۔

۱۲۰۳ھ مطابق ۱۷۸۸ء جب تیمور شاہ بہاول پور سے واپس آیا تو حاجی عظیم یار خان اپنے بڑے بیٹے کو ہمراہ لے کر حاضر ہوا۔ کچھ مواجب، شاہ کی جانب سے مقرر ہوا۔ عہدِ شاہ زمان میں حاجی عظیم یار خان بہت ضعیف ہو چکا تھا۔ تاہم باوجود کبر سنی اور ناتوانی کے، تیمور شاہ کی تعزیت کے لیے ڈیرہ غازی خان پہنچا۔ وہ نوّے سال سے زائد عمر میں فوت ہوا۔ سدوزئیوں میں طولِ عمر کے اعتبار سے وہ یکتا تھا۔ اتنی عمر کسی سدوزئی نے نہ پائی۔ اس کا سالِ وفات ۱۲۱۴ھ مطابق ۱۷۹۹ء ہے۔ اس کی شادی حلیم خان ولد عظمت خان کی دختر سے ہوئی تھی، لیکن وہ اولاد سے محروم رہا۔ دوسری شادی ایک غیر کفو ہندوستانی عورت سے ہوئی جس سے دو لڑکے احمد خان اور محمد خان ہوئے۔ احمد خان لاولد فوت ہوا۔ محمد خان بہت سادہ دل انسان تھا۔ باپ کی ساری جائیداد کا تنہا وارث بنا لیکن تمام کی تمام اسراف میں لٹادی۔ بالآخر حافظ احمد خان سدوزئی صوبہ دار ڈیرہ اسماعیل خان کے پاس پہنچا۔ اس نے دس روپے ماہانہ مقرر کیا اور زندگی کے آخری سولہ سال بے قدری میں بسر کئے۔ وہ ۱۲۴۹ھ مطابق ۱۸۳۳ء میں فوت ہوا۔ اپنے پیچھے تین لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔ محمود خان، جلال خان اور صفی اللہ خان، یہ تینوں حقیقی بھائی ایک ماں سے تھے جو اللہ یار خان سدوزئی

بہادر خیل کی دختر تھی۔ محمد خان کا چوتھا لڑکا اور ایک لڑکی غیر کفو ہندی عورت سے تھے۔ لڑکی کا عقد امین خان سدوزئی کے بیٹے کے ساتھ ہوا۔ دوسری بیٹی تیسری عورت کے بطن سے تھی، اس کی شادی ابوبکر خان سدوزئی کے لڑکے کے ساتھ ہوئی۔ محمد خان کا سب سے بڑا لڑکا محمود خان دو ہزار روپیہ سالانہ مواجب جاگیر رکھتا تھا۔ اس کی شادی حافظ احمد خان صوبہ دار ڈیرہ اسماعیل خان کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی۔ اس لئے یہ ڈیرہ اسماعیل خان چلا گیا۔ حافظ احمد خان نے لیہ کی حکومت اس کی تحویل میں دے دی۔ مگر یہ خوش امورِ حکومت انجام نہ دے سکا اور از راہِ ندامتِ ڈیرہ اسماعیل خان آنے کی بجائے بہاول پور نواب صادق خان کی خدمت میں چلا گیا۔ اس نے تین روپیہ روزینہ مقرر کر دیا۔ وہاں سے آزردۂ خاطر ہو کر واپس ڈیرہ اسماعیل خان لوٹ گیا۔ حافظ احمد خان اس سے سخت ناراض تھا اس نے حالتِ ناراضی میں اس کی حرکات کے سبب اسے مع اس کے دو بیٹوں کے جو اس کی ہمشیرہ کے بطن سے تھے، قید کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد نواب احمد خان فوت ہوا اور نواب شیر محمد خان حاکمِ ڈیرہ بنا، تو اس نے ان کو رہائی دی۔ رہائی کے بعد اس نے لاہور مہاراجہ رنجیت سنگھ کا رخ کیا اور اس کی ملازمت اختیار کر لی۔ مہاراجہ نے اسے پانچ صد روپیہ مع دس سواروں کے منصب پر مقرر کر دیا۔ طبیعت اضطراب پسند تھی، کہیں مستقل قیام نہ کرتا تھا۔ وہاں سے اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ پھر بہاول پور پہنچا۔ نواب بہاول پور نے کچھ روزینہ مقرر کر دیا۔ ان حالات میں وہ پھر ڈیرہ اسماعیل خان چلا گیا۔ جہاں شیر محمد خان نے اس کی بہت عزت و تکریم کی۔ نواب نے اپنی دو لڑکیوں کی شادیاں محمود خان کے دو بیٹوں نظام خان اور فیروز خان سے کر دیں اور محمود خان

کی بیٹی کی شادی نواب شیر محمد خان صوبہ دار ڈیرہ اسماعیل خان نے اپنے بھائی عبدالرحیم سے کر دی۔ ان شادیوں سے محمود خان کے قدم مضبوط ہو گئے اور وہ وہاں مستقل رہائش پذیر ہو گیا۔

سلطان عبداللہ خان سدوزئی

حاکمِ ہرات کے قتل کے بعد کے واقعات :

ہرات میں سلطان عبداللہ خان کے واقعۂ قتل کے بعد ملتان سے مقرب خان پہنچا۔ اس نے آلوس ابدالی کو مجتمع کر کے دشمنوں کو شکست سے دوچار کیا اور سلطان عبداللہ خان کے بیٹے محمد خان کو حاکمِ ہرات مقرر کر دیا۔ اسے مسندِ سرداری پر بٹھا کر مقرب خان لوٹ آیا۔ اس دوران اللہ یار خان ہرات پہنچ گیا اور محمد خان نے ہرات کی حکومت اس کے سپرد کر دی اور خود بہت سے مال و اسباب کے ساتھ ملتان اپنے دادا سلطان حیات خان کے دورانِ زندگی ہی میں پہنچ گیا۔ دادا کی وفات کے بعد جائیداد کے قضیے کے سلسلے میں وہ اپنے چچا محمد باقر خان کے ساتھ شامل ہو گیا اور ملتان میں نہایت شان و شوکت سے زندگی بسر کرنے لگا۔ اسی اثنائ میں وہ دلّی بھی گیا اور مغل بادشاہ سے پانچ صد کا منصب اور وفایار خان کا خطاب پایا۔ علاوہ ازیں ملتان میں جاگیر مقرر کی گئی۔ اسی اثنائ میں زاہد خان سدوزئی ناظمِ ملتان سے محمد خان کا جھگڑا ہو گیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ملتان میں لانگے خان خوگانی نے شہر سے باہر ایک مختلف میوہ جات پر مشتمل باغ تعمیر کرایا جو "باغ لانگے خان" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس باغ میں لوگ جمع ہوتے اور برسات کے مہینے میں یہاں کی فضا سے لطف اندوز ہوتے۔ کچھ دیر ہنسی

خوشی اور خوش گپیوں میں گزار دیتے تھے کیوں کہ یہ باغ نالہ علی محمد خان کے کنارے واقعہ تھا۔ اس باغ کو فروخت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ محمد خان سدوزئی باغ خریدنے پر آمادہ ہوگیا۔ بارہ ہزار روپیہ قیمت طے ہوئی۔ محمد خان نے مقررہ رقم ادا کرکے شہر کے قاضی و مفتی سے جائیداد کے کاغذات اپنے نام منتقل کرالئے۔ اس واقعے کے بعد تمام افاغنہ جمع ہوکر نواب زاہد خان کی خدمت میں پہنچے اور کہا کہ محمد خان سخت گیر طبیعت کا آدمی ہے وہ لوگوں کو باغ کے اندر آنے اور لطف اندوز ہونے سے منع کردے گا اور اس طرح ایک سیرگاہ جو قدرتی مناظر سے معمور ہے اور لوگوں کی وقت گزاری کا عمدہ مرکز ہے، ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی، براہ کرم آپ مداخلت فرمائیں، آپ یہ باغ خرید لیں۔ آپ ناظم ملتان ہیں، حاکم وقت ہیں۔ آلوس ابدالی کے سردار ہیں چنانچہ نواب زاہد خان نے لانگے خان اور دوسرے ورثا کو طلب کیا کہ سابقہ لکھا پڑھی منسوخ کردی جائے تاکہ میں اسے خرید کر ملتان کے عوام کے لئے مختص کردوں۔ لانگے خان اور ورثا نے سودا منسوخ کرنے سے انکار کردیا۔ لیکن جب نواب نے برہمی کا اظہار کیا تو مان گئے اور باغ کی رقم وصول کرکے محمد خان کے ڈیرے پر اسے لوٹانے پہنچ گئے اور تقاضا کیا کہ ہم سے رقم لے لو اور کاغذِ فروخت ہمارے حوالے کردو۔ محمد خان نہ روپیہ لینے پر اور نہ ہی کاغذ حوالے کرنے پر آمادہ ہوا۔ لانگے خان اور اس کے ورثا کو سختی کے ساتھ کہا کہ تم سب چلے جاؤ اور اپنی جگہ بیٹھ جاؤ، میں جانوں اور زاہد خان جانے۔ اسی دوران یہ واقعہ ہوا کہ نواب زاہد خان کو نظامت ملتان کے منصب سے ہٹادیا گیا اور نواب شاہ نواز خان کو صوبہ دار ملتان مقرر کیا گیا۔ یہ ۱۷۳۹ء کا واقعہ ہے جب کہ نادر شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوکر پنجاب

پہنچ چکا تھا، اس سے قبل نادر شاہ، ہرات پر قبضے کی خاطر محمد خان کے بھائی اللہ یار خان سے کئی بار جنگ آزما ہو چکا تھا اور وہ اس خاندان کی بہادری اور جان فروشی سے بخوبی آشنا تھا۔ اگرچہ نادر شاہ ہرات پر قابض ہو چکا تھا تاہم اس کے دل میں اس خاندان کی بے حد وقعت و عزت تھی۔ نادر شاہ نے اپنے سلسلے میں کوئی حکم دیا تو محمد خان نے اس خواہش کا برملا اظہار کیا کہ اہل کاروں کو حکم نامہ جاری کیا جائے کہ وہ زاہد خان کو باغ کے تصرف سے بے دخل کر کے باغ اس کے مالکان کے حوالے کر دیں۔ واقعہ یہ ہو چکا تھا کہ اس دوران زاہد خان کے آدمی زبردستی باغ کو اپنے قبضے میں لے چکے تھے اور اسے عوام الناس کے لئے وقف کرنے کا اعلان بھی ہو چکا تھا۔ نادر شاہ نے محمد خان کے حق میں حکم نامہ جاری کر دیا۔ محمد خان شاہی فرمان لے کر ملتان پہنچا لیکن زاہد خان نے حکم ماننے سے صاف انکار کر دیا۔ نادر شاہ کے چلے جانے کے بعد محمد خان دوبارہ دلّی گیا اور مغل تاجدار محمد شاہ سے ملاقات کر کے اپنے لئے منصب کا طالب ہوا۔ محمد شاہ اس کی عزت و تکریم کا منظر نادر شاہ کے سامنے دیکھ چکا تھا چنانچہ اس نے محمد خان کو منصب ہفت ہزاری ذات و سوار دیا نیز چاندی کا نقارۂ بلند آواز عطا کیا۔ تین صوبہ جات میں اس کی تنخواہ اور جاگیر مقرر کر دی۔ یعنی صوبہ شاہ جہاں آباد، صوبہ لاہور اور صوبہ ملتان، جس کی آمدنی ساٹھ لاکھ پچاس ہزار روپے بنتی تھی، یہ ایک ایسا منصب اور اعزاز و امتیاز دربارِ مغل سے اسے ملا جو اس سے قبل کسی سدوزئی کو حاصل نہ ہوا تھا چنانچہ محمد خان باغ لانگے خان کو بھول گیا اور اس نے ملتان کی جاگیر کا پروانہ اپنے بیٹے عبدالرحیم خان کے پاس ملتان ارسال کر دیا۔ اس وقت نواب زاہد خان سدوزئی ناظم ملتان تھا، وہ یہ پروانہ پڑھ کر متحیر ہوا اور اس نے

جاگیر کا قبضہ دینے میں لیت و لعل سے کام لیا۔ چنانچہ محمد خان نے لاہور، نواب زکریا خان بہادر کے دربار کا رخ کیا اور شاہی فرمان اس کی خدمت میں پیش کیا۔ زکریا خان کا پہلے سے ہی یہ مزاج تھا کہ وہ شاہی احکامات کو خاطر میں نہ لاتا تھا، سو اس نے بھی لیت و لعل اختیار کی بلکہ اس نے محمد خان کے عزائم کو بھانپ کر اسے بند کر دیا۔ محمد خان نے اپنے بیٹے کو اس صورتِ حال سے مطلع کیا اور کہلایا کہ جیسے کیسے اس کی اطلاع نادر شاہ تک پہنچائی جائے۔ عبدالرحیم خان فی الفور ایک صد سپاہیوں کے ساتھ ایران روانہ ہو گیا۔ ملتان سے ڈیرہ غازی خان، پھر قندھار اور پھر ہرات جا پہنچا۔ نادر شاہ ان دنوں مشہد میں تھا، پھر کرکوک گیا۔ عبدالرحیم خان اس کے تعاقب میں رہا اور اس نے پندرہ سو کوس کا فاصلہ چھ ماہ میں طے کیا۔ راستے میں یہ دشواریاں بھی پیش آئیں، بہر حال نادر شاہ کو اطلاع ملی کہ اللہ یار خان سدوزئی مرحوم کا بھتیجا عبدالرحیم خان اس سے ملنے کے لیے مارا مارا پھر رہا ہے تو اس نے اسے فوراً طلب کر لیا۔ اس نے اپنے والد کی قید و بند کا احوال سنایا اور امداد کی درخواست کی۔ نادر شاہ نے اسے تسلی دی۔ ایک ہزار روپے بطور مصارفِ سفر مع چند تحائف پیش کئے اور زکریا خان کے نام فرمان جاری کر دیا کہ محمد خان المعروف وفایار خان ابدالی کو بلا تاخیر عزت و احترام کے ساتھ رہا کیا جائے اور اس کی جاگیر اس کے حوالے کی جائے۔ سردار طہماسپ خان اور ناصر خان گورنر کابل کے نام فرمان جاری ہوا کہ بصورتِ دیگر وہ خود جا کر محمد خان کو رہائی دلائیں۔ ادھر یہ شاہی فرمان پہنچنے سے قبل ہی زکریا خان نے محمد خان کو رہا کر دیا تھا اور نادر شاہ سے اپنے سابقہ سلوک کی معذرت طلب کی تھی۔ اس کا ضبط شدہ سامان بھی واگزار کر دیا۔ مزید اس کی جاگیر کے عوض تنخواہ

بھی مقرر کر دی گئی۔ چنانچہ اس کے بعد محمد خان بصد آسودگی و راحت ملتان میں رہنے لگا لیکن اس کے بعد اس نے پھر دلّی کا سفر اختیار کیا۔ ادھر اس کے بیٹے عبدالرحیم خان نے نادر شاہ سے رخصت لے کر سفر ملتان اختیار کیا۔ نادر شاہ نے بوقتِ رخصت عبدالرحیم خان کو شمشیر مرصع خنجر، دس گھوڑے اور دیگر ساز و سامان مالیتی ستر ہزار روپے عطا کر کے اسے عزت سے رخصت کیا۔

عبدالرحیم خان نے ملتان آتے ہوئے پہلے موصل میں قیام کیا۔ لشکریوں میں سے ایک شخص نے اس کے روبرو ابدالیوں کا گلہ شروع کر دیا۔ عبدالرحیم خان نے ازراہِ غیرت غضب ناک ہو کر کمر سے پیش قبض کھول کر اس کے دونوں کان کاٹ لئے۔ اب یہ فریادی بن کر نادر شاہ کے حضور میں حاضر ہوا اور یہ درد ناک ماجرا بیان کیا۔ نادر شاہ نے کہا خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہارا سر نہیں کاٹا۔ جب وہ نادر شاہ سے مل کر لوٹ رہا تھا تو آلوس ابدالی کے کچھ وفادار ماژندران میں مقیم تھے، وہ ان کو بھی ہمراہ لے آیا۔ اس نے احمد خان سے بھی ملاقات کی جو بعد میں احمد شاہ درددران کے نام سے افغانستان کا بادشاہ بنا۔ اس سفر کو طے کرتے ہوئے وہ ڈیرہ غازی خان پہنچا۔ تمام مصارفِ سفر نادر شاہ نے برداشت کئے۔ اس پورے سفر میں اسے ایک سال سے زیادہ عرصہ گزرا۔ ملتان پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اس کا والد محمد خان لاہور سے رہائی کے بعد دلّی کی طرف گیا ہے۔ وہ چند روز ملتان ٹھہر کر والد سے ملاقات کے لئے دلّی چلا۔ وہاں والد کے پاس کچھ مدت قیام کیا۔ پھر اس نے مراجعت کی۔

۱۷۴۸ء میں احمد شاہ درددران نے پنجاب پر حملہ کیا۔ نواب شاہ نواز خان نے شکست کھائی۔ افغان تاجدار کا قبضہ پنجاب سے سرہند تک ہو گیا۔ جب

سرہند میں مغل لشکر کا افغان لشکر سے تصادم ہوا اور دونوں لشکر خیمہ زن تھے تو مغل بادشاہ نے جو سفارت افغان بادشاہ کے پاس برائے گفت وشنید بھیجی اس میں محمد خان سدوزئی کو بھی شامل کیا گیا۔ جب یہ سفارت احمد شاہ درِ دران کی خدمت میں پہنچی اور افغان تاجدار نے محمد خان کو دیکھا تو دونوں فرطِ محبت سے ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے کیونکہ دونوں رشتے میں چچازاد اور پھپھی زاد بھائی تھے۔ افغان تاجدار نے پوچھا، تم میرے لشکر کو کیسا پاتے ہو؟ محمد خان نے کہا کہ اتنا لشکر ہندوستان کی تسخیر کے لئے کافی ہے البتہ ہیبت اور رعب ڈالنے کے لئے لشکر کی تعداد میں اضافہ بھی ضروری ہے۔ افغان تاجدار نے اسے ایک لاکھ روپیہ نقد، چند گھوڑے اور ایک ہاتھی عطا کر کے بصد عزت و احترام رخصت کیا۔ روانگی کے وقت اتنا فرمایا کہ تمہارے باپ عبداللہ خان سدوزئی نے میرے والد زمان خان کو ہرات میں قتل کیا تھا۔ کینہ وانتقام افاغنہ کی سرشت میں داخل ہے۔ آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں، آپ سے درخواست ہے کہ حدود افغانستان میں جہاں میری حکومت ہے، کبھی قدم نہ رکھیں۔ اگر کوئی کام پڑے تو تحریراً مطلع کر دیں۔ انشاء اللہ کام ہو جائے گا۔ اگر آپ نے قدم رکھا تو پھر افغانی جذبۂ غیرت کے تحت میں بدلہ لینے پر مجبور ہو جاؤں گا اور آپ کی والدہ سے، جو میری حقیقی پھپھی ہیں اور ملتان میں بقیدِ حیات ہیں، مجھے شرمساری ہوگی۔

سالِ آئندہ مغل تاجدار نے محمد خان کو اپنا سفیر بنا کر افغان تاجدار کے پاس بھیجا۔ جب افغان تاجدار کو اس کے ورود کا علم ہوا تو اس نے پیغام بھجوایا کہ آپ ملاقات کے لئے نہ آئیں۔ کوئی پیغام ہو تو لکھ کر مجھے بھجوا دیں، لیکن محمد خان

ملاقات پر مصر رہا۔

۱۱۶۳ھ مطابق ۱۷۵۰ء میں جب احمد شاہ ڈیرہ غازی خان میں اقامت پذیر تھا، اسے محمد خان کی آمد کی اطلاع ملی۔ افغان تاجدار نے ایک دستہ مقرر کر دیا جس نے راستے ہی میں محمد خان کا کام تمام کر دیا۔ وہ اپنے ایک بیٹے سمیت قتل ہوا۔ اسی جگہ دفن کر دیا گیا۔ محمد خان کے پانچ بیٹے تھے۔ بڑا بیٹا عبدالرحیم خان ایک مغل عورت کے بطن سے تھا، دوسرا بیٹا اکبر خان آلوس ابدالی غلزئی کی ایک خاتون کے بطن سے تھا، تیسرا بیٹا اصغر خان جو باپ کے ساتھ مقتول ہوا، ایک کنیز سے تھا۔ چوتھا، ابراہیم خان جس کی ماں فارسی نژاد خراسانی تھی اور پانچواں بیٹا غلام مصطفیٰ خان تھا وہ بھی ایک کنیز کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

عبدالرحیم خان الملقب وفایار خان :

محمد خان سدوزئی کے بڑے بیٹے عبدالرحیم خان کو شجاعت میں ناموری حاصل تھی۔ اپنے خاندان کے ناموس پر مر مٹنے والا تھا۔ اگرچہ باپ کی زندگی میں باغ لانگے خان کے بارے میں نواب زاہد خان سے اس کا اختلاف تھا اس کے باوجود جب کوڑامل نے ملتان پر حملہ کیا تو اس نے نواب کا ساتھ دیا اور نہایت جرأت کا مظاہرہ کیا۔ جب کوڑامل نے ملتان پر قبضہ کر لیا اور عبدالرحیم خان کی جائیداد ضبط کر لی اور اسے قید میں ڈال دیا، اس وقت محمد خان دلّی میں مقیم تھا اس نے مغل بادشاہ کی جانب سے شاہی فرمان ملتان بھجوایا اور اسے رہائی ملی اور جائیداد بھی بادشاہ کے حکم سے واگزار ہوئی، جب احمد شاہ درردان سے دوسری بار پنجاب حملہ کیا تو اس سے ملاقات کر کے عبدالرحیم خان نے شکایت کی چوں کہ شاہ اس کی حقیقی پھپھی کا پوتا تھا اس لئے اسے انعام و اکرام دیئے اور تسلی

دی۔ جب احمد شاہ درّدران نے تیسری مرتبہ لاہور پر حملہ کیا تو مغل منصب دار نواب معین الملک نے اسے لاہور طلب کیا اور اسے لشکر میں شمولیت کے لئے کہا بلکہ اسے یہ حریصانہ ترغیب دی گئی کہ اگر احمد شاہ کو شکست ہوئی تو عبدالرحیم خان کو افغانستان کا بادشاہ مقرر کر دیا جائے گا۔ عبدالرحیم خان اس تجویز سے متفق نہ ہوا۔ وہ موقع پا کر بھیس بدل کر چپکے سے ملتان چلا آیا۔ نواب معین الملک نے بہت چھان بین کی مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ اس کی جانب سے لوگ اس کی تلاش میں ملتان بھیجے گئے لیکن یہ مخفی رہا اور اپنے برادرِ خورد مصطفیٰ خان کے ساتھ بیکانیر چلا گیا۔ اس دوران میں مرہٹے ابھرے اور انہوں نے دلّی پر قبضہ کر لیا۔ انہیں عبدالرحیم خان کی شہرت اور افغان تاجدار کے ساتھ اس کی رشتہ داری کا علم ہوا تو اسے ہمراہ لے کر لاہور کی جانب بڑھے۔ یہ وہی زمانہ تھا جب مرہٹوں کی آمد آمد سن کر تیمور شاہ اور افغان سپہ سالار جہان جان نے راہِ فرار اختیار کی تھی اور مرہٹے لاہور پر قابض ہو گئے تھے۔ مغل بادشاہ کی، محمد خان کو عطا کردہ جاگیر مرہٹوں نے عبدالرحیم خان کے حوالے کر دی اور اسے مضبوط بنایا تاکہ شاہِ افغانستان کے مقابل اسے بطور امیدوار سلطنت تیار کیا جائے۔ سالِ آئندہ احمد شاہ درّدران نے پنجاب پر حملہ کیا اور مرہٹے ہزیمت اٹھا کر لاہور چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بیر دنِ لاہور افغان لشکر اور مرہٹوں میں جنگ ہوئی۔ عبدالرحیم خان بہ امر مجبوری اپنے افغان دستے کے ساتھ مرہٹوں کا ساتھ دے رہا تھا، اس نے خوب جوہر شجاعت دکھائے۔ مرہٹے وہاں سے بھاگ نکلے یہ بھی ان کے ہمراہ تھا۔ جب پانی پت کے میدان میں احمد شاہ درّدران اور مرہٹوں کا مقابلہ ہوا تب بھی چار و ناچار یہ مرہٹوں کے ساتھ تھا۔ مرہٹوں نے شکست کھا

تو یہ اپنے ساتھیوں سمیت صحیح و سالم نکل جانے اور اپنی جان سلامت لے جانے میں کامیاب ہو گیا کیونکہ یہ افغان لشکر کے ساتھ کوئی مزاحمت نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے وہاں سے دلّی پہنچا اور وہیں قیام کیا۔ اس کا بھائی ایک دن شکار کے لئے گیا، لوٹ کر نہ آیا۔ خدا جانے زندہ رہا مر گیا، اس کے بعد عبدالرحیم خان دکن گیا۔ کچھ عرصے وہاں رہا، جب مرہٹوں کو مکمل شکست ہو گئی اور احمد شاہ درران فتح یاب ہوا اور کچھ عرصے ہندوستان میں قیام کے بعد افغانستان چلا گیا، تب عبدالرحیم خان دکن سے دلّی آیا وہیں سکونت اختیار کی اور وہیں لاولد فوت ہوا۔

اکبر خان :

محمد خان کا دوسرا بیٹا اکبر خان تھا۔ جوان مرد، صاحب داعیہ تھا، اس کی بہادری کے پیش نظر احمد شاہ درران نے حکم دیا تھا کہ یہ دریائے سندھ کو عبور کر کے افغانستان کا رخ نہ کرے اور جب احمد شاہ ہندوستان کی جانب جائے تو ناظم ملتان کو ہدایت تھی کہ اسے نظر بند کر دے، چنانچہ جب احمد شاہ واپس چلا جاتا، تب اس کی خلاصی ہوتی۔ اس کی گزر اوقات کے لئے موروثی جاگیر کی آمدن دس ہزار روپے سالانہ ڈیرہ غازی خان سے تھی۔ جب سکھوں نے ۱۷۶۴ء میں ملتان پر حملہ کیا تو محمد شریف خان ولد محمد باقر خان سکھوں کی قید سے رہائی کے بعد قندھار احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے دوران ملاقات عرض کی کہ جب ملتان کا ناظم اکبر خان کو قید کرتا ہے تو ہماری خواری، سبکساری ہوتی ہے۔ شاہ نے کہا، آیا تم اس کی ضمانت لیتے ہو کہ وہ آئندہ فساد برپا نہیں کرے گا؟ محمد شریف خان نے کہا کہ میں یہ ذمہ داری لیتا ہوں۔ شاہ نے کہا آئندہ اسے قید نہیں کیا جائے گا۔ احمد شاہ درران کی وفات کے بعد عہد

تیمور شاہ ۱۱۸۸ھ مطابق ۱۷۷۴ء میں اکبر خان افغانستان کی جانب بھاگا۔ راستے میں میر نصیر خان کے پاس قلات پہنچا۔ میر نصیر خان نے اس کا استقبال کیا۔ قلعے میں ٹھہرایا، وہاں سے اس نے افغانستان کے آلوس ابدالی کے سرکردہ افراد کو خطوط ارسال کیے، بیشتر افراد نے اسے افغانستان آمد کی دعوت دی اور حمایت کی یقین دہانی کرائی۔ تیمور شاہ کو اس واقعے کی خبر ہوئی تو وہ متفکر ہوا۔ سردار محمد خان کو، جسے سکھوں کی لڑائی میں نواب شجاع خان کی امداد کے لئے ملتان بھیجا تھا، فوراً طلب کر لیا۔ تیمور شاہ جو ہر سال موسمِ سرما میں کابل سے پشاور آتا تھا، اس سال نہ آیا اور شدید سرما میں بھی کابل ہی میں مقیم رہا۔ اس نے قلعے کو پوری طرح مستحکم کیا۔ قلعہ قندھار کے استحکام کے لئے اس نے اپنے بیٹے ہمایوں کو روانہ کیا نیز اس نے آلوس ابدالی کے خوانین اور سرکردہ افراد کی خاطرداری اور خوشنودی کی پوری کوشش کی۔ والیٔ قلات کو لکھا کہ اکبر خان کو ہمارے حوالے کر دو۔ اس نے جواب دیا یہ آدابِ میزبانی اور آئینِ مہمانداری کے خلاف ہے کہ آئے ہوئے مہمان کو آپ کے حوالے کیا جائے۔

ایک دن اکبر خان نے والیٔ قلات سے مشورہ کیا کہ بعض افراد کے دعوت نامے موصول ہوئے ہیں، مجھے جانا چاہیئے یا نہیں۔ میر نصیر خان نے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ اجازت ہو تو میں تیمور شاہ سے گفتگو کر کے تمہیں کسی مناسب سے علاقے کی منصب داری دلا دیتا ہوں کیونکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ آلوسِ ابدالی میں وہ پہلی سی رفاقت اور جوشِ حمایت نہیں رہا۔ احمد شاہ درِدران کے عہد میں عبدالخالق سے وعدہ کر کے منہ موڑ لیا تھا۔ اکبر خان اس رائے سے متفق نہ ہوا اور چار پانچ سو گھڑ سوار جمع کر کے قندھار کا رخ کیا۔ قندھ

سے باہر غلزئیوں کی کڑی میں قیام کیا۔ وہاں آکوس ابدالی کے افراد جمع ہونے شروع ہوئے، چھ سات ہزار کا لشکر بہم ہو گیا۔ جب شہزادہ ہمایوں کو اطلاع ملی تو اس نے اکبر خان کی سرکوبی کے لئے دس بارہ ہزار کا لشکر روانہ کیا۔ طرفین میں خونریز جنگ ہوئی۔ اکبر خان کو شکست ہوئی تاہم اس نے بہادری کے جوہر دکھلائے۔ اپنی جگہ ثابت قدم رہا اور مخالفین کو گاجر مولی کی طرح کاٹتا رہا۔ آخر تنہارہ گیا تو اسے زخمی حالت میں گرفتار کر لیا گیا اور قلعہ قندھار میں شہزادہ ہمایوں کے پیش کیا گیا۔ اسے حوالۂ زنداں کر دیا گیا۔ تیمور شاہ کو صورتِ احوال کی اطلاع دی گئی۔ اس نے حکم دیا کہ اکبر خان کو اندھا کر کے کابل روانہ کر دیا جائے چنانچہ اسے اندھا کر کے کابل بھیج دیا گیا۔ تیمور شاہ نے اسے کابل میں مقید کر دیا۔ ایک دن تیمور شاہ خفیہ انداز میں اکبر خان کو دیکھنے گیا اور وہاں محافظ سے کہا، اس سے پوچھو کہ بادشاہت کرنی ہے۔ اکبر خان تاڑ گیا کہ تیمور شاہ خود موجود ہے۔ اس نے خدام اور محافظین کے سامنے پشتو زبان میں اسے بہت کچھ سخت سست کہا۔ تیمور شاہ ازراہِ مصلحت خاموشی سے نکل آیا۔ اس کے بعد تیمور شاہ نے ڈیرہ غازی خان کی جانب احکام صادر کیے کہ عبداللہ سدوزئی کی اولاد جہاں ہاتھ آئے، اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ سپاہیوں نے ابراہیم خان کو قتل کر دیا۔ ناصر خان کا بھی کام تمام کر دیا۔ ابراہیم خان کا ایک بیٹا فتح اللہ خان تھا جو ہنوز سنِ بلوغت کو نہ پہنچا تھا کہ وفادار ملازمین نے اسے اور اس کے نابالغ بیٹے کو چھپا کر ریاست بہاول پور کے علاقہ خیر پور میں پہنچا دیا۔

علی یار خان:

یہ عبداللہ خان کا چوتھا بیٹا تھا کیونکہ آزاد طبع تھا اور داعیہ رکھتا تھا، اپنے

بھائی محمد خان الملقب وفایار خان کے ساتھ رہتا تھا۔ دلی میں محمد خان کی وفات کے چند روز بعد یہ بھی فوت ہو گیا۔ اس کی اولاد میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ ایک لڑکی کا عقد اکبر خان کے ساتھ ہوا۔ دوسری ابراہیم خان کی زوجیت میں تھی جو اکبر خان کا بھائی تھی۔ تیسری لڑکی کا نکاح قاسم خان ولد رضا خان سدوزئی بہادر خیل کے ساتھ ہوا تھا۔ اس کے بطن سے ناصر خان، سیف اللہ خان اور شاکر خان پیدا ہوئے۔ شاکر خان حادثۂ سکھاں میں جو ۱۱۷۸ھ مطابق ۱۷۶۴ء میں کڑی سلطان حیات خان میں وقوع پذیر ہوا تھا، مقابلے میں لڑکر شہید ہوا۔ ناصر خان اور سیف اللہ خان ایک مرتبہ محمد شریف خان کے ساتھ احمد شاہ درران کی خدمت میں قندھار حاضر ہوئے اور وہاں سے خلعت و جاگیر لے کر لوٹے۔ جب تیمور شاہ نے ابراہیم خان کے قتل کا حکم جاری کیا تو ڈیرہ غازی خان میں تیمور شاہ کے سپاہیوں نے ابراہیم خان کے ساتھ ناصر خان کو بھی قتل کر دیا۔ یہ لاولد تھا۔ سیف اللہ خان اس وقت شجاع آباد میں تھا، جب اکبر خان نے افغانستان میں بغاوت کا علم بلند کیا۔ جب اکبر خان کی شکست اور ابراہیم خان اور ناصر خان کی قتل کی اطلاع شجاع آباد پہنچی تو سیف اللہ خان اپنی جان کی حفاظت کی خاطر وہاں سے خیر پور پہنچ گیا۔ جب تیمور شاہ ۱۱۹۴ھ مطابق ۱۸۰۰ء میں بہاول پور کی جانب آیا تو سیف اللہ خان خیر پور سے بیکانیر چلا گیا۔ وہاں کے ہندو راجہ نے خوب خاطر داری کی اور تین صد اشرفیاں نذر کیں۔ سیف اللہ خان کی والدہ شجاع آباد سے تیمور شاہ کے پاس بطریق حیلہ "ننوات" آئی۔ اس لئے تیمور شاہ نے سیف اللہ خان کی خطا معاف کر دی اور سات ہزار روپیہ مواجب کی جاگیر ملتان میں مقرر کر دی۔ شرط یہ قائم کی کہ کوئی نا جا

حرکت نہیں کرے گا۔ جب تیمور شاہ نے ہندوستان سے سفر واپسی اختیار کیا تو یہ بیکانیر سے خیر پور آیا اور وہیں قیام کیا۔ جاگیر سے مقررہ آمدن وہیں پہنچ جاتی تھی۔ اسی دوران میں ایک شخص آزاد ولد رحیم داد بامے زئی نے کشمیر میں بغاوت کا جھنڈا بلند کیا اور ایک سفارت سیف اللہ خان کے پاس خیر پور بھیجی اور ایک لاکھ کی ہنڈی بھی روانہ کی اور درخواست کی کہ آپ ہمارے پاس کشمیر آجائیں تاکہ تیمور شاہ کے خلاف مشترکہ بغاوت کی جائے۔ سیف اللہ خان پنجاب کے راستے کشمیر روانہ ہوا لیکن اس سے قبل کہ وہ کشمیر پہنچے، سردار مدد خان نے اس کی سرکوبی کر ڈالی اور آزاد بامے زئی نے عالم مایوسی میں خودکشی کر لی۔ سیف اللہ خان حالت یاس خیر پور لوٹ آیا۔ شاہی حکم کے مطابق اس کے مواجب منسوخ کر دیئے گئے اور خیر پور کے زمیندار نے کہا کہ آپ کا اب یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں کیونکہ افغان لشکر ادھر کا رخ کرے گا اور ہم بھی بلا وجہ مستوجب سزا ہوں گے۔ بہ امر مجبوری سیف اللہ خان کے اپنے چھوٹے لڑکے کو جو لائق سواری نہ تھا، خیر پور چھوڑ کر بڑے لڑکوں اکبر خان اور سلیمان خان کو جو لائق سواری تھے ساتھ لے کر مع ملازمین اور ہمراہیوں کے مسافرت پر روانہ ہوا۔ کچھ کا خیال ہے کہ شاید کیچ مکران کی جانب نکل گیا، کچھ کا قیاس ہے کہ دکن کا رخ کیا، کچھ کا اندازہ ہے کہ عرب کی طرف چلا گیا، واللہ اعلم بالصواب۔

سیف اللہ خان کا سب سے چھوٹا لڑکا حبیب اللہ خان تھا، جسے ملازمین والدہ سیف اللہ خان کے پاس خیر پور سے شجاع آباد لے آئے۔ والدہ سیف اللہ، [عبد]الی خان ولد مقرب خان کی دختر تھی۔ حبیب اللہ خان شاہ شجاع الملک کے [ع]ہد میں عالم جوانی میں فوت ہوا۔ اس کی وفات کے بعد ایک شخص سرفراز نامی جو

خیر پور کا رہائشی تھا، ۱۸۷۸ء کے بعد سیف اللہ خان کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا اور ڈیرہ اسماعیل خان آکر ایک افغان لڑکی سے منگنی کرلی۔ جب نواب حافظ احمد خان سدوزئی کو خبر ملی تو اس نے سر فراز کا محاسبہ کیا اور منگنی ختم ہو گئی۔ سر فراز شر مسار ہو کر خیر پور چلا آیا اور وہیں بود و باش اختیار کرلی۔

ان حالات کے بیان پر سلطان حیات خان خدکہ سدوزئی کی اولاد کا ذکر تمام ہو تا ہے۔ البتہ تیمور شاہ کی اولاد ایامِ ادبار و زوال میں ہندوستان چلی آئی اور مختلف علاقوں میں گشت کرنے کے بعد آخر کار لدھیانہ، لاہور اور دلّی میں سکونت پذیر ہو گئی۔

شاہ شجاع الملک، سابق تاجدارِ افغانستان کی ہندوستان آمد :

احمد شاہ درّران کی اولاد میں سے اس کا پوتا شاہ شجاع الملک پہلا شخص تھا جو ناکامی کے بعد پریشان خاطری کے عالم میں ہندوستان روانہ ہو گیا اور اس نے پنجاب میں مستقل سکونت کا فیصلہ کرلیا۔ ۱۲۲۴ھ مطابق ۱۸۰۹ء وہ کچھی شمالی کی جانب آیا، نواب سر بلند خان سدوزئی، ناظم نے از روئے نمک حلالی اس کا خیر مقدم کیا اور اس کی آمد کا سبب دریافت کیا۔ نیز تحفے تحائف بھی اس کی خدمت میں پیش کئے اور نہایت حکمت عملی اور سمجھ داری سے اسے اپنے علاقے سے گزار دیا۔ شجاع الملک کی بیوی راولپنڈی میں تھی، سو اس نے ادھر ہی کا سفر اختیار کیا۔ رنجیت سنگھ کی جانب سے اس علاقے کا زمیندار جیون سنگھ تھا۔ اس نے شجاع الملک کا استقبال کیا اور مہاراجہ کو اس کی آمد سے مطلع کیا۔ مہاراجہ کی خواہش پر دونوں کی باہمی ملاقات ہوئی۔ (باقی تفصیلات پہلے مذکور ہو چکی ہیں)

ہر طرف سے مایوسی کے بعد شاہ شجاع الملک نے قطعی فیصلہ پنجاب میں سکونت

کا کر لیا۔ جب پشاور کا حادثہ پیش آیا جس میں اسے ہزیمت اٹھائی اور وفا بیگم کو لاہور جانا پڑا تو رنجیت سنگھ نے اسے خوش آمدید کہا اور اس کی بود و باش کا اہتمام لاہور میں کر دیا۔

کوہِ نور ہیرا:

شاہ شجاع الملک کے پاس ایک نہایت بیش قیمت ہیرا ''کوہِ نور'' تھا۔ کتب تاریخ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے مثل ہیرا راجہ بکرماجیت بادشاہِ ہندوستان کی تحویل و ملکیت میں تھا۔ وہاں سے دست بدست شاہانِ مغلیہ کے پاس پہنچا۔ وہاں سے نادر شاہ اسے ایران لے گیا اور پھر یہ ہیرا احمد شاہ درّدران کے پاس آگیا اور اب شاہ شجاع الملک کے پاس تھا۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان بہلول لودھی اور سکندر لودھی کے پاس رہا تھا اور ابراہیم لودھی کی ماں نے اس ہیرے کو بابر کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ اس ہیرے کا وزن پونے سات تولے آٹھ مثقال بیان کیا جاتا ہے۔ تاریکی میں مثلِ آفتاب چمکتا تھا۔ رنجیت سنگھ نے وفا بیگم سے ہیرے کی درخواست کی۔ اس نے کہا کہ ہیرا شاہ شجاع کے پاس ہے اور وہ قلعہ پشاور میں نظر بند ہے اگر اسے رہا کر دیا جائے تو میں اس سے اس موضوع پر بات کروں گی۔ مہاراجہ نے ایک لشکر دیوان محکم چند کی سربراہی میں روانہ کیا۔ اطلاع ملی کہ شاہ شجاع کو کشمیر لے جایا گیا ہے۔ اس لشکر نے کشمیر کا رخ کیا اور ناظم کشمیر کو اس کی خلاصی کا پیغام بھجوایا۔ ناظم نے ڈر کر اسے دیوان محکم چند کے حوالے کر دیا۔ اس طرح شاہ شجاع الملک ۱۲۲۸ھ مطابق ۱۸۱۲ء میں لاہور داخل ہوا۔ مہاراجہ نے سرگرمی سے استقبال کیا۔ خوب مہمانداری کی۔ اس کے بعد وفا بیگم کو اس کا عہد

یاد دلایا کہ اب آپ ایفائے عہد کرتے ہوئے کوہِ نور ہیرا میرے حوالے کر دیں۔ جب یہ بات شاہ شجاع تک پہنچی تو اس نے کہا کہ ہم نے یہ ہیرا ایک سوداگر کے پاس گروی رکھا ہوا ہے۔ وفا بیگم کے علم میں یہ صورت حال نہ تھی۔ اسے وعدہ نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ اس گفت و شنید میں پانچ چھ ماہ کی مدت گزر گئی۔ جب ہیرا ملنے کی توقع جاتی رہی تو ایک دن مہاراجہ کمال مسرت کا اظہار کرتے ہوئے شاہ شجاع کی اقامت گاہ پر پہنچ گیا۔ چار و ناچار شاہ نے وہ ہیرا اس کے حوالے کر دیا اور مہاراجہ نہایت شاد کامی کے ساتھ واپس ہوا۔ اس کے عوض اس نے کمالیہ میں چالیس پچاس ہزار روپے سالانہ آمدنی کا موضع برائے مصارفِ زندگی شاہ شجاع الملک کے حوالے کر دیا اور شاہ اور اس کے عملے سے تمام چوکی پہرہ اٹھا لیا۔ اس کے بعد مہاراجہ کے علم میں یہ بات آئی کہ شاہ شجاع الملک کے پاس اور بھی کئی قیمتی ہیرے جواہرات ہیں۔ اس نے لالچ میں پھر چوکی پہرا بٹھا دیا اور اس سے ان ہیرے جوہرات کا مطالبہ کیا۔ القصہ عجیب و غریب حرکتیں کرتا رہا۔ وفا بیگم کو ایک کے بعد دوسرے مکان میں منتقل کرتا رہا۔ حتیٰ کہ مال و اسباب اٹھانے کے لئے چور بھی مقرر کر دیئے۔ اس سلسلے میں شاہ شجاع الملک کے قتل کا منصوبہ بھی بناتا رہا۔ جب چور اس کے ڈیرے پر پہنچے تو افغان محافظوں نے انہیں مار بھگایا لیکن اس تصادم میں ایک افغان محافظ بھی مجروح ہو گیا۔ رقم کی طمع میں دونوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ شاہ شجاع الملک موقع پا کر کھڑک سنگھ کی ماں کے خیمے میں چلا گیا۔ بالآخر رنجیت سنگھ دونوں کے بے شمار ہیرے جواہرات اور قیمتی اثاثے پر قابض و متصرف ہو گیا۔ مگر اس کی خوئے حریصانہ کو تسکین نہ ہوئی۔ شاہ کا سارا مال و متاع ہتھیا لینے کے بعد وہ ملکہ وفا بیگم کے مال

اسباب کی طرف متوجہ ہوا کیونکہ ملکہ کے پاس بھی کچھ جواہرات پوشیدہ تھے۔
اس نے تین سال تک ان شاہی افراد کو اپنی قید میں رکھا اور نگہبان ان پر متعین
رکھے۔ آخر تنگ آکر ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۴ء کو اس وقت جب ہندو تہوار کے
موقع پر گنگا میں اشنان کے لئے لاہور سے روانہ ہوئے تو شاہ کے جاں نثاروں کو
نکل بھاگنے کا موقع ہاتھ آگیا۔ انہوں نے پوشیدہ طور پر چندر تھ کرائے پر لئے
اور وفا بیگم اور دیگر اہلِ حرم اور عملے نے ہندوانہ پوشاک پہنی اور آدھی رات کے
وقت حرم سرا سے رتھوں میں بیٹھ کر لدھیانے کا سفر اختیار کیا کیونکہ لدھیانہ
فرنگی حکومت کی حدود میں تھا۔ بالآخر یہ قافلہ بخیر و خوبی فرنگیوں کی پناہ میں جا
پہنچا۔ فرنگی ماری صاحب نے ان کی نہایت آؤ بھگت کی، وفا بیگم اور دوسرے
افراد کے لئے پچاس روپے یومیہ برائے خوراک مقرر کر دیئے جب مہاراجہ کو
اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے شاہ سے کہا کہ تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے،
شاہ نے کہا، تمہارا قیدی ہوں، جو چاہو کرو۔ رنجیت سنگھ خاموش ہو گیا۔ لیکن
شاہ پر پہرہ برابر بیٹھا رہا۔ تین چار ماہ بعد جب رنجیت سنگھ امرتسر گیا ہوا تھا، شاہ
شجاع الملک نے اپنے محافظوں سے کہا کہ مہاراجہ کے پہریداروں کو کچھ رقم دیں
اور انہیں کسی نہ کسی طرح اپنے کمروں میں لے جا کر باتوں میں لگالیں، حتیٰ کہ وہ
وہیں سو جائیں، تاکہ نصف شب کو بھیس بدل کر میں نکل جانے میں کامیاب ہو
جاؤں چنانچہ یہ منصوبہ کامیاب ہوا اور شاہ دریائے راوی عبور کر کے اپنے
ساتھیوں سمیت کشمیر کوچ کر گیا۔ علی الصباح جب کوتوالِ شہر اس واقعے سے
باخبر ہوا تو اس نے لدھیانے کی جانب جانے والے راستے پر تیز رفتار گھڑ سوار
مقرر کر دیئے۔ وہ شاہ کو گرفتار نہ کر سکے کیونکہ اس نے کشمیر کا راستہ اختیار کیا

تھا۔ آخر شاہ کشمیر پہنچ گیا۔ وہاں کا حاکم عظیم خان بارک زئی تھا، سکھوں نے ایک لشکر کشمیر روانہ کیا۔ عظیم خان مقابلے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ لیکن اسی عرصے میں برف باری شروع ہو گئی اور شجاع الملک نہ سکھوں کے ہاتھ لگا نہ ہی عظیم خان کے۔ بلکہ کشمیر کی ریاست کشتواڑ کے راجہ کے پاس جا پہنچا۔ جس نے اس کی بڑی عزت و تکریم کی جب برف باری موقوف ہوئی، بہار کے بعد موسم گرما آیا تو سکھوں نے کشمیر پر لشکر کشی کی اس دوران میں شاہ نے لدھیانے کا عزم کیا اور ۱۲۳۱ھ مطابق ۱۸۱۵ء کو دشوار گزار راستوں، جنگلوں، پہاڑوں سے کبھی پیدل، کبھی سوار، چنبہ کے علاقے سے گزر کر لدھیانہ پہنچا۔ ماری صاحب نے فوراً حاضری دی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے چار ہزار روپیہ بسر اوقات کے لئے مقرر کیا۔ ہفتہ میں دو بار سلام کے لئے آتا اور دست بستہ کھڑا رہتا۔ لدھیانے میں شاہ نے عمارات تعمیر کیں، دیوان خانہ، ڈیرہ، حرم سرا وغیرہ، نیز باغ بھی لگوایا اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۸ء میں شہزادہ کامران ولد شاہ محمود نے ہرات میں وزیر فتح خان کو قتل کر دیا۔ اس طرح سدوزئی خاندان کے حالات مزید بگڑ گئے۔ (یہ ذکر اوپر درج ہو چکا ہے) اب سدوزئیوں اور بارک زئیوں میں سلسلہ جنگ شروع ہو گیا اور حصولِ تاج و تخت کے لئے کئی سال قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ شاہ زمان کی حکومت بھی جاتی رہی۔ شاہ زمان ڈیرہ غازی خان آ گیا۔ اس کا بیٹا شہزادہ تیمور شکارپور جا نکلا۔ شاہ محمود تخت نشین ہوا لیکن عملاً حکومت کی باگ ڈور بارکزئی برادران کے ہاتھ میں تھی، شہزادہ ایوب پشاور کا حاکم تھا۔ اس دوران شاہ شجاع الملک کو فرنگی لشکر کی مدد سے پشاور پہنچایا گیا۔ ڈیڑھ سال

جدوجہد میں گزر گئے لیکن کامیابی نصیب نہ ہو سکی۔ اختر لونی فرنگی نے جو کمپنی کی فوج کا سپہ سالار تھا، دہلی میں شاہ شجاع الملک کے ساتھ ملاقات کے موقع پر خفگی کا اظہار کیا کہ آپ اپنا لشکر چھوڑ کر براستہ سندھ، چولستان، جودھ پور، اجمیر سے ہوتے ہوئے دلّی کیوں آ گئے۔ آخر یہ قرار پایا کہ جب شجاع الملک کسی جانب نقل و حرکت کریں تو پہلے انگریز کو مطلع کریں۔ دہلی میں اکبر شاہ ثانی بادشاہ نے چار ہزار روپے بطور ضیافت بھیجے اور شاہ شجاع الملک سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی لیکن فرنگیوں نے اجازت نہ دی۔ شاہ لدھیانہ آیا اور وہاں مقیم ہوا۔ فرنگیوں نے اس کی گزر اوقات کے لئے کچھ روپیہ مقرر کر دیا۔ شاہ شجاع الملک نے یہ تمام واقعات لکھ کر بغرض امداد الفنسٹن لاٹ صاحب کو ارسال کئے۔ نیز شاہ انگلستان کو بھی لندن خطوط لکھے۔ لیکن کہیں سے چارہ سازی نہ ہوئی اور امید بر نہ آئی۔ اسی نہج پر دن گزرتے گئے اور سدوزئی خاندان کے شاہزادے کابل سے ادھر ادھر بکھرتے گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے لدھیانہ میں شاہ شجاع الملک کی مہمانداری کے لئے ویڈ صاحب فرنگی کو مقرر کیا۔ بہت سے شاہزادے بھاگ بھاگ کر لدھیانہ آ پہنچے۔ شاہ شجاع نے ویڈ صاحب سے رقمِ مصارف میں اضافے کی استدعا کی۔ اس نے کہا، اسی مقرر کردہ رقم میں گزارا کریں۔ اس طرح شاہ کی زندگی کے بارہ سال گزر گئے۔ ہر طرف سے دامنِ امید ہاتھ سے نکلتا چلا گیا۔ دوبارہ حصولِ حکومت کا خیال بھی خواب ہو گیا۔ بھائیوں میں سے شاہ محمود نے ہرات میں وفات پائی۔ اس کے بیٹے شہزادہ کامران نے ہرات میں ...وس ابدالی کے کچھ لوگوں کو جمع کر کے بارک زئیوں سے اقتدار چھیننے کی ...وجہد کی، مگر ناکام رہا۔ گزر اوقات کے لئے شاہ شجاع الملک کو اپنے جواہرات

فروخت کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

شاہ شجاع الملک کا، قندھار و کابل کو فتح کرنے کا منصوبہ :

اس دوران میں شاہ شجاع الملک نے ویڈ صاحب فرنگی کی مشاورت و اعانت سے قندھار و کابل کی فتح کا منصوبہ مرتب کیا۔ آلوس ابدالی کے تقریباً ایک ہزار افراد ملتان اور ڈیرہ جات سے آکر جمع ہو گئے۔ سب کو کچھ فرنگیوں نے لڑائی کی تربیت بھی دی۔ فرنگی حکومت کی اعانت سے ایک قاصد مہاراجہ رنجیت سنگھ کی جانب روانہ کیا گیا اور ایک قاصد حاکم شکار پور میر صاحب کے پاس بھیجا گیا اور اطمینان دلایا کہ اس لشکر کشی میں فرنگی، شاہ کا معاون ہو گا اور سندھ و پنجاب کے معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔ یہ مہم جوئی محض اس مقصد کی خاطر ہے کہ اپنی آبائی سلطنت واپس لی جائے۔ اس سلسلے میں ویڈ، مہاراجہ سے ملا اور اپنا منصوبہ اس کے سامنے رکھا، تاہم اس فرنگی نے مہاراجہ سے ایک فریب کارانہ بات کی کہ جو علاقہ تمہارے قبضے میں ہے اس میں مداخلت نہیں کریں گے۔ مگر سندھ کے سارے علاقے میں سے آدھا رنجیت سنگھ لے لے اور آدھا شاہ شجاع الملک کے حوالے کر دے اور اس کا مالیہ بھی نصف نصف تقسیم ہو۔ جب کابل قندھار فتح ہو جائیں گے تو صورت حال اس کے مطابق دیکھیں گے۔ رنجیت سنگھ سے کہا کہ جب شاہ شجاع کو خط لکھے تو القاب و آداب کے ساتھ لکھے چنانچہ رنجیت سنگھ اور فرنگیوں کے درمیان ایک معاہدہ مرتب ہو گیا جس پر ویڈ صاحب نے شاہ شجاع سے مہر ثبت کرالی۔

رمضان المبارک ۱۲۴۸ھ مطابق آغاز سال ۱۸۳۲ء لدھیانہ سے روانہ ہوئے۔ شجاع الملک مع لشکر کے ذی الحج ۱۲۴۸ھ مطابق اپریل ۱۸۳۲

کو ریاست بہاول پور قلعہ مر دٹھ پہنچ گیا۔ نواب بہاول پور نے استقبال کیا۔ ایک توپ بھی پیش کی۔ خورد و نوش کے لئے اجناس کا اہتمام بھی کیا۔ یہاں یہ بات لائق ذکر ہے کہ انگریز کی دی ہوئی رقم دو لاکھ میں سے چند توپیں بھی خرید کر شجاع الملک نے شاملِ لشکر کر لی تھیں اور سپاہیوں کے مصارف کے سلسلے اپنے چند جواہرات بھی فروخت کر دیئے تھے۔ یہاں سے روانہ ہوئے، شکار پور پہنچے، راستے میں میر رستم ولد سہراب سدِ راہ ہوا۔ چوں کہ میر مراد علی والیٔ حیدر آباد کی اعانت شامل تھی اس لئے اس کی کچھ پیش نہ چلی۔ شاہ نے تین ماہ توقف کیا اور مناسب اسباب کا اہتمام کر کے قندھار جانے کا پروگرام بنایا۔ اس نے دریائے سندھ عبور کیا، شکار پور میں داخل ہوا اور بیرونِ شہر باغ میں قیام پذیر ہوا۔ شیر محمد خان بامے زئی وزیر سلطنت مرحوم کے بیٹے سمندر خان بامے زئی نے جو افغانستان سے بھاگ کر حیدر آباد آگیا تھا، شاہ کی آمد کی اطلاع سنی تو حاضر خدمت ہوا۔ چار اطراف سے سپاہی جمع ہونے لگے۔ انہیں تربیت دی جانے لگی۔ اس سے پہلے سفر سندھ کے دوران شاہ نے اپنی توپیں جو میران سندھ کے پاس چھوڑ گیا تھا، واپس لے لیں۔ میر مراد علی والیٔ حیدر آباد حاضر ہوا۔ اس نے اپنی توفیق کے مطابق رقم پیش کی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے حملۂ افغانستان کے سلسلے میں نوّے ہزار نقد بطور امداد ارسال کیا۔ شاہ نے بھی تبادلۂ تحائف کے طور پر مہاراجہ کو تین گھوڑے اور ایک قیمتی شمشیر ارسال کی۔ اس دوران بہ قضائے الٰہی میر مراد علی نے وفات پائی۔ میر رستم علی اور دوسرے میران نے شاہ شجاع سے کوچ کی استدعا کی۔ شاہ نے کہا تیاری مکمل ہونے کے بعد کوچ ہوگا۔ ہمارے یہاں قیام سے تم کو کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔ میر رستم افیونی تھا اس نے

ایک لشکر متعین کر دیا کہ شاہ کو زبر دستی اٹھوا دیا جائے۔ اس کے لشکر نے دریائے سندھ عبور کیا۔ سب سے پہلے شاہ کے محصلین کو شکار پور سے نکال دیا۔ ایک لشکر سمندر خان بامے زئی کی جانب روانہ کیا کہ وہ اپنی گدڑی سے پاؤں باہر نہ نکالے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ شجاع الملک اور شکار پور کے لشکر کے درمیان تصادم ہوا۔ پہلے ہی حملے میں مرتضٰی شاہ قہری افغانوں کے ہاتھوں ہلاک ہوا اور شکار پور کے لشکر نے شکست فاش کھائی۔ تھوڑے سے سپاہی بچ بچا کر شہر پہنچے۔ چار توپیں شاہ کے قبضے میں آئیں۔ اس فتح مندی سے شاہ کا رعب و دبدبہ تمام سندھ پر طاری ہو گیا۔ میرانِ حیدر آباد میں اضطراب پیدا ہوا۔ سب متفق و متحد ہو گئے۔ لاڑکانہ سے آگے بڑھ کر دریائے سندھ عبور کیا اور شاہ شجاع سے لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ شاہ نے بھی اپنا لشکر آگے بڑھایا۔ اس دوران فریقین کی جانب سے وکلاء کی آمدورفت جاری ہوئی۔ میر نور محمد اور میر نصیر پسران میر مراد علی مرحوم نے مصالحت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ساڑھے چار لاکھ روپے اکٹھا کر کے نقد شاہ کو پیش کیا۔ پانچ صد شتر باربرداری، گولہ بارود اور ایک سو خیمے شاہ کے حوالے کئے گئے اور استدعا کی گئی کہ اب قندھار کی جانب رخ کریں چنانچہ شاہ شجاع بارہ ہزار لشکر لے کر، جو پیادوں اور گھڑ سواروں پر مشتمل تھا اور جس میں سولہ توپیں شامل تھیں، شوال ۱۲۴۹ھ مطابق مارچ ۱۸۳۳ء وہاں سے سرحد بروہی کی جانب بڑھا۔ جب علاقہ بروہی میں قدم رکھا تو میر محراب خان بروہی نے بیماری کا بہانہ بنا کر حاضر خدمت ہونے سے معذرت کر لی۔ اس کے وکلاء نے استقبال کیا۔ واجبی مہمانداری کی، نذرانے پیش کئے، یہاں کے بعد شاہ علاقہ شال و مستنگ میں پہنچا اور چند دن قیام کیا۔ اس دوران میں اس نے شہزادہ جہانگیر کو ہرات

لکھا کہ وہاں سے یہاں پہنچے تا کہ مل کر پیش قدمی کریں۔ اطلاع ملی کہ شاہ کامران آنے میں مانع ہے۔ اب شاہ توکل خداوندی پر جانبِ قندھار روانہ ہوا۔ نزدیک پہنچنے پر اطلاع ملی کہ شیر دل، رحم دل، مہر دل برادرانِ دوست محمد خان بارکزئی قلعہ قندھار میں قلعہ بند ہو گئے ہیں۔ شاہ نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ باہر مورچے قائم کر لئے، توپیں نصب کر دیں۔ آلوسِ پوپلزئی اور دوسری اقوام افاغنہ قرب و جوار سے اس کے لشکر میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ شاہ کی خدمت میں نذرانے پیش کئے اور ہر قسم کی امداد و اعانت کا یقین دلایا۔ ہرات کے اردگرد اقامت رکھنے والے آلوس ابدالی ادھر کا رخ کرنا چاہتے تھے لیکن شہزادہ کامران مانعِ راہ ہوا۔ قلعہ قندھار فتح نہ ہو سکا۔ محاصرے نے ایک ماہ طول کھینچا۔ خبر موصول ہوئی کہ دوست محمد خان بارکزئی مع لشکر قندھار کی جانب روانہ ہو چکا ہے۔ اس خبر کے فوراً بعد شاہ نے قلعے پر حملۂ عام کا حکم دے دیا۔ سپاہیوں نے سیڑھیوں کی مدد سے چڑھنا چاہا، کامیابی نہ ہو سکی۔ اس کوشش میں پانچ چھ سو سپاہیوں کی جانیں چلی گئیں۔ آخر سپاہیوں کے، پیچھے ہٹنے کا حکم صادر ہوا اور کہا گیا کہ وہ مورچہ بند ہو جائیں۔ شاہ نے قلعے سے کچھ فاصلے پر نادر آباد میں خیمہ زن ہونے کا فیصلہ کیا تا کہ دوست محمد خان کے پہنچنے پر کھلے میدان میں معرکہ گرم ہو سکے۔ چنانچہ نادر آباد کے میدان میں سپاہیوں کو صف آرا کیا گیا۔ دوسرے دن دوست محمد خان آٹھ ہزار لشکر کے ساتھ آ پہنچا۔ اس کے بھائی بھی تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ نمودار ہوئے۔ بارکزئیوں کا لشکر تقریباً بارہ ہزار ہو گیا۔ دونوں جانب سے شجاعت کے جوہر دکھلائے گئے۔ توپ و تفنگ کا استعمال ہوا۔ اس طرح چشمِ تاریخ نے یہ منظر بھی دیکھا کہ آلوسِ ابدالی کے دونامور قبیلے

سدوزئی اور بارکزئی جو ایک زمانے میں احمد شاہ ابدالی کی قوتِ بازو تھے، آج آپس میں ٹکرانے لگے اور ایک دوسرے کا خون حلال سمجھنے لگے۔ دوست محمد خان کو اس معرکے میں شکست ہوئی۔ شاہ شجاع الملک نے دور تک اس کے سپاہیوں کا تعاقب کیا اس دوران میں ایک تازہ دم لشکر نے جو کہیں پوشیدہ تھا، شاہ شجاع الملک پر حملہ کر دیا۔ دراصل یہ شاہ شجاع کی جنگی حکمت عملی کی ایک فروگزاشت تھی کہ اس نے اپنے ساتھیوں کو بارکزئیوں کے تعاقب میں روانہ کر دیا تھا۔ نئی صورت حال میں بارکزئیوں کے تازہ وارد لشکر نے شاہ کو فرار پر مجبور کر دیا اور اس کا جنگی ساز و سامان بارک زئیوں کے قبضے میں آگیا۔ بیشتر ہندوستانی سپاہی مارے گئے، جو بے چارے باقی بچے وہ پابرہنہ اپنے وطن ہندوستان لوٹے۔ ان میں سے کچھ بھوک پیاس اور صعوباتِ سفر کے سبب راستے میں مر کھپ گئے۔ جو بچ گئے۔ وہ پریشانی کی حالت میں واپس پہنچے۔ یہ واقعہ ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ء میں پیش آیا۔ شاہ شجاع نے چند وفادار ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کر فراح کے علاقے ضلع لاش کے قریب قلعہ صابو اسحاق زئی میں آکر دم لیا۔ صابو اسحاق زئی نے اس کا استقبال کیا اور اس کی مہمانداری و تواضع کی۔ شاہ یہاں چند ماہ مقیم رہا۔ اس نے شہزادہ کامران سدوزئی کو جس نے ہرات میں بادشاہت کا اعلان کر رکھا تھا، حالات سے آگاہ کیا۔ شہزادہ کامران نے اسے دلاسا دیا اور تسلی کا خط تحریر کیا۔ شہزادہ نے ایک لشکر اپنے بیٹے کی عنان میں اس جانب روانہ کیا۔ شاہ کو کسی نے باخبر کیا کہ ان کے عزائم آپ کو گرفتار کرنے کے ہیں۔ شاہ شجاع الملک نے احتیاطی تدابیر اختیار کیں اور وہاں سے بلوچستان کا رخ کیا۔ وہ قندھار سے دور جنوب کی جانب ریگستان کے علاقے سے گزرتا ہوا بلوچستان میں داخل ہوا۔

علاقہ بروہی، قلات میں پہنچا۔ جب بارکزئیوں کو اطلاع ملی تو انہوں نے پانچ سو گھڑسوار اس کے تعاقب میں دوڑائے اور اسے قلات میں جا لیا۔ مگر شاہ، میر محراب خانی بروہی کی مہربانی سے قلعے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ بارکزئی سپہ سالار نے محراب خان کو پیغام بھیجا کہ شاہ کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ میر نے اس کی بات کی پرواہ نہ کی اور صاف کہہ دیا کہ شاہ ہماری پناہ میں ہے۔ ہم ہرگز حوالے نہ کریں گے۔ اگر جرأت ہے تو حملہ کر کے دیکھ لو۔ بارکزئی کچھ دنوں کے بعد مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ اس کے بعد میر محراب نے شاہ سے صورتِ حال کی وضاحت کرتے ہوئے عرض کی کہ یہاں قیام کا ارادہ ہے تو آپ کی مرضی، اگر جانا چاہیں تو آپ مختار ہیں۔ قندھار سے ایک بڑا لشکر آنے کا اندیشہ ہے۔ شاہ وہاں سے علاقہ ناری میں آ گیا۔ وہاں سمندر خان بامے زئی سے ملاقات ہوئی۔ اس کے ساتھ چار پانچ سو سپاہی تھے۔ اب شاہ شجاع الملک نے سمندر خان سے مل کر مشترکہ جدوجہد کا منصوبہ بنایا مگر اسی اثنا میں سمندر خان وفات پا گیا۔ شاہ نے حالتِ اضطراب میں لدھیانہ جانے کا عزم کیا چنانچہ حیدر آباد سندھ کی طرف وکیل بھیجا کہ راہداری دی جائے۔ میر نصیر اور میر نور محمد خان پسران میر مراد علی حاضر خدمت ہوئے، اطاعت کا اظہار کیا، چنانچہ شاہ ناری سے حیدر آباد پہنچا۔ میران نے استقبال کیا اور شایانِ شان طریقے سے آدابِ مہمانداری بجا لائے۔ نقد و جنس، گھوڑے، خیمہ جات اور دیگر تحائف نذر کیے۔ شاہ نے شوال ۱۲۵۰ھ مطابق مارچ ۱۸۳۵ء میں جہلم کا رخ کیا وہاں کے راجہ نے استقبال کیا۔ اسی طرح راستے میں تمام والیانِ حکومت لدھیانے تک خدمت و اطاعت بجا لاتے رہے اور شاہ خیریت سے منزلِ مقصود تک پہنچ گیا۔

شجاع الملک کے فرزندوں میں چار شہزادے بڑے تھے، ایک محمد تیمور جس کی والدہ فتح خان غلزئی کی دختر تھی۔ دوسرا محمد اکبر خان جس کی ماں، پائندہ خان بارکزئی کی بیٹی تھی اور دوست محمد خان بارکزئی کی حقیقی بہن تھی۔ تیسرا فتح جنگ اور چوتھا لڑکا صفدر جنگ تھا، پہلے تین لڑکے اس سفر میں شاہ شجاع الملک کے ہمراہ تھے، ان کے علاوہ شاہ کے دیگر لڑکے اور لڑکیاں بھی تھیں، ملک وفا بیگم سے بھی جو وفادار سدوزئی کی دختر تھی، ایک لڑکی تھی۔ شاہی خاندان ہونے کے ناطے اپنی لڑکیوں کی شادی دیگر خاندانوں میں نہیں کرتے تھے۔

زمان شاہ سابق بادشاہِ افغانستان اور اس کی اولاد :

شاہ زمان خان سدوزئی، احمد شاہ درران کا پوتا، تیمور شاہ کا بیٹا اور شاہ شجاع الملک کا حقیقی بڑا بھائی تھا، اسے اندھا کر دیا گیا اور قلعہ کابل میں قید کر دیا گیا۔ اسے شاہ شجاع الملک کے عہد حکومت میں رہائی ملی اور اس نے پشاور میں اقامت اختیار کر لی۔ عہد زدال میں راولپنڈی میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس کا خیر مقدم کیا اور اسے اپنی معیت میں لاہور لے آیا۔ ساٹھ ہزار روپے سالانہ مواجب مقرر کیئے اور بھیرہ میں اس کی رہائش کا اہتمام کر دیا۔ اس نے وہاں آٹھ نو ماہ گزارے۔ اس دوران میں وہ ایک بار لاہور آیا تو مہاراجہ نے پذیرائی کی اور پانچ ہزار روپے دے کر بھیرہ روانہ کر دیا اور کارپردازوں کو تاکید کی کہ شاہ زمان کو مقررہ رقم بروقت ادا کی جایا کرے۔ جب شجاع الملک نے عطا محمد خان کی اعانت سے پشاور پر قبضہ کر لیا تو شاہ زمان بھیرہ چھوڑ کر پشاور آیا اور اپنے بھائی سے آملا۔ پشاور میں جہاں دار خان بامے زئی نے ازراہِ سازش شاہ شجاع الملک

قیدی بنالیا اور شاہ زمان کی، جو آنکھوں سے اندھا تھا، حکومت کا اعلان کر دیا اور حکومت کے تمام تر اختیارات خود سنبھال لئے۔ دو تین ماہ بعد فتح خان بارکزئی نے کابل سے چل کر پشاور پر حملہ کر دیا اور جهاندار خان وہاں سے بھاگ کر اٹک کی جانب چلا گیا۔ ازاں بعد شاہ شجاع کو کابل لے جایا گیا۔ وہاں شاہ محمود اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور شاہ زمان کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ وہاں سے کچھ عرصے بعد شاہ زمان بخارا چلا گیا۔ امیر حیدر والیٔ بخارا نے اس کا استقبال کیا۔ شاہ زمان کے دورانِ قیام میں امیر حیدر نے اپنے لئے اس کی دختر کا رشتہ مانگا۔ جس پر شاہ زمان کو غصہ آیا کیونکہ وہ شاہ زمان کے ہم رتبہ نہ تھا انکار کے باوجود امیر حیدر نے شاہ زمان کی دختر سے زبردستی نکاح کر لیا۔ اس کا یہ رد عمل ہوا کہ شاہ زمان آزردہ خاطر ہو کر ایران کی طرف چلا گیا۔ لیکن والیٔ ایران نے شاہانہ برتاؤ نہ کیا چنانچہ شاہ زمان زیارتِ حرمین شریفین کے لئے چلا گیا اور بعد از زیارت مراجعت کا سفر اختیار کیا۔ جب سلطانِ ترکی کو اس کی جانبِ بغداد سفر کی اطلاع ملی تو اس نے بغداد کے حکمران کو حکم بھیجا کہ شاہ زمان کا خاطر خواہ استقبال کیا جائے۔ شاہانہ مکان دیا جائے اور ایک لاکھ ریال وجہِ معاش مقرر کر دی جائے۔ لیکن شاہ زمان بغداد کی بجائے دوسری جانب سے حدودِ ترکی سے نکل گیا اور ہندوستان کا سفر اختیار کیا، براستہ ایران ہندوستان میں داخل ہوا۔ جب شجاع الملک پہلی بار شکارپور میں داخل ہوا تو شاہ زمان سفر حجاز سے آکر ملا، ملاقات کے بعد لدھیانہ کی جانب سفر اختیار کیا۔ اس طرح شاہ زمان لدھیانہ پہنچ گیا۔ کمپنی کے افسر مارلے نے حاضر ہو کر ملاقات کی اور گورنر کی جانب سے اس کا استقبال کیا۔ دو ہزار روپیہ کمپنی کی جانب سے سالانہ وجہ معاش کے طور پر مقرر کیا۔ یہ واقعہ

۱۲۳۶ھ مطابق ۱۸۲۰ء کا ہے۔ چنانچہ اب ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۸۳۴ء میں لدھیانے میں قیام پذیر ہوا، دس لڑکے ہیں۔ سب سے بڑے کا نام شہزاد حیدر ہے جو باپ کی بادشاہت کے دوران قندھار کا حکمران تھا اور اپنے چچا شجاع الملک کی حکومت کے دوران کابل اور قندھار، دونوں جگہ باری باری حکمران رہا۔ اپنے چچا کے ساتھ اکثر شریکِ سفر رہا اور ہمیشہ اس کی اطاعت کا دم بھر تا رہا۔ باپ اور چچا دونوں کو عزیز تھا۔ اس لئے دونوں سے مواجب مقرر تھے۔ اس کا ایک بیٹا تھا، شاہ زمان کے دوسرے بیٹے، شہزادہ قیصر، شہزادہ ناصر اور شہزادہ عثمان کی والدہ ایک غلزئی خاتون تھی۔ شہزادہ قیصر اپنے بھائیوں کے مقابلے میں زیادہ زیرک اور بہادر تھا۔ شاہ محمود کے عہد حکومت میں اس کے بیٹے شہزادہ کامران نے اپنے چچازاد بھائی شہزادہ قیصر کو قتل کر دیا۔ شہزادہ قیصر کے تین فرزند تھے۔ شہزادہ سلطان احمد، شہزادہ سلطان محمد اور شہزادہ محمد علی، تینوں کا قیام اپنے جدِّ بزرگوار کے پاس تھا۔ شاہ زمان کا بیٹا شہزادہ ناصر ہمیشہ اپنے چچا شاہ شجاع الملک کے پاس رہتا تھا اور جنگِ قندھار میں اپنے چچا کے ساتھ تھا۔ چچا کی ناکامی کے بعد بھی شہزادہ ناصر نے حکومت کے حصول کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن یہ کوشش لاحاصل رہی۔ یہ صاحب اولاد تھا۔ شاہ زمان کا ایک اور لڑکا شہزادہ منصور تھا جو شاہ کے عہد میں کابل کا حکمران رہا۔ اس کے تعلقات اپنے چچا شاہ شجاع الملک سے درست نہ تھے۔ ایک بیٹا شہزادہ یعقوب تھا جو لدھیانہ سے ترکِ سکونت کر کے ڈیرہ اسماعیل خان چلا گیا اور نواب شیر محمد خان کے پاس سکونت گزین ہو گیا۔ اس نے جلال خان سدوزئی کی بیٹی سے شادی کی۔ شاہ زمان کے دیگر بیٹے، شہزادہ یونس اور شہزادہ محمد اکبر تھے جو نور محمد خان بابر (امین الملک

تیمور شاہ) کی دختر کے بطن سے تھے۔ شاہ زمان کے تمام بیٹے صاحب اولاد تھے اور لدھیانے میں دادا کے پاس سکونت پذیر تھے۔ شاہ زمان کے پوتے پوتیاں بھی بے شمار تھیں۔

شہزادہ سنجر خان سدوزئی پسر احمد شاہ درردران :

شہزادہ سنجر خان سدوزئی احمد شاہ درردران کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ تبدیلیٔ حالات نے اسے بھی ترکِ وطن پر مجبور کیا اور وہ لدھیانہ چلا آیا۔ یہاں اقامت اختیار کی اور کمپنی سرکار سے مواجب پایا۔ اس کے دو بیٹے شہزادہ حامد اور شہزادہ حسین اپنے والد ہی کے ساتھ لدھیانے میں مقیم تھے۔

درج ذیل شہزادے بھی لدھیانے ہی میں مقیم ہو گئے۔ یہ تمام احمد شاہ درردران کے پوتے تھے اور گردش حالات نے انہیں آمادۂ ہجرت کر دیا تھا۔ انگریز حکومت نے ان سب کی گزر اوقات کے لئے کچھ نہ کچھ وظائف و مواجب مقرر کر دیئے۔

شہزادہ میران سدوزئی۔ شہزادہ جہاندار خان سدوزئی، شہزادہ مظفر خان سدوزئی، شہزادہ محمد حسین خان سدوزئی، شہزادہ داد خان سدوزئی، شہزادہ ابراہیم خان سدوزئی۔

شہزادہ ایوب خان سدوزئی :

شہزادہ ایوب خان کو سردار عظیم خان بارکزئی نے استعمال کیا اور اس کے نام پر علم بغاوت بلند کر کے حصولِ حکومت کی کوشش شروع کر دی۔ میالی اور سردار عظیم خان کی وفات کے بعد اس کے بھائیوں اور لڑکوں نے

شہزادہ ایوب خان سدوزئی سے، جس کی بادشاہت کا اعلان بھی کیا گیا تھا، بے مہری اور بد سلوکی کا رویہ اختیار کیا اور اس کے ایک بیٹے کو قتل بھی کر دیا۔ وہ جان بچا کر لاہور بھاگ آیا۔ رنجیت سنگھ نے اس کا استقبال کیا اور دو ہزار روپے مواجب سالانہ مقرر کر دیا۔ اس کے بیٹوں کا بھی، جو ہمراہ تھے، سالانہ مواجب متعین ہوا۔ اس کے عقب میں شہزادہ اشرف خان سدوزئی بھی بھاگ کر آ گیا۔ اس کا مواجب بھی مہاراجہ کی جانب سے مقرر ہوا۔ اسی طرح شہزادہ سلیمان کے بیٹے بھی بھاگ بھاگ کر لاہور آ گئے۔ ان کے مواجب بھی متعین کئے گئے۔ ان کی دیکھا دیکھی لقمان خان سدوزئی پسر علی مردان خان برادر احمد شاہ دردران مع اپنی اولاد کابل سے ہجرت کر کے لاہور پہنچا۔ مہاراجہ نے ان کے لئے بھی مواجب کا بندوبست کر دیا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ملک امیر سدو کی وہ اولاد جو کسی نہ کسی صورت میں افغانستان کے کسی نہ کسی دور سے وابستہ تھی اور حکومت و سلطنت کے کسی نہ کسی عہدہ و منصب پر فائز تھی، بارکزئیوں کی بغاوت کے بعد حفظِ جاں کی خاطر ہندوستان کی جانب مائل بہ سفر ہوئی اور جس کو جہاں کوئی پناہ میسر آئی، وہاں عزت و آسودگی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگی اور مستقلاً سکونت اختیار کر لی۔ سدوزئی تمن کے وہ افراد جنہوں نے ہرات میں علمِ شورش و بغاوت بلند کیا ہوا تھا، وہ ہندوستان نہ آ سکے چنانچہ انہوں نے ایران میں پناہ لے لی۔

''الحمد اللہ کتاب ''تذکرۃ الملوک'' پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ یہ تذکرہ تقریباً تین س[و] سال کے احوال و آثار پر محیط ہے۔ اس میں ملک امیر سدو امیر افغان سردا[ر] آلوسِ ابدالی اور ان کی تمام اولاد کی زندگی کے وقائع و آثار جمع کر دیئے گئے ہیں

اس تذکرے کی تحریر و ترتیب میں نہایت دقتِ نظری سے کام لیا گیا ہے اور اس سلسلے میں اہم کتبِ تاریخ و سیَر اور متعلقات کا عمیق مطالعہ نیز سند و تحقیق کے تمام امکانی وسائل سے استفادہ کیا گیا ہے اور یہ سعی غالب رہی ہے کہ واقعات کا ہر جزو مستند ہو۔ اس تذکرے کو قلم بند کرنے میں، زندگی کا ایک طویل حصہ صرف ہوا ہے اور شب و روز کی محنتِ شاقہ کے بعد بہ توفیقِ الٰہی یہ تذکرہ آج بتاریخ ۷ / محرم الحرام ۱۲۵۱ھ مطابق ۵ / مئی ۱۸۳۵ء بمقامِ ملتان اپنے اختتام کو پہنچا۔"

علی محمد خان خدکہ سدوزئی

خواجہ خضر ذیل

ملتان

علی محمد خان خدکہ سدوزئی

مصنف تذکرۃ الملوک کی اولاد کا ذکر

علی محمد خان کی مستقل سکونت ملتان میں تھی۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ بہرام خان، محمد ضرغام خان، مبارز الدین خان اور اژدر خان۔ محمد بہرام خان کی تعلیم و تربیت باپ کی نگرانی میں ہوئی۔ صاحبِ علم و فضل تھا۔ ریاضی، فلسفہ، منطق، حدیث، تفسیر اور خطاطی میں بے مثل و یکتا تھا اور شغلِ نوشت و خواند جاری رکھتا تھا۔ اس کی پہلی شادی پیر محمد خان سدوزئی بہادر خیل کی دختر سے ہوئی جس کے بطن سے ایک لڑکا عبدالرشید خان اور ایک لڑکی دارا لی لی پیدا ہوئی۔ عبدالرشید خان لاولد تھا۔ محمد بہرام خان کی دوسری شادی مظفر گڑھ کے ایک معزز زمیندار ماجھی خان کی بہن سے ہوئی۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا غلام محمد خان اور دو لڑکیاں زبیدہ لی لی اور دلدار لی لی پیدا ہوئیں۔ دلدار کا عقد خان کے بھتیجے نور محمد خان سے ہوا۔ محمد بہرام خان کی تیسری شادی مظفر گڑھ کے ایک دیہاتی پٹھان خاندان میں ہوئی جس سے ایک لڑکا محمد خان پیدا ہوا۔ محمد خان کی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ بہرام خان کی چوتھی شادی، جب وہ ملتان سے مکہ معظمہ گیا وہاں ایک عرب خاندان کی خاتون ترنجہ لی لی سے ہوئی۔ اس سے کوئی اولاد نہ ہوئی، چوں کہ آبائی زرعی رقبے سے آمدنی قلیل تھی اس لئے ملازمت سے وابستہ ہوا۔ انگریز کے دور میں کچھ عرصے ضلع ملتان کی تحصیل میلسی اور تحصیل شجاع آباد میں تحصیل دار کے فرائض انجام دیئے۔ بعد میں ترقی ہو گئی اور مہتمم بندوبست مقرر ہوا۔ دین داری، تقویٰ اور حسنِ اخلاق کے سبب ہر دلعزیز تھا۔

اسی طرح اس کے چھوٹے بھائی ضرغام خان نے بھی، جو بڑا قد آور اور کڑیل جوان نکلا انگریز کی ملازمت کی اور شجاع آباد کا کوتوال مقرر ہوا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے دنوں میں محمد بہرام خان مالیہ کے افسر کی حیثیت سے تحصیل شجاع آباد کا انچارج تھا اور ضرغام خان شجاع آباد میں پولیس کا انچارج تھا۔ گویا ایک ہی خانوادے کے دو افراد اپنے آبائی علاقے میں انتظام وانصرام کے ذمہ دار اور سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ لوگ ان کے حسنِ انتظام اور بلندی کردار کے سبب ان سے خوش تھے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے موقع پر جب انہوں نے انگریز کو آزادی کا پرچم بلند کرنے والے حریت پسندوں کا قتلِ عام کرتے دیکھا تو انہیں بہت دکھ ہوا اور ردِ عمل کے طور پر دونوں بھائی انگریز کی ملازمت سے علیحدہ ہو گئے۔ والد کی وفات کے بعد بھائیوں نے لوہاری دروازے والے مکان سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر بطرف مغرب ایک قطعہ اراضی خرید کیا، اس کی چار دیواری کھنچوائی اور اپنے لئے رہائشی مکانات تعمیر کرائے۔ باہر پھاٹک پر خدکہ ہاؤس کا ایک بڑا کتبہ نصب کرایا۔ یہ پھاٹک اور کتبہ موجود ہے۔

ضرغام خان نے ۱۲۷۵ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں پھاٹک کی چار دیواری کے اندر ایک نہایتْ عالی شان مسجد مبلغ سات ہزار روپے کی لاگت سے تعمیر کرائی۔ یہ مسجد ملتان میں کاشی گری کا نہایت عمدہ نمونہ ہے۔ اس کے بعد ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں چاروں بھائی بغرض حج بیت اللہ شریف چلے گئے، جاتے ہوئے یہاں سے بے شمار اموال اور اجناس لے گئے۔ محمد بہرام خان نے روانگی کے وقت یہاں تک کہہ دیا کہ میں واپس نہ آؤں گا اور مکہ معظّمہ میں سکونت اختیار کروں گا۔ چنانچہ صدرپور کی جائیداد کے علاوہ چاہ خدکہ والی

جائیداد کا سارا رقبہ فروخت کر دیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آج کل ڈپٹی کمشنر، ایس ایس پی اور محکمہ ریلوے کے افسروں کی کوٹھیاں ہیں۔ محمد بہرام خان نے وہیں رحلت کی۔ اس کی وفات کے بعد تینوں بھائی واپس ملتان آگئے۔ حجاز میں قیام کے دوران میں محمد بہرام خان نے اپنی ایک لڑکی زبیدہ بی بی کا عقد وہاں کے ایک افغان محمد ہاشم خان نقشبندی سے کر دیا جس کے بطن سے ایک لڑکا محمد قاسم خان پیدا ہوا۔ محمد قاسم خان کی ایک لڑکی ایک مراکشی شخص سے بیاہی گئی جس کے بطن سے دو لڑکے محمد صادق اور محمد احمد پیدا ہوئے۔ محمد بہرام خان نے جب وفات پائی تو مدینہ منورہ کے جنت البقیع میں مدفون ہوا۔ باقی بھائی واپسی کے بعد ملتان ہی میں مستقلاً سکونت پذیر ہوئے۔

محمد ضرغام خان :

محمد ضرغام خان وجیہ و شکیل، بلند بالا، ساڑھے چھ فٹ قد، خوب سیرت، نڈر، بے باک اور بہادر شخص تھا۔ حربی فنون میں مہارت رکھتا تھا۔ کمال کا قیافہ شناس، صورت دیکھ کر ان صفات و فنون کے سبب بہت شہرت پائی۔ لوہاری دروازے سے نزد مقبرہ مائی مہربان اس کا اپنا احاطہ تھا جس کے باہر 'خدکہ ہاؤس' کا کتبہ لگوایا۔ مسجد بھی تعمیر کرائی۔ مزید احاطے میں باغات لگوائے جن میں ہمہ قسم پھل پیدا ہوتے تھے۔ پانی کی فراوانی کے لئے کنواں کھدوایا۔ ان تمام تر انتظامات کی موجودگی میں زندگی سکھ چین سے گزاری، ۲۰؍ ستمبر ۱۸۸۹ء کو رحلت پائی۔

محمد ضرغام خان کی پہلی شادی محمد سرفراز خان سدوزئی بہادر خیل کی دختر سے ہوئی اس کے بطن سے دو لڑکے عبداللہ خان اور سیف اللہ خان اور ایک

کی فاطمہ بی بی پیدا ہوئے۔ فاطمہ کا عقد اپنے بھتیجے نور احمد خان پسر مبارز الدین خان
سے کی، سر فراز خان کی دوسری لڑکی سے مبارز الدین خان کی شادی ہوئی اور اس
رح سر فراز خان کی تیسری لڑکی نجیب خان بہادر خیل کی والدہ تھی۔ محمد ضرغام
ان کی دوسری شادی ایک ہندوستانی نژاد عورت، عزت بی بی سے ہوئی۔ اس سے
ئی اولاد نہ ہوئی۔ اس کی تیسری بیوی موضع صدر پور کی ڈھکنہ قوم کی ایک عورت
نت بی بی سے ہوئی۔ اس کے بطن سے حافظ حبیب اللہ خان اور کلیم اللہ خان اور ایک
کی زاہدہ بی بی پیدا ہوئے۔ خان نے اپنی دختر کی شادی اپنے بھتیجے عبد القدوس خان
لد اژدر علی خان سے کر دی۔ محمد ضرغام خان کی چوتھی شادی پیر محمد خان سدوزئی
ہادر خیل کی دختر نور بی بی سے ہوئی۔ اس کے بطن سے دو لڑکے حفیظ اللہ خان اور ولی
للہ خان پیدا ہوئے۔

بارز الدین خان:

علی محمد خان کا تیسرا بیٹا مبارز الدین خان نہایت پارسا اور نیک سیرت شخص
تھا۔ سرخ و سفید رنگ، خوب صورت، میانہ قد تھا۔ بے حد پاک صاف ولی اللہ تھا۔
لی فارسی پر عبور رکھتا تھا۔ ملازمت کا دل میں قطعی شوق نہ تھا۔ اس کی شادی
ر فراز خان سدوزئی بہادر خیل کی دختر سے ہوئی جس سے دو لڑکے، نور محمد خان اور
راحمد خان اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ پہلی غلام زینب بی بی جو کہ عبد الرشید خان
لد بہرام خان کی پہلی بیوی تھی۔ اس کے بطن سے نصر اللہ خان پیدا ہوا جو لاولد فوت
وا۔ دوسری لڑکی رابعہ بی بی تھی۔ اس کی شادی نجیب خان ولد حبیب خان سے ہوئی۔
سری لڑکی سداں بی بی تھی جس کی شادی عبد الرؤف خان ولد اژدر علی خان سے
ئی اور چوتھی لڑکی رقیہ بی بی تھی، جس کی شادی محمد خان ولد محمد بہرام خان سے
ئی۔

اژدر علی خان:

علی محمد خان کا چوتھا بیٹا اژدر علی خان تھا۔ خوبصورت، سرخ و سفید رنگ صحت درست نہ رہتی تھی اس لئے دبلا پتلا تھا۔ ایمان دار اور نیک سیرت شخص تھا۔ صاحبِ علم و فضل، عربی فارسی پر عبور۔ اس کی پہلی شادی عبدالغفار خان ادوزئی سکنہ کوٹلہ سادات کی بہن سے ہوئی۔ اس کے بطن سے عبدالغفور خان اور عبدالرؤف خان پیدا ہوئے۔ دوسری شادی عظیم یار خان ملیزئی کی چچازاد بہن سے ہوئی، اس سے اولاد نہ تھی؟ دو لڑکیاں امیر زادی بی بی اور خان زادی بی بی تھیں۔ خان زادی بی بی سیف اللہ خان ولد ضرغام خان کے عقد میں آئی۔ امیر زادی بی بی اپنے چچازاد غلام محمد خان ولد بہرام خان کے نکاح میں آئی۔ اژدر علی خان کی تیسری شادی سدوزئی بہادر خیل کی ایک خاتون سے کی۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا عبدالصبور خان اور دو لڑکیاں شریف زادی بی بی اور صاحب زادی بی بی پیدا ہوئیں۔ شریف زادی بی بی کی شادی ذوالفقار شاہ صاحب ریاست بہاول پور سے ہوئی جس کے بطن سے چار بیٹے محمد نواز شاہ گیلانی، جسٹس غلام مرتضیٰ شاہ گیلانی، بریگیڈیر غلام قاسم شاہ گیلانی اور غلام مصطفیٰ شاہ گیلانی تھے۔ اژدر علی خان کی بیٹی صاحب زادی بی بی کی شادی نصر اللہ خان ولد عبدالرشید خان سے ہوئی، مگر وہ لاولد فوت ہوا۔ اژدر علی خان کی چوتھی شادی گاموں بی بی ہمشیرہ چچازاد میاں جی اللہ بخش افغان بالی سے ہوئی۔ اس کے بطن سے دو بیٹے عبدالقدوس خان اور عبدالشکور خان اور ایک بیٹی شہزادی بی بی تولد ہوئے۔ شہزادی بی بی کی شادی ولی اللہ خان ولد ضرغام خان کے ساتھ ہوئی۔ اس طرح اژدر علی خان کے پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں۔

شجرۂ نسب علی محمد خان خدکہ سدوزئی مصنف "تذکرۃ الملوک عالیشان"
محمد بہرام خان
محمد ضرغام خان
مبارزالدین خان
اژدر علی خان
عبدالرشید خان
غلام محمد خان
محمد خان
نصراللہ خان
(والد کی زندگی میں عہدِ جوانی میں وفات پاگیا۔)
لاولد
احمد نواز خان
مظہر نواز خان
محمد نواز خان
کریم نواز خان
ڈاکٹر خالد خان
شاہد خان
حافظ ساجد خان
محمد باقر خان
محمد بہرام خان
پروفیسر شریف اشرف خان
پروفیسر سعید اشرف خان
محمد خان
حنیف خان
یونس خان
غلام مرتضیٰ خان
عبدالرحمن خان
محمد اقبال خان
اللہ نواز خان
محمد جمال خان
محمد خان
مبشر خان
انس خان
آصف خان
جواد خان
فواد خان
ضہیب خان
علی خان

شجرۂ نسب علی محمد خان خدکہ سدوزئی مصنف ''تذکرۃ الملوک عالیشان''

- محمد ضرغام خان
  - عبداللہ خان
    - عبدالرحیم خان
      - محمد سلیم خان
        - بریگیڈیئر نسیم خان
          - خ... خان
          - راشد خان
        - محمد شمیم خان
          - عدنان خان
          - نعمان خان
        - محمد حلیم خان
        - محمد عمران خان
      - محمد عظیم خان
        - محمد عظمت خان
        - کرنل محمد طاہر خان
        - ڈاکٹر محمد اظہر خان
          - زین خان
    - عبدالکریم خان
      - شیر محمد خان
        - محمد عثمان خان
          - تیمور خان
          - منصور خان
        - محمد زمان خان
          - اویس خان
        - ڈاکٹر سلیمان خان
      - فیض محمد خان
        - شاکر خان
          - منصور علی خان
          - فواد خان
          - حسان خان
      - انجنیئر سعید احمد خان (ریٹائرڈ چیف انجنیئر PIA)
        - محمد علی خان
      - پروفیسر ڈاکٹر عاشق محمد خان درانی (وائس چانسلر، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان)
        - میجر محمد عامر خان
          - سلطان حیات خان
        - کیپٹن محمد عارف خان
  - حافظ حبیب اللہ خان
    - محمد خان
    - محمد اشرف خان
    - محمد انور خان
  - حفیظ اللہ خان
  - ولی اللہ خان
  - کلیم اللہ خان
    - لاولد
- مبارز الدین خان
- اژدر علی خان

شجرۂ نسب علی محمد خان خدکہ سدوزئی مصنف "تذکرۃ الملوک عالیشان"

- محمد ضرغام خان
  - حفیظ اللہ خان
  - ولی اللہ خان
    - محمد خان
      - کرنل محمود خان جارج کراس
        - شہزاد خان
        - ایاز خان
        - فیاض خان
        - ریاض خان
        - عدنان خان
      - عمر کمال خان، ایڈووکیٹ
        - عبدالرحیم باسط خان
        - ثالث خان
      - ڈاکٹر محمد یوسف خان
        - عرفان خان
        - ذیشان خان
    - احمد خان
      - غلام مجتبٰے خان
      - فوزی مصطفٰے خان
    - حامد خان
      - محمد خان
      - ضرغام خان
      - ہارون خان
      - الیاس خان
    - محمد ابراہیم خان
    - محمد اسماعیل خان
    - محمد اسحاق خان
    - افضل خان
      - محمد شفقت خان
      - محمد ارشد خان
    - اکبر خان
      - لاولد
  - کلیم اللہ خان - لاولد
- مبارز الدین خان
- اژدر علی خان

شجرۂ نسب علی محمد خان خدکہ سدوزئی مصنف ''تذکرۃ الملوک عالیشان''

- مبارز الدین خان
  - نور محمد خان
    - ایوب خان
      - لاولد
    - صالح محمد خان
      - نیاز محمد خان
        - میجر جہانزیب خان
        - جوان بخت خان
        - خوش بخت خان
        - میجر شاہ رخ خان
        - عدنان خان
      - مشتاق خان
      - حیات خان
  - نور احمد خان
    - عبدالمجید خان
      - محمد خان
        - محمد صادق خان
        - ناصر خان
        - نسیم خان
        - غلام مصطفیٰ خان
        - محبوب خان
      - محمود خان
        - نیاز محمد خان
          - اللہ نواز خان
    - عبدالعزیز خان
      - فیض اللہ خان
        - محمد خان
          - احمد خان
          - حماد خان
          - حبیب خان
      - عطاء اللہ خان - لاولد
- اژدر علی خان

شجرۂ نسب علی محمد خان خدکہ سدوزئی مصنف ''تذکرۃ الملوک عالیشان''

اژدر علی خان

عبدالرؤف خان ۔ عبدالغفور خان ۔ عبدالقدوس خان ۔ عبدالشکور خان ۔ عبدالصبور خان

حافظ محمد اسلم خان۔لاولد

غلام قاسم خان

عزیزالرحمٰن خان ۔ عطاءالرحمٰن خان ۔ عبیدالرحمٰن خان

محمد خان ۔ لاولد ۔ اژدر علی خان

ند اللہ خان

محمد خان

عبدالقادر خان ۔ عبدالرزاق خان ۔ عبدالخالق خان

محمد خان ۔ سلطان خان

ندیم خان ۔ جمشید خان

اعظم خان۔لاولد ۔ ہاشم خان۔لاولد ۔ کاظم خان۔لاولد

ڈاکٹر احمد جان خان
چیئرمین سول انجنیئرنگ، رائس یونیورسٹی
ہوسٹن ٹیکساس امریکہ

محمود خان ۔ انجنیر صابر خان ۔ نادر خان ۔ ندیم خان

حسن خان ۔ جارڈن عمران خان

علی خان ۔ عمر فاروق خان

شاہان خان ۔ سلمان خان

نعمت اللہ خان ۔ امان اللہ خان ۔ عنایت اللہ خان

حبیب اللہ خان ۔ ثناء اللہ خان ۔ سعد اللہ خان ۔ سمیع اللہ خان ۔ رضاء اللہ خان

عکس فرمان نواب محمد مظفر خان سدوزئی (۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء) حق شہزادہ دین محمد خان خدکہ سدوزئی زرعی رقبہ بارہ ہزار صد ایکڑ مشتمل چوبیس مواضعات۔

یہ رقبہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دورِ حکومت میں ضبط کر لیا گیا تھا جس کے حصول کے لئے "تذکرۃ الملوک" کے مصنف شہزادہ محمد خان خدکہ سدوزئی نے متعدد بار لاہور دربار کا دورہ بھی کیا مگر ہر بار تسلی کے باوجود رنجیت سنگھ کے حاکم ملتان نے قبضہ نہ دیا

مولف اپنے بڑے بھائی فیض محمد خان وچچازاد محمد سلیم خان (مرحوم)، حکیم محمد سعید (مرحوم) کے ہمراہ

مولف اپنے خاندان خدکہ سدوزئی کی مسجد میں اپنے خاندان کے ہمراہ

پروفیسر ڈاکٹر عاشق محمد خان دُرانی

پروفیسر ڈاکٹر عاشق محمد خان دُرانی

بائیں سے دائیں: عمر کمال خان ایڈوکیٹ، محمد سلیم خان (مرحوم)، عاشق محمد خان (مؤلف)، محمد شمیم خان